تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

یعنی

شیخ القراء حضرت مولانا ابوالحسن اعظمی کی

سوانح حیات

آپ کی ولادت، تعلیم وتدریس، آپ کے اساتذہ، آپ کے تصنیفی وتالیفی کارنامے اور تلامذہ، نثر ونظم اصحاب قلم کے مشاہدات وتاثرات اور چونکا دینے والے انٹرویو پر مشتمل

ایک خوبصورت، معلومات افزا اور بصیرت افروز کتاب

مرتب

محمد اکرام ہریدواری

مہتمم مدرسہ دارالعلوم صدیقیہ، تلھیڑہ، انت پور، ہریدوار

ناشر

مدرسہ دارالعلوم صدیقیہ، تلھیڑہ، انت پور، ہریدوار

"تو نے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے"

یعنی

سوانح حیات

شیخ القراء حضرت مولانا قاری ابوالحسن الاعظمی

جس میں

آپ کی ولادت، تعلیم وتدریس، آپ کے اساتذہ، آپ کے تصنیفی وتالیفی کارنامے، آپ کے تلامذہ، نیز اونچے اصحابِ قلم کے مشاہدات وتاثرات اور چونکا دینے والے انٹرویو پر مشتمل ایک خوبصورت معلومات افزا اور بصیرت افروز کتاب

مرتب

محمد اکرام ہریدواری

مہتمم مدرسہ دار العلوم صدیقیہ، نلہیڑہ، انت پور، ہریدوار

ناشر

مدرسہ دار العلوم صدیقیہ / نلہیڑہ، انت پور، ہری دوار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماءدیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل

تیرے فکر و فن سے ذرّے ہو گئے ہیں آفتاب
(راہی)

تونے سارے تراشے ہیں چراغِ شام سے
(احسان دانش)

تفصیلات

نام کتاب	:	تونے سارے تراشے ہیں چراغ شام سے
نام مرتب	:	قاری محمد اکرام صاحب ہریدواری
صفحات	:	۶۸۰
سن طباعت	:	۱۴۲۵ھ
ناشر	:	مدرسہ دارالعلوم صدیقیہ نلھیڑہ ہریدوار
کمپیوٹر کتابت	:	(محمد لقاء الرحمن) الفضل کمپیوٹرس، نزد محمود مسجد دیوبند

ملنے کے پتے

مکتبہ صوت القرآن دیوبند ● زمزم بکڈپو دیوبند ● عظیم بکڈپو دیوبند

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
● پیغام تہنیت	۹
مولانا انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیری مدظلہ	
● دعائیہ کلمات	۱۱
مولانا عبدالحق صاحب اعظمی	
● پیغام مسرت	۱۳
مولانا ریاست علی صاحب بجنوری	
● افتتاحیہ	۱۴
● منظوم سوانح	۲۵
مولانا ولی بستوی	
● ضلع اعظم گڑھ اور اس کی دینی و علمی حیثیت	۳۰
● موضع جگدیش پور اور سلسلہ علم و فضل	۳۴
● صاحب سوانح	۳۹
● ابتدائی عربی کے اساتذۂ کرام	۴۶
● آپ کی تعلیم تجوید و قراءت	۵۷
● شیخ القراء حضرت الشیخ المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ م: ۱۳۹۰ھ	۶۰
● شادی: والدۂ محترمہ کا انتقال اور تعلیم کا انقطاع اور تدریس	۶۸
● آغاز تدریس اوّل	۷۱
● شیخ القراء حضرت المقری ظہیر الدین صاحبؒ معروفی (م: ۱۴۰۳ھ)	۷۳
● مولانا محمد عثمان صاحب معروفی (م ۱۴۲۲ھ)	۷۷
● آغاز تدریس	۸۰
● جمعیۃ علماء	۸۱
● منبع العلوم گلاؤٹھی	۸۲
● مضمون نگاری	۸۳
● تاریخ گوئی	۸۴
● اخلاق و عادات	۸۵
● جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ	۸۹
● مدرسہ قرآنیہ جامع الشرق جونپور	۹۳
● مولانا محمد مسلم صاحب بمہوریؒ، ایک دل آویز شخصیت	۹۴
● گریڈیہہ جھارکھنڈ میں آمد	۹۶
● گریڈیہہ کی دینی و علمی حالت	۹۷
● مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور	۹۹

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
● تعلیم کا دوسرا دور۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت	۱۰۴	● حضرت الاستاذ مولانا محمد حسین بہاریؒ (م:۱۴۱۲ھ)	۱۳۵
● دشواریاں اور آسانیاں	۱۰۵	● نابغۂ عصر الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (م:۱۹۹۵ء)	۱۳۸
● حوصلہ شکن مرحلہ	۱۰۷	● حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (م:۱۴۱۷ھ)	۱۴۷
● ایک بڑا تعاون	۱۰۸	● حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین (ولادت:۱۳۲۸ھ وفات:۱۴۲۰ھ)	۱۵۸
● دارالعلوم دیوبند سے فراغت	۱۰۹	● جناب مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری (۲۱ر ربیع الاول ۱۳۳۷ھ)	۱۶۱
● دارالعلوم میں آپ کے اساتذۂ کرام	۱۱۰	● الشیخ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب مدظلہ (۱۲/۷/۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء)	۱۶۴
● حضرت مولانا شریف حسن صاحبؒ ﴿م:۱۳۹۷ھ﴾	۱۱۱	● حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم صاحب (۲۲ر جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ر جنوری ۱۹۲۶ء)	۱۷۰
● حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ ﴿م:۱۳۹۹ھ﴾	۱۱۳	● حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیری مدظلہ	۱۷۴
● حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ (م:۱۴۰۰ھ)	۱۱۵	● حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندی مدظلہ (ولادت:۱۳۵۳ھ)	۱۸۰
● فخر القراء حضرت الشیخ المقری محب الدین احمد الہ آبادیؒ (م:۱۴۰۱ھ)	۱۱۷	● استاذی حضرت مولانا قمر الدین صاحب (ولادت ۱۳۷۵ھ ۱۹۳۸ء)	۱۸۶
● شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ (ولادت:۱۳۱۵ھ وفات:۱۴۰۲ھ)	۱۲۲	● حضرت شیخ القراء مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ	۱۸۸
● حضرت الاستاذ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ (م:۱۴۰۳ھ)	۱۲۶		
● حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ (م:۱۴۱۲ھ)	۱۳۱		

عنوان	صفحہ
● حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری (ولادت تقریباً ۱۹۴۲ء)	۱۹۴
● حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدراسی مدظلہ	۲۱۵
● مولانا مدراسی اور جدید دارالعلوم کی تعمیری خدمات	۲۲۵
● میرے حضرت میرے شیخ (ولادت:۱۳۳۹ھ)	۲۳۳
● نقل مکتوب علامہ ظفر احمد عثمانیؒ	۲۳۴
● مدرسہ اشرف المدارس کا قیام اور خدمات	۲۳۶
● تبلیغ کی اہمیت	۲۳۸
● مجلس دعوۃ الحق کا قیام	۲۳۹
● احیاء سنت	۲۶۸
● تدریس کا دور ثانی (ڈائری سے ماخوذ)	۲۷۸
● مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد	۲۸۰
● دارالعلوم دیوبند میں	۲۸۲
● تلخ حالات	۲۸۴
● شعبۂ قراءت کا المیہ	۲۸۵
● احوالِ شعبۂ تجوید وقراءۃ دارالعلوم	۲۸۶
● موجِ حوادث	۲۹۲
● ناظم تعلیمات کے نام ایک تحریر: ۱۴۰۶ھ سے ۱۴۱۶ھ تک کے احوال	۲۹۳
● ۱۴۰۲ھ سے تا حال ۱۴۲۵ھ تک: دارالعلوم میں تلامذہ کی تعداد	۳۲۸
● صاحب تذکرہ اپنی تصانیف کے آئینے میں	۳۳۸
● حسن المحاضرات، ایک شاہکار تصنیف	۴۱۸
● تقریظات	۴۲۷
● اخبار ورسائل کے تحسینی کلمات	۴۳۲
● حسن المحاضرات، ایک ژرف نگار مبصر کے قلم سے	۴۳۵
از: مولانا عبدالرشید صاحب بستوی	
● دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف...	۴۴۰
از: مولانا عبدالرشید صاحب بستوی	
● دارالعلوم دیوبند کی ایک انوکھی شخصیت	۴۴۴
از: مولانا مفتی اعجاز ارشد قاسمی	
● فن تجوید وقراءت کے گوہر نایاب	۴۵۱
از: بختیار ثاقب قاسمی	
● مقرئ اعظم قاری ابوالحسن اعظمی	۴۵۹
از: ڈاکٹر تابش مہدی	

عنوان	صفحہ
● ایک مثالی شخصیت از: قاری شمشاد بجنوری	۴۷۲
● مجددِ علم قراءۃ از: جناب مولانا قاری مفتی سید احمد سعد	۴۷۸
● لیکن تو چیزے دیگری از: مولانا قاری ارشاد احمد صاحب غازی آبادی	۴۸۵
● گل حسنِ تو بسیار از: دلشاد احمد و بلال احمد	۴۸۹
● ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم از: جناب مولانا قاری محمد راغب صاحب	۴۹۶
● بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو... از: جمشید علی امیری	۵۰۱
● ایک سحر انگیز شخصیت از: ناشر جاوید نسیم صدیقی صاحب	۵۰۶
● قرآن کریم کے صوتی معجزہ کے ترجمان قاری ابوالحسن صاحب اعظمی از: حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی لال کنواں دہلی	۵۱۰
● جذبِ دروں از: حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدراسی	۵۱۳
● عندلیبِ خوش الحان ایک تاریخ ساز معلمِ قراءت از: حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی	۵۱۷
● مینارۂ عظمت از: مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی	۵۱۹
● علم تجوید و قراءت کے عظیم مصنف از: مولانا قاری محمد اصغر صاحب	۵۲۱
● ایں سعادت بزورِ بازو نیست از: مولانا رضوان نسیم صاحب	۵۲۳
● علم قراءت کا کوہِ نور از: مولانا حکیم عبدالحمید صاحب	۵۲۴
● ”آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا“ از: جناب عبداللہ راہی صاحب	۵۲۷
● یہ شانِ احترامِ آدمیت کم نظر آئی از: مولانا محمد یامین صاحب قاسمی	۵۳۱
● ایک مقناطیسی شخصیت از: مولانا عرفان صاحب قاسمی بہرائچی	۵۳۴
● اپنے فن میں امتیازی شان کے حامل از: مولانا مفتی محمد راشد اعظمی	۵۳۷
● عصر حاضر کے مسند القراءت از: مولانا خورشید انور صاحب گیاوی	۵۳۸
● ہر ورق روشن قندیل ہے از: مولانا محمد ارشد فاروقی سرائے میر	۵۴۱

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
● جہاں فرشتے سلامی دیتے ہیں	۵۴۳	● ایک پابند اوقات، حق گو اور ماہرِ فن مصنف	۵۷۰
از۔مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی		از: قاری مفید الاسلام صاحب کلکتوی	
● کتنی راتوں کو دن بنایا ہے	۵۴۵	● ماہر علم و فن، کمالات اور خوبیوں کا پیکر حسین	۵۷۴
از: مولانا خضر صاحب کشمیری		از: قاری راغب حسن صاحب مدرسہ اصغریہ دیوبند	
● ایک باغ و بہار اور علمی بصیرت کی حامل شخصیت	۵۴۶	● "ہم نے ہر غم کو اڑھادی ہے تبسم کی ردا"	۵۸۱
از: مولانا محمد رحیم صاحب بارہ بنکوی		از: محمد لقاء الرحمٰن، الفضل کمپیوٹرس دیوبند	
● ایک اولوالعزم صاحب فن شخصیت	۵۴۷	● میرے حضرت میرے استاذ قاری ابوالحسن اعظمی	۵۸۴
از: مولانا مفتی ظفر الدین احمد قاسمی		از: زمتاز اجدی دیوبند	
● ایک حق گو اور بے باک معلم قراءت	۵۴۹	● منظوم خراج عقیدت	۵۸۶
از: مولانا قاری ولی احمد آلی ٹونکی			
● ایسا کہاں سے لاؤں	۵۵۱	● خراج عقیدت	۵۸۷
از: قاری محمد سر تاج قاسمی		● حسن تاثر	۵۸۸
● علم و فن کا ماہر، ایک خوددار انسان	۵۵۲	از مولانا ولی اللہ ولی قاسمی بستوی	
از۔ابن ابن الانور شاہ کشمیریؒ			
● مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی ایک شخص، ایک اکیڈمی	۵۵۳	● قاری ابوالحسن اعظمی	۵۹۰
از: پروفیسر محمد سلیمان		از: علامہ منصور بجنوری قاضی پاڑہ بجنور	
● دامنِ گل چیں	۵۵۵	● امام فن، الخبر تجوید حضرت مولانا قاری ابوالحسن اعظمی	۵۹۱
از: (قاری) محمد اکرام صاحب		از: ناہید قمر دیوبند	
● ایک باکمال اور عبقری شخصیت	۵۶۷	● جذبِ دروں	۵۹۲
از: قاری محمد یوسف صاحب		از: مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط	

عنوان	صفحہ
● پرتوِ علامہ جزری ترجمانِ شاطبی	۵۹۳
از: ظفر جنگ پوری	
● "نذرانۂ خلوص"	۵۹۴
از: ظفر جنگ پوری	
● فخرِ علم وفن	۵۹۵
از: عبداللہ راہی دیوبندی	
● گوہر نایاب	۵۹۷
از: وحید الرحمن تاج سلطان پوری بمبئی	
● شیخ القراء فاخر دارالعلوم دیوبند عالی جناب محترم ابوالحسن صاحب اعظمی کی خدمت میں	۵۹۸
از: ابومشہود علامہ منصور بجنوری، ابن جناب عبدالرشید	
● نظم در مدح کتاب "حسن المحاضرات فی رجال القراءات"	۶۰۱
از: طارق نعمانی	
● یکتائے علم	۶۰۲
از: محمد ذکی صدیقی	
● شہنشاہِ قلم	۶۰۳
از: قاری افضال احمد بجنوری	
● تصنیفات کا تعارف	۶۰۵
ولی بستوی	
● روبرو گفتگو - ایک انٹرویو	۶۱۱
● قراءت کے فن پر اجلاس میں ممتاز علماء کی شرکت	۶۵۵
● پیغام اور گذارشات	۶۷۰
● دارالعلوم صدیقیہ	۶۷۴

❀❀❀

پیغام تہنیت

آفریں صد آفریں

فخر المحدثین حضرت استاذ الاساتذہ

مولانا انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیری مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین وقف دارالعلوم دیوبند

قلندر صفت صحافی مولانا محمد عثمان فارقلیط المخلور کے تعلق سے ان کے ایک معاصر درویش مزاج قلم کار وصحافی مولانا عبدالماجد دریابادی المرحوم نے ایک جملہ فرمایا تھا کس قدر برمحل، کتنا سچ ''یہ اگر دوسروں میں ہوتے تو ان کی پرستش ہوتی یہاں پرسش ہی ہوجائے تو بڑی بات ہے''۔

گذشتہ ربع صدی کے عرصہ میں جانے کتنی معروف وقد آور شخصیات ہمیں الوداع کہہ کر عالم جاودانی کو سدھار گئیں مگر چند وقتی آنسوؤں کے سوا ہم انہیں کوئی نذرانۂ وفا پیش نہ کرسکے۔ یہ ہماری بدقسمتی اور ہماری دلی بے حسی کا المیہ ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ماضی قریب کی ممتاز اور گہر بار ہشت پہلو شخصیت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ طیب اللہ ثراہ پر کوئی خاطر خواہ کام نہ کرسکے آئندہ تعلیمی سال کی ابتداء میں ان کی شخصیت اور حیات وخدمات پر عالمی سیمینار کا عزم کیا ہے خدائے قادر وقدیر اس مرحلے کو بہ حسن وخوبی تمام فرمائے۔

کچھ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں، ان کے احباب ومتعلقین تلامذہ ومسترشدین

ان کے قدرداں۔ یہ اپنے شیخ واستاذ کی زندگی کا ہر پہلو اجاگر کرنے کو سرمایہ سعادت اور عنوان فخر گردانتے ہیں، کاتب سطور الحقیر کی نظر میں جناب مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ انہی خوش بخت اساتذہ میں شامل ہیں، ان کی وفات کے بعد ان کے تلامذہ نے اپنے استاذ کو جتنا بھرپور، پر مغز، موثر اور دل کش نذرانۂ خلوص وعقیدت پیش کیا وہ خود المغلور کے گروہ کے بعض طالع آزماؤں کے لیے ضرب کلیم ہے۔

صاحب سوانح محترم قاری ابوالحسن صاحب الاعظمی کچھ کم نصیبہ ور نہیں۔ ان کے تلامذہ قدرداں، اپنے استاذ کے وفا شناس۔ قاری صاحب کی عمر ہی کیا ہے، ابھی تو انہیں زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے، شعبۂ تجوید کے کتب خانے کو مزید گہربار بنانا ہے، مگر وفا شعار تلامذہ قابل مبارک باد کہ اپنے استاذ پر ان کی زندگی میں ہی کتاب شائع کر رہے ہیں اور ضخیم وطویل، دل کش ودیدہ زیب ——، اور دلے! آفریں ان کے جذبۂ خلوص کو اور سلام ان کی وفا شعاری کو!

وانا الاحقر الافقر

سید انظر شاہ مسعودی کشمیری

١٤٢٥/٦/١٩ھ

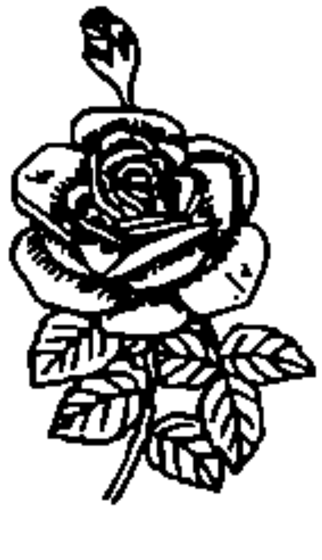

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

مولانا قاری ابوالحسن صاحب مدظلہ العالی شیخ القراء دارالعلوم دیوبند نوعمری سے ذہین وفطین ہیں، موصوف کی بہتر ماحول میں تربیت وپرورش ہوئی، آپ نجیب الطرفین ہیں آپ کے نانا کے والد حضرت حافظ ولی محمد صاحبؒ اسم بامسمی تھے، اکابر اولیاء اللہ ومشائخ سے گہرا تعلق تھا، ناکارہ اپنی کم عمری کی وجہ سے زیادہ واقفیت تو نہیں رکھتا مگر تھوڑا تھوڑا منور چہرہ نگاہوں میں ہے البتہ ان کے تلامذہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حافظ صاحبؒ کی تعلیم وتربیت بہت ہی بہتر تھی۔ قاری صاحب کے والد محترم حضرت الحاج حافظ محمد حنیف صاحبؒ ایک جید حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم وتربیت کے ماہر تھے نہایت سادے متوکل باعمل بزرگ تھے، ناکارہ کے گاؤں میں جتنے بھی معمر حفاظ وعلماء ہیں سب کے استاذ تھے، ناکارہ نے بھی حافظ صاحبؒ سے قرآن پاک پڑھا ہے الغرض قاری صاحب موصوف کو بہتر ماحول نصیب ہونے کے ساتھ خود انہوں نے پڑھنے میں پوری محنت وجد وجہد کی اور اساتذہ سے پورا تعلق اور ان کی عظمت کا بھرپور خیال رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ فن قراءت میں ناکارہ کے نزدیک اپنا ہمسر نہیں رکھتے، موصوف نے اس فن میں بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں ہیں جو اہل علم کے نزدیک مقبول ہیں، فن تجوید کے علاوہ دیگر موضوع پر بھی ان کی تالیفات ہیں سب مل کر ۶۰ر سے زائد موصوف کی تالیفات ہیں

جوسب مقبول ہیں، قاری صاحب کی عملی حالت بھی قابل رشک ہے نماز باجماعت اور صف اوّل پر مداومت قرآن پاک کی تلاوت کی کثرت اور مدرسہ کے اوقات کی پابندی موصوف کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ موصوف سلوک میں حضرت اقدس مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم کے خلیفہ ومجاز ہیں ناکارہ دعا کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت قاری صاحب کی عمر اور علم وعمل میں مزید ترقی عنایت فرمائے اور امت کو ان کے علوم سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائے۔ آمین۔

ناکارہ

عبدالحق غفرلہ

خادم دارالعلوم دیوبند

۱۲ رشعبان ۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام مسرت — ایک بافیض رہبر کامل

رئیس القلم استاذِ حدیث حضرت مولانا ریاست علی صاحب ظفر بجنوری مدظلہ

حامداً و مصلیا: احقر کو یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب زید مجدہم کے بعض تلامذہ نے موصوف کی شخصیت، سوانح اور فن کے بارے میں ایک ضخیم کتاب مرتب کی ہے۔

جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ فن تجوید وقراءت کی جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں وہ انہی کا حصہ ہیں۔ اُن کے کمالِ فن کی داد تو اہلِ فن ہی دے سکتے ہیں لیکن فن پر قابو یافتہ ہونے کی ایک علامت راقم الحروف کے نزدیک یہ ہے کہ اگر طالب علم میں حصولِ علم کی تڑپ ہوتو موصوف بہت کم وقت میں فن کی تکمیل کرادیتے ہیں جو اہل علم کے نزدیک حیرت انگیز بات ہے، اُن کے تلامذہ بیان کرتے ہیں کہ اس فن میں اتنا کامل اور بافیض انسان اُن کی نظر سے نہیں گذرا۔

جن طلبہ نے اس فن کے رہبرِ کامل کے نقشِ پا کو پہچانا وہ ولی مبارک باد کے مستحق ہیں، خدا ان کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے گا اور امید ہے کہ تاریخ اپنے استاذ محترم کے بقاءذکر کی خدمت انجام دینے والوں کو ان شاءاللہ فراموش نہیں کرے گی۔

ہمیں پہچان لیں گے کاروانِ شوق کے رہرو
کہ ہم نے نقش پائے رہبر کامل کو پہچانا

ریاست علی غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند، ۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

صاحبِ سوانح کی ایک تحریر پیش نظر ہے، آپ نے مشہور مؤرخ اور صحافی جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ (م ۱۴۱۷ھ) کی وفات پر نکالے جانے والے ایک خاص نمبر کے لیے اپنی تحریر میں فرماتے ہیں:

''یہ روایت اور طریقہ راقم الحروف کے نزدیک عجیب وغریب ہے کہ جب کوئی عظیم شخصیت دنیا سے چلی جاتی ہے تو اس کی حیات اور کارناموں سے متعلق مضامین اور تذکرے لکھے جاتے ہیں، اس کی سوانح حیات مرتب کی جاتی ہے، اس پر مقالے لکھے جاتے ہیں، اس پر سیمینار وتذکار کا انعقاد ہوتا ہے، اس کے مناقب وفضائل اور خصوصیات وکمالات پر تقریریں اور بیانات آتے ہیں ——— مگر یہ سب کب؟ ——— جب وہ اس دنیائے آب وگل سے کنارہ کش ہوکر اتنی دور چلا جاتا ہے کہ اس تک رسائی ناممکن ہوجاتی ہے، اس کی ذاتِ ستودہ صفات اور کمالات وخصوصیات سے بھری پوری شخصیت سے استفادہ ناممکن ہوجاتا ہے۔

ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ ایسی باکمال ونادر خصوصیات کی حامل شخصیات پر اس کی زندگی ہی میں بہت مفصل نہ سہی، مضامین اور اس کی حیات وکارناموں پر مختصر سی ہی کتاب آجائے تا کہ ناظرین وقارئین اسے دیکھ پڑھ کر حسبِ صلاحیت اس سے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں۔

معدودے چند ہی حضرات اکابر ایسے ہیں جنھوں نے یا تو خود ''آپ بیتی''

اور "خودنوشت سوانح حیات" مرتب کردی یا کسی اور نے ان کی زندگی پر قلم اٹھایا اور کچھ نہ کچھ لکھ، لکھا دیا، اس سے ایک بڑا اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعد میں لکھنے والوں کے لیے ایک آسان اور صحیح بنیاد اور معتبر ڈگر مل جاتی ہے"۔

جناب قاری صاحب سے قریبی تعلق رکھنے والوں اور آپ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے والے تلامذہ اور آپ کے احباب کا ایک عرصہ سے یہ خیال رہا کہ اگر بہت ضخیم نہ سہی، مختصر ہی کوئی سوانحی خاکہ اور آپ کے حالات سامنے آجائیں، تو آج کی سہولت پسند اور سطحی طبائع رکھنے والوں کے سامنے ایسے حالات آجائیں اور اسے پڑھ کر "خود پسند اور ہم چنیں دیگرے نیست" قسم کے لوگ نہیں بلکہ آپ سے ملنے والے، عقیدت رکھنے والے، اور آپ کے تلامذہ آپ کے پاس آتے ہیں کچھ سیکھنے اور کچھ بن کر نکلنے کی غرض سے انھیں سبق ملے۔ وہ دیکھیں اور سوچیں کہ آج کے دور اور اس ماحول میں اگر کوئی کچھ بننے، اور کچھ کر گذرنے کی جُہدِ مسلسل اور تڑپ رکھتا ہو تو اسی مسموم ماحول میں رہتے بستے، بادِسموم کے تھپیڑے کھاتے ہوئے، امواجِ حوادث میں ڈوبتے ابھرتے ہوئے بہر حال ایک مثالی شخصیت بن سکتا ہے، بعد میں آنے والوں کے لیے ایک نقش راہ چھوڑ سکتا ہے۔ جس پر حسب حوصلہ اور ہمت قدم بڑھا کر کچھ نہ کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ابتداءً جب قریبی لوگوں نے اپنے خیالات کا ذکر کیا تو آپ نے ہنس کر ٹال دیا، یہی کہتے رہے، میں کیا، اور میرے حالات کیا، اور کچھ لکھ کر دینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

پھر عرض کیا گیا کہ ہمارے کچھ سوالات کے جوابات دیدیں، کہ اسی کی روشنی میں کچھ تیار کرنے کی کوشش کی جائے، مگر اس کے لیے عدیم الفرصتی کا حوالہ دے کر امروز و فردا میں ایک طویل عرصہ گذار دیا۔

اللہ بھلا کرے، ایک دوست نے یہ خبر دی کہ جناب قاری صاحب کا ابتداء سے ایک معمول ڈائری لکھنے کا رہا ہے، جس کا ذکر آپ نے اپنی کتاب "کشکول حسن"

میں کیا ہے، اگر ڈائریوں کو کھنگالا جائے تو بہت کچھ ہاتھ آسکتا ہے۔

اس خوشخبری سے بڑا حوصلہ ملا، اور ایک بہانے سے جوان ڈائریوں کو دیکھنے کا موقع ملا تو دل باغ باغ ہو گیا ——— تدریس کے یومِ اوّل سے کہنا چاہیے کہ آج تک ——— اس میں کیا کچھ نہیں ہے۔

روزنامچہ اور ڈائری لکھنے کا رواج بہت قدیم ہے، ان میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کے روزنامچے تو بہت ہی شہرت رکھتے ہیں۔ خود ان کے روزنامچوں ہی کو موضوع بنا کر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی اپنی ڈائری ہی سے مستقل ایک البیلی کتاب "محمد علی ذاتی ڈائری" کے نام سے لکھی ہے۔

بلاشبہ یہ بڑے اور بہت بڑے ادیب تھے، یہاں کسی سے موازنہ کیے بغیر یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ جناب قاری صاحب کی ڈائری ——— ان سب سے ذرا ہٹ کر، ایک بالکل جداگانہ اور اچھوتے انداز کی ہے، گویا ع

سیاہی ہے، سفیدی ہے، شفق ہے، ابرِ باراں ہے!

آپ کی یہ بیاض کیا ہے، یہاں حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے الفاظ کا سہارا لینا چاہتا ہوں، موصوف قاری صاحب کی کتاب "کشکول حسن" پر تقریظ رقم فرما رہے ہیں:

> "... یہ بیاض نادر مضامین، علمی حقائق، نکاتِ تصوف، ادبی لطائف اور تاریخ کے عبرت انگیز واقعات کا قابلِ قدر نمونہ ہے، ——— اور انمول یواقیت و جواہر کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے علماء اور عوام سب کے لیے معلومات کا خزانہ بن گئی ہے"۔

معلومات کے اسی خزانے کے اوراق الٹے گئے تو معلوم ہوا کہ سوانح تو تیار ہے، اور درحقیقت جسے "سوانح" کہنا چاہیے اس کے سارے مواد موجود ہیں، بس انھیں ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

بہر حال —— آپ کے قدیم تلامذہ کی ایک مجلس بلائی گئی، مشورہ ہوا، بصد مسرت سب نے تائید کی، ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

یہ واضح رہے کہ یہ سوانح، حضرت قاری صاحب کی آپ بیتی پر مشتمل مرتب کی گئی ہے، آپ کی طرف سے قدم قدم پر رکاوٹیں آئیں:

"یہ نہ ہو اور وہ نہ ہو، اسے کاٹو، اسے مٹاؤ، بیاض اور ڈائری میں درج احوال وکوائف کی بات اور ہے، اور منظر عام پر لانے کی بات اور ہے، اس میں کتنی ہی پیشانیوں پر بل آئیں گے، دلآزاریوں کی باتیں کی جائیں گی، طرح طرح کے سوالات ہوں گے، آج ذاتی طور پر تو ہر شخص بڑا نازک مزاج واقع ہوا ہے، ذرا ذرا سی بات پر ان کے خودساختہ آبگینوں کو ٹھیس لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے، وغیرہ وغیرہ"۔

مگر کیا دل خراش احوال اور روح پر لرزہ طاری کر دینے والے کوائف اور دل ودماغ کو ہلا دینے والے عوائف کو قلم انداز کر دینے سے کوئی بھی "سوانح..." حقیقی "سوانح حیات" بن سکتی ہے؟

سوانح کا معنی کیا ہے، یہ سانحہ کی جمع ہے، یعنی زندگی کے حوادث۔

آج کہنے والے بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ ایسی باتیں نہیں آنی چاہیے جس پر کسی کو اعتراض ہو، جو دل خراش ہو، جس سے دلآزاری ہو، لیکن یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ اپنی ذات کے لیے تو یہ سب نہ ہو مگر دوسرے کی دلآزاری اور وہ سب کچھ جس سے ایک خوددار اور غیرت مند انسان کی زندگی ہی فنا کے گھاٹ اتر جائے، دوسرے پر خواہ کچھ ہی بیت جائے، سب روا، سب جائز، یہ سوچنے کا آخر کونسا انداز ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ —— اگر دوسرے کو ستایا جائے اس کی روح کو زخمی کیا جائے تو کم از کم اسے رونے چیخنے اور چلانے کی تو اجازت دی جائے، عجیب بات

ہے کہ "جابر مارے، رونے بھی نہ دے! کوئی قتل کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں، اور مقتول اور زخمی اگر اس پر آہ بھی کرلے تو ہر طرف سے انگلیاں اٹھیں، اگر رونا، آہ وزاری کرنا غلط ہے تو خدارا سوچیں کہ اس آہ وزاری پر مجبور کرنا کس قدر غلط ہے۔

یقیناً یہ یک طرفہ سوچ اور فکر قابلِ اصلاح ہے، صاحب سوانح سے اس طرح کے عنوانات پر اختلاف کرتے ہوئے مجلس احباب کا یہی فیصلہ ہوا کہ وہ تمام واقعات اور احوال وکوائف جو بہر حال صحیح ہیں انھیں بے کم وکاست بیان کردیا جائے۔ آخر میں قاری صاحب کی ناگواریوں کا لحاظ کرتے ہوئے شخصیات اور متعلق افراد کے نام حذف کرنے کی کوشش کی گئی الایہ کہ جو ناگزیر ہوں۔

سب سے پہلے جو چیز سامنے آئے گی وہ صاحب سوانح کے گہرے عقیدت مند مولانا ولی اللہ ولی بستوی کی نظم ہے، آپ نے قاری صاحب کی پوری سوانح کو منظوم کردیا ہے، یہ اگرچہ ایک طویل نظم ہے مگر اہمیت کی بناء پر اسے مقدم کیا گیا ہے۔

اس کے بعد سلسلہ سوانح کا آغاز آپ کے ضلع اعظم گڑھ کی تاریخ سے ہوتا ہے۔ پھر آپ کا موضع جگدیش پور سامنے آتا ہے جس کے سلسلۂ علم وفضل کے بعد آپ کی پیدائش اور تعلیم کے سارے مراحل کا ذکر ہے، اسی ضمن میں آپ کے اساتذہ کی جلوہ نمائیاں بھی ہیں۔

تعلیم کے پہلے مرحلے کے بعد انقطاعِ تعلیم ہوجاتا ہے اور تدریس شروع ہوجاتی ہے۔ تقریباً بارہ سال بعد آپ تکمیل تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند پہنچتے ہیں، فراغت کے بعد آپ کے اساتذہ کا ذکرِ خیر خود آپ کے قلم سے نظر آتا ہے۔

اساتذہ کے تذکرے میں کہیں اختصار ہے، کہیں ذرا تفصیل۔ مجموعی طور پر خاصے طویل صفحات کا حاطہ ہے —— دراصل اساتذۂ کرام ہی وہ ذواتِ قدسی صفات ہوتی ہیں جن کی جوتیوں کے طفیل میں انسان ترقیات حاصل کرتا ہے۔ صاحب سوانح تذکرۂ اساتذہ سے پہلے لکھتے ہیں:

''ذیل میں دارالعلوم کے اپنے اساتذہ کا ایک مختصر خاکہ... پیش ہے جن کی جوتیوں کے صدقے میں بتوفیقِ الٰہی اس مرکزِ علمی سے تدریسی انتساب کا شرف حاصل ہوا، فالحمدللہ علی ذلک''۔

آخر میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی ہردوئی دامت برکاتہم کا ذکرِ خیر ہے، اور ذرا مفصل ہے ہونا بھی چاہیے، حضرت مولانا ہردوئی صاحب دامت برکاتہم صاحب سوانح کے مرشد وشیخ ہیں۔

اس کے بعد ''تدریس کا دورِ ثانی'' کے عنوان کے تحت مدرسہ اصغریہ اور مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں تدریسی خدمات سامنے آتی ہیں۔ مرادآباد میں ابھی ایک سال بھی پورا نہ ہوا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کا قضیہ پیش آگیا، اور پھر آپ دارالعلوم میں پہنچ جاتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں پہنچتے ہی آپ کی انقلابی کارکردگی، محنت، لگن اور عظیم جدوجہد کا ایسا منظر سامنے آتا ہے جو بالآخر تنگ دل لوگوں کے حاسدانہ جذبات کو ابھار دیتا ہے، ہر انقلابی شخصیت کے سامنے ایسے تلخ ترین احوال وکوائف اور ایسے جاں گسل موجِ حوادث کے تلاطم آتے ہیں جس سے بہر حال اسے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے، صاحبِ سوانح بھلا ان سے کس طرح بچ سکتے تھے، چناں چہ ہمارے سامنے ان حوادث اور تلخ ترین حالات کی ایک جھلک آتی ہے۔

یہ حوادث اور سوانح، حاسدین کی کارستانیاں اور حالات کی تلخیاں، پست ہمت اور کم حوصلہ لوگوں کے لیے بلاشبہ ایک حادثہ ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جن حضرات سے دنیا میں دینی اور علمی کام لینا چاہتے ہیں انھیں اسی کے بقدر حوصلہ اور ہمت سے نوازتے ہیں، وہ ہر حادثہ پر یہ کہتے ہوئے مسکرا کر گذر جاتے ہیں ؎

حوادث کے طوفان آتے رہیں گے ● مگر یوں ہی ہم مسکراتے رہیں گے
خدا اور محمد کا پیغام لے کر ● قدم اپنا آگے بڑھاتے رہیں گے

حالات کی تلخیاں ایسے لوگوں کے لیے مہمیز کا کام کرتی ہیں۔ ان تلخ راہوں کا استقبال ہنستے ہوئے کرتے ہیں، ــــــ ایسے حوصلہ مندوں کے ہر قدم میں جنوں کی کارفرمائی ہوتی ہے، اور منزلیں ایسوں ہی کے قدم چومتی ہیں۔

قدم یوں ہی تو نہیں منزلوں نے تھام لیا ● جنوں سے کام یہاں ہم نے گام گام لیا

حالات ہمیں دکھلا رہے ہیں کہ رحمتِ الٰہی نے صاحبِ سوانح کا قدم قدم پر ہاتھ تھام کر ان کے حوصلوں اور عزائم میں عظیم برکتیں عطا فرمائیں۔ چناں چہ روح فرسا حالات میں بڑی پامردی کے ساتھ آپ نے اپنے نظام الاوقات اور مدرسہ میں حاضری اور ایاب وذہاب میں ادنیٰ فرق نہ آنے دیا۔

جس زمانے میں (۱۴۰۶ھ) آپ پر پہلا حاسدانہ حملہ ہوا بلاشبہ وہ آپ کے لیے بہت سخت جھٹکا تھا۔ اندر سے آپ ہل کر رہ گئے تھے۔ ایک صاحب نے آپ سے کہا:

"میاں قاری صاحب! یہ پابندی اور یہ حاضری کس کام کی، کیا ملا، دیکھ لیا، آپ کو اس کا صلہ کیا دیا۔ بس واجبی طور سے آؤ، جاؤ، ان پابندیوں اور محنتوں کی اس دور میں کوئی قدر نہیں"۔

قاری صاحب کی ڈائری ہمیں اس کا یہ جواب پیش کرتی ہے:

"ہاں! بہ ظاہر تو آپ کی بات سمجھ میں آتی ہے، مگر یہ جب ہے کہ ہم اپنے ہی جیسے مٹی کے بنے ہوئے ان تھڑدلے انسانوں سے اس کا صلہ لینے کے لیے یہ جدوجہد کر رہے ہوں، مگر بحمد اللہ میں نے پہلے ہی روز سے اپنی نیت صحیح رکھنے کی کوشش کی ہے، قرآن کریم کی خدمت یہ خود منزل ہے، ایک عظیم کامیابی ہے۔

رہرواں را خستگیِ راہ نیست ● عشق خود راہ است وہم خود منزل است

یہ دنیا والے کیا دیں گے، ان کے پاس دینے کے لیے کیا ہے، یہ تو خود بالکلیہ محتاج ہیں"۔

جب جتنا پڑھانے کو ملا، پڑھاتے رہے، داخلی اوقات میں اگر کبھی کتر بیونت ہوئی، تو خارج میں اللہ تعالیٰ نے خدمت کا نعم البدل عطا فرمادیا۔ اور آج دارالعلوم میں تدریسی خدمات کا ایک زریں ریکارڈ نظر آتا ہے۔

۱۴۰۲ھ سے سال رواں ۱۴۲۵ھ تک آٹھ سو سینتیس طلبہ فارغین اور مستفیدین کا ریکارڈ سامنے ہے یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جو آپ رمضان المبارک میں ڈھاکہ بنگلہ دیش میں تعلیمی خدمات انجام دیتے ہیں، یہ تعداد تین سو ستائیس ہے۔

اس کے بعد ایک اہم عنوان، قلب ونگاہ کو سرور ونور کا سامان مہیا کرتا ہے، یعنی۔ ''صاحب سوانح اپنی تصانیف کے آئینہ میں'' صاحب سوانح کے اوقات میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی ہے اس کا واضح ثبوت آپ کے تصنیفی وتحریری کام سے ملتا ہے۔

بعض اہل علم جن کا صرف یہی مشغلہ ہے، بعض ایسے ہیں جن کا تعلیمی مشغلہ چند گھنٹوں کا ہوتا ہے، اور باقی اوقات میں کہیں اور نشست و برخاست نہیں، پورے انضباط کے ساتھ تصنیفی شغل میں وقت صرف کرتے ہیں، مگر یہاں تو صورت حال عجیب ہے —— نماز فجر کے معا بعد مکان پر ایک سبق، ناشتہ کے بعد مدرسہ کے وقت میں پانچ، دس منٹ پہلے مدرسہ میں حاضری، پھر مکمل چھ گھنٹے تعلیمی وتدریسی مشغولیت، بعد مغرب درسگاہ میں حاضری، طلبہ کی نگرانی۔ بعد عشاء مکان پر پہنچ کر کھانا اور پھر فوراً سو جانے کی تیاری —— اللہ اللہ یہ تحریری کام کب کرتے ہیں آپ کو دیکھنے والے تعجب کرتے ہیں۔

تصنیفی سلسلے کا آغاز ۱۳۹۸ھ سے ہوتا ہے، سال رواں ۱۴۲۵ھ تک مطبوعہ کتابوں کی تعداد اکسٹھ اور غیر مطبوعہ کی پانچ، کل چھیاسٹھ اسے وقت کی برکت کا کرشمہ اور ثمرہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

اس کے بعد آپ کی تصنیف ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات''

(۲ رجلدوں میں) پر دو مضامین ہیں۔

اس کے بعد آپ پر لکھے گئے مضامین کا سلسلہ ہے، اس کے بعد "تاثرات" پر مشتمل تحریریں ہیں۔ یہ "تاثرات" نثراً بھی ہیں اور نظماً بھی۔

سب سے آخر میں جو مضمون نگاہوں کو تھام لیتا ہے وہ خود صاحب سوانح سے کئے گئے سوالات کے جوابات ہیں۔ جس کا عنوان ہے "روبرو گفتگو، ایک انٹرویو" اس کے اندر آپ نے اپنی کتاب حیات کے چند اوراق خود الٹے ہیں۔ یہ اوراق، بڑی دلکشی رکھتے ہیں، اسے پڑھتے ہوئے قاری کبھی مسائل پر جوابات کی چبھن اور کسک خود اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور کبھی آہ اور کبھی واہ کی صدا برآمد ہوتی ہے اور کبھی تو قاری خود کو ٹٹو لنے لگتا ہے یہ جوابات اور انٹرویو کیا ہے، آپ نے اس کے اندر دل وجگر کے ٹکڑے نکال کر رکھ دیے ہیں۔ اسے پڑھ کر اگر کچھ پیشانیوں پر بل آسکتے ہیں تو کچھ جبینوں پر پڑی سلوٹیں صاف بھی ہوسکتی ہیں۔ بلاشبہ یہ انٹرویو آپ کی بے باکی، بے خوفی، اور جرأت گفتار کا شاہ کار ہے۔

ہم مکرر عرض کرتے ہیں کہ قارئین کرام اس کتاب کو حقیقتاً سوانح کی حیثیت سے دیکھیں، اگر صاحب سوانح کے بعض حالات اور کوائف سے کسی قاری کی جبینِ ناز پر ناگواری کی کچھ شکنیں پڑ رہی ہوں تو ذرا دیر کے لیے خود کو صاحب سوانح کی جگہ پر تصور کر کے دیکھیں، امید ہے کہ یہ شکنیں دور ہو جائیں گی۔

سوانحی مضامین کے بعد خیال ہوا کہ دارالعلوم اور اس سے باہر حضرت قاری صاحب کے تلامذہ اور احباب کا ایک بڑا وسیع اور متنوع حلقہ ہے کیوں نہ ان سے چند مضامین اور تاثرات لیے جائیں جن سے سوانح میں تنوع اور خوبصورتی میں اضافہ ہو، اس کے لیے جب سلسلہ جنبانی کی گئی تو حوصلہ افزا جوابات کے ساتھ مضامین اور تاثرات بڑی تعداد میں آنے شروع ہو گئے یہ مضامین نثراً بھی تھے اور نظماً بھی۔

ابتداءً یہی خیال تھا کہ یہ سوانح بہت طویل نہ ہو، کیوں کہ سیرت اور سوانح پر

کتابیں عموماً ایک خاص ذوق اور مزاج سے تعلق رکھتی ہیں، یہ دیگر علمی اور عام کتابوں کی طرح نہیں ہوتیں جو ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔

مگر مضامین کی آمد بڑھتی گئی اور اندازہ ہوا کہ کتاب طویل ہو جائے گی اس لیے اختصار اُروک لگانی پڑی۔

قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ مضامین کی فرمائش کے وقت مضمون نگار کو کسی خاص عنوان کا پابند نہیں کیا گیا۔ اس لیے ہر شخص نے اپنے ذوق اور خیال کے مطابق عنوان اور اس کے کسی پہلو کو اختیار کر لیا، یہ مضامین اور تاثرات چوں کہ صاحب سوانح کے ساتھ گہرے تعلق اور عقیدت کے جذبے کے تحت لکھے گئے ہیں اس لیے انتخاب اور کمی بیشی کو راہ دیے بغیر اسی حالت میں پیش کر دیے گئے نیز یہ کہ تاثراتی مضامین میں یکسانیت اور تکرار فطری ہے، بایں صورت تکرار کا ہونا ناگزیر ہے، قلم مختلف ہیں، اور ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست'' اس لیے یہ تکرار بجائے کوفت کے سرور انگیز اور لذت آمیز ہوگی۔

تشکر و امتنان

ایک طرف مضمون نگاروں میں اگر وقت کی مرکزی اور اہم شخصیات اور مسلم اہل قلم ہیں، تو دوسری طرف —— صاحب سوانح کا تعلق اور اشتغال ایک ایسے علم سے ہے جو اپنی تمام تر عظمت اور اہمیت کے باوجود اہل زمانہ کی شدید بے اعتنائیوں کے باعث اجنبیت کا شکار ہے، اسی کے ساتھ خود صاحب سوانح ماشاءاللہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ حیات کی ساری توانائیوں کے ساتھ رخشندہ و تابندہ! اس پس منظر میں مضمون نگار حضرات نے ہم خوردوں کی ایک گذارش اور خواہش پر ایسے خوبصورت اور گرانقدر مضامین اور تاثرات سے نواز کر جس وسیع القلبی کا ثبوت دیا ہے اس سے ان حضرات کی بزرگی اور خورد نوازی کے ساتھ، صاحب سوانح کی پرکشش شخصیت اور

محبوبیت ومقبولیت کا بھی ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

مرتب ان تمام ہی حضرات کا دل کی گہرائیوں سے ممنون اور سپاس گذار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حیات میں برکت عطا فرمائے۔ مرتب کی جانب سے وہ تمام احباب لائق صد شکریہ ہیں جو اس کتاب کی تکمیل میں کسی بھی نوع سے شریک رہے ہیں۔ خاص طور پر عزیزم قاری بلال احمد مظفرنگری متعلم درجہ تجوید، موصوف ابتداء ہی سے کامل دلچسپی کے ساتھ تگ ودو میں شریک رہے —— اور عزیزم محمد لقاء الرحمٰن سلمہ (الفضل کمپیوٹرس دیوبند) کا بھی شکرگذار ہے، آپ نے کاتبوں اور آپریٹروں کے اصول اور عام معاملات سے بالاتر ہوکر نہایت دلچسپی سے کتابت کا فریضہ انجام دیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء!

محمد اکرام

مہتمم مدرسہ صدیقیہ للھیڑہ (انت پور)

ضلع ھریدوار (اترانچل)

[redacted]

سے برسے تو پاک ہے میں ظالموں میں سے ہوں

منظوم سوانح

از: مولانا ولی بستوی

استاذ مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

''یعنی عالمِ اسلام کے بہترین قاری و مجود، از ہر ہند دارالعلوم دیوبند، کے مایہ ناز صدر شعبۂ تجوید اور فن تجوید کی ساٹھ سے زائد مستند کتابوں کے عظیم مصنف حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب قاسمی اعظمی، دامت برکاتہم کے مختصر حالاتِ زندگی''۔

چوں کہ راقم سطور ۸۶ء سے ۸۹ء تک مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہا، اور اس دوران حضرت قاری صاحب موصوف کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔

اس لیے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ ہے اور ظاہر ہے ؎

''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''

ولی بستوی

''تعارف''

شارحِ آیاتِ قرآنی ہیں، قاری بوالحسن ❀ قاسمِ صہبائے عرفانی ہیں قاری بوالحسن
آفتابِ علم وفن، تجوید کے ہیں شاہکار ❀ اور میدانِ قراءت کے ہیں، ماہر شہسوار
عالم وفاضل مجود، حافظ وقاری ہیں یہ ❀ باعمل ہیں، پیکرِ ایثار وغمخواری ہیں یہ
ماہرِ تصحیح قرآں، مخزنِ ہندوستاں ❀ اور تجوید وقراءت کے ہیں بہتر رازداں
ہیں نرالے، قاریانِ ہند میں ضرب المثل ❀ عہد حاضر میں، نہیں ہے کوئی بھی ان کا بدل
پیکرِ صبر ورضا، علامِ دوراں، ہوشمند ❀ رشکِ قراء جہاں ہیں، اور فخر دیوبند

چار جانب ہند میں ہیں، محترم اور نیک نام   بانٹتے ہیں، سو بہ سو صہبائے قرآنی کا جام
مجلسِ قرا میں ہوتے ہیں یہی مسند نشیں   عام فرماتے ہیں ہرسو، فیض قرآن مبیں
منفرد، تدریس میں ہیں، فنِ قرآنی میں طاق   ہے خلوص بیکراں، دل میں نہیں بوئے نفاق
مدتوں سے کر رہے ہیں، خدمتِ دینِ الٰہ   علم وحکمت میں، بہت اونچی ہے انکی پائیگاہ
صاف گو ہیں، نیک دل، خادم کتاب اللہ کے   ذاکر وشاغل بھی ہیں، عاشق رسول اللہ کے
جس جگہ جاتے ہیں وہ پاتے ہیں قبول خاص وعام   ہند میں چاروں طرف ہیں، یہ بہت ہی نیک نام
باوفا، مرد خدا، احباب میں ہر دلعزیز   پاسبانی کر رہا ہے، ہر نفس ربِ عزیز
ہیں ملنسار ونرم دل، اور نرم گفتار ہیں   ہے متانت چال میں، بیحد سبک رفتار ہیں
مختصر! کہ بوالحسن میں، خوبیاں ہیں بیشمار   سایبانی کر رہی ہے، رحمتِ پروردگار

”نام ونسب، ولادت اور تعلیم“

نامِ نامی بوالحسن ہے باپ تھے حافظ حنیف   جدِ امجد، تھے رجب، اک خادمِ دینِ حنیف
صوبۂ یوپی کا، اعظم گڑھ ضلع مشہور ہے   جلوۂ انوار ربانی سے جو معمور ہے
اور واقع ہے اسی میں موضع جگدیشپور(۱)   قابلِ صد فخر ہے، یہ موضع جگدیش پور
مولد ومسکن بنا، مخدوم کا جگدیش پور   علم وعلماء کا بڑا مرکز رہا، جگدیش پور
اور پیدائش کا سن ہجری رہا تیرہ سوساٹھ(۲)   تادمِ تحریر حضرت کی عمر ہے پانچ وساٹھ
ابتداء تعلیم کی فرمائی اپنے گاؤں میں   حفظ کی تکمیل بھی فرمائی اپنے گاؤں میں
والدِ مرحوم ان کے حفظ کے استاذ تھے   حافظ جید جو تھے کامل بڑے استاذ تھے
مرکزِ محنت بنا، پھر مدرسہ بیت العلوم   مادرِ علمی بنا، پھر مدرسہ بیت العلوم (۳)
فارسی عربی قدوری تک یہاں تعلیم لی   اور استاذوں کی اپنے خوب ہی تعظیم کی
پھر وہاں سے آئے حضرت جانب دار العلوم   تین سالوں تک تھے حضرت طالب دار العلوم(۴)
اور مشکوٰۃ وہدایہ تک پڑھا صد شوق سے   ساتھ میں حفص وقراءۃ بھی پڑھا تھا ذوق سے

عبدِ قیوم (۵) و معین الدین(۶) اساتذوں میں تھے ❀ جو کہ حضرت کے بڑے مخلص بہی خواہوں میں تھے
تھے قراءت کے بڑے استاذ قاری مصطفیٰ(۷) ❀ جو کہ تھے اللہ کے عاشق محبِ مصطفیٰ (ﷺ)
انکے ہاتھوں پر کیا حضرت نے تکمیل نصاب ❀ قاری و مقری، مجود، ہو گئے پھر کامیاب

"تدریس کا آغاز"

ہو گیا موقوف آخر، مرحلہ تعلیم کا(۸) ❀ سلسلہ جاری کیا، تجوید کی تعلیم کا
سن تراسی میں یہ آئے قصبۂ معروف میں ❀ درس کا آغاز کرنے قصبۂ معروف(۹) میں
حضرت استاذ کے کہنے سے آئے تھے یہاں(۱۰) ❀ اور تراسی سے پچاسی تک پڑھائے تھے یہاں
سن پچاسی اٹھاسی تک رہے ہیں فیض آباد ❀ یعنی دار الفیض(۱۱) میں ہے جو کہ فرخندہ نہاد
سرپرستِ محترم، انکے تھے مولانا ضمیر(۱۲) ❀ جو کہ تھے عالی دماغ و نیک دل، روشن ضمیر
اور اٹھاسی سے نوے تک مبارک(۱۳) پور میں ❀ علم کا فیضان بانٹے، خطۂ پرنور میں
علم کا محور بنا، حضرت کا احیاء العلوم(۱۴) ❀ میکشوں کو دے رہے تھے جام صہبائے علوم
اور سن اکیانوے میں آگئے وہ جونپور ❀ تھے یہاں چورانوے تک، اک مدرس باشعور
جامع شرقی رہا ہے، مدرسہ قرآنیہ(۱۵) ❀ خدمتِ قرآن ہے اس کی طبیعت ثانیہ
آئے سن پنچانوے میں وہ گورینی جو کہ(۱۶) ❀ جو سراپائے ریاضِ علم و حکمت ہو گیا

"تعلیم کی تکمیل"

تھا حصولِ علم کا، موقوف جو کہ سلسلہ ❀ اب ارادہ ہو گیا، پورا کریں وہ مرحلہ
دل میں وہ شوقِ فراواں لیکے آئے دیوبند ❀ گوہرِ مقصود آخر، آکے پائے دیوبند
یعنی سن پنچانوے، شوال میں داخل ہوئے ❀ اور سن ستانوے، شعبان میں کامل ہوئے
مادرِ علمی بنا وہ گلشنِ دار العلوم ❀ علم و حکمت سے بھرا تھا، خرمن دار العلوم
ہند کے ازہر سے، حاصل ہو گئی سندِ فراغ ❀ اور میراثِ نبی سے ہو گیا، روشن دماغ

طیبہ علامہ جزری کی یہاں پھر سے پڑھی ❀ قاری عبداللہ (۱۷) نے ان کو سند تفویض کی

"تدریس کا دوسرا دور"

اور پھر تدریس کا آغاز، دوبارہ کیا ❀ ماہ تھا شوال کا، ستالوے ہجری رہا
اور میدانِ عمل تھا، اصغریہ دیوبند (۱۸) ❀ محور علمی تھا ان کا اصغریہ دیوبند
شان وشوکت سے یہاں چودہ سو ہجری تک رہے ❀ یعنی کہ انیس سو اسی وہ عیسوی تک رہے
بعدازاں وہ آگئے، شاہی مرادآباد میں (۱۹) ❀ علم کا فیضان پہنچایا مرادآباد میں
تھا زمانہ خوب تر وہ سن رہا چودہ سو ایک ❀ اور قاری بوالحسن واقع ہوئے ہیں خوب نیک
پھر پئے تدریس وہ آئے بسوئے دیوبند ❀ رشکِ بغداد و بخارا ہے وہ کوئے دیوبند
ماہ ذوقعدہ رہا ہے، سن رہا چودہ سو دو (۲۰) ❀ عظمت وشہرت کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو
سن ہجری آگیا پر کیف جب چودہ سو تین ❀ عام جب کہ ہوگئیں، خدماتِ قرآنِ مبین
جب کہ ان کے زمزمے سے گونج اٹھا دارالعلوم ❀ مرکزِ تصحیح قرآں بن گیا دارالعلوم
تب اکابر نے، صدارت بھی انھیں تفویض کی (۲۱) ❀ انکے رتبے کے مطابق، سب نے انکی قدر کی
سرخروئی سے گذارے ہیں یہاں تیکیس سال ❀ خدمتِ تجوید کے ہیں، کارنامے لازوال
تادمِ تحریر ہیں، وابستۂ دارالعلوم (۲۲) ❀ ان سے پُر رونق ہوا، گلدستۂ دارالعلوم
ہے دعا کہ تادمِ آخر یہیں خدمت کریں ❀ اور بالآخر یہیں پر صاحبِ تربت بنیں
فن تجوید وقراءت کے امامِ وقت ہیں ❀ صفحۂ تاریخ پر خدمات ان کی ثبت ہیں
یعنی! کہ ہیں فن قرآنی کے یہ بحر العلوم ❀ ناز فرماتا ہے ان کی ذات پر دارالعلوم
باوجود ان خوبیوں کے ہیں مناصب بھی کئی ❀ عہد حاضر میں مسلم، ان کی شخصیت ہوئی
شعبۂ تجوید کے ہیں آپ صدر محترم ❀ ان کا فیضانِ قراءت ہوگیا بے کیف وکم
جامعہ علمی علی گڑھ کے ہوئے اکزامنر (۲۳) ❀ اور دہلی ریڈیو کے ایک رکنِ معتبر (۲۴)
ابن جزری مدرسہ کے پاسبانی بھی ہیں (۲۵) ❀ جان ودل سے مستعد بہر نگہبانی بھی ہیں

اور ہیں دیگر مدارس کے بھی نگرانِ عظیم(۲۶)   وقت کے علامہ جزری نیک دل رجلِ عظیم
یا الٰہی کر عطا موصوف کو عمرِ دراز   انکے سینے میں تو بھردے، معرفت کا سوز وساز
ان کی سب خدمات کو، تو کر عطا شرفِ قبول   آرزوؤں کی کلی، دارین میں کھل کر ہو پھول
چاند سورج سے ہو روشن، ان کا نقشِ جاوداں   شخصیت موصوف کی، یارب ہو زیبِ داستاں
نسلِ نو، ان پر ہمیشہ ناز فرماتی رہے   ان کی جہدِ جاں گسل، سینوں کو گرماتی رہے
ان کی بخشش کا ذریعہ خدمتِ قرآن ہو   مستحقِ باغِ جنت، خادمِ قرآن ہو
ہے ولی کی یہ دعا محصول ہو تیری رضا   پاسبانی تیری حاصل ہو دوعالم میں سدا

حواشی

(۱) صوبۂ یوپی کے مشہور ضلع اعظم گڑھ کے مردم خیز قصبہ جگدیش پور میں ۱۳۶۰ھ میں جناب قاری صاحب مدظلہ جناب الحافظ محمد حنیف صاحب کے یہاں پیدا ہوئے۔ (۲) سن کا تذکرہ جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد ہجری سن ہے۔ (۳) مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ یوپی۔ (۴) دارالعلوم مئو اعظم گڑھ یوپی۔ (۵) مولانا عبدالقیوم صاحبؒ۔ (۶) قاری معین الدین صاحبؒ۔ (۷) مولانا قاری مقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ۔ (۸) ناساعد حالات کے باعث افسوس صد افسوس کہ حصول علم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ (۹) پورہ معروف ضلع مئو یوپی۔ (۱۰) حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحب نے یہاں تدریس پر مامور فرمایا تھا۔ (۱۱) مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور، فیض آباد یوپی۔ (۱۲) مدرسہ کرامتیہ کے صدر مدرس اور بہترین عالم دین۔ (۱۳) مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی۔ (۱۴) جامعہ احیاء العلوم مبارک پور۔ (۱۵) مدرسہ قرآنیہ جونپور۔ (۱۶) مدرسہ ریاض العلوم مقام گورینی پوسٹ چوکیہ، ضلع بجنور، یوپی۔ (۱۷) اس وقت کے شعبہ تجوید دارالعلوم دیوبند کے صدر۔ (۱۸) مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیوبند۔ (۱۹) جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی۔ (۲۰) ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس شعبہ تجوید میں تقرر ہوا۔ (۲۱) ۱۴۰۳ھ میں شعبہ تجوید کے صدر بنائے گئے۔ (۲۲) وم تحریر ۱۴۲۵ھ تک شان وشوکت کے ساتھ اس عظیم الشان عہدے پر فائز ہیں، دعا ہے کہ تادم آخر فائز رہیں۔ (۲۳) اکزامنر آف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۲۴) ممبر آف اسکریننگ بورڈ آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی۔ (۲۵) بانی سرپرست مدرسہ الامام ابن الجزری۔ (۲۶) متعدد مدارس اور درسگاہوں کے نگراں تعلیم۔

ضلع اعظم گڑھ

اور اس کی دینی وعلمی حیثیت

موجودہ ضلع اعظم گڑھ کا علاقہ باقاعدہ طور پر چھٹی صدی ہجری میں اسلامی قلمرو میں شامل ہوا، سلطان شہاب الدین غوری اور اس کے غلام قطب الدین ایبک نے اس دیار کو فتح کر کے دہلی سے وابستہ کیا اور اسی زمانہ سے ارباب علم وفن کا مرجع بننے لگا، خاص طور سے آٹھویں صدی میں جب سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۷۷۲ھ میں جونپور آباد کیا تو دیار پورب اسلامی علوم اور علماء اسلام کے حسنات و برکات کا گلشن سدا بہار بن گیا۔

اس کے چند ہی سالوں کے بعد سلاطین شرقیہ کا دور آیا اور جونپور، یوں دار العلم اور دہلی ثانی بنا کہ یہ پورا علاقہ علمی وروحانی قدروں اور خانوادوں سے معمور ومشحون ہوگیا۔

سلاطین شرقیہ کے بعد لودھی خاندان آئے اور گئے مگر یہاں کے علماء وفضلاء کی محفلیں جمی رہیں، حتی کہ تیموری سلاطین آئے اور شاہجہاں بادشاہ یہاں کی علمی ودینی رونق اور علماء وفضلاء کی کثرت دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھا۔ ——— ''مملکت پورب شیراز ماست'' ———

اسی شیراز ہند کا قابل قدر حصہ ''اعظم گڑھ'' کا خطہ تھا جس کی سرزمین میں ارباب علم وفضل کے لیے بے پناہ کشش تھی اور بہت سے علمی وروحانی خانوادے یہاں آکر اس طرح اقامت پذیر ہوگئے کہ صدیوں تک ان کے فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری رہا، کہنا چاہیے کہ آج اس خطہ میں جو دینی وعلمی رونق نظر آرہی ہے ان پرانے چراغوں کا صدقہ ہے اور اعظم گڑھ کا علاقہ ان کی روشنی کا امین ہے۔

تغلق دور ہی میں خطہ اعظم گڑھ کی دینی وعلمی مرکزیت ابھرنے لگی اور اس

منزل میں علم کے قافلے اترنے لگے، چنانچہ اسی زمانہ میں ایک بزرگ خلیل اللہ فاروقی محمد آباد گوہنہ میں فروکش ہوئے، مولانا غلام فرید محمد آبادی اسی خانوادہ سے تھے۔ اسی طرح مخدوم ظہیر الدین صدیقی م: ۷۴۵ھ محمد آباد گوہنہ کے قریب سکونت پذیر ہوئے جو ابو الفتح رکن الدین ملتانی اور سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔

اعظم گڈھ کا مشہور اور مردم خیز قصبہ چریاکوٹ جس میں عباسی شیوخ کی آبادی تھی، عباسی شیوخ جن کو قضاء کی خدمت سپرد تھی، ان میں مشاہیر علم وفن پیدا ہوئے، اسی خاندان کے مولانا قاضی علی اکبر اور ان کے صاحبزادے مولانا عنایت رسول اور مولانا فاروق چریاکوٹی اسی معدن علم کے جواہر تھے، مولانا فاروق چریاکوٹی کے مشہور تلامذہ میں مولانا شبلی نعمانی وغیرہ تھے۔ شرقی دور سلطنت میں اس دیار میں متعدد علمی و دینی خاندان آباد ہوئے، چنانچہ شیخ فتح اللہ انصاری دہلوی جنہوں نے ماہل کو اپنا وطن بنایا، آپکی اولاد میں شیخ بہاء الدین، مولانا گلشن علی ابن عطاء اللہ ماہلی، مولانا حسن علی انصاری ماہلی مشہور عالم گذرے ہیں۔

سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے شیخ محمد ابن خضر فاروقی دہلوی کے فرزند شیخ مشید کو قریہ ولید پور، بھیرہ، اور لہرادغیرہ کی جاگیر دی اور ان کی اولاد نے جونپور سے یہاں آکر قیام کیا، اسی خانوادہ میں مولانا حاجی شاہ ابوالخیر، ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ، مخدوم اسماعیل، شاہ ابوالغوث گرم دیوان اور مولانا شاہ ابواسحٰق محدث لہراوی جیسے اہل علم وفضل پیدا ہوئے۔

دور تیموری میں بھی اعظم گڈھ کی سرزمین نے بہت سے مشاہیر علم وفضل کو اپنے دامن میں سمیٹا اور اسکے مختلف علاقوں میں علم ومعرفت کی نئی نئی انجمنیں قائم ہوئیں، چنانچہ ہمایونی دور میں خانوادہ حامدیہ چشتیہ مانک پور کے مشہور بزرگ راجہ سید مبارک شاہ م ۹۶۵ھ نے مبارکپور آباد کر کے اسکو اپنی روحانیت ومشیخت کا یوں مرکز بنایا کہ

آخری دور تک انکی اولاد نے اس دیار کو سرزمین چشت بنائے رکھا۔

اس دور کے محاسن اور مفاخر میں میر علی عاشقان سرائمیری م ۹۵۰ھ بڑے صاحب فیض بزرگ ہیں جو نواح دہلی سوانہ سے آکر یہاں بس گئے، ان ہی کے نام پر قصبہ سرائے میر ہے انکی اولاد میں مدتوں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔

اسی طرح اور متعدد علمی وروحانی خاندان ـــــــ تغلقی، شرقی، لودی، اور تیموری ادوار اعظم گڑھ کے اطراف وجوانب میں فروکش ہوئے جن کے یقین وایمان کی گرمی اور علم وفضل کی شادابی آج بھی اس کے قریات اور قصبات میں علماء اور مدارس کی شکل میں نمایاں ہے اور یہاں کی موجودہ علمی ودینی روشنی ان ہی چراغوں کا فیض ہے۔

خاص اعظم گڈھ کی آبادی پر تقریبا تین سو بیالیس سال گذرے ہیں۔

یہ شہر تیموری دور میں آباد ہوا، صورت یہ ہوئی کہ مینہ نگر کا راجہ ابھی مان سنگھ جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں مسلمان ہوا، آگے چل کر اس خاندان میں راجہ اعظم خاں اور عظمت اللہ خاں دو بھائی ہوئے۔

راجہ اعظم خاں نے ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۵ء میں اعظم گڑھ بسایا۔

۱۸۲۰ء مطابق ۱۲۳۶ھ میں اسکا مغربی حصہ جونپور میں اور مشرقی حصہ غازی پور میں چلا گیا۔

۱۸، دسمبر ۱۸۳۲ء (مطابق ۱۲۴۸ھ) میں اعظم گڈھ مستقل ضلع قرار پایا۔

۷۷۲ھ سے ۱۲۴۸ھ تک تقریبا سوا پانچ سو سال تک یہ علاقہ مع ضلع اعظم گڑھ کے مسلم فرماں رواؤں کے زیر تصرف رہا۔ ساتھ ہی علماء، فضلاء اور مشائخ کے وجودِ باجود نے اس خطہ علم وفن اور سرزمین فکر ونظر کو شیراز ہند بنائے رکھا، جس میں اضلاع جونپور، فیض آباد، غازی پور، بنارس، بلیا وغیرہ شامل تھے۔

مگر اعظم گڑھ کی مٹی میں زرخیزی اور شادابی کی شان جداگانہ تھی، اس کا نتیجہ ہے کہ آج اسکے قریات وقصبات میں علم وعلماء کی جو رونق اور کثرت پائی جاتی ہے اسکی مثال

دوسرے پڑوسی اضلاع میں نہیں ملتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دیار کی قدیم علمی ودینی قدریں اسی خطہ میں سمٹ آئی ہیں اور بقول مولانا سعید احمد اکبرآبادی ''اعظم گڈھ ایک بڑا مردم خیز خطہ ہے، اس جیسے اور علاقوں کے سوتے خشک ہوگئے یا ہوتے جارہے ہیں لیکن اس کی زرخیزی نہ صرف قائم ہے بلکہ روز افزوں ہے۔'' (برہان جون ۱۹۷۶ء)

اور بقول اقبال سہیل ؎

اس خطۂ اعظم گڈھ پہ مگر فیضانِ تجلی ہے یکسر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیّر اعظم ہوتا ہے!

(ماخوذ از مقدمہ ''تذکرہ علماء اعظم گڑھ'' از مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی)

موضع جگدیش پور اور سلسلۂ علم وفضل

بِـــلَادٌ بِهَا نِيطَتْ عَلَيَّ تَمَائِمِي
وَاَوَّلُ اَرْضٍ مَسَّ جِلْـــدِيْ تُرَابُهَا

اسی مردم خیز ضلع ''اعظم گڑھ'' سے تقریباً بیالیس کلومیٹر مغربی جانب ایک قریہ ''جگدیش پور'' کے نام سے ہے یہ موضع بھی اپنے ضلع کی طرح علم وفضل کی شہرتوں سے مالا مال ہے، یہ موضع اپنی مسلم آبادی کے اعتبار سے اگر چہ تعداد میں تقریباً صرف ڈیڑھ سو گھروں پر مشتمل ہے لیکن راسخ العلم اور جید الاستعداد علماء، فضلاء اور حفاظ وقراء کی ایک بڑی تعداد کا حامل ہے۔

جگدیش پور میں علم وفضل کا تسلسل دو بزرگ شخصیات سے شروع ہوتا ہے۔

(۱) شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا ابوالحسن محمد مسلم صاحب جونپوریؒ۔

(۲) ولی صفت حضرت الحافظ ولی محمد صاحب جگدیش پوریؒ۔

حضرت مولانا ابوالحسن محمد مسلم صاحبؒ جونپوری

''حضرت مولانا ابوالحسن محمد مسلم صاحب جونپوری کی ولادت ۱۳۰۱ھ میں ضلع جونپور کی ایک بستی ''پوڑیا'' میں ہوئی، آپ مکتب کی تعلیم مکمل کر کے جونپور تشریف لے گئے جہاں مولانا محمد صدیق صاحب جونپوری اور مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری سے مدرسہ حنفیہ میں عربی نحو وصرف اور فقہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد کانپور گئے اور مولانا فضل کریم صاحب سے استفادہ کیا، پھر مدرسہ عالیہ رامپور اور مولانا فضل حق رامپوری اور مولانا طیب عرب سے ادب ومعقول کی تحصیل کی۔

جملہ فنون میں مہارت تامہ حاصل ہو جانے کے بعد حدیث کی جانب متوجہ

ہوئے اور حضرت مولانا ماجد علی جونپوری کے حلقہ درس میں شامل ہو کر مسلسل پانچ برس تک علم حدیث کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس کا سلسلہ شروع کیا، اولاً مدرسہ حنفیہ آرہ میں اڑتیس برس تک صدارت تدریس کے فرائض انجام دیے اس کے بعد مدرسہ مطلع العلوم بنارس میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے لیکن ارباب مدرسہ حنفیہ آرہ کے شدید اصرار پر دو سال کے بعد پھر آرہ چلے گئے آرہ سے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کی طلب پر مدرسہ بیت العلوم سرائے میر (اعظم گڑھ) میں تشریف لائے۔

جس دور میں آپ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں تھے وہی دور مدرسہ کا زرّیں دور ہے، اسی دور میں مدرسہ بیت العلوم میں دورۂ حدیث کا سلسلہ شروع ہوا اور بڑے اچھے صاحب استعداد طلبہ عالم و فاضل بن کر مدرسہ سے نکلے۔

آخر میں آپ بعض وجوہ سے بیت العلوم سے علیحدہ ہو کر دارالعلوم مئو میں شیخ الحدیث ہو کر تشریف لائے اور یہیں ۲۱ رجب ۱۳۸۱ھ میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جونپوریؒ چودھویں صدی کے منتخب علماء میں تھے اس دیار میں معقول اور منقول میں آپ جیسا دوسرا عالم نہیں تھا۔ (تذکرہ علماء اعظم گڑھ، ص: ۱۸۵)

حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ کا اس موضع سے ننھالی اور سسرالی قرابت و رشتہ داری کے باعث بیشتر قیام رہتا تھا، آپ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آپ بڑے خدا ترس راسخ العلم عالم تھے، آپ کو دیکھ کر آپ سے مل کر متقدمین علماء کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ مولانا نے آخر عمر میں مولانا عبدالحق صاحب جگدیش پوری کی والدہ ماجدہ سے شادی کی تھی، مولانا عبدالحق صاحب اس وقت ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے، جگدیش پور میں مولانا عبدالحق صاحب کے ایک اور ساتھی حضرت مولانا افتخار احمد صاحب ہیں، حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ نے سب سے پہلے اس بستی کے انہی دونوں حضرات کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا،

دونوں حضرات آپ کی نگاہِ کیمیا اثر سے بڑے جید عالم وفاضل بنے۔

حضرت مولانا افتخار احمد صاحب مدظلہ

حضرت مولانا حافظ افتخار احمد صاحب دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہندوستان کی متعدد مرکزی اور علمی درسگاہوں میں بڑے کامیاب استاذ حدیث رہے۔ (آپ کا تذکرہ اساتذہ کے ضمن میں آرہا ہے)

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم دیوبند کے نامور فضلاء میں سے ہیں فراغت کے بعد پہلے آپ نے مطلع العلوم بنارس میں شروع سے آخر تک تمام کتابیں پڑھائیں، بنارس کے بعد دارالعلوم مئو میں شیخ الحدیث رہے، ایک لمبی مدت تک آپ یہاں کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین رہتے ہوئے تعلیمات اور افتاء کا کام بھی انجام دیتے رہے، دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ کے بعد آپ کو ارباب حل وعقد نے یہاں بلالیا اور جب سے اب تک دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث ہیں۔

آپ علمی تبحر کے ساتھ ایک اچھے واعظ مفتی اور بڑی معاملہ فہم شخصیت ہیں۔

جگدیش پور میں ان دونوں حضرات کے بعد علم وفضل کا ایک زریں سلسلہ چل پڑا۔

حافظ ولی محمد صاحبؒ

اس بستی کی دوسری بزرگ شخصیت جن سے تعلیم قرآن اور حفظ کا سلسلہ شروع ہوا، جناب حافظ ولی محمد صاحب ہیں تعلیم قرآن کے آپ بڑے بافیض استاذ اور ولی صفت بزرگ تھے، ساری زندگی آپ نے قرآن کریم کی تعلیم دی، حفظ قرآن کریم کا آپ سے ایک سلسلہ چلا، استاذ محترم حضرت مولانا افتخار احمد صاحب مدظلہ سے معلوم ہوا کہ آپ کے جید تلامذہ کی کم از کم تعداد پینتیس ہے۔

آپ کے شاگردوں میں سے چند قابل ذکر حضرات کے نام درج کئے جاتے ہیں:

جناب حافظ محمد فہیم صاحب، جناب حافظ محمد مصطفیٰ صاحب، جناب حافظ مولوی محمد ایوب صاحب (یہ حضرات اب انتقال کر چکے ہیں)

جناب حافظ انوار الحق صاحب مدظلہ، آپ جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی جگدیش پوری استاذ دار العلوم دیوبند اور ایڈیٹر رسالہ دار العلوم دیوبند کے پدر بزرگوار ہیں۔

حافظ محمد حنیف صاحبؒ

جناب الحاج الحافظ محمد حنیف صاحبؒ آپ جناب حافظ ولی محمد صاحبؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ بافیض ثابت ہوئے اور حضرت الاستاذ کے بعد آپ ہی صحیح جانشیں ہوئے۔

آپ نے جگدیش پور کے مکتب میں بیٹھ کر قرآن کریم کی تعلیم کا آغاز کیا آپکے دونوں تدریسی دور کو ملا کر بستی کی تقریباً تین پشتوں نے استفادہ کیا۔

آپ سے ابتدائی تعلیم، ناظرہ قرآن پاک اور حفظ کی تعلیم پانے والوں میں ایسے حضرات کے نام نظر آتے ہیں جنہوں نے بعد میں انتہائی تعلیم اور پھر تدریس کے میدان میں پہنچ کر بڑی شہرت حاصل کی، ذیل میں چند قابل ذکر حضرات کے نام ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) جناب مولانا حافظ افتخار احمد صاحب مدظلہ المذکور۔

(۲) جناب مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ المذکور حال شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند۔

(۳) جناب مولانا افتخار احمد صاحب ثانی قاسمی مدرس و امام و خطیب ابوظہبی۔

(۴) جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی استاذ حدیث دار العلوم دیوبند و ایڈیٹر رسالہ دار العلوم دیوبند۔

(۵) جناب حافظ و قاری شمیم احمد صاحب قاسمی استاذ تجوید مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ۔

جناب الحاج الحافظ محمد حنیف صاحبؒ نے اپنی حیات کا ایک بڑا حصہ اپنی بستی

جگدیش پور میں ہی تدریسی خدمات اور گھریلو امور کی دیکھ بھال میں گذار دی۔

بعض حضرات خاص طور پر اپنے بچپن کے ساتھی جناب مولانا عبدالرحمٰن ناصر جامعی کے اصرار پر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں حفظ کی تعلیم کے لیے آمادہ ہوئے اور اس مدرسہ میں ایک طویل مدت تک قرآن کریم کی تعلیم دی، مگر یہاں کا قیام بادلِ ناخواستہ ہی رہا، کیوں کہ مدرسہ ہٰذا جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے مسلک کا ترجمان ہے اور حضرت حافظ صاحب حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کے معتقدِ خاص، دونوں میں بونِ بعید۔ بالآخر آپ مدرسۃ الاصلاح سے مستعفی ہوگئے اور حضرت پھولپوریؒ کے قائم کردہ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے اربابِ حل وعقد کی خواہش وفرمائش پر حفظ کے استاذ ہوگئے، آپ کی عمر جب کہ اسی (۸۰) سال سے متجاوز تھی، لیکن درسگاہ کی حاضری میں پابندی، مسجد میں جاکر نماز باجماعت کا پورا اہتمام نیز دیگر مشاغل کی پابندی میں اچھے اچھے جوانوں کو آپ پر رشک آتا تھا۔

اخلاق وسیرت اور عبادت وریاضت

جناب حافظ محمد حنیف صاحبؒ نہایت یکسو کم گو اور کم آمیز طبیعت ومزاج کے مالک تھے، مزاج وطبیعت میں سادگی کے باوجود آپ بہت بارعب تھے، دورِ حاضر کے تلامذہ اور آپ کے ابتدائی دور کے شاگرد جو آج خود بھی دورِ شیخوخت سے گذر رہے ہیں آپ کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے۔

ابتداءِ حیات ہی سے آپ نماز باجماعت کے نہایت مضبوطی سے پابند تھے ہی، تہجد کی نماز بھی آپ کی سفر میں ہوں یا حضر میں کبھی قضا نہیں ہوئی، نماز باجماعت کے معاملے میں آپ کسی کی رعایت اور مداہنت کے ذرا بھی روادار نہیں تھے، اس سلسلے میں آپ اپنی مثال تھے۔ آپ اپنی بستی میں جمعہ اور جماعت کے ایک عرصہ دراز تک امام رہے، جب آپ کے تلامذہ تکمیل تعلیم کے بعد بستی میں واپس آگئے تو آہستہ آہستہ آپ نے نماز کی امامت اور جمعہ اور عیدین کا خطبہ وامامت ان کے حوالہ کردی۔

صاحبِ سوانح

شیخ القراء المقری الحافظ الحاج مولانا قاری ابوالحسن ابن الحاج الحافظ محمد حنیف (ولادت: ۱۹۱۳ء، وفات: ۸/ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ) ابن رجب علی —— ۱۹۴۱ء مطابق ۱۳۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد ماجد کا تذکرہ ابھی اوپر گذرا، آپ کی والدہ ماجدہ بھی ایک نیک سیرت، صوم صلوٰۃ اور تلاوت قرآن کریم کی نہایت پابند خاتون تھیں، ولی صفت بزرگ جناب الحافظ ولی محمد صاحبؒ المذکور کی پوتی تھیں اور دادا کی جانب سے نسبت قرآنی کی مکمل نمائندہ تھیں، ایسے خوش اوقات والدین کے زیر سایہ آپ کی پرورش ہوئی۔

ابتدائی تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم وطن ہی میں مختلف اساتذہ کی زیر نگرانی انجام پاتی رہی، موضع جگدیش پور کے مدرسہ میں اس وقت مکمل استقلال کے ساتھ زیادہ مدت تک کسی ایک استاذ کا قیام نہیں رہ پاتا تھا، مدرسین آتے اور جاتے رہے ان میں سے ابتدائی اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) سب سے پہلے استاذ تو خود آپ کے والد محترم الحاج جناب حافظ محمد حنیف صاحبؒ ہیں۔

(۲) جناب قاری عبدالرب صاحب، آپ کے ضلع اعظم گڑھ کے موضع کوہنڈہ کے رہنے والے ہیں، آپ کا موضع جگدیش پور سے سسرالی رشتہ بھی ہے، بڑے مرفوع الصوت اور خوش گلو قاری ہیں۔ آپ جب کبھی جگدیش پور تشریف لاتے تو محلہ کے خورد و کلاں سب ہی کی یہ خواہش ہوا کرتی کہ اذان آپ ہی دیں اور نماز بھی پڑھائیں، اذان دیتے وقت آپ کی آواز کی کشش سے چھوٹے بڑے اور مرد و عورت سب ہی گوش برآواز ہو جاتے، کشاں کشاں مسجد کی طرف چلے آتے، ملک کی

آزادی کا زمانہ تھا، ایک عجیب سی اتھل پتھل تھی، پورا ملک شکست وریخت کے دور سے گذررہا تھا، مسلمانوں پر طرح طرح کے خوف وہراس طاری تھے، گاؤں کے مکتب میں ان دنوں جناب قاری عبدالرب صاحب ایک نظم بچوں کو یاد کراکر پڑھوایا کرتے تھے، وہ نظم اس وقت تو یاد نہیں رہی، اس کا ایک مصرعہ یادرہ گیا ہے ؂

مسلمانوں نہ گھبراؤ ابھی اسلام باقی ہے

اس نظم کو پڑھتے اور سنتے ہوئے ایک عجیب سا احساس قلب ودماغ پر طاری ہوتا تھا۔ دھندلا دھندلا سا اثر آج تک دل پر باقی ہے۔

جناب قاری عبدالرب صاحب ماشاء اللہ آج بھی حیات ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی حیات میں برکت عطا فرمائے، اور بیش از بیش جزا خیر عطا فرمائے۔ (ماخوذ از اثری)

(۳) تیسرے استاذ کا اسم گرامی (غالباً) جناب مولوی علی حسن صاحب ہے، آپ مہوارہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ بچپن کی تعلیم کے بعد ایک بہت طویل عرصے کے فصل سے مہوارہ میں ملاقات ہوگئی تھی، یہ معلوم کرکے کہ میں آپ کا وہ ادنیٰ شاگرد ہوں جس نے اتنے عرصہ پہلے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا اور آپ کی دعاؤں کے طفیل آج براعظم ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں تجوید وقراءت کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ آپ کو اتنی خوشی ہوئی کہ آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلک آئے، پھر دیر تک ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ آپ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، نہیں معلوم اب حیات ہیں یا اللہ کو پیارے ہو چکے، اگر حیات ہوں تو اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ حیات کی شادمانیوں سے نوازے اور اگر واصل بحق ہوگئے ہوں تو خاص اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین! (ماخوذ از اثری)

(۴) جناب ماسٹر محمد انیس صاحب جنہیں بچپن میں ہم طلبہ مولوی صاحب کہا کرتے تھے، آپ نوادا ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، آپ طلبہ پر بڑے شفیق تھے، بڑے ذاکر وشاغل تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ

مرقدہ سے آپ اصلاحی تعلق رکھتے تھے، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ سے بھی آپ کو ملازمانہ تعلق تھا، عمر زیادہ نہیں ہوئی تقریباً جوانی ہی میں انتقال فرما گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حفظ قرآن کریم

آپ کے گھر کا ماحول قرآنی، نورانی وعرفانی تھا اس کی برکت سے کم عمری ہی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کرلیا تھا، آپ کے تحفیظ قرآن میں زیادہ حصہ آپ کے والد محترم کا ہے، والد صاحب کی خصوصی توجہ اور رات اور دن کی نگرانی سے تھوڑے ہی دنوں میں مکمل کرلیا۔

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخلہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلفاء میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب نوراللہ مرقدہ (م:.........) کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، آپ کا وطن ثانی پھولپور ہے، آپ نے اپنے مرشد کی دعاؤں کے سایے میں قصبہ سرائے میر میں آبادی سے باہر کھلی فضا میں علم صحیح کے لیے، بدعت وخرافات اور فرقِ باطلہ کی نحوستوں سے حفاظت کے لیے ۱۳۴۹ھ میں ایک مدرسہ ''بیت العلوم'' کے نام سے قائم فرمایا۔ وقت قیام سے آج تک اس مدرسہ کی علمی ودینی واصلاحی خدمات کا ایک زرّیں سلسلہ ہے علاقہ سے لے کر ملک گیر پیمانہ تک اس کی خدمات کا سلسلہ دراز ہے، حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد آپ کو مدرسہ ہٰذا میں داخل کردیا گیا۔

حفظ قرآن کریم کا دور

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخلے کے بعد اوّلاً جس شخصیت سے سابقہ پڑا وہ کچھ ایسی جاذب قلب ونظر ثابت ہوئی کہ اوّل روز سے آج تک آپ کی دلآویز شخصیت کے اثرات جاگزیں ہیں وہ محسن شخصیت ہے حضرت الاستاذ الحاج حافظ محمد نسیم صاحب مدظلہ کی ذاتِ گرامی (ولادت: ۱۹۳۰ء) مدرسہ ہٰذا میں آپ کی ابتداء فارسی سے ہوئی، پہلے سال دو گھنٹے خالی تھے، یہ واضح رہے کہ مدرسہ ہٰذا میں اس وقت (اور آج بھی) تمیں

منٹ کا تعلیمی گھنٹہ ہوتا تھا اور چوں کہ اساتذہ اپنی اپنی درسگاہوں میں تشریف فرما ہوتے تھے، اور وقت کے نہایت پابند ہوتے تھے، گھنٹہ بجتے ہی فوراً سبق شروع ہو جاتا تھا، سبق کی تقریر حشو وزوائد سے خالی ہوا کرتی تھی، آج کل کی طرح نہایت غلط اور لغو مروّجہ انداز درس نہیں ہوتا تھا۔ اب تو حال یہ ہے کہ اساتذہ عموماً بہت تاخیر سے درسگاہوں میں پہنچتے ہیں، سبق میں فضول لمبی چوڑی تقریروں کا سلسلہ چلتا ہے، پتہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ سبق ہو رہا ہے یا جلسہ میں تقریر وخطابت، ساٹھ منٹ کے گھنٹے، صرف چالیس منٹ کے رہ جاتے ہیں، نہ وقت پر صحیح طور پر نصاب کی تکمیل ہوتی ہے اور نہ صحیح اور مفید درس ہاتھ آتا ہے، سال کے آخر میں تو چل میں آیا والا معاملہ رہ جاتا ہے۔ خدا ہی جانے کہ نظامِ تعلیم کی اس بدعت سیہ کا خاتمہ کس طرح اور کب ہوگا، آثار تو نظر نہیں آرہے ہیں کیوں کہ اس غلط انداز درس کی بڑی دوراز کار تاویلیں کی جارہی ہیں، اس طرز کو مفید اور کارآمد طرز تعلیم بتایا جارہا ہے، بہر حال مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اس وقت ایسے اساتذہ پر مشتمل تھا جو اس طرح پڑھنے پڑھانے کو نہایت لغو، بے فائدہ اور نقصان دہ سمجھتے تھے، ان حضرات کے سبق میں مغز ہی مغز ہوتا تھا، درس زوائد اور فضولیات سے خالی ہوتا تھا اس لیے تیس منٹ کے گھنٹے میں پورا پورا سبق بھی ہوتا تھا اور ضروری مفید نصائح بھی مل جاتے تھے۔

اس لیے اگر دو گھنٹے خالی تھے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔

صاحب تذکرہ چوں کہ حافظ قرآن پاک تھے اس لیے یہ خالی گھنٹے قرآن کریم کا دور کرنے کے لیے درجۂ حفظ کے مایۂ ناز بے مثال اور نہایت بافیض استاذ حضرت استاذ الاساتذہ جناب الحافظ الحاج محمد نسیم صاحب متعنا اللّٰہ بفیوضہم کے پاس رکھے گئے۔

صاحب تذکرہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

”میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ مجھے تو قرآن کریم یاد ہے، یہ دو گھنٹے اگر خالی ہی رہتے تو اچھا

رہتا، مگر یہ تو بچپن کے ناقص خیالات تھے، بعد میں احساس ہوا کہ نظامِ مدرسہ کا احسان تھا کہ یہ گھنٹے خالی نہ چھوڑ کر حضرت الاستاذ سے استفادہ کے لیے مقرر کئے گئے۔

حضرت الاستاذ جناب حافظ محمد تسیم صاحب اس وقت جوان تھے، تقریباً ستائیس سال آپ کی عمر تھی، گورے چٹے نہایت خوبصورت بے حد خوب سیرت، نفس کش، خوش مزاج، لطیفہ سنج، مگر ان سب اوصاف کے پہلو بہ پہلو بڑے بارعب بھی، حفظ پڑھانے کا ایسا عمدہ اور دلکش انداز کہیں اور نہ دیکھا''۔

صاحبِ تذکرہ آگے لکھتے ہیں:

''ہمارے ایک ساتھی تھے جناب حافظ ابواللیث صاحب ملک شہ پوری، (حال استاذ مدرسہ اِشاعت العلوم کوٹلہ اعظم گڑھ) آپ کو قرآن پاک بہت اچھا یاد تھا اور پڑھتے بھی خوب تھے، سب سے زیادہ مقدار میں آپ ہی سناتے تھے، میرا ان کا ایک طرح سے تقابل ہو گیا تھا، حافظ صاحب کا کرم تھا کہ انشراح کے ساتھ احقر کو بھی زیادہ سے زیادہ سنانے کی اجازت ہو گئی تھی، اس تقابل اور حوصلہ افزائی سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سال بھر میں چونتیس یا چھتیس بار آپ کو قرآن کریم سنایا اور یہ حافظ صاحب مدظلہ کی نوازشات تھیں کہ قرآن کریم بحمد اللہ تعالیٰ ایسا اچھا یاد ہو گیا کہ اس کا اثر آج تک ہے اور انشاء اللہ آخر تک حافظ صاحب کے فیض اور برکات کے اثرات رہیں گے، آپ کا یہ عظیم احسان ہے جس کا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا، اللہ رب العزت آپ کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے''۔

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر سے آپ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم کی طلب پر مدرسہ ضیاء العلوم مانیکلاں جونپور تشریف لے گئے اس وقت مدرسہ ضیاء العلوم کا درجۂ حفظ نہایت کسمپرسی کی حالت میں تھا، درجۂ حفظ تقریباً ختم سا تھا، پانچ طالب علم کو لے کر حافظ صاحب نے اپنی جدوجہد کا آغاز فرمایا اور پھر تھوڑے

ہی دنوں میں آپ کے بافیض طرزِ تعلیم نے درجۂ حفظ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، عرصۂ دراز تک یہاں سے آپ کے ذریعے تحفیظ قرآن کریم کا زبردست اور بے مثال کارنامہ انجام پایا، دور دور تک حفاظ کا طویل سلسلہ آپ سے پھیلا۔

اس وقت آپ کی عمر تقریباً چوہتر (۷۴) سال ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض کو دراز فرمائے، صحت وعافیت کے ساتھ تادیر آپ کا سایہ قائم ودائم فرمائے آمین!

فارسی وعربی کی تعلیم

مدرسہ بیت العلوم میں ابتدائی فارسی کے ساتھ اردو سیرت اور سیرت صحابہؓ پر بھی دو کتابیں پڑھیں سیرت پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سیرت خاتم الانبیاء اور سیرت صحابہؓ پر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی حکایات صحابہ اردو میں حکایات صحابہ کے ختم ہوجانے کے بعد ''تیسیر المبتدی'' یہ دونوں کتابیں جناب مولانا حافظ مبین احمد صاحب سندانوی (ولادت:۱۹۳۹ء) جو اس وقت اونچی جماعت کے ذہین ترین طالب علم تھے، ہماری جماعت کو پڑھائیں، موصوف اس وقت بھی بڑے ہونہار تھے، اساتذہ کے چہیتے اور محبوب تھے، میرے اوپر بڑی شفقتیں تھیں، اور آج تک ہیں۔

موصوف یہاں سے فراغت کے بعد ایک سال کے لیے مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں جونپور میں رہے، بعدہ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے فراغت وتکمیل کی دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹری کی تعلیم بھی حاصل کی، آپ گوناگوں خوبیوں کے مالک اور بڑی دلآویز شخصیت کے حامل ہیں اللہ تعالیٰ صحت وسلامتی کے ساتھ آپ کو طویل عمر سے نوازے اور خلق خدا کو آپ سے بیش از بیش نفع پہنچائے آمین!

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں آپ نے اولاً فارسی دو سال تک پڑھی، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دو سال تک مدرسہ بیت العلوم سرائے میر آپ روزآنہ پاپیادہ اپنے موضع جگدیش پور سے جاتے اور شام کو واپس آتے جگدیش پور سے

سرائے میر آٹھ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے یہ مجاہدہ کرایا آج اس کی برکات بھی ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ فارسی کے اساتذہ درج ذیل ہیں۔

حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ (مسورن ضلع سلطانپور) (م:۱۳۸۶ھ)

مولانا ولی محمد صاحبؒ اپنے نام ہی کی طرح نہایت نیک اور پارسا تھے، ابتداء ہی سے اپنے اساتذہ کے چہیتے تھے، آپ کو عمر کم ملی اور ابھی جوان ہی تھے کہ اللہ کو پیارے ہوگئے اس وقت آپ کے ایک صاحبزادے چھوٹی عمر کے تھے، مگر اللہ رب العزت نے استاذ محترم کے علمی سلسلہ کو باقی رکھنے اور اسے ترقی دینے کے لیے اس چھوٹے سے بچے کو قبول فرمالیا اور آج ماشاء اللہ یہی صاحبزادے مدرسہ ہذا کے صدر مدرس مولانا عبدالرشید صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) فارسی کے دوسرے استاذ مولانا عبدالقیوم صاحب بکھراوی اعظمیؒ (م:۱۴۱۵ھ) ہیں۔

(۳) فارسی کے تیسرے استاذ حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ ہیں آپ اس وقت مدرسہ ہذا کے ناظم بھی تھے، فارسی زبان میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔

(۴) چوتھے استاذ حضرت مولانا الحاج ابوسالم صاحب مدظلہ ہیں (ولادت ۱۸ر فروری جمعہ ۱۹۲۷ء) موصوف بڑے ذہین وفطین ہیں، افہام وتفہیم کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں عرصہ دراز تک مدرسہ ہذا کی نظامت اور دفتر اہتمام کی نگرانی آپ کے سپرد رہی۔

فارسی کے نصاب سے گذرنے کے بعد عربی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم شروع ہوئی۔

آپ نے مدرسہ ہذا میں تین سال تک عربی کی تعلیم حاصل کی، عربی کی ابتدائی کتابیں اور سال سوم کی تعلیم آپ نے حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ المذکور اور حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا اور مدرسہ کی عظیم شخصیت حضرت مولانا سجاد صاحبؒ سے حاصل کی۔

ابتدائی عربی کے اساتذۂ کرام

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ (م: ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ)

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، کا قیام دو ایسے ولی کامل کی دعاؤں اور مبارک ہاتھوں سے عمل میں آیا تھا جو اپنے زمانے میں بے نظیر تھے، اس لیے ایسے ایسے اساتذہ کو جمع کیا گیا تھا جو اپنے فرائض منصبی اور تعلیم و تعلم کے سلسلے میں کامل و مکمل تھے، قابل اور مقبول تھے، انہیں اساتذہ میں مدرسہ ہذا کے اولین استاذ، وقت قیام کے دو سال کے بعد ہی مدرس حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب ابن حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ بکھراوی اعظمی بھی تھے، آپ کا مدرسہ میں ۱۰ محرم ۱۳۵۱ھ میں تقرر رہوا۔

آپ ایک دینی و علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا حافظ رمضان صاحب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے مجاز بیعت تھے اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے اکابر خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت الاستاذ ۴ محرم ۱۳۲۴ھ میں، اپنے نانیہال موضع راجہ پور سکرور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، مقامی علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ۱۳۴۱ھ میں کانپور کے مشہور عربی مدرسہ اشرف العلوم میں تین سال زیر تعلیم رہے، ۱۳۴۵ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں پانچ سال تک مروجہ نصاب کی تکمیل فرمائی۔ دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ گرامی میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، اور حضرت مولانا رسول خاں صاحب ہزارویؒ، وغیرہ ہیں۔ دارالعلوم سے فراغت ۱۳۵۰ھ میں ہوئی۔ اور پھر اگلے ہی سال ۱۰ محرم کو

مدرسہ بیت العلوم کے بانی حضرت پھولپوریؒ کی طلب پر استاذ مقرر ہو گئے، اس سلسلے میں آپ کی تحریر ملاحظہ ہو:

"جب میں دیوبند سے فارغ ہو کر ۱۳۵۰ھ میں مکان آیا تو آنے کے ساتھ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری جو میرے والد کے پیر بھائی اور حقیقی دوست تھے۔

۱۰ رمحرم ۱۳۵۱ھ میں مجھے مدرسہ بیت العلوم میں مدرس رکھ لیا۔

اب میری ملازمت کو چھیالیس سال ہو رہے ہیں بزرگوں کی دعاء کا اثر ہے کہ حوادث ومصائب کے باوجود اتنے زمانہ تک علوم دینیہ کی خدمت کا موقع ملا۔

اب میری حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری بقیہ زندگی بھی انہیں طلبہ وعلماء وصلحاء کی خدمت میں گذرے اور انہیں سے تجہیز وتکفین کرادے اور حشر اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ ہو، اور ایمان پر خاتمہ ہو" (وفیات ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

واضح ہو کہ یہ تحریر ۱۳۹۵ھ کی ہے اس حساب سے کل مدت تدریس پینسٹھ برس ہوتی ہے۔ ۶۵ ر سال کا یہ طویل زمانہ صرف ایک مدرسہ میں گذار دیا جس کی مثال اصحاب درس علماء میں کمتر ہی ملے گی۔ مولانا کو مدرسہ بیت العلوم سے تعلق عشق کی حد تک تھا۔ اس سے دوری اور فرقت برداشت نہیں کر پاتے تھے۔

آپ سادگی تواضع اور خوش خلقی میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، اوقات میں انضباط اور پابندی اس درجہ میں تھی کہ اس میں تخلف مشکل ہی سے پیش آتا، قرآن کریم کی تلاوت عادت ثانیہ بن چکی تھی، اٹھتے بیٹھتے زبان پر کلام الٰہی کی آیتیں جاری رہتیں، مشہور تھا کہ سورۂ فاتحہ کی طرح پورا قرآن پاک آپ کو یاد تھا، نماز فجر کی امامت مدرسہ میں آپ ہی کے ذمہ تھی، کیف ما اتفق کہیں سے تلاوت فرما دیتے تھے۔

آپ کے پاس صرف نحو اور ادب کی کتابیں اور قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا۔

آپ کے پڑھانے کا انداز ایسا نرالا تھا کہ اسے پڑھانا نہیں بلکہ گھول کر پلانا کہا جائے تو بہتر ہوگا کتاب کی تقریر نہایت نپی تلی اور مختصر فرماتے اس لیے مقررہ وقت

سے کچھ پہلے ہی سبق پورا ہو جاتا، بقیہ وقت میں پاس ہی طلبہ کو بٹھاتے اور اپنے سامنے ہی سبق یاد کراتے، درجات عربیہ کے تمام طلبہ کی خالی گھنٹوں میں نشست آپ کے قریب سامنے ہی ہوتی اور مستقل نگرانی فرماتے۔ ذرا سا بھی وقت بیکار اور ضائع نہ ہونے دیتے ایسے استاذ کی مثال اب کہاں!۔

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کی ایک روایت یہاں کا سالانہ عظیم الشان جلسہ بھی ہے۔ اس جلسہ کی بڑی خصوصیت یہ رہی کہ یہاں ہر نظریہ کے علماء تشریف لاتے تھے۔ بانی مدرسہ حضرت مولانا پھولپوریؒ کی عظیم شخصیت کے پیش نظر کوئی بھی یہاں کی دعوت پر انکار نہیں کرسکتا تھا ۱۹۴۷ء اور اس کے آس پاس کا زمانہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جنگ کا زمانہ تھا، ملک میں بڑے بڑے علماء دو گروپ میں تقسیم ہو گئے تھے، ایک گروہ مسلم لیگ کا تھا اور دوسرا کانگریس کا، لیگی گروہ کے بڑے رہنما اور سرگرم نمائندہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تھے اور کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے بڑے رہنما اور قائد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی تھے، یہاں کے جلسۂ سالانہ میں دونوں بزرگوں کو ایک وقت میں ساتھ ساتھ لوگوں نے دیکھا اور سنا، عرض یہ کرنا ہے کہ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب جلسہ میں بالکل اوّل سے آخر تک ہر اجلاس میں اس طرح جم کر تشریف رکھتے اور نہایت انہماک سے تمام ہی علماء کی تقریریں سنتے تھے۔ اچھے اچھے صحت مند تو تھک جاتے تھے مگر آپ اوّل سے آخر تک تازہ دم رہتے تھے علماءِ متقدمین کی آپ کے اندر پوری پوری جھلک نظر آتی تھی۔

اوپر گذرا کہ حضرت مولانا کی خواہش تھی کہ آخر عمر تک آپ پڑھتے پڑھاتے دنیا سے جائیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش پوری فرمادی اور علماء اور صلحاء ہی کے ہاتھوں آپ کی تجہیز وتکفین عمل میں آئی اور انہیں کے کاندھوں پر آپ اپنے وطن بکھرا سے مدرسہ بیت العلوم پہنچے اور اسی کی خاک میں آسودۂ خواب ہو گئے۔

حضرت مولانا عبد القیوم صاحبؒ سے آپ نے فارسی کی عظیم اور عجیب وغریب کتاب، خزانۂ علم وحکمت ''گلستان سعدی'' پڑھی، حضرت مولانا صرف سبق پڑھا دینے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے، سبق کو یاد کراتے اور گھول کر پلا دیتے تھے، چنانچہ آپ کے اس انداز درس وتعلیم سے گلستاں کے اشعار کا ایک معتد بہ حصہ اسی زمانہ میں یاد ہو گیا تھا اور آج تک یاد ہے اور آپ ان سے اکثر کام بھی لیتے ہیں۔

حضرت مولانا ایک خوش لہجہ اور خوش آواز قاری بھی تھے۔ دوران تلاوت ودرس آپ کی آواز کی کشش سے چلتے ہوئے قدم تھم جاتے اور رک کر لوگ سننے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ آپ نے تجوید اور مشق وتمرین کا آغاز آپ ہی سے کیا، تین سال سے زیادہ عرصہ تک مشق کا سلسلہ رہا، تجوید میں آپ سے جمال القرآن، ضیاء القراءات اور تیسیر التجوید پڑھی، یہ سب کتابیں حفظ ہی پڑھیں۔ آگے چل کر اس سے ایک عظیم بنیاد بنی، حضرت مولانا کی صحبت سے ادبی ذوق کی ابتدا بھی ہوئی۔ حضرت الاستاذ ایک شیریں بیاں مقرر بھی تھے ساتھ ہی آپ کا ادبی اور شعری ذوق بھی بڑا ستھرا تھا۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ (م:۱۴۰۵ھ)

آپ کے تیسرے بڑے استاذ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب (ابن شیخ واجد علی ابن شیخ اشرف علی) ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۳۳۲ھ کی ہے، حضرت مولانا جونپور ضلع کے موضع عیسیٰ پور کے رہنے والے تھے۔ حفظ قرآن کریم آپ نے مانی کلاں جونپور میں جناب حافظ عبد الحئی صاحبؒ سے شروع کیا پھر تکمیل جونپور میں کی۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ بیت العلوم (اس کے آغاز کے وقت ۱۳۴۹ھ) میں حاصل کی اور پھر مدرسہ عین العلوم قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں داخلہ لیا اور یہاں مشہور بزرگ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی خصوصی نگرانی میں

فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں، حضرت الاستاذ کی ذہانت اور زمانہ طالب علمی کی صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مدرسہ عین العلوم میں دوران طالب علمی کافیہ تک کے طلبہ کو پڑھایا۔

شوال ۱۳۵۵ھ میں اپنے استاذ کے ارشاد پر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے میبذی، ملاحسن، مقامات اور ہدایہ ثالث سے تعلیم کا آغاز کیا، ۱۳۵۷ھ میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، دورۂ حدیث شریف میں آپ پوری جماعت میں اوّل نمبر سے کامیاب ہوئے، اس پر آپ کو بہت سی دقیع کتابوں کے ساتھ نقد دس روپے انعام دیئے گئے، دورۂ حدیث شریف کے بعد مزید ایک سال آپ نے فنون میں بیضاوی، رسم المفتی، حمد اللہ، توضیح تلویح، سراجی، مدارک، قاضی مبارک، اور مسلم الثبوت پڑھیں۔

تکمیل علوم کے بعد آپ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حکم سے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ضلع اعظم گڑھ تشریف لائے، اور پھر تادم آخریں یہیں رہے، یہاں آپ نے تدریس میں دورۂ حدیث شریف تک اور اسی کے ساتھ افتاء کی عظیم ذمہ داری بھی نباہی اور بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی رکھا۔

حضرت الاستاذ اپنے اندر متقدمین اساتذہ کی شان رکھتے تھے، آپ اس بات کے نہ صرف قائل تھے بلکہ بشدت عامل بھی تھے کہ ہر بڑے اور تجربہ کار استاذ کو چاہیے کہ منتہی کتابوں کے ساتھ ابتدائی کتابیں بھی اپنے زیر درس رکھے اور اپنے تجربات سے ان مبتدی طلبہ کی بنیاد کو ابتداء ہی سے مضبوط بنانے کی کوشش کرے اور اس میں اپنی کوئی توہین نہ سمجھے، چنانچہ صاحب تذکرہ نے خود آپ سے سیرت خاتم الانبیاء اردو میں، اور مالا بدمنہ فارسی میں اور صغری کبری تیسیر المنطق یہ سب ابتدائی کتابیں پڑھیں افہام وتفہیم کا انداز بالکل نرالا تھا، سبق کی تقریر نہایت نپی تلی، بیش وکم اور خواہ مخواہ کی طوالت اور زوائد سے خالی طالب علم کے ذہن ودماغ میں سیدھے جگہ بنانے والی ہوتی تھی۔

طلبہ کی استعداد و صلاحیت کے سلسلے میں نہ صرف برابر متفکر رہتے تھے بلکہ مختلف قسم کی تدبیروں سے انہیں قابل اور لائق بنانے میں ساعی رہتے تھے، ایسے نہ جانے کتنے طلبہ تھے جو ادنیٰ درجہ کی صلاحیت سے بالکل خالی ہوتے تھے، ایک سطر عبارت پڑھنے سے قاصر لیکن آپ نے اپنی تدبیروں اور کوششوں سے انہیں نہ صرف یہ کہ بیٹھے ہوئے سے اٹھایا، چلادیا، اور دوڑادیا حتی کہ وہ وہاں سے پڑھ کر آگے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور تک پہنچ کر فارغ و فاضل ہوئے اور اپنی کامیاب تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ صاحب سے آپ نے مذکورہ بالا کتابوں کے ساتھ منطق، اور فقہ کی شرح التہذیب اور قدوری تک کی کتابیں پڑھیں۔ آپ سے حضرت الاستاذ اپنے فتاویٰ کی نقلیں بھی کراتے تھے، چوں کہ آپ کی تحریر حضرت الاستاذ کی تحریر سے بہت قریب تھی، اس لیے عموماً دیگر تحریری کاموں کی صفائی اور نقول کا کام بھی لیتے تھے۔

آپ بہت کم آمیز تھے بلاضرورت کسی سے نہیں ملتے تھے، متقدمین حضرات کی شان کے حامل اپنے کام سے کام، گوشۂ تنہائی کو پسند فرماتے تھے۔

نماز فرض کی ادائیگی کے بعد سنت ونوافل گھر پر ادا فرماتے، فرض وسنت کی ادائیگی کے درمیان کسی سے کسی قسم کی گفتگو ہرگز پسند نہ فرماتے، تاکہ فرض اور اس کے بعد کی سنت میں فصل واقع نہ ہو۔

حضرت الاستاذ بڑے بارعب تھے، آپ کے تلامذہ جو آپ کے زمانے ہی میں بڑی مرکزی درسگاہوں میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، بعض شیخ الحدیث بھی ہوگئے تھے، لیکن جب بھی آپ کی زیارت اور ملاقات کے لیے حاضری دیتے تو بہت سنبھل کر پہلے سے تیاری کر کے حاضر ہوتے۔ درس سے باہر آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہوتی، مگر دورانِ درس وہی حضرت نہایت شفیق ماں کی طرح پیش آتے طلبہ کے ذہن کو قریب کرنے کے لیے کبھی کبھی سبق کے دوران ہلکے پھلکے علمی لطیفے بھی سناتے خود بھی

مسکراتے اور طلبہ کو ہنسا دیتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی خاص خوبیوں میں اپنی مثال آپ تھے، ایسی شان کے سراپا عمل استاذ کہاں ملیں گے۔

حضرت الاستاذ کو امت کے بگاڑ اور اس کی دینی خستہ حالی سے بڑا قلق وصدمہ رہتا تھا، آپ جن جن خرابیوں کو دیکھتے یا سنتے تھے، ان کی جانب اپنے مواعظ میں بطور خاص بڑے اہتمام سے نشاندہی فرماتے تھے، آپ کے مواعظ بڑے مفید اور پر تاثیر ہوتے تھے، آپ کے تلمیذ رشید استاذ زادۂ محترم مولانا عبدالرشید صاحب مدظلہ نے وہ مواعظ حضرت مولانا کی حیات ہی میں جمع کرنے شروع کر دیے تھے، اب آپ نے ان کی طباعت کا انتظام بھی شروع کر دیا ہے، اس وقت مختلف اہم موضوعات پر درج ذیل مواعظ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں۔(۱) بریلی، وہابی، دیوبندی کے اتحاد کی صورت۔(۲) حقیقت عاشورہ اور محرم (۳) ہدایۃ المبتدی (۴) اسلامی عقیدے (۵) امتحان خلیل اور قربانی (۶) چہل حدیث (۷) ادعیہ ماثورہ (۸) وعظ شب براءت۔ یہ سارے ہی رسائل نہایت ہی مفید ہیں۔

آپ کو اولاً بیعت کا تعلق حضرت تھانویؒ سے ہوا، حضرت تھانویؒ نے آخر میں اپنے خلیفہ خاص حضرت مولانا عیسیٰ صاحبؒ کے حوالہ فرمادیا آپ کے انتقال کے بعد ۱۳۶۳ھ میں حضرت پھولپوریؒ سے سلاسل اربعہ میں بیعت کی، پھر حضرت پھولپوریؒ کے وصال کے بعد ۱۳۸۳ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے بیعت ہوئے، اور ۱۳۸۸ھ میں آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی، متعدد حج کیے۔

انتقال سے پہلے آپ کے اوقات نہایت قابل رشک تھے حتی کہ آخری سانس تک ہوش وحواس کی مکمل درستگی کے ساتھ ۱۳ رشعبان یکشنبہ ۱۴۰۵ھ تقریباً ۱۰ ربجے شب میں بعمر ۷۳ رسال واصل بحق ہوگئے رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ!!!۔(ماخوذ از ڈائری

وتاریخ علماء مظاہر علوم، ص: ۲۹۳ تا ۲۹۵، اتحاد کی صورت، ص: ۳ تا ۱۱)

حضرت مولا افتخار احمد صاحب مدظلہ

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے چوتھے استاذ حضرت مولانا الحاج الحافظ افتخار احمد صاحب جگدیش پوری اعظمی ہیں۔ ولادت: ۱۹۳۴ء ہے۔ مبدأ فیاض نے آپ کو گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے، آپ نے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن حضرت الحاج الحافظ محمد حنیف صاحبؒ (صاحب تذکرہ کے والدِ محترم) سے اپنے وطن جگدیش پور میں کیا، اس کے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جونپوریؒ، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحب وغیرہ سے متوسطات تک پڑھا، آخر میں آپ نے فراغت دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ مطلع العلوم بنارس سے آپ تدریس کا آغاز فرمایا۔ بنارس میں ایک مدت تک تدریس کے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں تبلیغ کے منصب پر آپ کا تقرر ہوا۔ اسی دوران مدرسہ ہذا میں منتہی جماعتوں کو دیوانِ متنبی وغیرہ کتابیں بھی پڑھائیں۔

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے بعد آپ بہار کے مشہور ضلع گریڈیہہ تشریف لے گئے، وہاں آپ نے جامعہ حسینیہ کو جو انحطاط کا شکار ہو گیا تھا، اسے اپنی مساعی سے ترقی کی راہوں پر گامزن کیا۔

جامعہ حسینیہ گریڈیہہ کے بعد آپ مدرسہ مفتاح العلوم بھیونڈی مہاراشٹر تشریف لے گئے، بھیونڈی کے بعد آپ کو مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے ارباب حل وعقد نے دوبارہ ناظم مدرسہ کے منصب کے لیے بلا لیا، مدرسہ ہذا میں آپ کے حسنِ انتظام اور نظم وضبط کا جوہر بھی سامنے آیا، چند سال کے بعد آپ کو مشرقی یوپی کے مشہور ومعروف علمی ادارے دارالعلوم مئو میں دراسات علیاء کے لیے مدعو کیا گیا۔ یہاں آپ نے نہایت کامیابی اور عمدگی کے ساتھ نمایاں انداز میں مسلم شریف وغیرہ

جیسی اہم اور بڑی کتابیں پڑھائیں، دارالعلوم مئو میں آپ نے ایک طویل مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں سے آپ کو باصرار ہندوستان کے مشہور مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں مدعو کیا گیا، یہاں آپ نے بخاری شریف وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد کانپور کے مشہور زمانہ مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور میں دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ میں نمایاں مقام کے حامل رہے۔

حضرت مولانا افتخار احمد صاحب ایک بہترین حافظ، جید عالم، شیریں بیان مقرر اور خطیب اور نظم وانتظام کے عمدہ صلاحیتوں کی حامل شخصیت ہیں۔

آپ ہر موضوع اور ہر فن کی بڑی سی بڑی کتابیں بے تکلف پڑھاتے ہیں، چوں کہ ایک عمدہ مقرر بھی ہیں قوت گویائی کا حظِ وافر آپ کو حاصل ہے اس لیے کتنی خشک اور مشکل کتاب ہو اسے اپنے انداز بیان سے بڑی دلچسپ بنا دیتے ہیں، اور طلبہ کی توجہات کا مرکز رہتے ہیں۔

ایسے قابل اور باصلاحیت استاذ کو دارالعلوم دیوبند میں ہونا چاہیے تھا اور دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ کے موقع پر آپ کی طرف نظر اٹھی بھی تھی مگر برا ہو سیاسیات کی نحوست کا کہ آپ کی متنوع صلاحیتوں سے محرومی رہی۔

حضرت مولانا افتخار احمد صاحب سے تعلق صاحب تذکرہ کو اپنے عربی کے اساتذہ میں سب سے زیادہ ہے، مولانا موصوف ایک طرف اگر آپ کے استاذ ہیں تو دوسری طرف خود آپ مولانا کے استاذ زادہ ہیں، اس دوطرفہ تعلق نے ایک دوسرے کو بہت قریب کردیا۔

کانپور میں رہتے ہوئے، مولانا پر سخت فالج کا حملہ ہوا، آج تک مولانا اس حملے کا شکار ہیں تعلیم وتدریس سے انقطاع ہے۔ زیر علاج ہیں۔ حضرت کی یہ حالت دیکھ کر دل روتا ہے، اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے مولانا کو صحت عاجلہ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔

دارالعلوم مئوناتھ بھنجن

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر (صَانَهَا اللّٰه تعالیٰ عن الشرور والفتن) کے بعد صاحب سوانح مزید تعلیم کے لیے ضلع اعظم گڑھ کے مشہور قصبہ (اور اب خود ضلع) مئو دارالعلوم تشریف لے گئے۔

مدرسہ دارالعلوم مئو صرف مشرقی یوپی ہی کا نہیں بلکہ اپنی گراں قدر اور عظیم علمی خدمات کے باعث ہندوستان کا ایک عظیم اور مرکزی ادارہ ہے، یہاں کے فضلاء اور مستفیدین میں ایسے عظیم رجال نظر آتے ہیں جنہوں نے ایک دور اور دائرے کو متاثر کیا ہے اور اپنی عظیم خدمات کی زبردست چھاپ چھوڑی ہے۔

دارالعلوم مئو کے اساتذہ

یہاں کے عربی کے اساتذۂ کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ آپ جیسی زبردست علمی اور کتابی صلاحیتوں کے حامل عالم کم دیکھے گئے ہیں۔ آپ کے لیے ہر موضوع اور ہر فن گویا ازبر تھے۔ دورانِ درس کتاب پر کم ہی نظر رہتی تھی۔ ادب ہو یا منطق حدیث ہو یا فقہ سب پر یکساں عبور تھا، مدرسہ ہذا میں اپنے وقت کے مقبول ترین استاذ تھے۔ عمر بہت تھوڑی پائی اڑتالیس یا انچاس سال کی عمر میں وفات پاگئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(۲) دوسرے استاذ حضرت مولانا محمد سلطان صاحب دامت برکاتہم ہیں۔ اس وقت آپ صرف ایک کتاب شرح جامی پڑھانے آیا کرتے تھے اور بلا معاوضہ پڑھاتے تھے۔ شرح جامی کا درس آپ کا مشہور تھا۔ آپ بڑے متحمل مزاج ہیں، دورانِ درس طلبہ کی جانب سے کسی بھی قسم کے اعتراض سے آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، نہایت تحمل کے ساتھ سنکر جواب عنایت فرماتے، آپ نے خانگی حالات کے باعث اب تدریس

چھوڑدی ہے، کاش کہ آپ سلسلۂ درس جاری رکھتے اور اب جسمانی ضعف کے باعث گھٹنوں میں درد رہنے لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صحت وعافیت کے ساتھ آپ کی عمر دراز ہو۔ آمین!!

(۳) تیسرے استاذ حضرت مولانا محمد امین صاحبؒ تھے۔ آپ مدرسہ کے نہایت قدیم اور عمر دراز استاذ تھے۔ ادری ضلع اعظم گڑھ (اور اب ضلع مئو) کے رہنے والے تھے، بڑے ہی نحیف اور کمزور جسم وجسامت کے مالک تھے، متقدمین حضرات کے نمونہ تھے، بڑے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج بلند فرمائے! آمین!!۔

(۴) چوتھے استاد حضرت مولانا انعام الحق صاحب دامت برکاتہم ہیں۔ موصوف بڑی عمدہ استعداد کے مالک اور سبق کی تقریر نہایت مرتب اور مسلسل فرماتے تھے۔ آپ کا درس مدرسہ میں بہت مقبول ومشہور تھا، ایک طویل عرصہ تک تدریس کے ساتھ مدرسہ کے ناظم بھی رہے اور اب نظم وانتظام سے یکسو ہوگئے ہیں حضرت مولانا کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم وباقی رہے، آمین!

(۵) دارالعلوم مئو میں تعلیم کے دوران ایک سبق فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم سے بھی پڑھا۔

حضرت مفتی صاحب اس وقت مغتنمات دہر میں سے تھے، دارالعلوم مئو کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلایا گیا، آپ نے یہاں نہایت عظیم خدمات انجام دیں۔ آپ ایشیاء کے سب سے بڑے فقیہ اور مفتی تھے آپ کا مستقل تذکرہ آرہا ہے۔

❁❁❁

آپ کی تعلیم تجوید وقراءت

قرآن کریم کے چار حقوق ہیں:(۱) محبت (۲) عظمت (۳) تلاوت مع الصحت (۴) اطاعت۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن کریم میں صحت کا لحاظ بہت کم کیا جاتا ہے، قرآن کریم فصیح عربی میں نازل ہوا ہے، اس کے ہر حرف کی مستقل ادا ہے، پھر حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ حرکات وسکنات وتشدیدات کی صحیح ادائیگی بھی ضروری ہے۔عموماً حرکات کو صحیح ادا نہیں کیا جاتا، زیر اور پیش کو مجہول ہی ادا کرنے کا عام رواج ہے۔الا ماشاء اللہ۔

اس اعتبار سے آپ بڑے خوش قسمت واقع ہوئے تھے،قرآن کریم کی ابتداء آپ نے اپنے والد محترم سے کی تھی اور ابتداء ہی سے والد محترم نے صحیح حروف کے ساتھ حرکات کی صحیح ادا کی طرف بھی توجہ رکھی، اس لیے آپ کی ادائیگی شروع ہی سے بہتوں سے اچھی تھی، آپکے والد صاحبؒ اچھا قرآن پاک پڑھتے تھے۔

حفظ کی تعلیم کی تکمیل کے بعد جیسا کہ گذرا آپ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخل ہوئے، وہاں ابتداء ہی سے حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ سے ابتدائی مشق وتمرین کے ساتھ جمال القرآن،ضیاء القراءت اور تیسیر التجوید، تین کتابیں حفظ کیں۔

حضرت المقری معین الدین صاحبؒ

کافیہ کے سال خوش قسمتی سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا المقری ریاست علی صاحب بکری آبادی ثم الٰہ آبادی کے منجھے ہوئے بڑے مشاق شاگرد اور حضرت مولانا

المقری محمد مصطفیٰ مئویؒ سے استفادہ کئے ہوئے حضرت قاری معین الدین صاحبؒ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں بلائے گئے۔اوراس طرح آپ کوایک ماہر تجوید، مشاق اور خوش لہجہ استاذ کی شاگردی نصیب ہوئی۔

حضرت قاری معین الدین صاحب مشق پر بہت زور دیتے تھے،طلبہ پر بہت محنت کرتے تھے، گھبراتے اور اکتاتے نہ تھے۔آپ سے تلمذ کا شرف اگر چہ بہت زیادہ عرصہ تک نہیں ملا مگر جتنے ماہ بھی مل گئے وہ زبردست چھاپ چھوڑ گئے، لہجے کی نقل اور ادائیگی حروف اور اس میں مضبوطی بھی حاصل ہوئی، تجوید کے طلبہ پر آپ کی شفقتیں بے مثال تھیں، طرح طرح سے حوصلہ افزائی فرماتے تھے،حتی کہ خاص طلبہ کو دماغی طاقت وقوت کے لیے بادام استعمال کرنے کو پیسے بھی عنایت فرماتے۔اس بات کے لے ہمہ وقت فکر مند رہتے کہ آپ سے پڑھنے والے کچھ نہ کچھ بن جائیں۔

آپ کو ابتداءً کچھ مایوسی سی ہوئی،حضرت الاستاذ نے مختلف انداز میں حوصلہ افزائی فرمائی، ایک بار آپ نے یہاں تک فرمایا کہ مایوس نہ ہو، جہاں جاؤ گے ممتاز رہو گے،اس وقت تو آپ کا ارشاد کچھ یونہی سالگا،محض حوصلہ افزائی کا ایک جملہ،مگر بعد کے حالات نے آپ کے ایک ایک لفظ کو سچ کر دکھایا۔

اگلے سال کی تعلیم کے لیے جب دار العلوم مئو کا قصد ہوا اور پھر داخلہ کے بعد ایک گھنٹہ تجوید کے لیے طے ہوا تو مدرسہ دار العلوم مئو کے شیخ التجوید والقراءۃ، مدرسِ اوّل حضرت مولانا المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

دار العلوم مئو میں دو سال تعلیم حاصل کی،عربی چہارم کے پورے نصاب کے ساتھ ایک گھنٹہ خالی تھا مگر اس ایک گھنٹہ میں ایک سال تک حضرت الاستاذ کے درسی فیوض کی ایسی بارش ہوئی اور اللہ کے فضل وکرم سے اتنا کچھ حاصل ہو گیا جتنا دوسرے لوگ کئی سالوں میں نہیں حاصل کر سکے۔

الشیخ المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ کی ذات اتنی بافیض وبابرکت تھی کہ جسے تھوڑی

مدت بھی استفادے کی حاصل ہوگئی وہ بھی کچھ سے کچھ بن گیا۔ ایک نگاہ بھی جس پر ڈال دی وہ بھی ایسا بن سنور گیا کہ لوگوں کی نگاہوں میں آگیا، آپ کے فیوض و برکات کی بین دلیل خود صاحب تذکرہ ہیں کہ باقاعدہ تجوید کی تعلیم کے لیے صرف ایک سال اور روزانہ صرف ایک گھنٹہ ملتا تھا۔ اور بقول خود ”حضرت قاری صاحبؒ پیرانہ سالی اور متعدد امراض سے گذر رہے تھے۔ روزانہ صرف مشق بھی نہ کرا پاتے، مگر آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہی ضمناً ایک گھنٹہ ایک سال کی تجوید کی تعلیم اور پھر اگلے سال ضمناً ہی ایک گھنٹہ قراءات کی تعلیم نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچادیا، براعظم ایشیاء کی عظیم دینی وعلمی درسگاہ میں اسکے شعبہ تجوید وقراءت میں ایک ذمہ دارانہ خدمات بحیثیت مدرس اوّل کے انجام دے رہے ہیں، اس وقت آپ کے استاذ حضرت قاری معین الدین صاحبؒ کے مندرجہ بالا جملے یاد آرہے ہیں؛ ”مایوس نہ ہو، جہاں جاؤ گے ممتاز رہوگے“ بلاشبہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، اپنے اساتذہ کی دعاؤں اور توجہات کے فیوض وبرکات سے ”جب تک بھی جس زمین پہ رہے آسماں رہے“ کے مصداق ہیں۔

دوسرے سال آپ عربی پنجم کی کتابیں ہدایہ اولین، مختصر المعانی، سلم العلوم، وغیرہ پڑھیں، اِدھر سال پنجم میں کوئی گھنٹہ خالی نہ تھا، اور اُدھر حضرت الاستاذ قاری صاحبؒ نے شعبان ہی میں یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ آئندہ سال قراءت سبعہ پڑھ لیں۔ حضرت الاستاذ کا ارشادِ گرامی آپ نے ایک گھنٹہ خالی کرایا، اس خالی گھنٹہ میں کتاب نورالانوار کی تعلیم کا انتظام مدرسہ ہذا کے مشفق استاذ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ نے اپنے پاس خارج میں پڑھا کر کردیا۔ چنانچہ ایک گھنٹہ میں قراءات پر مشتمل مکمل نصاب پڑھا، اور اجراءِ قرآن کے لیے حضرت الاستاذ کے مکان پر بعد نماز فجر معاجایا کرتے۔

آپ کے ساتھ اجراء میں ساتھی مئو کے ایک نہایت باصلاحیت عالم حضرت مولانا قاری حفیظ الرحمٰن صاحب تھے (آپ بڑے خوش آواز اور عمدہ قاری ہیں، پہلے آپ نے مئو کی مرکزی درسگاہ مدرسہ مفتاح العلوم میں ایک عرصہ تک نہایت کامیاب درس دیا، پھر

ڈابھیل تشریف لے گئے، اور اب اپنے ہی شہر کے مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو میں استاذ ہیں)
آپ کی وجہ سے اجراءِ قرآن میں بڑی سہولت حاصل ہوئی، آپ بڑے ذکی وذہین تھے، قراءات کی کتابیں، التیسیر فی السبع للدانی اور شاطبیہ وغیرہ بہت پہلے ہی پڑھ لی تھیں، اور صاحبِ تذکرہ ابھی گویا ان کے سامنے مبتدی اس لیے زیادہ تر جناب قاری حفیظ الرحمٰن صاحب ہی سبق پڑھا کرتے، آپ کو سارے اصول مستحضر تھے، اس لیے بہت تھوڑے دنوں میں اجراءِ قرآن پاک پورا ہوگیا، اس اہم رفاقت پر صاحب تذکرہ برابر ممنون رہتے ہیں اور آپ کا تذکرہ بڑے وقیع انداز میں کرتے ہیں۔

بہر حال عربی کے سال پنجم میں تمام اہم کتب درسیہ کے ساتھ اپنی ذہانت وفطانت، محنتِ شاقہ اور استاذ کی توجہات سے قراءات کی تکمیل کرلی۔

ذیل میں حضرت الاستاذ جناب الشیخ المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں۔

شیخ القراء حضرت الشیخ المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ م: ۱۳۹۰ھ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے دہلی میں علم وفضل کا جو چراغ روشن کیا تھا اس کی روشنی سے سارے ہندوستان کو حصہ ملا لیکن کچھ زمینیں اس وقت وراثت کے لیے بڑی زرخیز ثابت ہوئیں، دلی اور اس کے اطراف کے علاقے دیوبند نانوتہ تھانہ بھون، گنگوہ اور کاندھلہ نے شریعت وطریقت کے ایسے ایسے موتی بکھیرے جن کے جمال وکمال کے احاطہ کے لیے ضخیم کتابیں ناکافی ہیں۔

مشرقی یوپی کو اس سعادت سے ایک وافر حصہ نصیب ہوا تقریباً ایک صدی سے اعظم گڑھ مئو اور آس پاس کے اضلاع نے علم وفضل اور دین ودیانت کی ترویج واشاعت میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ آج ہندوستان ہی سے نہیں بلکہ ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کررہا ہے۔

اعظم گڑھ کا علاقہ خاص طور پر مئو (جواب خود ضلع بن گیا ہے) اپنے مدارس اور علماء اور اہل فضل وکمال کی وجہ سے پوری علمی دنیا میں مشہور ومعروف ہے اس علاقہ کے مدارس میں دار العلوم مئو کو ام المدارس کی حیثیت حاصل ہے شاعر مشرق علامہ اقبال سہیل نے کس قدر صحیح کہا ہے۔ ؎

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

اسی دار العلوم مئو کے ایک استاذ نمونۂ اسلاف حضرت مولانا شیخ القراء قاری ریاست علی صاحبؒ بھی تھے، آپ کو علم قراءت میں شرف تلمذ حاصل تھا شیخ القراء حضرت مولانا قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی سے، حضرت قاری ریاست علی صاحب کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ اپنے طلبہ کو آپ کچھ نہ کچھ بنادینے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے طلبہ کی شخصیت سازی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، چنانچہ آپ کے تراشیدہ ہیروں میں سے ایک گوہر آبدار اور آپ کے ہزاروں تلامذہ میں سے ایک خاص تلمیذ اور صحیح معنوں میں خلف الصدق اور جانشین حضرت الاستاذ شیخ القراء قاری ومقری مولانا حافظ محمد مصطفیٰ صاحب مئوی کی ذات گرامی ہے۔

آپ کے والد صاحب کا نام نامی حافظ محمد صدیق ہے آپ مئو میں ۱۳۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔

مئو میں ام المدارس مشرقی یوپی کا عظیم الشان مردم ساز ادارہ دار العلوم مئو موجود تھا، آپ کو ابتداء سے انتہاء تک کی تعلیم کے لیے کہیں باہر نہیں جانا پڑا ملک کے مایۂ ناز علماء اور اساتذہ علم وفن یہاں موجود تھے علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل یہیں ہوئی اٹھارہ سال کی عمر تک تعلیم سے فراغت کے بعد بروایت حفص قرآن کریم سنایا اس کے بعد حضرت شیخ القراء مولانا قاری ریاست علی صاحب سے دو سال میں قراءات کی تکمیل کی،

قراءات کی تکمیل کے بعد وہیں دارالعلوم مئو میں تجوید و قراءات کا درس دینے لگے اور پھر زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ آپ دارالعلوم مئو کے شیخ التجوید والقراءات ہو گئے۔

بلحاظ فن آپ بہت بلند پایہ استاذ تھے ادائیگی پر ایسی قدرت تھی کہ بوقت تلاوت چہرہ دیکھ کر پتہ لگانا مشکل تھا کہ آواز کہاں سے نکل رہی ہے تکلف اور تصنع تو نام کو بھی نہ تھا محقق ابن الجزریؒ کے شعر۔

مُكَمِّلًا مِنْ غَيْرِ مَاتَكَلُّفِ ❁ بِاللُّطْفِ فِى النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

کے بالکل مصداق تھے آواز میں بے حد سوز و گداز تھا لہجہ پر کشش تھا آواز بہت دلکش اور بھاری تھی خالی از تکلف۔

طلبہ کو مشق کراتے وقت اکثر دیکھا گیا کہ ان لوگوں کے قدم بھی رک جاتے جو اکثر و بیشتر حضرت کی تلاوت سنتے رہتے تھے۔

آپ کی ہستی بلاشبہ ہمہ وجوہ باعث خیر و برکت تھی، بلا مبالغہ آپ زمانہ کے مغتنمات میں سے تھے۔

طلباء پر اتنے شفیق کہ خود کسی حال اور تکلیف میں ہوتے مگر مشق و تعلیم سے کبھی کسی کو انکار نہیں فرماتے تھے آپ کے پاس ایسے طلباء کو اور شہر کے ایسے عمر دراز لوگوں کو بھی مشق کرتے اور تجوید سیکھتے ہوئے دیکھا گیا ہے جنھیں عام طور پر عدم صلاحیت کا عذر کرکے انکار کر دیا جاتا ہے اور پھر کچھ ہی دنوں بعد ایسے ہی لوگوں کو حسب توفیق صحت کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے دیکھا گیا، یہ محض آپ کے والہانہ اور مخلصانہ جذبہ خدمت کی برکت تھی، راقم الحروف کو بہت سے اساتذہ کی خدمت میں حاضری اور اکتساب فیض کی سعادت حاصل ہوئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے اور اس میں ادنیٰ مبالغہ نہیں کہ تعلیم میں جو برکت اور فیض حضرت الاستاذ کے یہاں پایا کہیں نہ ملا، راقم کو اس علم سے متعلق جو کچھ بھی شد بد اور مناسبت حاصل ہوئی وہ آپ ہی کا فیض ہے۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ معلمین اور قراء جب تلاوت کرتے ہیں تو چہرے کا عجیب

حال ہوتا ہے رگیں پھولتی ہیں تکلف اور تصنع کا کھلا اظہار ہوتا ہے جب کہ یہ معائبِ تلاوت میں سے ہے، دورانِ قراءت وتلاوت ادائگی بے تکلف ہونی چاہیے حدِاعتدال سے باہر نہ ہو امام المحققین حضرت امام حمزہ الزیات (قراء سبعہ کے چھٹے امام) اس سلسلے میں فرماتے ہیں: ''اما علمت ان مافوق الجعودة فهو قطط، وما فوق البياض فهو برص وما كان فوق القراءة.... فليس بقراءة''

(النشر، ج:۱،ص:۲۰۶)

محقق ابن الجزریؒ نشر میں بعنوان ''واما کیف یقرأ القرآن'' حضرت امام حمزہ الزیات کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ''زلفوں میں پیچ وخم حسن کا باعث سمجھا جاتا ہے اور چہرے پر گوراپن آدمی کو حسین بنادیتا ہے مگر یہ جب کہ اعتدال کے اندر ہو یہی پیچ وخم جب زیادہ ہوجائے تو وہ ''قطط'' الجھے ہوئے بال کہلاتے ہیں پسندیدہ نہیں رہتے، اسی طرح سفیدی بھی حد سے بڑھ کر ''برص'' مرض بن جاتی ہے پس جو قراءت حدِاعتدال میں نہ رہے وہ صحیح اور کامل قراءت نہیں رہتی تلاوت کے محاسن اور معائب کو مدِنظر رکھتے ہوئے قراءت وتلاوت کرنی چاہیے۔

ایک بار ہمارے ایک دوست دارالعلوم مئو میں طالب علمی کے زمانے میں ملنے آئے انہیں بھی تجوید کا ذوق تھا ہمارے ساتھ مشق کے گھنٹہ میں درسگاہ پہنچے حضرت الاستاذ نے احقر کو مشق کرایا، سبق ختم ہونے کے بعد باہر نکلے تو چہرے پر حیرانی کی کیفیت نظر آئی، پوچھا کیا بات ہے کیوں خاموش ہیں، حضرت کا پڑھنا کیسا لگا؟ جواب دیا کہ مشق کے دوران میں برابر قاری صاحب کا چہرہ بغور دیکھتا رہا اور متحیر رہا کہ حروف شفویہ اور حرکت ضمہ کے سوا پتہ لگانا مشکل تھا کہ آواز کہاں سے نکل رہی ہے منھ سے یا ناک سے۔ اگر قاری صاحب کے پاس ہی برابر میں کوئی صاحب اور بھی بیٹھے ہوئے ہوتے تو یہ جاننا مشکل ہوتا کہ دونوں میں سے کون تلاوت کررہے ہیں اللہ اکبر ایسے مشاق بھی ہوتے ہیں میں تو اگلے سال یہاں آکر حضرت سے اکتساب

فیض کروں گا'' اور ہوا بھی ایسا ہی وہ آئے اور باقاعدہ داخلہ لے کر پڑھا شاید ان کا نام قاری صلاح الدین اعظمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشق و مزاولت نے حضرت والا کو فن کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا تھا کہ جہاں بڑے بڑوں کے قد چھوٹے ہو جاتے ہیں۔

اب آنکھیں ایسے ماہرین فن اور شفیق استاذ کے دیکھنے کو ترستی ہیں۔

راقم نے اپنے زمانۂ تعلیم میں کبھی حضرت کو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا کسی طالب علم کو مارنا تو دور کی بات زجر و توبیخ کرتے بھی نہیں دیکھا، ہمارے کرم فرما اور مخلص دوست جناب حافظ قاری احمد ذکی صاحب ابن حافظ مختار احمد صاحب مئوی نے پورا حفظ قرآن حضرت قاری صاحب کی خدمت میں رہ کر کیا ہے وہ خود اس بات کے شاہد عدل ہیں۔

آپ کا علمی کارنامہ

حضرت قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف کی بھر پور صلاحیت سے نوازا تھا مگر آپ نے اسے استعمال نہیں کیا آپ کی اس صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے ''خلاصۃ التجوید'' پر آپ کے بیش قیمت حواشی دیکھ کر۔

استاذ الاساتذہ حضرت شیخ القراء مولانا قاری ریاست علی صاحبؒ کی تجوید پر نفیس ترین کتاب ''خلاصۃ التجوید'' ہے، حضرت بڑے قاری صاحب اپنی دیگر تمام صلاحیتوں کے ساتھ بہت بڑے اردو کے ادیب بھی تھے، تحریر ہو یا تقریر اور گفتگو سب میں ایجاز و جامعیت ہوتی یہ وصف آپ کی اس کتاب میں نمایاں ہے اس کی زبان عربی آمیز ہے معمولی اور کم استعداد اردو والوں کو پڑھانے اور سمجھانے کے لیے خارجی الفاظ و بیان کا سہارا لیے بغیر چارہ نہیں یہ کتاب بعد والوں کے لیے محتاج تشریح و بیان تھی... لیکن راقم الحروف نے بارہا دیکھا کہ حضرت الاستاذ اسے اس قدر سہولت کے ساتھ ذہن نشیں کراتے جاتے ہیں کہ طلبہ کو ادنیٰ دشواری نہیں ہوتی جبکہ آپ کی عادت اور مزاج طویل کلام کرنے کی نہیں تھی۔

حضرت الاستاذ نے اس کتاب کی ایسی عالمانہ شرح تحریر فرمائی جو کتاب کے

ساتھ ہی چھپتی ہے یہ شرح اگر چہ بطرز حاشیہ چھپتی ہے لیکن درحقیقت یہ حاشیہ نہیں شرح ہے۔اس تشریح کے بعد نہ صرف یہ کہ کتاب کا پڑھنا پڑھانا آسان ہوگیا بلکہ اس کے اندر علمی اور فنی جواہر پارے بھی اس قدر کثرت سے جمع ہوگئے کہ یہ کتاب ''دریا بکوزہ'' کا مصداق بن گئی۔

مشق وتمرین ہو یا اردو عربی کتب تجوید کا درس ہو، خلاصۃ البیان کی چیستاں عبارت کا آسان حل ہو یا شاطبیہ جیسا ادق اور مشکل ترین قصیدہ کو آسان اور سہل تر انداز میں پڑھا دینا...راقم الحروف نے آج تک اتنا عمدہ اور فن کو سہل بنا کر پڑھاتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا کن کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں ❁ اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

راقم الحروف کو دوران تعلیم تفسیر اور ادب عربی سے خاص ذوق تھا مناسبت کے باعث خیال تھا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد تفسیر وادب ہی کو تدریس کا موضوع بنائے گا قراءت کی تکمیل کے بعد درس کے خاتمہ پر پوچھا نہیں کہ آئندہ کیا ارادہ ہے خود ہی ایک فیصلہ کن انداز میں فرمایا کہ ''آپ کو یہی کام کرنا ہے''۔اس ارشاد میں کچھ ایسا تصرف تھا کہ راقم الحروف جیسا کچھ ٹوٹا پھوٹا ہے اسی کا ہوکر رہ گیا اور اس پر اللہ رب العزت کا شکر گذار ہے۔ الحمدللہ علی ذلك۔

حضرت الاستاذ کو قرآن کریم اور علم تجوید سے ایسا عشق تھا کہ اپنی طاقت وصحت کی کبھی پرواہ نہیں کی اور منع کرنے کے باوجود آپ نے ہمیشہ اپنی بساط وقوت سے زیادہ کام کیا، نتیجہ ظاہر ہے صحت جواب دے گئی اور قبل از وقت بوڑھے ہوگئے حالاں کہ آپ اپنے محلہ کے طاقتور ترین آدمی تھے جسم کی ہڈیاں موٹی تھیں، ورزشی بدن تھا آخر میں اکثر بیمار رہنے لگے تھے مگر آفریں ہے اس جذبہ والہانہ کو کہ قرآن کریم کی خدمت اور تعلیم مشق وتمرین اور مکمل فنی کتابوں کی تدریس کو آخر تک باقی رکھا... یہاں سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث یاد آئی...''من جمع

القرآن متعه الله بعقله حتى يموت'' یعنی حفاظ اور قراء قرآن کی عقل سے اللہ تعالیٰ آخر عمر تک نفع پہنچاتے رہیں گے، یعنی بڑھاپے میں بھی ان کی عقل بیکار نہ ہوگی، اور وہ ارذل عمر سے بچالیے جائیں گے، نیز مشہور ہے کہ..''ان ابقی الناس عقولاً قراء القرآن'' یعنی قراء حضرات ایسے ہیں جن کی عقلیں اور دوسروں سے زیادہ عرصہ تک باقی رہتی ہیں (عبدالملک ابن عمیر)

مذکورہ بالا روایت اور مشہور مقولہ کا مصداق میں نے حضرت الاستاذ کو پایا میرے ایک استاذ حضرت مولانا افتخار احمد صاحب مدظلہ جو اس وقت دارالعلوم مئو میں استاذ حدیث تھے ان کا بیان ہے کہ انتقال کی شب میں (شب میں تین بجے آپ کا انتقال ہوا) نماز عشاء کے بعد ہم لوگ آپ کے پاس عیادتاً گئے تو گفتگو کرتے ہوئے آپ ہم سے طہارت وغیرہ کے مسائل دریافت فرماتے رہے...اس سے زیادہ بقاء ہوش وحواس اور ثبات عقل کی بات اور کیا چاہیے۔ (اللھم اجعلنا منہم)

حضرت الاستاذ نے دارالعلوم مئو ہی میں خدمت کا آغاز فرمایا اور آخر دم تک اسی مدرسہ سے منسلک رہے اس لیے آپ کا فیض دور دور تک اور کثرت سے پھیلا۔ ملک کے ہر گوشے میں آپ کے تلامذہ ملیں گے بالخصوص مشرقی یوپی، بہار، بنگال اور آسام میں آپ کے تلامذہ کی بکثرت تعداد ملے گی اس طویل عرصہ میں ہزاروں تشنگان علم تجوید وقراءت نے اپنی پیاس بجھائی۔

کرنل مرزا بسم اللہ بیگ اپنی کتاب کی تسوید کے زمانہ میں مئو تشریف لے گئے تھے اور حضرت قاری صاحب سے ملاقات کی تھی، تاثرات میں لکھتے ہیں:

''قاری صاحب نے اپنی عنایت سے مجھے اپنی قراءت سے استفادہ کا موقع دیا آواز میں پختگی ادائیگی پر قدرت لحن میں کشش ہے آپ کی ہستی مدرسہ کے لیے باعث خیر وبرکت ہے''۔ (ص:۵۶)

حضرت کی ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے دارالعلوم مئو میں بیالیس

سال تک خدمت انجام دی۔

ایسے تو آپ کے تلامذہ اور شاگردوں کی تعداد کا احصاء بہت مشکل ہے یہاں چند مشہور ومعروف شاگردوں کے نام درج کیے جاتے ہیں:

(۱) آپ کے تلامذہ میں شیخ القراء حضرت قاری ظہیر الدین صاحب (م:۱۴۰۳ھ) کی سب سے زیادہ اہمیت ہے آپ کی شخصیت نہایت بافیض تھی۔

(۲) مولانا قاری ولی اللہ صاحب آپ کی ولادت ۱۳۴۴ھ ہے فتح پور تال نرجا (اعظم گڑھ اور اب مئو) کے رہنے والے ہیں موجودہ امام وخطیب مسجد النور نشان پاڑہ روڈ ڈونگری بمبئی۔

(۳) قاری ابصار اللہ صاحب آپ جناب قاری ولی اللہ صاحب کے بڑے بھائی ہیں ۱۳۴۲ھ میں پیدا ہوئے آپ کماٹی پورہ ممبئی میں امام ہیں ابتداءً دار العلوم مئو میں کچھ دنوں پڑھایا۔

(۴) قاری حافظ ذکر الرحمٰن (۵) قاری محفوظ الرحمٰن (۶) قاری عین الحق (۷) قاری خلیل احمد نابینا (۸) قاری جمیل احمد (۹) قاری حافظ محمد زبیر (۱۰) قاری محمد یٰسین صاحب سابق استاذ تجوید دار العلوم مئو وغیرہ۔

یکم محرم ۱۳۹۰ھ کی شب میں تقریباً ۳ بجے آپ واصل بحق ہو گئے آپکے ساتھ خاص طور پر مشرقی یوپی میں علم تجوید وقراءت کا ایک دور اور ایک تاریخ ختم ہو گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ۔ (حسن المحاضرات فی رجال القراءات: ج۲، ص:۲۶۵ تا ۲۷۱)

❁❁❁

شادی، والدۂ محترمہ کا انتقال اور تعلیم کا انقطاع

آپ عربی کے دوسرے تعلیمی سال میں تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی صحت خراب رہنے لگی، آپ بے حد حساس تھیں، غالبًا آپ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ روبہ صحت نہ ہوسکیں گی چنانچہ قاری صاحب کے والد صاحب سے باصرار خواہش کی میرے سامنے "ابوالحسن کی شادی کر دیجئے" "میں دیکھ لوں" قاری صاحب کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہ تھی، کم سنی کے دور سے گذر رہے تھے، ابھی مبتدی طالب علم تھے، آپ کے والد ماجد کا بھی ابھی کچھ ارادہ نہ تھا مگر والدہ کی خواہش باصرار فرمائش اور آپ کی روز بروز گرتی ہوئی صحت کو دیکھتے ہوئے آپ کا نکاح وطن سے قریب ہی موضع بخش پور میں جناب الحاج ماسٹر شیخ عبدالغنی صاحب (م:۱۴۱۸ھ) کی صاحبزادی کے ساتھ کر دیا۔

ایک سال بعد آپ کی والدہ ماجدہ اللہ کو پیاری ہوگئیں، گھر سونا ہوگیا والدہ کے انتقال سے آپ کے والد ماجد خود آپ اور ایک چھوٹی بہن اور دو چھوٹے بھائی ان سب کو گہرا صدمہ پہنچا خاص طور پر والد صاحب، قاری صاحب اور آپ کی چھوٹی بہن پر تو کچھ زیادہ ہی اثر پڑا، ایک ہی سال بعد بہن، والدہ کا صدمہ نہ سہار کر چل بسی، آپ کی بہن بالکل والدہ کی ہم شکل تھی بہن کے چلے جانے پر بالکل ہی گھر خالی ہوگیا، بڑے خانگی مسائل بھی کھڑے ہوگئے، گھر کی اور دو چھوٹے بھائیوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی کیا صورت ہو، اس لیے قاری صاحب کی اہلیہ کو ان کے مائکے سے رخصت کرا کر لایا گیا، یہ بھی ابھی ناتجربہ کار تھیں اور اپنے بھائیوں اور بہنوں میں کچھ زیادہ ہی لاڈلی تھیں، گھر گرہستی کا تجربہ ہی کیا تھا، مگر بر سرِ اولادِ آدم ہر چہ آید بگذرد! یہ آگئیں اور اللہ کے فضل وکرم سے گھر آباد ہوگیا، بلکہ رفتہ رفتہ سب کچھ سیکھ گئیں اور گھر کو اچھی طرح سنبھال لیا۔

مگر ایک طرف والدہ ماجدہ کے سانحہ ارتحال کا غم اور پھر گھر میں اہلیہ کی تنہائی اور والد محترم کی غم انگیز کیفیت ان سہ طرفہ صورت حال نے آپ کو ہلا کر رکھ دیا حالات کی پیہم نامساعدت کے باعث آگے تعلیم جاری نہ رہ سکی اور درس نظامی کی تعلیم تشنۂ تکمیل رہ گئی اور اس طرح ''زندگی کو غم پیہم نے سنورنے نہ دیا''۔

بالآخر شوال ۱۳۸۳ھ سے حضرت الاستاد المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ کے حکم پر باقاعدہ فن تجوید وقراءت کی خدمت میں مصروف ہونا پڑا۔

❁❁❁

آغازِ تدریسِ اوّل

آغازِ تدریسِ اوّل

مدرسہ معروفیہ پورہ معروف

آپ کے کتابت کے استاذ ملک کے مایۂ ناز کاتب اور بے مثال تاریخ گو جناب مولانا محمد عثمان صاحب معروفی (ولادت: ۱۳۴۷ھ) آپ کے آغازِ تدریس کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''مشہور سرزمین علم اور علماء پورہ معروف ضلع مئو (سابق اعظم گڑھ) سے ۱۳۸۳ھ-۱۹۶۳ء میں آپ نے پچپن روپے ماہوار پر تدریس کا آغاز کیا، اس وقت راقم الحروف (مولانا معروفی مدظلہٗ) مدرسہ معروفیہ (قیام ۱۳۳۰ھ) پورہ معروف میں صدرالمدرسین تھا، مدرسہ میں جدید شعبۂ تجوید کھولا گیا، دارالعلوم مئو میں قاری کی تلاش کے لیے گیا، حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحب مئوی متوفی ۱۳۹۰ھ-۱۹۷۰ء نے آپ کو پیش کیا، میں ایک رکوع سن کر مسحور ومفتون ہوگیا آواز کی دلکشی تکلف اور تصنع سے خالی حروف کی صاف ستھری ادائیگی نے بے خود کردیا، ہر طرح فن پر مکمل قابو یاب پایا اور آپ کو مدرسہ معروفیہ بحیثیت مدرس لے آیا، وہاں آپ ۱۳۸۵ھ-۱۹۶۵ء تک رہے، اور قراءتِ قرآن کی فضا بدل دی''۔

پورہ معروف کو ضلع کے تمام متعلق علاقوں میں اور مواضعات میں علماء، حفاظ اور قراء کی کثرت کے اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے ملک کے مشہور تعلیمی اداروں میں مثلاً دارالعلوم مئو، مفتاح العلوم مئو، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور، جامعہ عربیہ مصباح العلوم کوپاگنج، اور مدرسہ مظہر العلوم بنارس، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، مدرسہ قرآنیہ جونپور، جامعہ حسینیہ

جونپور، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، مدرسۃ الرشاد بارہ بنکی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ قاسمیہ مرادآباد، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اور ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں یہاں کے فضلاء تعلیمی وتدریسی علمی وادبی خدمات انجام دے چکے اور دے رہے ہیں، ملک کے بڑے اور اہم مرکزی اداروں کو پورہ معروف نے شیخ الحدیث اور شیخ القراءۃ مہیا کئے ہیں، یہ سلسلہ ماضی میں بھی رہا ہے اور حال میں بھی ہے۔

مرکز العلماء والحفاظ کے ساتھ اس بستی کو علم القراءت میں عظیم شخصیت اور امام فن حضرت الشیخ مولانا المقری ظہیر الدین صاحب کا نہ صرف مولد ومسکن حاصل ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ اس وقت (۱۳۸۲ھ) سے آپ اپنے وطن پورہ معروف ہی کے مدرسہ اشاعت العلوم (قیام مدرسہ ۱۳۵۶ھ) میں کتب درسیہ اور تجوید وقراءت کی فنی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ایسے عظیم امام فن کی موجودگی میں تدریس کی ہمت اور پھر اپنی جدوجہد سے وہاں قراءت قرآن کی فضا میں بلند مقام حاصل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، آپ نے یہاں کے دورانِ قیام میں مدرسہ ہذا کے صدرالمدرسین جناب مولانا محمد عثمان صاحب معروفی سے خوشنویسی کی مشق بھی کی، آپ برابر مولانا موصوف کے ممنون کرم رہتے ہیں، آپ کے دل میں مولانا کی بڑی عزت اور بڑی محبت ہے۔

❁❁❁

شیخ القراء حضرت المقری ظہیر الدین صاحب معروفی

(م:۱۴۰۳ھ)

ولادت: شیخ القراء حضرت مولانا مقری ظہیر الدین صاحب ابن حافظ رحیم بخش صاحب پورہ معروف ضلع اعظم گڑھ (اب مئو ضلع) کی مردم خیز بستی میں ۱۲ محرم ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔

پورہ معروف ضلع اعظم گڑھ کا ایسا مردم خیز خطہ ہے جس کی نظیر اضلاع کے گاؤں اور اس معیار کے علاقوں میں نہیں ملے گی، یہاں ہر علم وفن کے رجال کثیر تعداد میں مل جائیں گے، علماء کرام، محدثین عظام اور علم تجوید کے ماہرین کا گویا ایک مرکز ہے۔

اسی پورہ معروف میں حضرت قاری صاحب نے جنم لیا، چودہ برس کی عمر میں آپ نے حافظ عبد القادر معروفی سے ۱۳۵۱ھ میں حفظ قرآن کریم ختم کیا۔

شوال ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۵۱ھ تک پورہ معروف ہی کے مدرسہ معروفیہ میں فارسی کی تعلیم مولانا شبلی خیرآبادیؒ سے اور عربی کی تعلیم کافیہ، قدوری تک مولانا عبد الحیؒ صاحب مئوی (م:۱۳۶۳ھ) سے حاصل کی۔

مدرسہ معروفیہ محلہ بلوہ جناب مولانا محمد محمود صاحب معروفی کا قائم کردہ ہے اس مدرسہ کی بناء ۱۳۳۰ھ میں ڈالی اس مدرسہ کا تعلیمی ریکارڈ بھی بہت عمدہ ہے راقم الحروف کی معلمی کا آغاز اسی مدرسہ سے ہوا اس لیے یہاں کے احوال وکوائف سے خوب واقف ہے۔

حضرت قاری صاحب یہاں سے ابتدائی تعلیم کے بعد مئو تشریف لے گئے جسے اعظم گڑھ کا شیراز و بغداد کہا جا سکتا ہے، یہاں آپ نے شوال ۱۳۵۱ھ سے شعبان ۱۳۵۴ھ تک دار العلوم مئو میں ہدایہ تک پڑھا، ساتھ ہی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری ریاست علی صاحب سے روایت حفص ہی کی تکمیل کرتے ہوئے ''خلاصۃ التجوید'' تحفۃ الاطفال'' اور ''مقدمۃ الجزریۃ'' کی خواندگی مکمل کی۔

شوال۱۳۵۴ھ سے شعبان ۱۳۵۶ھ تک مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں جو اس وقت مرکز علم قراءت تھا حضرت فخر القراء امام فن المقری محب الدین احمد صاحب سے علم القراءت کی معقول اور متداول کتب ''التیسیر'' فی السبعہ للامام الدانیؒ، شاطبیہ للامام الشاطبیؒ، عقیلہ فی الرسم، الوجوہ المسفرۃ، للشمس المتولی المصری، الدرۃ المضیۃ، للمحقق ابن الجزری'' وغیرہا کی تحصیل وتکمیل کی۔

اسی سال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں آپ نے الہ آباد سے مولوی کا امتحان دیا۔

تجوید وقراءت سے فراغت کے بعد کچھ دنوں آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری خلیفۂ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی خدمت میں رہ کر پھولپور میں درس حدیث لیا، پھر حضرت قاری محب الدین صاحب کے حکم سے بنارس میں کچھ دنوں تعلیم دی۔

۱۳۵۸ھ میں مدرسہ روضۃ العلوم پھولپور اعظم گڑھ جو حضرت پھولپوری کا قائم کردہ مدرسہ ہے اس میں ڈھائی برس تک فارسی، قرآن کریم اور قراءت وتجوید کی تعلیم دی اس کے بعد ڈیڑھ برس تک آپ نے گورکھپور شہر کے ایک مدرسہ میں پڑھایا۔

۱۳۶۲ھ سے ۱۳۸۲ھ تک بیس برس جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں جم کر تدریسی خدمات انجام دیں فارسی اور عربی کتابوں کی تدریس کے ساتھ فن تجوید وقراءت کی بطور خاص ایسی خدمت کی کہ مبارکپور میں گھر گھر قاری پیدا کردیا۔

۱۳۸۲ھ سے ۱۳۸۴ھ تک وطن عزیز کے مدرسہ اشاعت العلوم میں جو حضرت مولانا محمد محمود صاحب معروفی کا قائم کردہ تھا درس رہے۔

پھر ضعف وعلالت کے باعث باقاعدہ تدریس ترک کردی تاہم اپنے مکان پر پڑھانے کا سلسلہ باقی رکھا آپ کے دولت خانہ پر شوقین طلبا آخر تک استفادہ کے لیے آتے رہے۔

(۱) کتاب احیاء المعانی: جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کی معلمی کے دور میں قراءسبعہ کے اصول وفروع سے متعلق نہایت جامع کتاب ''احیاء المعانی'' لکھی جو

دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں اصولی اور حصہ دوم میں فروعی اختلافات مذکور ہیں۔ یہ کتاب ایک سو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے آخر میں آپ نے اپنی سند بھی ذکر کر دی ہے، جس میں آپ کے استاذ اوّل حضرت مولانا المقری ریاست علی صاحب سے پیغمبر علیہ السلام تک چونتیس (۳۴) واسطے ہیں۔

(۲) اجراء السبعة المتواترة فی سورة الفاتحة والبقرة: اس کتاب کے مطالعہ سے مبتدی کو "کتاب غیث النفع فی اجراء السبع" کا مطالعہ آسان ہو جائے گا اس کتاب کے مطالعہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی، اس رسالے کی شروع میں چند ضروری اجمالی قواعد لکھے گئے ہیں۔ یہ بڑا محققانہ رسالہ ہے صفحات اکتیس (۳۱) ہیں۔

تصوف سے بھی بڑا لگاؤ تھا حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری سے آپ کو بڑی گہری عقیدت تھی، آپ ہی سے بیعت تھے، حضرت قاری صاحب علم وفن کے ساتھ ہومیو پیتھ کے ڈاکٹر بھی تھے۔ (مشاہیر پورہ معروف، ص: ۴۲ تا ۴۴)

حضرت مولانا قاری ظہیر الدین صاحب سے راقم الحروف کا براہ راست قریبی تعلق تھا، راقم الحروف جب دار العلوم مئو میں زیر تعلیم تھا، تو سالانہ امتحان قراءت کے لیے حضرت قاری صاحب ہی تشریف لائے، حضرت الاستاذ المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ نے راقم کا امتحان خاص طور پر حضرت قاری ظہیر الدین کی قیام گاہ پر دلوایا، راقم جب حاضر خدمت ہوا یہ پہلی ملاقات تھی، قاری صاحب بڑی اپنائیت سے ملے، میں نے دیکھا کہ اتنا بڑا استاذ فن اور اتنی سادگی کے ساتھ بہر حال قاری صاحب نے امتحان لیا اور پورے سو نمبرات سے نوازا، ساتھ ہی فرمایا کہ تجوید تو آپ پڑھ چکے ہیں لیکن تجوید کا بھی امتحان لینا چاہتا ہوں، آپ نے کوئی رکوع مجھ سے پڑھوایا، امتحان کے بعد حضرت الاستاذ کو ایک پرچہ لکھا جس میں تحریر تھا:

استاذی المکرم سلام مسنون! حسب الحکم عزیزی مولوی ابوالحسن کا امتحان لیا، جی بہت خوش ہوا، اور تجوید کا امتحان بھی لیا ماشاء اللہ خوب سنایا، مستقبل میں بڑی

امیدیں وابستہ ہیں اللہ کرے یہ ترقیات کریں"۔

یہ حضرت قاری صاحب سے احقر کی پہلی ملاقات تھی، عجیب بات یہ ہوئی کہ اگلے سال جب احقر کی تدریس کا مسئلہ سامنے آیا تو حضرت الاستاذ نے بطور خود پورہ معروف مدرسہ معروفیہ بلوہ میں مجھے مدرس مقرر فرمادیا، اور شوال میں اطلاع دی، احقر پورہ معروف حاضری کے بعد سب سے پہلے حضرت قاری صاحب سے ملا اور عرض کیا کہ احقر مدرسہ معروفیہ میں خدمت کے لیے بھیجا گیا ہے حضرت قاری صاحب نے فرمایا بڑی خوشی ہوئی، اپنا ہی آدمی آیا کبھی کبھی ملتے رہیے، الحمدللہ کہ یوم اوّل سے جب تک پورہ معروف میں قیام رہا، برابر حاضری دیتا رہا اور مکمل طور پر ایک شاگرد کی طرح خوب خوب استفادہ کیا حضرت نے ذرہ نوازی فرماتے ہوئے تجوید اور سبعہ وعشرہ کی سند واجازت سے سرفراز فرمایا، جو میرے لیے بڑی نعمت اور شرف کی چیز ہے۔

چند سال کے بعد جب جامع عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں تجوید وقراءت کی خدمت کے لیے جانا ہوا تو حضرت نے ایک ملاقات میں فرمایا میں نے احیاء العلوم میں بڑی محنت سے کام کیا ہے درمیان میں فترت کا زمانہ گذرا ہے آپ آگئے ہیں تو امید بندھی ہے کہ اس کا گذشتہ دور واپس آجائے گا خدا کرے۔

حضرت قاری صاحب نے خاص طور پر احیاء العلوم مبارکپور میں رہ کر بڑی زرّیں خدمات انجام دی ہیں۔ اور بڑے جید اساتذہ تیار کیے ہیں۔

حضرت قاری صاحب نہایت متواضع منکسر المزاج وسیع الاخلاق، ظریف الطبع، نکتہ آفریں اور دلآویز شخصیت کے مالک تھے اسلاف اور متقدمین کا نمونہ تھے۔

۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۷ر جنوری ۱۹۸۳ء کو پورہ معروف میں وفات پائی الفاظ ذیل سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔

یاد وصال قاری ظہیر الدین رحمہ اللہ   محمد ظہیر الدین نامی

۱۹۸۳ء   ۱۴۰۳ھ

(مشاہیر پورہ معروف، ص:۴۴)

مولانا محمد عثمان صاحب معروفی (م:۱۴۲۲ھ)

جامعہ احیاء العلوم مبارکپور کے قیام وتدریس کے دوسرے سال میں استاذ محترم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفی سے دوبارہ شرف تلمذ حاصل کرنے کا موقع ملا، ابتداء تدریس بزمانہ پورہ معروف حضرت مولانا موصوف سے کچھ خوشنویسی سیکھنے کی سعی کی تھی، مگر جلد ہی وہاں سے علیحدگی کے باعث محروم تکمیل رہا۔اب جب کہ مولانا مبارک پور تشریف لائے تو آپ سے خوشنویسی کی اصلاح لینی شروع کی۔

مولانا موصوف ملک کے نامی گرامی خطاط ہیں بڑے کثیر الاوصاف ہیں، ذیل میں آپ کی حیات پر مشتمل خود آپ کے قلم سے نکلی ہوئی مختصر تحریر پیش ہے۔

وطن، ولادت، تعلیم محمد عثمان بن الحاج القاری محمد حنیف بن الحافظ محمد یوسف بن الحاج عبدالقادر...ساکن پورہ معروف محلہ بانسہ کورتھی جعفر پور ضلع اعظم گڑھ یوپی، ولادت بروز یکشنبہ ۲۰ رجمادی الاولی ۱۳۴۷ھ مطابق ۴ رنومبر ۱۹۲۸ء علمی ودینی خاندان میں پرورش ہوئی، والد محترم حضرت تھانویؒ سے تربیت یافتہ اور مرید تھے، عم محترم قاری صوفی عبدالکریم صاحب مولانا تھانوی کے خلیفہ تھے جن کی وفات ذوالحجہ ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں مکہ مکرمہ کے اندر ہوئی۔مکان تعلیم قرآن کی وجہ سے ایک مستقل مکتب کی حیثیت رکھتا تھا جس میں محلہ اور بیرون محلہ کے بچے بچیاں قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔والد محترم اور صوفی عبدالکریم صاحب معلمی کے فرائض انجام دیتے۔اس لیے میری ابتدائی تعلیم گھر ہی پر والد صاحب سے ہوئی۔

دس برس کی عمر ۱۳۵۷ھ میں مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں داخل ہوا اور یہاں ۱۳۶۲ھ تک پانچ برس مولانا محمد شبلی صاحب شیدا خیرآبادی (متوفی ۱۳۷۴ھ)

سے مکمل اردو، فارسی، یوسف زلیخا، اخلاق محسنی، سکندر نامہ، انوار سہیلی وغیرہ خوش نویسی اور ابتدائی عربی کی بعض کتابیں پڑھیں۔

شوال ۱۳۶۲ھ سے مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں ایک سال حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب مئوی (متوفی ۱۳۶۳ھ) سے شرح مأۃ اور نورالایضاح وغیرہ پڑھیں مگر افسوس کہ حضرت مولانا کا اسی سال انتقال ہوگیا، تو شوال ۱۳۶۳ھ سے شعبان ۱۳۶۴ھ تک ایک برس جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو میں مولانا محمد یحییٰ صاحب مئوی سے القراءۃ الرشیدہ، مولانا عبدالجبار صاحب مئوی (متوفی ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۳ء) سے ہدایۃ النحو نصف اوّل۔ مولانا عبدالباری صاحب مفتی مفتاح العلوم سے ہدایۃ النحو نصف آخر، مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اعزازی مدرس مفتاح العلوم سے ایسا غوجی، قال اقول پڑھی، اور قاری عبدالسنان صاحب سے مشق قراءت کی۔

اس کے بعد شوال ۱۳۶۴ھ سے شعبان ۱۳۶۵ھ تک تین سال جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں قدوری مولانا عبدالغنی صاحب بارہ بنکوی (متوفی ۱۴۰۴ھ) سے، شرح وقایہ اور شرح جامی مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری (ولادت: ۳ رجب ۱۳۳۴ھ مطابق ۷ مئی ۱۹۱۶ء، وفات ۲۷ صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء) سے القراءۃ الراشدہ مولانا محمد یحییٰ صاحب رسولپوری (متوفی ۱۳۸۷ھ) سے پڑھی اور قاضی اطہر صاحب مبارکپوری - سے مقامات حریری، مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی بھوری (متوفی ۱۴۰۳ھ) سے ترجمہ قرآن، مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارکپوری (متوفی ۱۴۰۴ھ) سے شرح تہذیب، جلالین شریف، مولانا عبدالجبار صاحب معروفی سے مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر، شرح عقائد، ہدایہ اوّلین، ملاحسن، اور قاری ظہیر الدین صاحب معروفی (متوفی ۱۴۰۳ھ) سے ضیاء القراءۃ، خلاصۃ التجوید، مشق ترتیل ابتدائی حدر کی تحصیل کی۔

۱۳۶۶ھ میں والد محترم حج کے لیے تشریف لے گئے تو ان کی عدم موجودگی میں

گھر کی نگرانی میرے ذمہ آ گئی اور مجھے تین ماہ مکان پر رہنا پڑا۔ اس وقت حضرت مولانا عبدالستار صاحب معروفی مدرسہ معروفیہ میں صدرالمدرسین تھے تو تین ماہ ان سے معروفیہ میں جلالین شریف اور مشکوٰۃ شریف کا ابتدائی حصہ پڑھا۔

شوال ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم دیوبند جاکر دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء) سے بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف جلد اول۔ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (متوفی ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء) سے مسلم شریف، طحاوی شریف۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب (متوفی ۱۳۷۴ھ) سے ابوداؤد شریف، ترمذی جلد ثانی، شمائل ترمذی، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی (متوفی ۱۳۹۴ھ) سے موطأ امام مالک، مولانا فخرالحسن صاحب (متوفی ۱۴۰۰ھ) سے نسائی شریف، قاری محمد طیب صاحب سے ابن ماجہ شریف۔ قاری اعزاز احمد، معروف بہ "احمد میاں" سے مشق ترتیل، خطاط شہیر مولانا اشتیاق احمد صاحب (متوفی ۱۳۹۵ھ) سے مشق خوش نویسی۔ خوش نصیبی سے ختم بخاری کے موقع پر حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحب (متوفی ۱۳۹۲ھ) بھی موجود تھے، انہوں نے بھی حضرت شیخ الاسلام کے حکم سے چند حدیثیں پڑھا کر اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

دورۂ حدیث کے بعد بھی ایک سال شوال ۱۳۶۸ھ سے شعبان ۱۳۶۹ھ تک دارالعلوم دیوبند میں رہ کر فنون کی تکمیل کی یعنی مولانا فخرالحسن صاحب سے بیضاوی شریف، توضیح تلویح، دیوان متنبی اور عروض المفتاح۔ علامہ بلیاوی سے قاضی مبارک۔ مولانا معراج الحق (متوفی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء) صاحب سے دیوان حماسہ سبعہ معلقات مولانا بشیر احمد خاں صاحب سے تصریح شرح چغمینی، بست باب اور اقلیدس پڑھیں، مولانا اشتیاق احمد صاحب سے مشق خوش نویسی، خط نستعلیق و نسخ اور صدر مفتی مولانا مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوری (متوفی ۱۳۹۶ھ) سے مشق فتویٰ نویسی کی۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور سے ۱۳۹۴ھ میں مدرسی کے ساتھ بروایت حفص

حدر کی تکمیل کی جس کو قاری ظہیر الدین صاحب معروفی نے شروع کرایا اور قاری محمد ادریس صاحب مبارک پوری نے اختتام تک پہنچایا۔

اپریل ۱۹۵۰ء ۱۳۶۹ھ میں لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان دیا۔

آغاز تدریس

شعبان ۱۳۶۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے تکمیل تعلیم کے بعد ہی اراکین مدرسہ معروفیہ پورہ معروف نے خدمت تدریس کے لیے میرا انتخاب فرمالیا، اور میں ذوقعدہ ۱۳۶۹ھ ۲۶/اگست ۱۹۵۰ء سے باضابطہ مدرسہ معروفیہ میں مدرس ہوگیا، اس وقت میں اکیلا مدرس تھا اور ابتدائی فارسی تک تعلیم تھی مگر شب وروز کی محنت سے بفضلہٖ تعالیٰ مدرسہ کی اس قدر ترقی ہوئی کہ شرح جامی تک تعلیم پہنچ گئی اور لطف یہ کہ اردو، مکمل فارسی وعربی کی شرح جامی تک میں تنہا تعلیم دیتا تھا کیوں کہ ابھی نوجوانی کا عالم تھا اور شیخ الاسلام کی تعلیم وتربیت کا اثر، بعد میں اراکین مدرسہ نے کثرت کار کے پیش نظر مدرسین کا اضافہ کیا، یہاں تک کہ میرے آخری دور میں دس مدرس ہوگئے مدرسہ معروفیہ کی تعمیر وترقی میں میں نے خون پسینہ ایک کردیا، بالآخر (بعض نامساعد حالات کے باعث) یہاں سے ۲۰/شعبان ۱۳۸۹ھ کو مستعفی ہونا پڑا یہاں کی مدرسی کی مدت بیس ۲۰ سال ہوتی ہے(۱)۔

بیعت وسلوک

رمضان ۱۳۷۰ھ میں ٹانڈہ جاکر استاذ محترم شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حضرت کے تلقین کردہ اوراد ووظائف کا سلسلہ جاری رہا اور تقریباً ہر سال رمضان المبارک کا آخری عشرہ حضرت کی صحبت میں ٹانڈہ جاکر گذارتا رہا۔ مراقبہ تک تعلیم بھی پہنچ گئی تھی کہ حضرت کا ۱۳۷۷ھ میں وصال ہوگیا اور یہ ناکارہ

---

(۱) اس مدت سے سات ماہ کا استثناء ہے کیوں کہ ۲/صفر ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء سے آخر شعبان ۱۳۷۷ھ تک مولانا شنیر مدرسہ اسلامیہ گوماپھول باڑی ضلع کامروپ آسام میں مدرس رہے مگر آب وہوا کی نامساعدت اور مدرسہ معروفیہ کی ضرورت کے پیش نظر واپس آگئے۔ (ماخوذ از تذکرۂ خودنوشت)

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

کا مصداق رہا۔

جمعیۃ علماء احقر کا قلبی تعلق جمعیۃ علماء ہند سے بچپن ہی سے رہا ہے، اس بناء پر پورہ معروف میں جمعیۃ کی از سرِ نو تنظیم کی، اور اس کا دفتر مدرسہ معروفیہ میں رکھا اور مقامی جمعیۃ کی صدارت اور کبھی اس کی نظامت کی ذمہ داری اپنے ہی سر رہتی رہی۔ یہاں تک کہ مدرسی کا سلسلہ پورہ معروف سے منتقل ہو گیا۔

ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کی طلب پر اس کے کل ہند اکیسویں اجلاس عام پر میرٹھ منعقدہ ۷/۸/۹/ جون ۱۹۶۳ء بائیسویں اجلاس عام گیا منعقدہ ۱۵/ ۱۶/ ۱۷/ اپریل ۱۹۶۶ء اور تیئیسویں اجلاس عام دلی منعقدہ ۵/۶/ ۷/ مئی ۱۹۷۲ء میں پندرہ یوم پیشتر جا کر اجلاس سے متعلق کل تختیاں، بورڈ اور بینر احقر نے بنائے۔ بعض اسی ۸۰، اسی ۸۰ میٹر لمبے کپڑے پر چار اور پانچ انچ موٹے قلم سے سنہرے اور روپہلے چمکدار کاغذ سے ایسے دیدہ زیب بنائے گئے کہ وہی اجلاس کی زینت اور خراجِ تحسین کے داعی بن گئے۔

حج و زیارت معروفیہ کی مدرسی کے دوران زیارت حرمین شریفین سے شرف یاب ہوا۔ ۱۳/ شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۱/ اپریل ۱۹۶۰ء کو یہاں سے روانہ ہوا، اور تین صفر ۱۳۸۰ھ ۲۸/ جولائی ۱۹۶۰ء کو واپسی ہوئی اس مدت میں میری جگہ میرے شاگرد مولوی عبدالودود معروفی مدرسہ معروفیہ میں عارضی طور پر پڑھاتے رہے۔

احیاء العلوم کی مدرسی ۹/ شوال ۱۳۸۹ھ/ ۲۰/ دسمبر ۱۹۶۹ء کو جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں علیا کا مدرس منتخب ہوا، اور یہاں ۴/ صفر ۱۳۹۷ھ ۲۵/ جنوری ۱۹۷۷ء تک سوا سات برس تدریسی خدمات انجام دی، اس مدت میں عربی سال اوّل سے دورۂ حدیث تک (صرف، نحو، ادب، فقہ،

حدیث) ساری ہی نصابی کتابیں زیر درس رہیں۔

احیاء العلوم سے مستعفی ہونے کے بعد ۱۳۹۷ھ میں مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں اعزازی طور پر قرآن کریم پڑھاتا رہا۔

منبع العلوم گلاؤٹھی

قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کا مشہور مدرسہ منبع العلوم جس کی بنیاد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ۱۲۹۷ھ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی اور جس کا کتب خانہ نہایت عظیم الشان، دسیوں ہزار قلمی و مطبوعہ اہم کتابوں پر مشتمل ہے اس میں ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء سے ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء تک ایک برس رہ کر تیسیر المنطق، شرح تہذیب، مقامات و مختصر المعانی، اور ہدایہ پڑھایا۔

جامعہ اسلامیہ مدنیہ کلکتہ

پھر حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ کے ایماء پر جامعہ اسلامیہ مدنیہ مدنی نگر کلکتہ چلا گیا، جہاں شوال ۱۳۹۸ھ سے ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ تک درجات عالیہ کا مدرس اور ناظم تعلیمات رہا۔

جامع العلوم کوپا گنج

عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں کلکتہ سے مکان پر آیا ہوا تھا کہ مدرسہ جامعہ العلوم کوپاگنج مئو کی کمیٹی نے درجات عالیہ کی مدرسی کے لیے ۲۳/ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ ۱۴/نومبر ۱۹۷۹ء کو منتخب کرلیا اور ہنوز ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۵ء تک اسی مدرسہ سے وابستہ ہوں۔ (یہ مضمون کوپاگنج میں قیام کے دوران لکھا گیا)۔ یہاں اردو فارسی اور عربی کی ابتداء سے انتہا تک کی کتابیں زیر درس رہیں۔

یہ مدرسہ الٰہ آباد بورڈ سے ملحق ہے، اپنی عمر کے ساٹھ سال پورے ہونے پر ۳۰/جون ۱۹۸۸ء کو مولانا اس مدرسہ سے سرکاری طور پر ریٹائرڈ قرار دیئے گئے اور معاً یکم جولائی ۱۹۸۸ء مطابق ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ سے جامعہ اسلامیہ سلطان پور میں تدریسی خدمت شروع کردی، یہاں آپ نے پانچ سال تک تدریس کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے پھر بینائی کی کمزوری اور دوسرے اعذار کی وجہ سے سبکدوش ہوکر ۱۴۱۳ھ میں وطن چلے آئے، سلطان پور میں مولانا مقامی باشندوں اور ارباب

مدرسہ وطلبہ کے درمیان قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، وطن واپس آ کر مدرسہ ضیاء العلوم پورہ معروف سے وابستہ ہوئے، اور تدریس، اساتذہ کی سرپرستی اور بقدر گنجائش تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔

ادھر ماہنامہ مظاہر علوم کا اجراء عمل میں آچکا تھا ایک کہنہ مشق قلم کار اور مدیر زیرک ادارہ کو ضرورت تھی حضرت الاستاذؒ نے سفر کر کے احقر سے مشورہ طلب کیا احقر نے عرض کیا، حضرت آپ بے تکلف اسے قبول فرمالیجیے۔ چنانچہ یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ ۷؍جولائی ۱۹۹۷ء کو مولانا کا تقرر بحیثیت مرتب "ماہنامہ مظاہر علوم" ہوگیا مولانا مرحوم نے جس خوش اسلوبی سے رسالہ کا کام انجام دیا ہے قارئین اس سے بخوبی واقف ہیں۔

مضمون نگاری مختلف عنوانات پر گاہے گاہے آپ کے مضامین اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے تھے مثلاً الجمعیۃ دہلی، انصاری دنیا مرادآباد، البلاغ بمبئی، ماہنامہ القاسم دیوبند، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ(۱)۔

تصنیف وتالیف تعلیم وتدریس کے ساتھ قدرے تصنیف کا بھی مشغلہ رہتا تھا چنانچہ درج ذیل کتابیں طبع ہوچکی ہیں۔

(۱)حیات طاہر، ط ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء (۲) کمیونزم اور مذہب، ط۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء (۳) حرم مغفرت، ط ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸ء (۴) ایک عالمی تاریخ (جس کے پانچ ایڈیشن نکل چکے (۵) مشاہیر پورہ معروف ط۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء (۶) معجزات وکرامات ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء (۷) تاریخ وقائع لاثانی ط۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء (۸) تذکرہ الفنون ط۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء (۹) درس مغفرت ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء (۱۰) تذکرہ مشاہیر کوپاگنج (۱۱) گلدستۂ فاخرہ(۲)۔

---

(۱) موجودہ وقت کے موقر رسائل جن میں مولانا کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں، ان میں "معارف" اعظم گڈھ "ترجمان الاسلام" بنارس "المآثر" مئو "ماہنامہ مظاہر علوم" سہارنپور خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

(۲) مولانا کے شعری کلام کا مجموعہ جو ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء میں طبع ہوکر مقبول ہوا۔ اس کتاب پر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کا گراں قدر "مقدمہ" ہے جو مولانا مرحوم کی شعرگوئی نیز منظوم ومنثور جملوں سے تاریخ برآری میں مہارت کی سند ہے۔

تاریخ گوئی

تاریخ گوئی میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت شعور بخشا ہے، چنانچہ بہت سے مدارس ومساجد پر آپ کے تاریخی مادے کندہ ہیں جن سے تاریخ تعمیر برآمد ہوتی ہے۔ بہت سے اکابر کی قبروں پر تاریخ وفات کندہ ہیں، بہت سے بچوں کے لئے تاریخی نام تجویز کیے، حمیدی جنتری بارہ بنکی، مصباحی جنتری کوپاگنج وغیرہ میں آپ کے برآمد کردہ تاریخی نام طبع بھی ہوتے ہیں۔

خوش نویسی اور طغرا سازی

خوش نویسی نسخ ونستعلیق اور طغرا میں بھی امتیاز قدرت نے بخشا ہے بالخصوص جلی حروف میں۔ چنانچہ بہت سی مساجد، مدارس کے بورڈ جلی حروف میں آپ کے ہاتھوں کندہ ہیں مثلاً احیاء العلوم مبارک پور، مفتاح العلوم مئو، مصباح العلوم کوپاگنج جامع العلوم کوپاگنج، جامعہ حسینیہ جونپور، مدرسہ اسلامیہ سمرون گڈھ نیپال، مدرسہ الحفاظ کلکتہ، جامعہ اسلامیہ مدنیہ دم دم کلکتہ۔

شیشہ پر وارنش سے طغرا بنانے کا کام بھی کچھ دنوں تک کیا جو نہایت دیدہ زیب رنگ برنگ کے بیل بوٹوں سے مزین ہوتے اور بہت پسند کیے جاتے تھے لیکن یہ کام یکسوئی چاہتا ہے جو مدرسی کے ساتھ کما حقہ نہیں ہو پاتا۔ اس لیے اس کو ترک کر دیا۔

حضرت الاستاذ ایک جگہ لکھتے ہیں:

میرے پہلے استاذ حضرت مولانا حکیم محمد شبلی صاحب شیدا خیرآبادی نے ایک بار یہ شعر لکھ کر مجھے دیا۔

پرشدہ نامۂ عاصی زخطا ؤ عصیاں ❁ دارد امید شفاعت ز محمدؐ، عثمان

اور فرمایا کہ اس شعر کو نوٹ کر لو اور اپنا تخلص عاصی رکھو گے۔ میں نے شعر لکھ لیا، اسوقت میری عمر دس بارہ برس سے متجاوز نہ تھی اور اپنے بارے میں شاعری کا قطعا کوئی تصور نہیں ہو سکتا تھا اس لیے استاذ کا تلقین کردہ تخلص اور لفظ ''عثمان'' مقطع میں شامل کر دیتا ہوں۔

اخلاق وعادات صف اول کا ہمیشہ اہتمام فرماتے، بلا کسی عذر تلاوت قرآن ناغہ نہ ہونے دیتے تھے کبھی کسی کھانے کو عیب نہ لگاتے نمک چونکہ ان کو نقصان کرتا تھا اس لیے اگر کبھی زیادہ ہوجاتا تو آئندہ کے متعلق کم رکھنے کی ہدایت فرماتے۔ محسن کے احسان کو یادرکھنا اس کا تذکرہ کرتے رہنا ان کی ایک اہم صفت تھی، ہمیشہ خنداں اور ہشاش بشاش رہتے، جب کبھی کام کی کثرت یا کسی رنج دہ بات کی وجہ سے پژمردگی ہوتی مولانا کی مجلس میں تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد سارا غم کافور ہوجاتا، چھوٹوں کی ترقی آپ کو عزیز تھی اس کے لئے اپنا ممکنہ تعاون پیش کرنے میں دریغ نہ کرتے، حدیث ''اشفعوا توجروا'' پر آپ کا خوب عمل تھا، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، اوران کی شان میں جو بے ادبی یا خدمت میں کوتاہی ہوئی، روز جزائیں مواخذہ سے درگذرر کھے، آمین۔

احقر کے جو اساتذہ اور بڑے اکثر یاد آتے ہیں ان میں مولانا معروفی سرفہرست ہیں۔ آہ! ایسے ستودہ صفات اب کہاں ملیں گے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واحدۃ ومغفرۃ کاملۃ۔

مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور ضلع فیض آباد

دیار مشرق کی ظلمت آشنا بستی قصبہ جلال پور ضلع فیض آباد، جلال پور کے ایک طرف مشہور بستی کچھوچھہ قریب ہے تو دوسری طرف نواب پور اور متو پور وغیرہ مشہور ریاستیں تھیں جو اگرچہ اب ختم ہوچکیں ہیں، مگر شیعیت لوگوں کے دماغ میں رچی بسی تھی، کچھوچھہ دسویں صدی ہجری کے مشہور صاحب فیض بزرگ حضرت جہانگیر اشرف سمنانیؒ کی آخری آرام گاہ ہے۔

جلال پور کے بارے میں سلسلۂ شطاریہ کے مشہور بزرگ شیخ علی عاشقانؒ کی جانب سے منسوب یہ مقولہ زبان زد خاص وعام ہوگیا تھا، (واللہ اعلم صحیح تھا یا غلط مشہور ہوگیا تھا) کہ یہاں نہ عالم ہوں گے نہ ظالم ہوں گے، پوری بستی اسی صحیح یا غلط مقولہ

کے زیر اثر تھی۔اسی عجیب وغریب بستی میں یکم اگست ۱۹۴۸ء میں حضرت شیخ الاسلام
مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے دیار مشرق کے مشہور عالم دین بلند پایہ مدرس
اور نامور خطیب حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب اعظمیؒ (م:۱۴۱۰ھ) کو جلال پور بھیجا،
یہاں سید احمد شہید بریلویؒ کے خلیفہ خاص مولانا شاہ کرامت علی صاحبؒ جونپوری
کے ذی علم اور نامور صاحبزادے حضرت مولانا عبدالاول صاحب جونپوریؒ کے قائم
کردہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور سن قیام:۱۹۱۵ء مطابق
۱۳۳۳ھ) جو اس وقت مکتب کی شکل میں تھا،اساتذہ آتے رہے اور جاتے رہے،
کسی کو استقلال نہ تھا،مولانا ضمیر صاحبؒ اس کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے میں
ہمہ تن مصروف ہوگئے۔

چنانچہ آپ کی مخلصانہ اور مجاہدانہ مساعی اور جدوجہد رنگ لائی اور کل کا مکتب
ایک اچھے خاصے مدرسے کی حیثیت سے مرجع طلبہ وعلماء بن گیا۔

صاحب تذکرہ ایک خوش گلو قاری ہی نہ تھے بلکہ عمدہ طرز اور دلکش آواز میں
اشعار نعت ونظم بھی پڑھتے تھے اور دور ونزدیک کے جلسوں میں قراءت ونعت خوانی
کے لیے عموماً مدعو ہوا کرتے تھے،ادھر حضرت مولانا ضمیر احمد صاحبؒ ایک شیوا بیان
خطیب ومقرر اکثر آپ کا ساتھ ہو جاتا تھا اس طرح باہم اچھا خاصا تعارف تھا،اسی
تعارف کے باعث حضرت مولانا نے آپ کو اپنے یہاں جلال پور آنے کی دعوت
دی،چنانچہ مئی ۱۳۸۵ھ-۱۹۶۵ء میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ اور بعد میں اس کا جدید نام
مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور میں بہتر روپے ماہوار خشک پر تقرر ہوا،مدرسہ کی اس
وقت مالی حالت بیحد کمزور تھی،بہت ہی قلیل تنخواہوں پر اساتذہ کام کر رہے تھے،ہر ماہ
تنخواہ بھی نہیں ملتی تھی،مگر پھر بھی جو سکون اور برکت اس وقت تھی آج کے اس مرفہ
الحالی کے دور میں ناپید ہے۔

مدرسہ ہذا میں ۱۳۸۸ھ-۱۹۶۸ء تک خدمت کا موقعہ ملا یہ زمانہ قاری صاحب

کا عنفوان شباب اور نوعمری کا زمانہ تھا، شب وروز، صبح وشام ایک دھن رہتی تھی مدرسہ ہذا میں بلکہ پورے دیار میں نیا نیا یہ شعبہ کھلا تھا، زمین بالکل سنگلاخ اور بے آب وگیاہ تھی اسے قابل کاشت بنانے میں کیا کچھ جدوجہد کرنی پڑی ہوگی ظاہر ہے، بڑی محنت سے آپ نے پڑھایا بعد نماز عصر قصبہ کے چند نوجوانوں کی ایک جماعت پڑھنے آتی جن میں بعض کی عمر قاری صاحب سے بھی زیادہ تھی جن لوگوں نے بعد عصر پڑھا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) جناب حافظ قاری مولوی جلیل احمد صاحبؒ، آپ بڑے جید حافظ تھے نہایت ذکی وذہین اور مضبوط قوتِ حافظہ کے مالک آپ نے بڑی محنت سے پڑھا، پوری کتاب ''ضیاء القراءت'' بعد عصر ایک ہی نشست میں حفظ سنادی، مدرسہ کی جامع مسجد جو قصبہ کی جامع مسجد ہے اس کے خطیب وامام تھے، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے آمین۔

(۲) جناب حافظ فیاض احمد صاحب آپ بھی عمدہ حافظ ہیں محنتی، ہمدرد اور نیک طبع تاجر ہیں۔

(۳) جناب حافظ عبدالرشید صاحب آپ نے بھی بڑی محنت سے مشق وتمرین کی تھی دونوں مؤخر الذکر بڑی پابندی سے آکر پڑھتے تھے۔ ۱۹۹۵ء میں آپ کا انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی خاص رحمت سے نوازے اور پسماندگان کو دارین کی سعادت سے نوازے۔ آمین!

(۴) جناب قاری جمیل احمد صاحب جلال پوری، قاری صاحب کے جلال پور کے مدرسہ میں پہنچنے کے چند ماہ بعد ہی قاری جمیل احمد صاحب آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے، اس وقت بہت کم سن تھے مگر آپ کے شوق وذوق اور استاذ محترم سے والہانہ ربط وتعلق سے اسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ آگے چل کر نمایاں مقام کے حامل ہوں گے اندازہ بالکل صحیح نکلا، آپ نے محنت سے تجوید سیکھی، آپ سے پڑھنے کے بعد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ جاکر بھی استفادہ کیا، مگر ممنون کرم

استاذ محترم حضرت قاری صاحب ہی کے ہیں۔
آپ مضبوط آواز، عمدہ لہجہ اور دلکش طرز تلاوت کے مالک ہیں، حروف کی ادائیگی پر قابو یاب ہیں، استاذ سے والہانہ تعلق اور محبت ہے، استاذِ محترم بھی آپ کو بہت چاہتے ہیں، آپ کی تعریف کرتے ہیں، اور برابر دعاء گو رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے بیش از بیش قرآن کریم کی خدمت لے عافیت اور صحت سے نوازے۔ آمین!
(۵) مولانا محمد جیلانی صاحب آپ بڑے بیدار مغز عالم، عربیت میں مہارت حضرت مولانا وحید الزماں صاحب سے حاصل کی، عربیت کی تحریری وانشائی صلاحیت بھرپور ہے، مولانا مرحوم کے خاص تلامذہ میں سے ہیں دلی گلی قاسم جان میں قیام ہے۔
(۶) جلال پور کے زمانہ تدریس میں جن طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا ان میں سے جناب مولانا قاری شفیق احمد صاحب اعظمی کا نام بھی نظر آتا ہے، آپ نے اگرچہ بعد میں اس فن کے ساتھ باقاعدہ اشتغال نہیں رکھا، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد علوم عربیہ سے متعلق ہوگئے، مگر آپ نے قاری صاحب سے تعلق بہت رکھا، قیام جلال پور کے دوران آپ کے خادم خاص تھے، آج آپ کے والہانہ تعلق کا اندازہ ملنے کے بعد ہوتا ہے، آپ کو تصنیف وتالیف سے بھی خاصا لگاؤ ہے متعدد مفید کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں، اور برابر یہ سلسلہ جاری ہے، بڑے صاحب عزیمت وہمت ہیں، ممنونیت اور شکر گذاری کے جذبے کا اظہار واعتراف کرتے ہیں، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ!
(۷) جلال پور سے جانب شمال ایک موضع منصور ہے، یہاں کے رہنے والے قاری محمد یحییٰ صاحب ہیں، آپ عمدہ اور دلکش آواز کے مالک ہیں محنت سے تجوید سیکھی، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں آپنے طب کی تعلیم حاصل کی، مشغلہ آپ نے طبابت ہی کا اپنایا، اگر آپ تجوید کی لائن اختیار کرتے تو بہت عمدہ کام کرتے، آپ سے قاری صاحب کو بڑی توقعات وابستہ تھیں۔
(۸) اسی ضلع میں ایک موضع نیوری ہے وہاں کے باشندہ ہیں جناب قاری انصار الحق

صاحب آپ نے مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور میں قاری صاحب سے تجوید پڑھی، بڑے خوش آواز ہیں، اب یہ نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس مشغلہ میں ہیں، جہاں بھی ہوں خوش وخرم زندگی گذار رہے ہوں خدا کرے۔ آمین!

(۹) جلال پور کے زمانہ میں خاص طور پر جنہوں نے تجوید سیکھی ان میں جلال پور کے قاری محمود الحسن صاحب، قاری عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا عبدالوحید واحد فیاضی صاحب، پُنکھر کے محمد احمد صاحب اور (۱۰) گوشائیں گنج کے مولانا مہدی حسن صاحب اور (۱۱) عارب پور (عربہ پور) کے مولانا حکیم محمد ظہیر صاحب (مؤخرالذکر اب دارالعلوم دیوبند کے شعبہ معالجہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں) (۱۲) نگپور کے قاری نثار احمد صاحب اور (۱۳) مولانا عبدالحلیم صاحب وغیرہم ہیں۔

قاری صاحب کا وہ ابتدائی تدریسی دور تھا تلامذہ اور مستفیدین کا باقاعدہ ریکارڈ کا کوئی اہتمام نہ تھا، بہرحال آپ مدرسہ ہذا میں ۱۳۸۸ھ-۱۹۶۸ء تک رہے اور ایک اچھی خاصی تعداد میں شائقین نے آپ سے تجوید سیکھی۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ

ضلع اعظم گڑھ میں قصبہ مبارک پور کا اگر ایک طرف ساڑیوں کی تیاری اور اس کی تجارت میں ایک اہم مقام ہے تو دوسری طرف علمی اعتبار سے بھی اس قصبہ کو تاریخی حیثیت حاصل ہے، یہاں تین بڑے علمی ادارے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اہم کردار ادا کررہے ہیں، یہاں شیعوں کا بھی ایک مدرسہ ہے باب العلم کے نام سے، اور رضاخانی حضرات کا سب سے بڑا علمی ادارہ مدرسہ اشرفیہ مبارکپور جس سے پورا ملک واقف ہے، یہیں ہے، اور یہیں وہ تاریخی اور علمی مدرسہ "جامعہ احیاء العلوم کے نام سے سرگرم کار ہے، یہ علماء دیوبند کے مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند کی اہم ترین شاخ ہے، اس جامعہ سے ایک اہم اور نابغۂ روزگار شخصیات اٹھی ہیں جنہوں

نے علمی میدان میں زبردست کارنامے انجام دیے ہیں۔ یہاں صرف دو عظیم ایسی شخصیات کے نام لکھے جاتے ہیں کہ اگر صرف یہی اس عظیم ادارے سے تعلق رکھنے والے ہوتے تو بھی کافی تھے۔

(۱) حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری (م ۱۴۱۷ھ) آپ کے نام اور کام سے دنیا واقف ہے۔

(۲) رئیس القراء حضرت مولانا المقری الشیخ ظہیر الدین صاحب معروفی، آپ نے بیس برس تک (ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۸۲ھ تک) اس جامعہ میں فارسی عربی اور خاص طور پر فن تجوید و قراءت کی بے مثال خدمات انجام دیں، مبارک پور میں گھر گھر قاری پیدا کر دیا، اور یہیں کے قیام میں علم قراءت میں ''احیاء المعانی'' ۳ر حصے کے نام سے ایک لافانی شاہکار قائم کیا۔

یہیں آپ کے لائق فائق شاگرد رشید جناب قاری انوار الحق صاحب مبارک پوری نے اپنی خوش لہجگی کے جادو جگائے ہیں جب ان دونوں حضرات کے چلے جانے کے بعد شعبۂ تجوید میں جگہ خالی ہوئی تو ضرورت تھی کسی ایسی ہی شخصیت کی جو اس خلا کو پُر کر سکے، جامعہ کے بیدار مغز اور محبوب ترین ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبدالباری صاحب قاسمی کسی مرفوع الصوت خوبصورت آواز اور صاحبِ فن قاری کی تلاش میں تھے۔ جلسوں کی راہ سے صاحبِ تذکرہ جناب قاری صاحب پر نظر پڑی اور پہلی دید وشنید کے بعد آپ کو جامعہ میں لانے کا فیصلہ کر بیٹھے، اور شوال: ۱۳۸۸ھ کو آپ کا تقرر کر لیا، آپ نے جامعہ احیاء العلوم مبارک پور میں دو سال ۱۳۹۰ھ تک تجوید و قراءت کی خدمت انجام دی۔

یہاں بوجوہ آپ کا قیام اگر چہ زیادہ نہ ہو سکا لیکن اس مختصر مدت میں بھی آپ نے متعدد اچھے قاری تیار کر دیے ذیل میں چند نام جو آپ کی ڈائری میں محفوظ رہ گئے درج کیے جاتے ہیں:

(۱) جناب قاری محمد اشفاق صاحب ابراہیم پوری، آپ قاری صاحب کے بعد جامعہ ہذا

میں استاذ تجوید ہیں، اور گرانقدر خدمات انجام ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ جامعہ میں دیر تک خدمات لیتا رہے اور صحت وسلامتی کے ساتھ قبولیت سے نوازے آمین!

(۲) یہاں کے مستفیدین میں جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب کوڑیاپاری کا نام نظر آتا ہے، آپ نے متعدد مدارس میں تجوید وقراءت کی خدمات انجام دیں، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں بھی آپ نے پڑھایا، آپ کو استاذ محترم سے خاصا لگاؤ تھا، آج کل کچھ پتہ نہیں کہاں ہیں، جہاں بھی ہوں خدا کرے عافیت کے ساتھ قرآنی خدمات میں لگے رہیں۔ آمین!

(۳) تیسرے محبوب ترین شاگرد مولانا قاری ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب ساجد الاعظمی ہیں۔ آپ بھی کوڑیاپار کے رہنے والے ہیں۔

یہ کوڑیاپار بھی کیسے کیسے جواہر پارے اپنی آغوش میں چھپائے ہوئے ہے، اسی سرزمین کے رہنے والے مشہور تنقید نگار جناب شمس الرحمٰن صاحب فاروقی بھی ہیں جن کے عظیم ادبی تنقیدی کارنامے دنیا کے سامنے ہیں، ملک سے عظیم ترین علمی خطاب حاصل کر چکے ہیں اسی سرزمین سے تعلق جناب ساجد الاعظمی صاحب کا ہے، آپ ایک اچھے مؤرخ، عمدہ استاذ، باصلاحیت عالم، بہترین اور پرکشش مقرر اور خطیب، اور علامہ شبلی نعمانی پر ڈاکٹریٹ کیے ہوئے ایک اچھے شاعر ہیں، لیکن یہ کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگا کہ آپ ایک خوبصورت آواز کے مالک عمدہ قاری بھی ہیں، قراءات کے جلسوں اور کانفرنسوں میں خطیبانہ صلاحیت اور جلسوں کی مدبرانہ نظامت سے آپ کی بہترین مقررانہ قابلیت لوگوں کے سامنے کھل کر آئی مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں تاریخ کے استاذ سابق استاذ مدرسہ شاہی، اور خطاطی کے ماہر فن کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے گوناگوں علمی ادبی اور تدریسی خدمات تادیر لیتا رہے، آمین!

(۴) احیاء العلوم سے تعلق رکھنے والے آپ کے نہایت چہیتے اور محبوب شاگرد جناب مولانا قاری آفتاب عالم صاحب غازی پوری ندوی بھی نظر آتے ہیں، قاری آفتاب عالم صاحب وہ شخصیت ہیں کہ جناب صاحب تذکرہ کی ڈائری میں نوشتہ تحریروں کے پیش نظر

اگر کہا جائے کہ اب تک کی پوری حیات میں اتنا تعلق کسی شاگرد سے نہیں رہا تو مبالغہ نہ ہوگا، ندوی صاحب کے نام ان کی تعلیم سے متعلق خطوط کا ایک ایسا سلسلہ نظر آتا ہے جس کی نظیر تدریس وتعلیم کی لائن میں کمیاب ہی ہوگی، خطوط کیا ہیں ان میں دل وجگر کے ٹکڑے بچھادیے گئے ہیں۔ لفظ لفظ سے استاذ اور شاگرد کے مابین نہایت گہرے تعلقات کا واضح اندازہ ہوتا ہے، قاری صاحب آپ کو کیا کچھ بنادینا چاہتے ہیں، ایک ایک خط دس دس پندرہ پندرہ صفحات پر مشتمل، ان خطوط کو دیکھنے سے ایک عجیب سا رشک پیدا ہوتا ہے دیکھنے والا بے اختیار یہ چاہنے لگتا ہے کہ کاش اسکے مخاطب ہم ہوتے۔

قاری آفتاب عالم نے آپ سے احیاء العلوم میں صرف تجوید ہی نہیں بلکہ حفظ بھی پڑھا، شب وروز کے خادم تھے، ہر خدمت آپ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، دیکھنے والے آپ کو انسان نہیں ایک مشین کہتے تھے، جب قاری صاحب احیاء العلوم سے جونپور پہنچے تو جونپور بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔

حفظ وتجوید کے بعد فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی، دارالعلوم دیوبند گئے دیوبند کے بعد ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم رہے، اور ندوہ سے فراغت حاصل کی۔

اب مکان (قربان سرائے نندگنج ضلع غازی پور) پر تجارت کے مشغلہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قاری صاحب کے اس محبوب شاگرد کو اپنی محبوبیت سے نوازے، صحت وسلامتی کے ساتھ دارین کی صلاح وفلاح سے ہمکنار کرے آمین!!

(۵) اسی جامعہ احیاء العلوم سے تعلق رکھنے والے جناب مولانا قاری قمر الدین صاحب قاسمی غازیپوری بھی ہیں۔

آپ ایک باصلاحیت عالم اور اچھے قابل قاری سبعہ وعشرہ ہیں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ ملک کے متعدد اور اہم مدارس میں خدمات تجوید وقراءت انجام دے چکے ہیں اور اس فن کی آبیاری میں لگے ہوئے ہیں، آپ کو بھی اپنے استاذ سے اور استاذ محترم کو آپ سے بڑا ربط وتعلق ہے۔ قاری صاحب آپ کو بہت چاہتے ہیں، اور آپ کی خیر وعافیت کے لیے برابر فکرمند رہتے ہیں۔

(٦) مولانا جمیل احمد صاحب نذیری فاضل دیوبند، مبارک پور سے متصل ہی رہتے ہیں ابتداء ہی سے نہایت ہونہار تھے،اساتذہ سے تعلق رکھتے تھے، بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی آج ماشاء اللہ فضلاء دارالعلوم دیوبند میں بڑے نمایاں مقام کے حامل ہیں اہم اور گرانقدر کتابوں کے مصنف ہیں،فقہ وفتاویٰ سے خصوصی لگاؤ ہے، فقہی سیمیناروں میں آپ کے مقالات کو وقیع نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، جامعہ احیاء العلوم مبارک پور کے منصب نظامت پر بھی رہ چکے ہیں،اب خود ایک اچھے خاصے مدرسہ کے بانی و مہتمم ہیں، مدرسہ نے بڑی ترقی کی ہے، آپ اپنے قلم زبان اور دماغ سے ملت کی بڑی اہم اور گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت سے رکھے آمین۔

(۷) یہیں کے زمانہ قیام میں جناب مولانا قاری محمد طارق نعمانی صاحب ارریاوی بھی متعلق ہوئے، اس وقت آپ نہایت صغیر السن تھے تحفیظ قرآن کے لیے یہاں آئے تھے،اور قاری صاحب سے ایک سال تک حفظ اور تجوید کی تعلیم حاصل کی،ابتداء ہی سے تیز طبع اور ذکی وذہین تھے، قاری صاحب کے یہاں سے چلے جانے کے بعد آپ بھی چلے گئے اور گیا بہار اور اس کے بعد امروہہ سے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے دیوبند پہنچے، یہاں سے فارغ ہوکر پھر دیوبند ہی میں تا حال قیام پذیر ہیں۔ آپ ایک عمدہ خطاط ہیں،فن خطاطی کی ترقی سے آپ کو بہت شغف ہے، دیوبند میں ''ورلڈ اسلامی خطاطی سینٹر'' قائم کر رکھا ہے،اس کے ذریعے خوشنویسی اور خطاطی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ قرآنیہ جامع الشرق جونپور

جونپور جو ایک زمانہ میں ہندوستان کا مرکز علم رہ چکا ہے، ہندوستان کا شیراز کہلاتا تھا،اس شہر پر متعدد ادوار گذر چکے ہیں، یہ شہر بڑا علمی چڑھاؤ اتار دیکھ چکا ہے، یہ وہی شہر ہے جہاں ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی اپنی پوری علمی شان وشوکت

کے ساتھ علمی جواہر پارے بکھیر چکے ہیں، یہ وہی شیراز ہند ہے جہاں کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے نونو سو علماء کی پالکیاں آتی تھیں، جامع مسجد جونپور جو شاہان شرقیہ میں سے ابراہیم شاہ شرقی محمود شاہ شرقی اور حسین شاہ شرقی کی پر شوکت یادگار ہے، اس جامع مسجد کا ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب اس میں بڑے بڑے مدارس قائم تھے، پھر ایک دور ایسا بھی آیا کہ مسجد قال اللہ وقال الرسول کی دلنواز صداؤں کو ترس گئی، اس میں قائم شدہ علمی ادارہ نیم مردہ ہو چکا تھا۔ یعنی مدرسہ قرآنیہ بڑی مسجد جونپور۔

مولانا محمد مسلم صاحب بھوریؒ، ایک دل آویز شخصیت

۱۳۹۰ھ-۱۹۷۰ء اس مدرسہ کے لیے یادگار سال رہے گا، جب محب محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحب بھوری اعظمی (ولادت تقریباً ۱۳۵۵ھ-۱۹۳۶ء) بعض وجوہ کی بناء پر مدرسہ قرآنیہ جونپور تشریف لائے، آپ یہاں کیا آئے، اس کی سوئی قسمت جاگ اٹھی، یہ نیم مردہ مدرسہ اچانک انگڑائی لے کر جاگ اٹھا، مولانا محمد مسلم صاحب کے اندر مبدأ فیاض نے عجیب وغریب صلاحتیں ودیعت فرمادی تھیں، وہ بہ یک وقت ایک قابل اور باصلاحیت عالم اور شفیق معلم تھے، تو ساتھ ہی قومی اور ملی مسائل کا ادراک رکھتے ہوئے پوری دلچسپی بھی لیتے تھے، مدرسہ کے لیے فراہمی مالیات کی نئی نئی شکلیں سوچتے تھے اور اس کے لیے جی جان سے لگ جاتے تھے، غرضیکہ اپنی ساری صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ جونپور تشریف لائے، آپ کی عالمانہ اور معلّمانہ خصوصیات کو سن کر اطراف واکناف کے شائقین طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے فارسی اور عربی کی جماعتیں درجہ چہارم تک تیار ہوگئیں، آپ نے درجہ تجوید کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔

مولانا محمد مسلم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی سماعت اور اس سے محظوظ ہونے کا بڑا وافر جذبہ عطا فرمایا تھا وہ جب کسی اچھے اور خوش گلو قاری کو پاجاتے تو اس

سے قرآن کریم سنتے اور پھر شدید خواہش ہوتی کہ کسی بھی طرح اپنے ساتھ رکھیں، مدرسہ میں اس کا تقرر کرلیں۔ صاحب تذکرہ جناب قاری صاحب اس سے پہلے جامعہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ میں لے جائے گئے تو اس میں بھی مولانا محمد مسلم صاحب کی تحریک کارفرما تھی، مدرسہ قرآنیہ میں آپ نے اپنے ساتھ ہی جناب قاری فیض الحسن صاحب ادروی اعظمی کا تقرر کیا، مگر مولانا کا جو اعلیٰ معیار تھا اور خوب سے خوب تر کی تلاش رہا کرتی تھی، بالآخر ایک سال بعد ۱۳۹۱ھ-۱۹۷۱ء کو قاری صاحب کو یہاں بلا ہی لیا۔

بڑی مسجد جس میں مرکز علوم اسلامیہ مدرسہ قرآنیہ کا قیام تھا یہ ایک لاجواب طرز تعمیر رکھتی ہے۔ اس کی تعمیر مغل دور سے ڈھائی سو برس پہلے کی ہے، نہایت قدیم ہوتے ہوئے خالص پتھر کی بنی ہوئی نہایت مضبوط ہے، دیکھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

قاری صاحب کی ۱۹۶۶ء کی ڈائری میں ایک مختصر سی تحریر ملتی ہے جس میں آپ نے اپنے جونپور کے ایک سفر کی مختصر سی روداد قلمبند کی ہے، اپنے محترم دوست جناب قاری محمد یٰسین صاحب استاذ دارالعلوم مئو کے ساتھ شعبان کے مہینے میں جونپور گئے تھے تو اس مسجد کی زیارت بھی کی، مسجد میں پہنچ کر قاری محمد یٰسین صاحب سے فرماتے ہیں کہ ”قاری صاحب یہ عجیب مسجد ہے اس میں آواز خوب گونجتی ہے، اگر یہاں قراءت پڑھانے کا موقعہ ملے تو بڑا لطف آئے“ دیکھئے صرف چھ سال کے عرصے میں اللہ تعالیٰ نے اسی خدمت کے لیے یہاں پہنچادیا، آپ نے یہاں چار سال تک تجوید وقراءت کی قابل قدر خدمت انجام دی، مدرسہ قرآنیہ کے چارسالہ قیام میں بہت سے طلبہ نے آپ سے تجوید پڑھی ان کی کوئی نہ فہرست ہے اور نہ ہی یادداشت ساتھ دے رہی ہے۔ البتہ یہاں آنے سے پہلے جلال پور فیض آباد کے زمانے سے مبارک پور ہوتے ہوئے آپ کے ساتھ ساتھ مولانا قاری محمد مسلم صاحب ہزاری باغ بہار (گریڈیہہ) رہے۔

ضلع گریڈیہہ بہار (اب جھارکھنڈ) کا ایک اہم ضلع ہے یہاں جب سے ابرق جیسی

نہایت قیمتی شے کی کانیں دریافت ہوئیں اس ضلع کی اہمیت بین الاقوامی شہرت کی ہوگئی، اسی ضلع کی سب سے قریبی بستی بشن پور پچمبہ کے رہنے والے قاری محمد مسلم صاحب ہیں۔

گریڈیہہ جھارکھنڈ میں آمد

صاحب تذکرہ کو دارالعلوم مئو کی طالب علمی کے زمانہ میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا افتخار احمد صاحب دامت برکاتہم نے ایک سال ۱۳۸۲ھ میں رمضان المبارک میں تراویح کے لیے گریڈیہہ بھیج دیا تھا، آپ نے ایک ہی سال سنانے کا قصد کر کے سفر کیا تھا مگر قرآن کریم کی تلاوت آپ ابتداء ہی سے بڑے دلکش طرز سے کرتے تھے، نماز ہو یا نماز سے باہر سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ایک طویل عرصے کے لیے وہاں کے بعض قدر دانوں نے گویا آپ کو باندھ ہی لیا، چند سال بعد قریب کی بستی پچمبہ کے لوگوں نے بھی پر اصرار خواہش کی کہ یہاں بھی تراویح میں قرآن سنائیں، پچمبہ کی بڑی ہر دلعزیز اور مشہور شخصیت جناب ڈاکٹر امتیاز الدین احمد کی تھی، آپ بہار کے مشہور اور جانے مانے ڈاکٹر تھے، بڑے علم دوست اور قرآن کریم سے خاص شغف رکھنے والے، قراء کے عاشق، آپ نے قاری صاحب کو ایسا اپنایا کہ گویا خاندان کے ایک فرد ہو گئے، آپ کے چھوٹے بھائی جناب الحاج معین الدین احمد صاحب بھی قاری صاحب کو اولاد کی طرح مانتے تھے، ڈاکٹر صاحب سے لے کر بالآخر آپ نے قاری صاحب کو اپنے یہاں مستقل کر لیا، مختصر یہ کہ قاری صاحب نے چند سال تراویح سنانے کے بعد مصلیوں سے ایک بار فرمایا:

"آپ حضرات آج تراویح کے بعد ذرا ٹھہریں میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"۔

تراویح اور وتر سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا:

> "رمضان المبارک میں مدارس کے لیے حضرات سفراء مالیات کی فراہمی کرتے ہیں، آج میں بھی آپ سے ایک چندہ کرنا چاہتا ہوں، لوگوں نے بیک زبان کہا ضرور، ضرور، ہم آپ کو نہ دیں گے تو کسے دیں گے، آپ نے

فرمایا کہ سوچ لیجئے مجھے روپے پیسے کا سوال نہیں کرنا ہے، لوگوں نے کہا پھر کیا چاہیے، فرمایا مجھے ایسے لڑکے آپ دیں جنہیں میں یہاں سے لے جاؤں اور انہیں پڑھاؤں، وہ حافظ اور قاری اور عالم بنیں، پڑھ کر آئیں اور وہ خود اپنی اپنی بستی اور علاقوں میں دین کا کام کریں، رمضان میں باہر سے آنے والوں کا سلسلہ ختم ہو، وہ خود تراویح میں قرآن کریم سنائیں، مدرسہ قائم کریں، دینی تعلیم کا نظام چلائیں یہی میری درخواست ہے، یہی میرا چندہ ہے"۔

لوگوں میں مسرت اور خوشی کی ایک عجیب سی لہر پیدا ہوئی، لوگوں نے کہا کہ آج تک کسی نے اس طرف توجہ نہ دی سب روپے پیسے کا چندہ کرتے رہے، لیکن اس طرح کی بات تو کسی نے نہ کی۔ بہر حال اس گفتگو کے بعد چار لڑکے ملے، رمضان بعد قاری صاحب نے انہیں مدرسہ میں داخل کیا اور اپنے پاس رکھا انہیں پڑھانا شروع کیا۔

گریڈیہہ کی دینی وعلمی حالت

یہ وضاحت ضروری ہے کہ گریڈیہہ کا وہ علاقہ اس وقت جہالت اور خرافات کی آخری حد پر تھا، ایسی ایسی رسومات جاری تھیں کہ الامان الحفیظ گاؤں سے مرد اور عورتیں چھریاں لے کر آتیں اور کسی بھی ڈاڑھی والے سے اس پر پھونک ڈلوا کر لے جاتیں اور اسی سے چھوٹی بڑی فیس کے اعتبار سے ایک ماہ پندرہ روز تک مرغیاں اور بکرے ذبح کیے جاتے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے علاقے اور ماحول سے لڑکوں کو نکال کر تعلیم دینا آسان نہ تھا، انہیں تعلیمی ماحول سے مانوس کرنا بھی کارے دارد، چنانچہ اس پہلی کھیپ سے دو لڑکے تو رہ گئے اور دو ماحول سے مانوس نہ ہو سکے بھاگ گئے۔

ان دونوں لڑکوں کے نام محبوب عالم اور محمد مسلم ہیں۔ یہ دونوں حضرت جلال پور کے زمانہ قیام سے ساتھ رہے ہیں۔

ابتداءً انہیں پڑھانے میں متعدد دقتیں پیش آئیں حروف کی ادائیگی کا مرحلہ سب سے زیادہ دشوار گذار تھا مگر استقلال اور تحمل کے ساتھ ان ساری دقتوں اور دشواریوں کو

برداشت کیا اور رفتہ رفتہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حافظ قرآن ہوئے حافظ محبوب عالم تو حافظ ہو کر واپس وطن چلے گئے اور علاقوں میں مکتب اور مدرسے میں پڑھانے لگے، مگر حافظ محمد مسلم صاحب نے ہمت نہ ہاری اور استاذ کا دامن تھامے رکھا، اور پھر عمدہ اور بہترین قاری بھی ہوئے، فارسی اور ابتدائی عربی سے گذرتے ہوئے مرحلہ وار عالمیت تک پہنچے اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مکمل عالم بن کر نکلے۔ اور پھر خود اپنے علاقے میں خاص وطن کے قریب مدرسہ قائم کیا اور دینی تعلیم اور تبلیغی کام میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہر طرح آپ کی مدد فرمائے۔

پھر مولانا قاری محمد مسلم صاحب کے ساتھ اس علاقے اور ان کی بستی کے آس پاس سے اور بہت سے طلبہ بھی ملے، دو نام اور بھی یاد آئے حافظ انور حسین، حافظ قاری مولوی اسلم حسین، انور حسین حافظ ہوئے، چھوٹے بھائی نے حفظ وتجوید کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے فراغت بھی حاصل کی اور اب مغل سرائے یوپی میں دینی تعلیم کے فروغ واشاعت میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو حفاظت سے رکھے، قبولیت سے نوازے۔

قاری صاحب گریڈیہہ کے اس خاص علاقے سے ان حضرات کے عالم بننے سے متعلق بڑے مزے لے لے کر بیان کیا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے میرے حق میں صدقہ جاریہ بنائیں گے، میری بخشش کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مدرسہ قرآنیہ جونپور میں پڑھے ہوئے تین شاگرد اور بھی ہیں جو آپ کو بہت عزیز ہیں۔

(۱) جناب مولانا ڈاکٹر نثار احمد ابن جناب صغیر احمد صاحب اعظمی ندوی علیگ، آپ موضع بنار پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں، جونپور میں آپ نے حفظ وتجوید پڑھا، ابتدائی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ میں حاصل کی اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور عالمیت کی سند حاصل کی، بعدہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی مختلف ٹریننگ کورس سے

گذرتے ہوئے اب شارجہ متحدہ عرب امارت میں بہت کامیاب ڈاکٹر ہیں آپ بڑے خوش آواز ہیں۔قاری صاحب کے مخصوص تلامذہ کی فہرست میں آپ کا نام نظر آتا ہے،شروع سے اب تک استاذ محترم سے غایت درجہ تعلق ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو دارین کی صلاح وفلاح سے نوازے آمین!

(۲) جناب مولانا قاری ناظم الدین صاحب قاسمی آپ ضلع رانچی (بہار) کے مقام ہلسوکرا کے رہنے والے ہیں،جونپور میں تجوید مکمل کرنے کے بعد مختلف مدارس سے گذرتے ہوے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی استاذ محترم کے خادم خاص رہے استاذ محترم کا جب دوسرا تعلیمی دور شروع ہوا تو اس وقت آپ بھی استاذ کے ساتھ دیوبند میں تھے اور برابر استاذ کی خدمت کرتے رہے،دارالعلوم دیوبند میں آپ دوران تعلیم موقع بہ موقع نیابت امامت کے فرائض بھی انجام دیے، آپ بھی خوش آواز ہیں،رانچی میں آپ اسکول میں ٹیچر ہیں۔استاذ محترم سے برابر تعلق رکھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں کی سعادتوں سے نوازیں۔آمین!

(۳) جناب حافظ قاری مفید عالم صاحب اعظمی،آپ نے جونپور میں حفظ وتجوید کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ضلع اعظم گڑھ کے مختلف مدارس میں قرآن کریم کی خدمت انجام دی اب شارجہ میں امام ہیں۔استاذ محترم سے غایت درجہ تعلق رکھتے ہیں،استاذ محترم بھی برابر دعاؤں میں یادرکھتے ہیں،اللہ تعالیٰ آپ کو اور سارے تلامذہ کو دارین کی سعادتوں سے نوازے۔آمین!

مدرسہ قرآنیہ جونپور میں چار برس ۱۳۹۴ھ-۱۹۷۴ء تک تعلیم دی۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کو اللہ رب العزت نے بہت بردبار بنایا اور بہترین اوصاف سے نوازا تھا،زندگی کا بڑا حصہ مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم مانی کلاں

میں گذار کر علمی، دینی، روحانی اور مذہبی خدمات انجام دیں۔

١٣٤٦ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر دورۂ حدیث شریف پڑھا اور ١٣٤٧ھ میں فراغت پائی۔

آپ ان باکمال ہستیوں میں سے ہیں کہ فراغت کے بعد ہی ١٣٤٨ھ میں مظاہر علوم میں استاذ منتخب ہو گئے اور وہاں درس دیا، علالت کے باعث وطن مراجعت کی صحت کے بعد پھر وہیں علمی و دینی خدمات میں مصروف ہو گئے، خاص طور ضیاء العلوم مانی کلاں کو اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنایا۔ مگر یہ دنیا عجیب دنیا ہے یہاں قدر دانوں کے ساتھ ناقدر شناس بھی رہتے ہیں، مانی کلاں کا مذکورہ مدرسہ معمولی حالت میں تھا، جاننے اور دیکھنے والے خوب جانتے ہیں۔ آپ کے جانے سے پہلے وہاں تھا ہی کیا، آپ کے تشریف لے جانے کے بعد علم و دانش کی کرن پھوٹی تو اس کی ضیا پاش کرنیں کہاں کہاں تک نہیں پھیلیں، جہاں کچھ نہ تھا وہاں سب کچھ ہوا اور نہایت معتبر اور معروف و مشہور ادارہ بن گیا مگر افسوس چند ناقدر شناسوں نے آپ کو کھو دیا، گورینی چوکیہ، (کھیتا سرائے) جونپور کی قسمت جاگی تھی، ویرانے میں چاندنی پھیلی تھی، اور چوکیہ کو ع

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن!

کا مصداق بنا تھا۔ • دنیا نے دیکھ لیا کہ قیام ١٣٩٢ھ کے بعد ہی اگلے سال عربی سال چہارم تک کی جماعتیں آ گئیں۔

ان جماعتوں میں ایسے بھی طلبہ تھے جو مانی کلاں میں تجوید و قراءت بھی پڑھ رہے تھے۔ ان کی تکمیل کا مرحلہ سامنے آیا، جناب صاحب تذکرہ اس وقت مدرسہ قرآنیہ جونپور میں تھے، حضرت مولانا چوں کہ جامع العلوم تھے، سہارنپور کے زمانۂ تعلیم میں آپ نے باقاعدہ شاطبیہ پڑھی تھی۔ علم قراءت کی اہمیت اور ضرورت سے بکلی باخبر تھے، مانی کلاں میں جناب قاری محمد اسمٰعیل صاحب مدظلہ جیسے صاحب فن کو بٹھا رکھا تھا، بھلا ریاض العلوم کے طلبہ کو اس سے کس طرح تشنہ تکمیل چھوڑ سکتے تھے

،چنانچہ صاحب تذکرہ جناب قاری صاحب کو آپ نے جونپور سے ریاض العلوم گورینی کے لیے یاد فرمایا،حضرت مولانا جناب قاری صاحب کے مخدوم ومطاع تھے،فورالبیک کہتے ہوئے حاضر خدمت ہو گئے۔

مدرسہ ہذا میں درجات عربیہ کے جملہ طلبہ کی مشق وتمرین کے ساتھ ایک جماعت عربی حفص کی بھی تھی،اورایک مختصر جماعت ۲ رافراد پر مشتمل تکمیل سبعہ کی تھی۔

مدرسہ ریاض العلوم میں جن طلبہ نے آپ سے پڑھا ان میں سے درج ذیل چند کے نام آپ کی ڈائری میں درج ملے۔

حفص عربی اور مشق کے طلبہ میں۔(۱-۲) محمد یوسف ،ومحمد یعقوب ابن مولانا محمد یونس صاحب کڑمی گجرات،(۳) ابوبکر ابن مولانا محمد عمر صاحب سابق ناظم مدرسہ ہذا(نواسہ حضرت مولانا مدظلہ)(۴) حبیب الرحمن بستوی وغیرہ۔

قراءت سبعہ مکمل کرنے والے: (۱) جناب قاری مظہر علی فاروقی صدر شعبہ قراءت مدرسہ رحمانیہ ہتھورا باندہ،(۲) مولانا قاری انیس الرحمن صاحب استاذ تجوید مدرسہ ریاض العلوم گورینی، ان دونوں حضرات نے ایک سال پہلے ضیاء العلوم میں حضرت قاری محمد اسمٰعیل صاحب سے سبعہ کی نصابی کتاب پڑھ رکھی تھی، یہاں قراءت سبعہ کا مکمل اجراء کیا اور درحقیقت انہیں دونوں حضرات کی تکمیل سبعہ کے لیے قاری صاحب کو بلایا بھی گیا تھا،اور بحمد اللہ وہ پورا بھی ہوا۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں آپ مدرسہ کے ابتدائی اور بنیادی اساتذہ میں سے تھے،اس وقت نہ مسجد تھی اور نہ ہی کوئی مکمل عمارت چند حضرات اساتذہ عربی کے جن میں خاص طور پر جناب مولانا اکرام الحق صاحبؒ، جناب مولانا وکیل احمد صاحب، جناب مولانا محمد عمر صاحب، ناظم مدرسہ اور خود صاحب تذکرہ رہتے تھے،ایک ویرانے اور کھلی فضا میں یہ چند افراد طلبہ کے ساتھ رہتے تھے مدرسہ کی اس وقت کوئی چہار دیواری بھی نہ تھی،ڈاکوؤں کی برابر آمد ورفت ادھر سے رہتی تھی،مگر کیا

مجال کہ کبھی کوئی واقعہ پیش آیا ہو، اور واقعہ تو کیا، کبھی کسی کو ادنیٰ درجہ میں کسی خطرے کا وسوسہ بھی نہیں گذرا، ہوتا بھی کیوں کہ اس سرزمین کو مستقبل قریب میں علم وعمل کا مرکز بننا تھا، اس کے انوار و برکات کھلی آنکھوں محسوس ہو رہے تھے، آج اس دیار کا سب سے بڑا ادارہ اور دارالعلوم بن چکا ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ يَوْمًا فَيَوْمًا۔

مذکورہ پانچوں مدارس میں آپ نے صرف پڑھایا ہی نہیں بلکہ فن تجوید وقراءت میں نکھار اور اس شعبہ کو بام عروج پر پہنچایا۔ یقیناً آپ کی محنت اور جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

❁ ❁ ❁

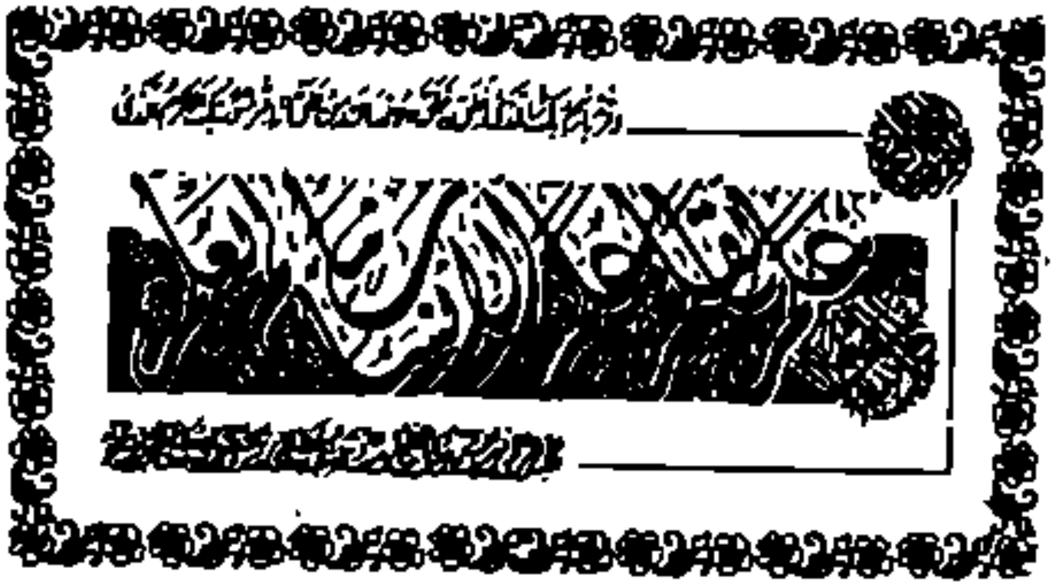

تعلیم کا دوسرا دَور

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت

تعلیم کا دوسرا دور- اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ نا مساعد حالات کی وجہ سے درسِ نظامی کا نصاب تشنۂ تکمیل رہ گیا تھا جلال پور کے زمانہ قیام میں ایک بار مکمل ارادہ کر لیا تھا کہ آئندہ سال دارالعلوم دیو بند جا کر تکمیل کر لی جائے اور اس کی تیاری بھی شروع ہو چکی تھی مفکر ملت حضرت مولانا ضمیر احمد صاحبؒ سے شرح عقائد نسفی، حضرت مولانا نبیہ محمد صاحب (ولادت:۱۳۵٦ھ -۱۹۳۷ء) سے ملاحسن (اس وقت دارالعلوم دیو بند کے نصاب میں یہ کتاب داخل تھی، اب خارج ہو چکی ہے) اور حضرت مولانا اسد اللہ صاحب مدظلہ سے مختصر المعانی پڑھنی بھی شروع کر دی تھی مگر "مادر چہ خیالیم و فلک در چہ......؟" اگست ۱۹٦۷ء-۱۳۸۷ھ میں جناب قاری صاحب کو سخت قسم کی چیچک نکل آئی اور اس نے جہاں جسم کے نظام صحت کو درہم برہم کر دیا وہیں دل و دماغ کو سخت متاثر کیا، اور اتنی پست حوصلگی پیدا ہوئی کہ سارا خواب چکنا چور ہو گیا لیکن ایسا کبھی نہ ہوا کہ دل تشنۂ تکمیل کی کسک سے خالی رہا ہو اور (بالفاظ مولانا آزادؒ) خدا کی کوئی صبح ایسی طلوع نہیں ہوئی اور کوئی شام ایسی نہیں گذری کہ دل دردمند نے بستر خواب پر بیقراری کی کروٹیں نہ بدلی ہو، طلب صادق ہمیشہ رہی کہ کاش! درس نظامی کی تکمیل ہو جاتی۔

بہر حال كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهٖ کے تحت ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے چنانچہ اس دیرینہ آرزو اور تمنا کی تکمیل کا وقت بھی آ گیا اور اس کی صورت یہ بنی کہ شوال ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵ء میں آپ اپنے عزیز شاگرد حافظ قاری آفتاب عالم صاحب غازی پوری اور حافظ قاری قمر الدین صاحب غازی پوری کا داخلہ دارالعلوم دیو بند میں کرانے کے لیے دیو بند تشریف لائے، ہفتہ عشرہ کے قیام میں یہاں کے علم و عرفان کی بارش سے معمور و پر کیف فضا دیکھ کر قلب و دماغ کی دنیا بدلی اور تکمیل کا

جذبہ ایسا چھا گیا کہ اپنے طلبہ کے ساتھ ہی آپ خود بھی اچانک فارم داخلہ کی خانہ پُری کر کے امتحانِ داخلہ میں شریک ہو گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں اس سال ایک نئے سال کا اضافہ کیا گیا تھا یعنی دورۂ حدیث شریف نویں سال میں تھا، اس سے ایک سال پہلے سالِ ہشتم کا اضافہ تھا، اس سال کی کتابیں دیکھیں تو خیال ہوا کہ انہیں پڑھ کر دورۂ حدیث شریف میں شریک ہونا چاہیے اس سال کو موقوف علیہ نام سے تعبیر کیا جاتا تھا، آپ درس وتدریس میں عربیت سے برابر لگاؤ اور تعلق رکھتے تھے، مناسبت ختم نہیں ہوئی اگرچہ تعلیم کا انقطاع ایک طویل عرصہ سے تھا بارہ سال گذر چکے تھے، مگر خداداد صلاحیت کی بناء پر مطلوبہ کتب ''سالِ ہشتم'' مل گئیں، اللہ تعالیٰ کو جب اپنے کسی بندے سے کوئی خدمت لینی ہوتی ہے تو بفضل خداوندی ایسے حالات اور ایسے بہانے پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ عام حالات میں انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، مولانا محمد عثمان صاحب معروفی اپنی ایک تحریر میں اسی طرح کا اشارہ فرماتے ہیں:

> ''قدرت کو آپ سے اعلیٰ وارفع پیمانہ پر تعلیمی وتدریسی تالیفی وتصنیفی کام لینا تھا اس لیے بارہ برس معطّی کر کے پھر تعلیم شروع کر دی''۔

دشواریاں اور آسانیاں

اچانک کسی پیشگی نظام کے بغیر آپ نے داخلہ لے لیا تھا اس لیے ابتداءً دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن قلندرانہ شان کے ساتھ عواقب سے صرفِ نظر کر کے توکلاً علی اللہ تعلیم شروع کر دی۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم کے حصول کے لیے خود دارالعلوم دیوبند آپ کا معین ثابت ہوا تعاون کی شکل یہ بنی کہ دارالعلوم کے اربابِ انتظام نے آپ کو مسجد قدیم کا امام منتخب کر دیا، کیوں کہ آپ کہنہ مشق مجود

اور قاری اور دلکش آواز میں ممتاز تھے۔

دارالعلوم میں اس وقت مسجد کی امامت اتنی آسان نہ تھی جتنی اب ہے، با قاعدہ اعلان ہوتا تھا، ہفتہ بھر تک درخواستیں لی جاتی تھیں متعدد مراحل انٹرویو کے آتے تھے انتظامیہ کے اہم حضرات منتخب کرتے، جب جا کر انتخاب عمل میں آتا تھا آج کل تدریس کے لیے انتخاب کہیں آسان ہے بہ نسبت اس وقت کی امامت کے، چھبیس امیدواروں میں سے آپ کا انتخاب ہوا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی اس مرکزی (اسوقت کے لحاظ سے) اور واردین وصادرین کی حاضری کے باعث خصوصی اہمیت کی حامل مسجد کا امام کیسا ہونا چاہیے تھا ادنیٰ تامل سے ظاہر ہے۔

آپ سے پہلے بھی اس مسجد میں ائمہ کرام ملکی اور غیر ملکی رہا کیے مگر فن اور لہجے کی عمدگی اور اسی کے ساتھ بے تکلف ادائیگی کے اعلیٰ معیار سے اتنا مقبول امام شاید ہی اس مسجد کو ملا ہوگا۔

دارالعلوم کی اس مسجد میں اس وقت جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی بلکہ جامع مسجد دیوبند کے بعد صرف تاریخی مسجد چھتہ میں نماز جمعہ ہوتی تھی اور پھر خانقاہ محلہ میں جمعہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جو دارالعلوم کی مسجد کا امام پنجگانہ ہوتا وہی چھتہ کی مسجد کا خطیب بھی ہوتا تھا۔

آپ کی تلاوت کے حُسن، اور آواز کی دلکشی سے متاثر ہو کر دور دور سے لوگ جہری نمازیں خاص طور پر نماز فجر کے لیے دارالعلوم میں آتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں طعام سے زیادہ قیام کی اہمیت اور سہولت کا مسئلہ پیش آتا ہے، آپ کو یہاں دونوں ہی دشواریوں کا ابتداءً سامنا ہوا، پہلے سے کسی طے شدہ نظام کے تحت دوبارہ سلسلۂ تعلیم قائم کرنے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے روپے پیسے کچھ بھی پس انداز نہیں کیے گئے، کوئی تیاری نہ تھی، اس لیے جیسا کہ اوپر گذرا دشواری تو پیش آئی۔ لیکن دارالعلوم کی مسجد میں امامت نے قیام کی دشواری کو بہتر آسانی میں

بدل دیا، مسجد ہی کے احاطے کے کمرے تنہا رہائش اور قیام کا انتظام ہو گیا، اس طرح مطالعہ وغیرہ کے لیے کامل یکسوئی حاصل ہو گئی اسی کے ساتھ امام اور مؤذن کے لیے استنجاء وغیرہ کا بھی تنہا انتظام تھا۔

چوں کہ عربی کی نصابی کتابوں سے عدم تعلق کو ایک طویل عرصہ (بارہ سال) گذر چکا تھا جس کی بناء پر کتب مذکورہ سے مناسبت میں کمی محسوس کرتے ہوئے آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ کتب متداولہ۔ مشکوٰۃ شریف، مُسامرہ، اور دیوان متنبی وغیرہ کتب کے سمجھنے اور حل کرنے میں دقت و پریشانی کا سامنا ہوگا لیکن اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور اپنی ذہانت و ذکاوت کی بناء پر آپ ان کتابوں کی تعلیم سے صرف گذرے ہی نہیں بلکہ اپنی جماعت میں امتیازی حیثیت حاصل ہونے کی بناء پر انعام خصوصی (مشکوٰۃ شریف، موطأ امام مالک اور تفسیر حل القرآن وغیرہ کتابوں) کے مستحق بھی قرار دیے گئے۔

یہ وضاحت مناسب ہے کہ اس سال ہشتم میں داخل طلبہ ایسے ویسے نہیں تھے ان میں ایک معتد بہ تعداد نہایت ممتاز اور منتخب طلبہ کی تھی، اس لیے اس جماعت میں ممتاز حیثیت حاصل کرنا ایک امتیاز اور ایک خصوصیت کی بات ہے۔

حوصلہ شکن مرحلہ

(آپ کی ڈائری یہ بیان کرتی ہے) سال ہشتم بڑی دقتوں اور دشواریوں سے پورا ہوا متعدد بار حوصلہ شکن احوال پیش آئے درمیان سال میں وطن جانا ہوا تو بعض لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے والد محترم بدگمان ہو گئے انہیں یہ باور کرایا گیا کہ ابوالحسن دیوبند میں پڑھنے نہیں گیا ہے، تفریحاً وہاں قیام پذیر ہے۔ یہاں تک والد صاحب کو بدگمان کیا گیا اور اس میں ہمارے ایک خاص الخاص رشتہ دار پیش پیش تھے۔ کہ انہوں نے مجھے اور میری بیوی اور بچوں کو (اس وقت ۳ ر بچے تھے) گھر سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ یہ حکم سن کر زندگی میں پہلی بار دل و دماغ کو شدید جھٹکا اور صدمہ

پہنچا، کہ آئندہ سوچ وفکر کا رخ بدل گیا۔ میں پہلی بار والد صاحب کے سامنے (اس وقت محلہ کے بہت سے مرد اور عورتیں وہاں موجود تھیں) زبان کھولنے پر مجبور ہوا میں نے کہا "تعلیم کی تکمیل میں گھر کیا، میں سب کو چھوڑ دوں گا، آپ کے بھروسے پر نہیں صرف اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر تعلیمی سلسلہ شروع کیا ہے" یہ ساری باتیں گھر میں اہلیہ بھی سن رہی تھیں، میں اندر گیا اور جا کر ان سے کہا کہ تم رکشہ بلوا کر اپنے مائیکے چلی جاؤ، میں اب یہاں سے جا رہا ہوں اور شاید اب ہمیشہ کے لیے ترک وطن ہی کا فیصلہ کروں! میں تو یہ کہہ کر دیوبند چلا آیا، میری خوشدامن صاحبہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، صحت وعافیت کے ساتھ حیات میں برکت عطا فرمائے، آمین۔ جب انہیں اس صورت حال کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ (میرے والد صاحب کو خوشدامن صاحبہ بھیا کہتی ہیں) بھیا نے کیا سمجھ کر میرے بچوں کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے یہ بچے بھی میرے پاس رہیں اور خود بھی آجائیں میرے بارے میں کہا کہ دو سال نہیں ساری زندگی پڑھو، میں اللہ کے فضل سے ان بچوں کی کفالت کرلوں گی"۔

ایک بڑا تعاون

اس میں شک نہیں کہ میری دوبارہ تعلیم وتکمیل میں میری خوشدامن صاحبہ مدظلہا اور میری اہلیہ کی عزیمت وہمت کا بہت بڑا دخل ہے میری بیوی اور بچوں پر ان دِنوں بڑے سخت وقت آئے، بڑے تلخ وترش حالات کا سامنا کرنا پڑا، مگر کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا اللہ تعالیٰ ان کو صحت وسلامتی کے ساتھ دارین کی راحتوں سے نوازے آمین۔ میں کیا اور میری بساط کیا، آج یہ دیوبند کا جو ماحول نصیب میں آیا ہے اور جیسا کچھ بھی ٹوٹا پھوٹا نظر آرہا ہوں اور اس کج مج قلم سے جو کچھ کاغذات سیاہ ہوئے ہیں اس میں بلا مبالغہ اہلیہ کی عزیمت سے بھرپور اور حوصلہ مند طبیعت کا بہت دخل اور ان کا زبردست تعاون ہے میں کسی بھی طرح ان کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی

جناب سے اس کا صلہ اور اس کی جزا عطا فرمائیں گے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت

دورۂ حدیث شریف کا یہ دوسرا سال بھی گوناگوں مشکلات کا حامل رہا۔ مگر اللہ کا فضل خاص بھی شامل حال رہا اس لیے ان سب حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے سال پورا ہوا اور دارالعلوم دیوبند سے تکمیل علم اور فراغت حاصل ہوئی، ماہ شعبان ۱۳۹۷ھ میں بخیر وخوبی سالانہ امتحان دے کر فارغ ہوا۔

فراغت کے بعد آخر شعبان میں چک منگلور جو میسور اور موجودہ صوبہ کرناٹک کا بڑا مشہور قصبہ بلکہ شہر ہے وہاں کے آر، کے، عبدالحق صاحب مرحوم کی فرمائش پر رمضان المبارک کے لیے جانا ہوا، رمضان کے بعد حسب فرمائش مدرسہ اصغریہ سے تدریس کا آغاز ہوا جس کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ذیل میں دارالعلوم دیوبند کے اپنے اساتذہ کا ایک مختصر خاکہ اور تذکرہ پیش ہے جن کی جوتیوں کے صدقے میں حسب توفیق الٰہی اس مرکزِ علمی سے انتساب کا شرف حاصل ہوا۔ اور کچھ ٹوٹی پھوٹی خدمت کی توفیق ملی۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ (ڈائری سے ماخوذ)

❁ ❁ ❁

دارُالعُلومُ دیوبَند

میں

آپ کے اساتذۂ کرام

ایک مبارک تذکرہ

بخاری شریف: ج:۱، اور ترمذی شریف: ج:۱، کے استاذ

حضرت مولانا شریف حسن صاحبؒ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ﴿م: ۱۳۹۷ھ﴾

دورۂ حدیث شریف کے سال میں بخاری شریف، ج:۱ اور ترمذی شریف، ج:۱، شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف حسن صاحب دیوبندیؒ سے پڑھی، حضرت مولانا دیوبند میں ۱۳۳۹ھ-۱۹۲۰ء میں ایک نیک اور شریف گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ اپنے نام ہی کی طرح شریف اور سیدھے سادھے تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد متعدد مقامات، تھانہ بھون، بریلی، ڈابھیل میں تدریس کی قابل قدر خدمات انجام دیتے ہوئے، اربابِ دارالعلوم کی طلب وخواہش پر یہاں تشریف لائے، اور تھوڑے ہی دنوں میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث کے وصال کے بعد دارالعلوم میں مسند شیخ الحدیث پر فائز کردیے گئے، دارالعلوم میں آپ کا درس بہت مقبول تھا، راقم الحروف کی دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں امامت کے سلسلے میں آپ کی پسند کا بھی دخل تھا، اور اس بناء پر حضرت الاستاذ کی بڑی شفقتیں حاصل تھیں، بعد نماز عصر وقتاً فوقتاً مکان پر حاضری ہوتی تو باصرار کچھ نہ کچھ کھلاتے، ابتداء میں راقم کو ذرا تکلف ہوا تو فرمایا کہ ہم تو اپنے امام کا اعزاز کرنا چاہیں اور امام تکلف کرے ہے، بہر حال قدیم دور کے اہل علم حضرات کی بڑی جھلک نظر آتی تھی اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کے ساتھ بڑا بارعب چہرہ عطا فرمایا تھا۔ ساتھ ہی جسم وجسامت سے بھی نوازا تھا، گویا "بَسْطَةً فِی العلم والجِسْمِ" کے مصداق تھے، قرآن عزیز سے بڑا شغف تھا، دورانِ درس حدیث، فرماتے رہتے "تلاوتِ قرآن کیا کرو"۔

حضرت مولانا کو قلب کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا، علاج چلتا رہا، لیکن اس کے باوجود کوئی سبق ناغہ نہ ہوا، ایسی کوئی تشویشناک صورت حال نہیں تھی جس سے متعلقین اور تلامذہ کو اندیشہ لاحق ہوتا مگر قلب کا عارضہ، بالآخر دل کا دورہ پڑا اور ۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۳؍ جون شب جمعہ ۱۰؍ بج کر ۲۰؍ منٹ پر آپ کے وصال کا حادثۂ جانکاہ پیش آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل یعبادی الذین

اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا

من رحمة الله ان الله یغفر

الذنوب جمیعا انه هو

الغفور الرحیم

مسلم شریف: جلد: اوّل: کے استاذ

حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ ﴿م: ۱۳۹۹ھ﴾

ولادت: ۱۱ر رمضان ۱۳۲۹ھ

حضرت الاستاذ اپنے والد کے تنہا بیٹے تھے، اس لیے ابتداء ہی سے اپنے والد کے الطاف وعنایات کے مرکز تھے والد صاحب نے آپ کی تعلیم وتربیت کی جانب خصوصی توجہ دی۔

تعلیم: ابتداء سے دورۂ حدیث شریف تک آپ کی تعلیم دارالعلوم دیوبند ہی میں ہوئی آپ دورۂ حدیث شریف (۱۳۵۵ھ) میں اوّل نمبر سے کامیاب ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند میں اوّل نمبر سے کامیاب ہونا بچوں کا کھیل نہیں ہے اور ۱۳۵۵ھ کا زمانہ تو وہ زمانہ تھا اس دور میں آپ کی اوّل نمبر سے کامیابی، آپ کی پختہ استعداد وسیع مطالعہ اور عظیم جدوجہد کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

تدریس: فراغت کے بعد ہی مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے از خود آپ کی مدرسی کے لیے تحریک فرمائی۔ اور ۱۳۵۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی تائید سے آپ مدرس ہو گئے۔ یہ دور وہ تھا کہ فراغت کے بعد دارالعلوم میں تدریس کا کوئی خواب نہیں دیکھ سکتا تھا، فراغت کے بعد اچھے اچھوں کو مختلف مدارس کی خاک چھاننی پڑتی تھی۔ حضرت الاستاذ کی مہارت فن پختہ استعداد اور بہتر صلاحیت کی یہ بین دلیل تھی۔

دارالعلوم میں مسلم شریف کا درس آپ کا بے حد مقبول تھا، آپ کے درس مسلم میں درسگاہ دارالحدیث طلبہ سے کھچا کھچ بھری رہتی تھی۔

آپ کی خصوصیات

صفائی معاملات اس سلسلے میں صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

وفات سے ایک دن پہلے اپنے صاجزادے محترم حافظ محمد سالم صاحب کو بٹھا کرمختلف وصیتیں قلمبند کرائیں از اں جملہ یہ اخباری بیان بھی املاء کرایا:

''ہمارے والد عبدالاحد کا انتقال ہوگیا ہے آپ سے گذارش ہے کہ اگر کسی کا کوئی پیسہ ان کے ذمہ ہوتو وہ ہم سے وصول کرلیں، یا ان کو معاف کردیں اورآخرت کے معاوضے سے بری کردیں الخ''۔

اس اخباری بیان سے جہاں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے آخری لمحات کا پورا پورا احساس تھا وہیں آپ کی صفائی معاملات کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

بلاشبہ آپ اس کاروانِ علم کے بقیۃ السلف تھے۔ اسلاف کرام کی زندہ تصویر تھے،تواضع انکساری کے پیکر تھے،آپ اپنے شاگردوں کو بھی بڑے احترام سے آواز دیتے،نام کے ساتھ مولوی صاحب اور قاری صاحب لگا کرآواز دیتے۔

مہمان نوازی

حضرت مدنیؒ کے بعد دیوبند میں آپ ہی کا دستر خواں مشہور تھا، ہر وارد وصادر آپ سے ملتا تو بغیر آپ کے یہاں کھانا کھائے جانہ سکتا تھا۔

مولانا اوصاف جمیل کے مجموعہ تھے۔

حضرت الاستاذ اپنی سادگی تواضع، بے ریا محبت اور خلوص کے باعث تو ہمیشہ ہی یاد آتے رہے مگر آج کے پُر فریب اور ریا کار ماحول میں تو آپ کی یاد کچھ زیادہ ہی آتی ہے۔

وفات: بیالیس سال سے زائد تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۱/ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ میں آپ واصل بحق ہوگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ!!

شمائلِ ترمذی کے استاذ

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ (م: ۱۴۰۰ھ)

ولادت: ۱۰؍رجب ۱۳۲۳ھ کو اپنے آبائی وطن قصبہ عمری ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام ''مظہر حسان'' ہے۔

ابتدائی تعلیم قرآن شریف، اردو دینیات اور ابتدائی فارسی کی تعلیم آپ نے حافظ نسیم الدین صاحب اور حافظ عبدالقدیر امروہی سے حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد مدرسہ شاہی مرادآباد میں ناظم کتب خانہ تھے۔ اس لیے تقریباً ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہوگئے۔ یہاں فارسی کی تکمیل کی اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔

متوسطات مرادآباد کے بعد آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے متوسطات کی تحصیل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت ۱۳۴۴ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۷ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے فارغ ہوئے۔

تدریس کا آغاز تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی سے تدریس کا آغاز کیا۔ یہاں سے آپ بہار مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں صحاح کی بعض کتابیں پڑھانے پر مامور کیے گئے مگر ڈیڑھ سال بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی واپس آگئے۔ اور آخر میں مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس بنائے گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس ۱۳۶۲ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلا کر طبقہ علیا کا مدرس مقرر کیا گیا، اور

مسلم شریف اور امور عامہ وغیرہ کتابیں دی گئیں، بلاشبہ یہ ایک بڑا اعزاز تھا کہ آپ نے آغاز ہی میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے مدرس ہوئے، اس سے آپ کی زبردست استعداد اور علمی صلاحیت کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

دارالعلوم میں آپ کے درس صحیح مسلم اور تفسیر بیضاوی کو خاص شہرت حاصل رہی ہے۔ بیضاوی کی آپ کی درسی تقریر التفسیر الحاوی کی جلد اول شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہے، آپ کو وعظ و تقریر میں بھی دستگاہ حاصل تھی، چنانچہ آپ دور و نزدیک وعظ کے لیے مدعو ہوتے۔

دارالعلوم میں صدارت

۱۳۸۷ھ میں حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کی وفات کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند کا صدر المدرسین بنایا گیا اس منصب جلیل پر آپ تا حیات فائز رہے۔

بیعت و اجازت

حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ سے آپ کو بیعت کا شرف حاصل تھا اور پھر اجازت وخلافت بھی حاصل کی۔ (تاریخ دارالعلوم: ج:۲، ص:۱۶۱)

وفات: ۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۸/ ستمبر پنج شنبہ کی شب میں فخر دارالعلوم حضرت مولانا فخر الحسن صاحب دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ فرحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ۔

(دارالعلوم سے فراغت کے بعد المقری محب الدین صاحب الہ آبادیؒ سے سلسلہ استفادہ رہا، اس لیے آگے آپ کا تذکرہ پیش ہے)

❀❀❀

فخر القراء حضرت الشیخ المقری محبّ الدین احمد الہ آبادیؒ (م:۱۴۰۱ھ)

ولادت و تعلیم حضرت قاری محب الدین احمد صاحب کی ولادت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء کی ہے۔

قرآن پاک کا حفظ آپ نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح والد صاحب کی نگرانی میں پورا کیا، بعد میں آپ علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے امروہہ تشریف لے گئے امروہہ سے واپسی کے بعد استاذ القراء حضرت عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ سے تجوید وقراءت سبعہ بطریق شاطبیہ اور قراءت عشرہ بطریق درہ وطیبہ کی تکمیل کی اور پھر حضرت مکیؒ کے حکم پر اپنے والد صاحب سے سبعہ وعشرہ کی سند حاصل کی۔

آغاز تدریس آپ کے والد صاحب الہ آباد کے مدرسہ سبحانیہ جامع مسجد میں استاذ تھے والد صاحب کے زمانۂ حیات ہی میں والد کی جگہ مدرسہ ہذا میں بہ عمر ۲۶ رسال آپ مدرس ہوگئے، اس جگہ آپ نے تقریباً ۳۲ر سال ہزاروں تشنگانِ علم تجوید وقراءت کو سیراب کیا۔

الہ آباد کی اس جامع مسجد میں آپ تدریس کے ساتھ امامت اور خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے جس سے طلبہ کے ساتھ شہر اور قرب وجوار کے شائقین بھی آپ سے استفادہ کرتے رہے۔

لکھنؤ تشریف آوری سرزمین لکھنؤ جو اپنی گوناگوں اور بوقلموں خصوصیات میں شہرۂ آفاق ہے اکابر اہل فن نے اس سرزمین کو چمکایا اور دمکایا بھلا اس گوہر آبدار کی چمک دمک سے اور اس کے فیض سے کس طرح محروم رہ سکتی تھی، چنانچہ تمباکو کے مشہور تاجر علم دوست اور قدر شناس فن جناب فقیر محمد اینڈ سنس نے خاص طور پر تجوید وقراءت کا ایک مدرسہ تجوید القرآن کے نام سے قائم کیا

جس کے اخراجات کے خود ہی کفیل تھے، موصوف نے اس مدرسہ کی مسند صدارت کے لیے حضرت فخر القراء کو زحمت دی، آپ نے اپنے وجود باجود سے اس جگہ کو رونق بخشی اور یہاں آپ نے ۱۳۸۱ھ سے ۱۳۹۹ھ تک تقریباً اٹھارہ (۱۸) سال کے طویل عرصہ تک قرآن عزیز کی بیش قیمت خدمت انجام دی۔

لکھنؤ جو اپنے دامن میں ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے تشنگان علوم وفنون کو سمیٹے ہوئے تھا، آپ کی شہرت سن کر طلبہ تجوید وقراءت نے بھی جوق در جوق آنا شروع کیا اور اپنی علمی اور فنی تشنگی بجھانے لگے۔

لکھنؤ سے آپ نے اساتذہ کی ایک بڑی اور عمدہ جماعت تیار کی جو علم وفن کی زریں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مرکزی دارالقراءت

آخر زمانہ میں صاحب زادۂ محترم جناب شیخ القراء المقری احمد ضیاء صاحب ازہری نے لکھنؤ ہی میں ایک مدرسہ "مرکزی دارالقراءت" کے نام سے قائم کیا حضرت قاری صاحب جب ضعف پیرانہ سالی سے چلنے پھرنے سے معذور ہونے لگے اور مدرسہ میں آنا جانا آپ کے لیے باعث تکلیف ہوا تو صاحب زادۂ محترم نے آپ کی سہولت کی خاطر آپ کو اس مدرسہ کی صدارت، تدریس وسرپرستی تفویض کردی، آپ مدرسہ ہذا کی نگرانی فرماتے رہے، اس دوران میں بھی بہت سے لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے مرکزی دارالقراءت لکھنؤ تک علم تجوید وقراءت کی ترویج واشاعت کی بیش بہا اور زریں خدمات کا ترپن (۵۳) سالہ طویل سلسلہ ہے اس دوران رجال سازی اور مردم گری کا ایک ایسا سلسلۃ الذہب ہے جس کی مثال اس پوری صدی میں کمیاب ہے۔ آپ کے خوان علم سے خوشہ چینی کرنے والے اپنی جگہ خود ایک مدرسہ ہیں۔

آپ کی تالیفات وتصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) تنویر المرات شرح ضیاء القراءات۔ (۲) معرفۃ التجوید (۳) تحفۃ المبتدی (۴) حواشی مرضیہ (۵) حاشیہ جمال القرآن (۶) حاشیہ نزہۃ القاری (۷) حاشیہ ضیاء القراءت۔ (۸) قاعدۂ تعلیم القرآن (۹) کاشف الابہام (۱۰) ضیاء البرہان (۱۱) جامع الوقف (۱۲) معرفۃ الوقوف (۱۳) معرفۃ الرسوم (۱۴) ضیاء الارشاد فی تحقیق الضاد۔

حضرت فخر القراء اپنی طویل تدریسی و تعلیمی مدت میں علم تجوید و قراءت کی جو مہتم بالشان خدمت کی ہے اور اپنی تصنیفی تحریرات میں آپ نے بعد میں آنے والوں کے لیے جو علمی سامان چھوڑا ہے اسے فن کا مورخ آب زر سے لکھے گا۔

آپ کے اندر ایک صفت خورد نوازی، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کی ایسی تھی جو ارباب علم و فن میں کم نظر آتی ہے آپ سے ملنے اور ملاقات کرنے والا ہر شخص اپنے اندر خدمت علم و فن کا جذبہ وافر لے کر اٹھتا تھا اپنی حوصلہ افزائیوں سے نہ جانے کتنے معمولی درجے کے چھوٹے لوگوں کو بڑا بنا دیا ہے۔

راقم الحروف کو ۱۹۷۸ء میں پہلی بار آپ کا نیاز اور حاضری کی سعادت حاصل ہوئی راقم الحروف اس وقت اپنی پہلی تالیف ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' پر تقریظ لکھوانے کے لیے لکھنؤ حاضر خدمت ہوا تھا اس وقت آپ مدرسہ تجوید الفرقان میں قیام پذیر تھے، درسگاہ ہی میں شرف ملاقات حاصل کی جس خندہ جبینی اور پرتپاک انداز سے حضرت ملے وہ کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، بڑے ہی حوصلہ افزاء کلمات پر مشتمل تقریظ عنایت فرمائی، باصرار دیر تک روکے رکھا، احقر راقم سے قرآن کریم سنا، خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''اتنی ہی دیر میں آپ سے مل کر اور قرآن کریم سن کر بڑی انسیت اور بڑا تعلق محسوس کر رہا ہوں آپ اپنے ہی نظر آرہے ہیں''۔

آہ! فآہ! ثم آہ!! میرے حضرت الاستاذ المقری محمد مصطفیٰ صاحب اس وقت اللہ کو پیارے ہو چکے تھے ایک عرصہ سے ایسے شفقت بھرے الفاظ سننے کو کان ترس گئے

تھے۔آپ کے الفاظ کیا تھے ایک سوکھی کھیتی پر نرم وخنک پھوار تھے،آج تک دل ودماغ ان کی خنکی اور تروات پورے طور پر محسوس کرر ہے ہیں۔

حضرت کی فرمائش پر احقر نے بغرض اصلاح قرآن کریم سنادیا تھا لیکن خود حضرت سے سننے کی خواہش کس طرح ظاہر کرتا،قراء کی جماعت ویسے بھی تکلف اور تصنع کے لیے مشہور ہے،اور پھر حضرت اتنے بڑے استاذ الاساتذہ امام فن پھر سرزمین لکھنؤ جو تکلفات کا شہر، یقین تھا کہ عرض ٹال دی جائے گی،مگر واہ رے خورد نوازی! راقم کے ڈرتے ڈرتے عرض کرتے ہی نہایت خوشی سے چند آیتیں اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ الی آخر السورۃ سنائیں۔

حضرت الاستاذ کے انتقال کے باعث راقم الحروف نے آپ ہی کو اپنا استاذ بنالیا تھا، جب بھی کبھی کوئی علمی اور فنی الجھن سامنے آتی دیوبند سے سیدھا لکھنؤ حاضر خدمت ہوتا اور بھرپور استفادہ کرکے لوٹتا۔

راقم الحروف دوسری کتاب ''النفحۃ العنبریہ شرح المقدمۃ الجزریہ'' پر تقریظ کے لیے جب حاضر ہوا تو مسودہ کو جگہ جگہ سے ملاحظہ فرمایا حوصلہ افزاء گراں قدر کلمات سے نوازا اور ارشاد فرمایا ''میں تو آپ کو اپنا لڑکا اور شاگرد سمجھنے لگا ہوں'' یہ جملہ میرے لیے بڑے قیمتی متاع ہیں اور اساتذہ کے انہی جملوں کے سہارے یہ لکھنے پڑھنے کی گاڑی کھسک رہی ہے۔

جب تیسری کتاب ''النفحات القاسمیہ شرح الشاطبیہ'' چھپی اور اسے سب سے پہلے لکھنؤ جاکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو اس وقت حضرت لیٹے ہوئے تھے، متعدد تکلیفوں سے دوچار تھے، کتاب کو بڑی محبت سے ہاتھوں میں لیا اور اپنے سینے اور آنکھ سے لگایا اور یہ جملے ارشاد فرمائے۔

''یہ کام تو میرا تھا آپ نے میرا کام کیا ہے میں اس وقت بیان نہیں کرسکتا ہوں کہ میرے دل میں آپ کی کتنی محبت ہے یہ میرا لڑکا احمد ضیاء (حضرت مولانا

المقری احمد ضیاء صاحب ازہری خلف الصدق مرحوم) میرے سامنے کھڑا ہے میں اس وقت بتا نہیں سکتا کہ میرے دل میں اس کی محبت زیادہ ہے یا آپ کی" یہ حضرت نے آبدیدہ ہوکر فرمایا...صاحبزادۂ محترم نے اشارہ سے مجھے باہر بلایا اور فرمایا" قاری صاحب! مجھے اتنا اندازہ نہ تھا کہ والد صاحب آپ کو اتنا مانتے ہیں" آہ اب یہ مشفقانہ انداز کہاں ملیں گے۔

آپ نے اپنی عالی مرتبت سند اور اجازت ایک صاحب کے ذریعے دیوبند ارسال فرمائیں، یہ بلاشبہ آپ کی ذرہ نوازی تھی جو میرے لیے نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔

بلاشبہ آپ "الولد سر لابیہ" کے حقیقی مصداق تھے قرآن کریم سے آپ کا تعلق اور لگاؤ خصوصی تھا اوق سے اوق اور مشکل ترین مباحث کو چٹکیوں میں حل فرماتے امام فن اور متبحر تو تھے ہی۔

تجوید وقراءت کے ذکر وتذکرے سے آپ کو جتنی قلبی مسرت اور فرحت حاصل ہوتی اور کسی گفتگو سے نہ ہوتی، آپ قاری تو تھے ہی زبردست قاری گر بھی تھے عدیم النظیر اساتذۂ فن سے آپ کو نسبتیں حاصل تھیں جن سے آپ سراپا تبرک بن گئے تھے، بلاشبہ آپ کی ذات زمانے کے لیے مغتنمات میں سے تھی۔

آخر زمانہ میں آنکھوں میں موتیا ہوگیا تھا اور دیگر ضعف اور تکلیفیں تھیں، علاج کے لیے آپ دہلی گئے۔

دہلی میں ۱۰ رشوال ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۲ء کو یہ علم وفن کا نیر تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

جامعہ ملیہ کے قبرستان میں آپ آسودۂ خاک ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے معمور فرمائے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

❁❁❁

احادیث مسلسلات کے استاذ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

ولادت:۱۳۱۵ھ وفات:۱۴۰۲ھ

دارالعلوم دیوبند کے دوسالہ تعلیمی قیام میں (۱۳۹۶ھ و۱۳۹۷ھ) دوبار مسلسلات کے ختم میں حاضری ہوئی۔ختم میں حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے عبارت خوانی کی تھی متفرق طور پر بھی مظاہر اور دارالعلوم کے طلبہ نے بھی عبارت پڑھی۔وہ منظر بھی عجیب نورانی ہوتا تھا حضرت شیخؒ کی متعدد سوانح حیات اور خود شیخؒ کی خودنوشت ''آپ بیتی'' مطبوع ہے اور ماشاء اللہ سہل الحصول ہیں۔یہاں صرف اشارات پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

ولادت: ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ میں آپ پیدا ہوئے۔

آپ کے دونام رکھے گئے،محمد موسیٰ،محمد زکریا،شہرت اسی دوسرے نام سے ہوئی۔

تعلیم: اولاً تو حفظ قرآن کریم والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے کیا۔ فارسی ۲۵ھ میں شروع ہوئی،زیادہ تر فارسی آپ نے اپنے چچا حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب سے پڑھی۔

۱۳۲۵ھ سے سہارنپور میں آپ کی باقاعدہ عربی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔اور منطق کے سوا تمام تر تعلیم والد صاحبؒ کے پاس ہوئی،آپ کے زمانے میں استعداد اور صلاحیت مقصود ہوتی تھی،کتابوں کا ختم کرنا مقصود نہ ہوتا تھا،سوائے کتب احادیث کران کے ختم کا اہتمام تھا۔

حدیث شریف کا آغاز حضرت شیخ،مشکوٰۃ شریف کے آغاز کے وقت والد ماجد کے ہمراہ دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں

کہ..."میں ان کی معیت میں صرف ایک ہی دعا کرتا تھا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ رکھئے۔ اللہ رب العزت نے.....ایسی دعاء قبول فرمائی کہ محرم ۱۳۳۲ھ سے رجب ۱۳۹۰ھ تک تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو"۔

دورۂ حدیث شریف

دورہ آپ نے دو سال میں پڑھا، آپ نے دورۂ حدیث شریف کی تعلیم میں دو باتوں کا بطور خاص اہتمام فرمایا، ایک یہ کہ کوئی حدیث استاذ کے سامنے بے پڑھے نہ رہے، دوسرے یہ کہ کوئی حدیث بے وضو نہ پڑھی جائے۔

ترمذی اور بخاری شریف دوبارہ آپ نے والد ماجد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے پڑھیں دوبارہ بخاری آپ سے پڑھنا اس سعادت کا ذریعہ بن گیا کہ بذل المجہود کی تالیف میں آپ کی شرکت ہوگئی دوبارہ اس تعلیم کے لحاظ سے گویا آپ کا دورہ چار سال میں مکمل ہوا۔

تربیت

تعلیمی احوال پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم از اوّل تا آخر منفرد انداز میں ہوئی۔ لیکن آپ کی تربیت کا باب بھی تعلیم سے بڑھ کر بے مثال ہے بچپن سے جوانی تک جس قدر سختی آپ پر روا رکھی گئی اور سنگین جرائم پیشہ قیدیوں کی طرح جو کڑی نگرانی کی گئی اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی شاید کہیں مشکل سے ملے گی۔ اس سختی پر حضرت گنگوہیؒ کو بھی تنبیہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ایک بار مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے تقاضہ پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ "میری محسن کتابیں تو لہا جان کا جوتا تھا" (تفصیلات کے لیے حضرت کی آپ بیتی دیکھی جائے)

درسِ حدیث کا آغاز

۱۳۴۱ھ سے آپ کے درس حدیث کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سال بخاری شریف کے تین پارے (تیرہ سے پندرہ تک) دیے گئے۔ دیگر کتب کی تدریس کے ساتھ مشکوٰۃ شریف تین

مرتبہ —— ابوداؤد شریف تیس مرتبہ، بخاری شریف: ج:۱ پچیس مرتبہ اور مکمل بخاری شریف سولہ مرتبہ پڑھانے کی سعادت ملی۔

تدریس کی امتیازی خصوصیات

آپ کی امتیازی خصوصیات یہ تھیں کہ (۱) بلا معاوضہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ابتداءً جو تنخواہ مقرر تھی اور لے لی تھی بعد میں پوری پوری حساب کر کے واپس کر دی۔

(۲) ماہانہ مقدار خواندگی کی پابندی اس قدر کہ شادی، غمی، سردی، گرمی، بارش، اور آندھی کوئی چیز اس میں حائل نہیں ہوتی تھی۔

(۳) ماہانہ مقدار خواندگی کی پابندی مظاہر علوم میں منہاج تعلیم کو اعتدال پر رکھنے کے لیے ہر کتاب کی ماہانہ مقدار خواندگی متعین کر دی گئی تھی۔ حضرت شیخ کو اس کا شدید اہتمام رہا۔ اس طرح کہ سرپرستانِ مدرسہ بھی اس پر متعجب رہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو فہم حدیث میں بھی ایک امتیازی مقام عطا فرمایا تھا۔ اس کی تفصیلات آپ کی مفصل سوانح میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

تصنیف وتالیف

اللہ رب العزت نے تصنیف وتالیف کا ذوق آپ کے اندر فطری طور پر ودیعت فرمادیا تھا۔ اس شعبہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو عظیم کام لیا وہ خاص مقبولانِ الٰہی کا حصہ ہے، تالیفی کام کی ابتداء زمانۂ طالب علمی سے ہو چکی تھی، طالب علمی کے دوسرے ہی سال میں آپ کی تالیف ”الفیہ ابن مالک“ تھی اس وقت آپ تیرہ، چودہ سال کے رہے ہوں گے۔

آپ کے تالیفی وتصنیفی زندگی کی ابتداء ۱۳۲۹ھ ہے جو بغیر وقفہ کے قُبیلِ وفات تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ تا آں کہ آپ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ رمئی ۱۹۸۲ء کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔

تصانیف کے حقوقِ اشاعت

دورِ جدید میں حقوق طبع محفوظ کرنے کا مستقل قانون ہے، اور اس میں بڑے

بڑے ثقہ لوگ بھی اس قانون سے متاثر ہیں، اور ناشرین سے رائلٹی وصول کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے اکابر کے یہاں حق طبع کی محفوظیت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

حضرت شیخ تو اس میں کچھ اور بھی آگے تھے، آپ نے باقاعدہ اخبار میں اعلان بھی کرادیا تھا۔ (۱۳۹۰ھ)

آپ کی تصانیف

آپ کی تالیفات اور تصانیت کی تعداد تقریباً ایک سو تین ہیں، اور وہ تصانیف جو آپ کے حکم سے لکھی گئیں وہ چودہ ہیں۔ حضرت شیخ کی حیات مبارکہ کی تفصیلات کے لیے "حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور ان کے خلفاء کرام" ملاحظہ کی جائیں۔

❁ ❁ ❁

قال را بگذار مردِ حال شو
پیش مردِ کاملے پامال شو

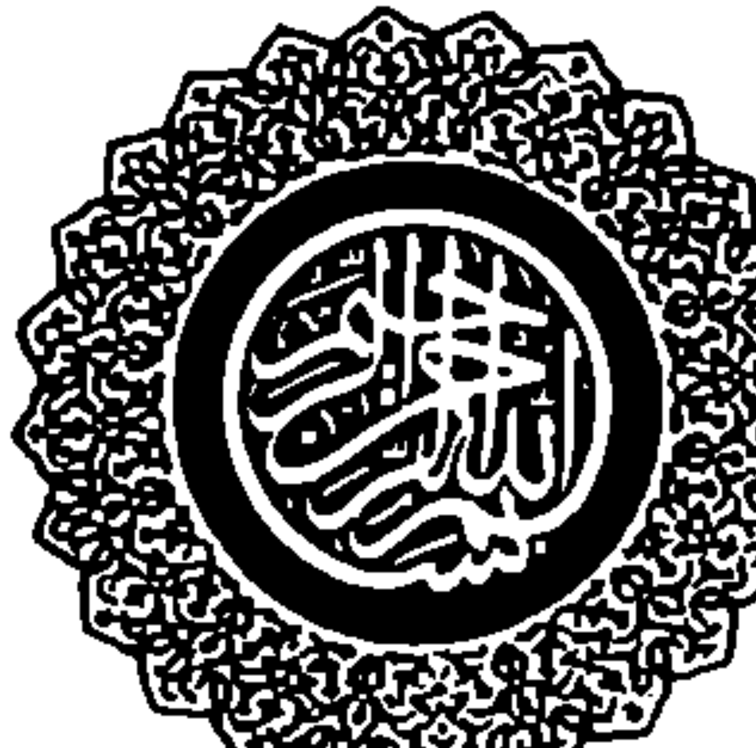

کچھ حصہ بخاری شریف کے استاذ: حضرت الاستاذ حکیم الاسلام

مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (م:۱۴۰۳ھ)

قصبہ دیوبند پھر خانوادۂ قاسمی کسی تعارف کا محتاج نہیں، اس خاندان کی ضیا گستری کا چرچا زبان زدعام وخاص ہے، اور حقیقت بھی ہے کہ اس کے فیض وبرکات سے دور افتادہ علاقے علم کی ضیا پاش کرنوں سے منور ہوگئے اور آج بھی اس کی ضوفشانی سے ایک عالم بقعہ نور بنا ہوا ہے۔

ولادت اور علمی نشو ونما

اسی خاندان میں محرم ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بروز یک شنبہ ایک بچہ پیدا ہوا جس کا تاریخی نام مظفر الدین اور اصلی نام محمد طیب تجویز ہوا جو آگے چل کر حکیم الاسلام کے نام سے مشہور ہوا۔

آپ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ انتہائی پُر کیف اور علمی ماحول تھا گھر میں عورتیں تک خداترس اور صاحب نسبت تھیں، والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ایک جید الاستعداد عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، اس لیے ہمہ وقت علماء وصلحاء اور اولیاء کی صحبت آپ کے فطری شعور اور ذہنی بالیدگی کو تقویت فراہم کرتی رہتی تھی، جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت قاری صاحبؒ بچپن ہی میں علماء کی تصویر نظر آنے لگے، وضع قطع سے خاندانی رنگت نمایاں تھی۔

ابتدائی تعلیم

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو خاندانی روایت کے مطابق علماء اور اکابر کی جماعت نے آپ کو رسم بسم اللہ ادا کرائی۔ اور تعلیم کا آغاز ہوگیا، اس موقع پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی نے نیک فالی کے طور پر ایک

قصیدہ پڑھا جس میں مذکور "کُتِمَہٗ بالخیر" سے آپ کی رسم بسم اللہ کی تاریخ نکلتی ہے جو ۱۳۲۲ھ ہے۔

حفظ قرآن اور تعلیم تجوید

خاندانی روش کے مطابق آپ کو دینی تعلیم کی رغبت ہوئی اور اس کی ابتداء حفظ قرآن کریم سے عمل میں آئی حضرت قاری عبدالوحید خاں صاحب الہ آبادی (م:۱۳۶۵ھ) تعلیم کے لیے منتخب ہوئے اور انہیں بطور خاص قاری صاحب کے لیے بلایا گیا جو آپ کو گھر ہی پر حفظ و تجوید کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت قاری صاحب میں چوں کہ قاسمی خاندان کی بو بلکہ خمیر ہی شامل تھی، اس لیے وہ برق رفتاری سے آگے بڑھے اور صرف دو سال ۱۳۳۶ھ میں آپ اس عظیم نعمت سے بہرہ ور ہو گئے نیز حفظ کے ساتھ تجوید کی تکمیل نے آپ کی صلاحیت میں چار چاند لگا دیا۔

بچپن میں قاری صاحب بڑے خوش آواز اور عمدہ اور پر کشش لہجہ کے مالک تھے، جب کوئی بڑا شخص حضرت مہتمم صاحب (حافظ احمد صاحب) کی خدمت میں آتا تو وہ آپ کی تجوید کو ضرور سنتا، خصوصاً حکیم مسعود احمد صاحب گنگوہی آپ کے اس درجہ قدرداں تھے کہ وہ جب دارالعلوم آتے تو حضرت قاری صاحب سے ضرور کوئی نہ کوئی رکوع پڑھواتے اور عش عش کرتے، اسی زمانہ میں آپ پر قاری کا لفظ ایسا چسپاں ہوا جو آپ کے نام کا جزو اعظم بن گیا۔

فارسی تعلیم کا آغاز

آپ کے سامنے حجۃ الاسلام کی علمی وراثت تھی، اس لیے حفظ و تجوید کی تحصیل کے بعد خاندان والوں کی تمنا کے مطابق ۱۳۲۷ھ میں آپ کو دارالعلوم کے شعبہ فارسی میں داخل کر دیا گیا۔ اور تین سال کے عرصہ میں آپ نے مروّجہ نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ ریاضی، حساب اور جغرافیہ کی بھی تحصیل کر لی۔ ان چند سالوں میں جنہوں نے حضرت قاری صاحب کے علمی سفر کو آگے بڑھایا، ان میں مولانا یٰسین صاحب (والد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)

قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی فارسی دانی کا سب کو اعتراف تھا، خود انہوں نے بھی خاندانی عظمت کی وجہ سے بڑی دل چسپی لی، اور شب و روز کی جدوجہد سے حضرت قاری صاحب کو اچھا فارسی داں بنادیا، اس زمانہ میں فارسی کا کافی چلن تھا، ایک تو خداداد صلاحیت دوسرے استاذ کی حسن تعلیم وتربیت نے آپ کو کندن بنادیا، اسی زمانہ طالب علمی میں آپ کے جوہر نکھرنے لگے، اور گاہ بگاہ آپ اردو اور فارسی میں غزلیں اور قصائد کہنے لگے سچ ہے پوت کے پاؤں پالنے ہی سے نظر آنے لگتے ہیں۔

درجہ عربی میں داخلہ

فارسی زبان میں دست گاہ حاصل کرنے کے بعد آپ عربی درس نظامی کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوئے، اور سات سال کے عرصہ میں شبانہ روز کی جدوجہد کے باعث صرف، نحو، ادب، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ، فلسفہ، ہیئت، تفسیر اور اصولِ تفسیر وغیرہ پڑھ کر دورۂ حدیث شریف میں داخل ہوئے، اور محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے دیگر اساتذہ دارالعلوم سے صحاحِ ستہ پڑھی، اور ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم سے فاتحہ فراغ پڑھا، حضرت قاری صاحب کی فراغت سے دارالعلوم کی علمی دنیا میں ایک ایسے شخص کا اضافہ ہوا جو نصف صدی سے زاید علم وعمل اور خطابت واہتمام کے اُفق پر آفتاب کی مانند تاباں اور درخشاں رہا۔

آغازِ تدریس

آپ کی پوری تعلیم احاطۂ دارالعلوم ہی میں ہوئی تھی اس لیے تمام اساتذہ کرام اور اکابر آپ کی فطری صلاحیت، تواضع، وضع داری اور نشست وبرخاست سے واقف تھے، ہر ایک کی نظر آپ کو کیمیا بنانے کے لیے کوشاں تھی اور قسمت نے بھی یاوری کی اس لیے آپ کو تدریس کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ ابتدائی زمانہ میں آپ نے چھوٹی چھوٹی کتابوں کا درس دینا شروع کیا، مگر جلد ہی آپ کو مقبولیت حاصل ہوگئی وسطیٰ، علیا کی کتابیں آپ کے زیر درس آگئیں، تدریس کا یہ سلسلہ آخر تک چلتا رہا، اگرچہ اہتمام کے زمانہ میں مصروفیات بڑھ گئیں

تاہم جب موقع فراہم ہوتا تو آپ حجۃ اللہ البالغہ، یا حدیث کی کوئی دوسری کتاب کا درس ضرور دیتے تھے۔

تدریس سے مسندِ اہتمام پر ماہ ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ میں جب یہاں کے مہتمم اور آپ کے پدر بزرگوار حافظ محمد احمد صاحب نظام دکن کے مطالبہ پر مفتی بن کر حیدر آباد چلے گئے اور اہتمام کی تمام تر ذمہ داری حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کے سپرد ہوگئی، تو اس وقت کی شوریٰ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کا ہاتھ بٹانے کی خاطر حضرت قاری صاحب کو نائب مہتمم ثانی مقرر کیا، لیکن ۱۳۴۴ھ میں جب حافظ صاحب کو کبرسنی کے باعث اعزازی مہتمم مقرر کیا گیا، تو آپ کو نائب مہتمم اوّل مقرر کیا گیا، مگر کچھ لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے حضرت قاری صاحب مستعفی ہوگئے۔

حضرت قاری صاحب منصبِ اہتمام سے الگ ہوکر یکسوئی کے ساتھ درس وتدریس کی جانب لوٹ آئے، لیکن ابھی دو ڈھائی سال ہی گذرے تھے کہ آپ کو دوبارہ منصبِ اہتمام پر فائز کردیا گیا۔ اور ۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کی وفات کے بعد آپ قائم مقام مہتمم بنائے گئے۔ پھر ۱۳۴۸ھ میں باتفاق مجلس شوریٰ آپ مہتمم مقرر ہوئے اور اپنے علم وفضل اور حلم وتدبر اور اہلیت کار کی بناء پر عظیم مقبولیت اور زبردست شہرت حاصل کی جس سے دارالعلوم کی عظمت ورفعت میں بڑا اضافہ ہوا اور مکمل نیک نامی اور احترام کے ساتھ ۱۴۰۱ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔

علوم باطنی حضرت قاری صاحبؒ علوم باطنی سے بھی آراستہ تھے، ابتداء حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بیعت کی تھی حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے تعلق رکھا، مگر شاہ صاحبؒ کے ڈابھیل چلے جانے کے بعد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے

بیعت کی، اور پھر بہت تھوڑے عرصے میں مجاز ہوگئے، اور اجازت کے بعد بیعت وارشاد کا سلسلہ شروع کردیا۔اس راہ میں آپ کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔

مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف زمانۂ طالب علمی ہی سے انشاء پردازی اور مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔تصنیف وتالیف کا سلسلہ وفات سے چند سال پہلے تک رہا، مختلف دینی، علمی اور تاریخی موضوعات پر سو سے زائد تالیفات یادگار چھوڑیں۔

تقریر وخطابت حقیقت یہ ہے کہ خطابت وتقریر میں علماء کی صف میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، دورانِ تقریر علوم ومعارف اور اسرار وحکم کا چشمہ رواں دواں ہوتا۔

شعروشاعری تقریر وخطابت اور تصنیف وتالیف کے ساتھ آپ قادرالکلام شاعر بھی تھے، شعرگوئی پر آتے تو پانچ پانچ سو اشعار پر مشتمل طویل نظمیں کہہ ڈالتے۔متعدد شعری مجموعے طبع ہوئے۔

تبلیغی ودعوتی اسفار اہتمام دارالعلوم کی مسند نشینی کے ساتھ آپ ملک وبیرون ملک کے دعوتی وتبلیغی اسفار بھی کرتے۔

اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک دور دور تک سفر کرتے، بنگلہ دیش، پاکستان، افغانستان، برما، جنوبی افریقہ، زنجبار، کینیا، روڈیشیا، ری یونین مڈغاسکر، مصر، سعودعربیہ، انگلینڈ، فرانس، جرمنی، امریکہ وغیرہ ممالک تک آپ کے علمی وعرفانی اسفار کا دائرہ وسیع ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند کا عالمی پیمانہ پر تعارف آپ ہی کے دور میں ہوا۔

وفات: ۶رشوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء دوشنبہ کے روز انتقال ہوا۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ (ملخص دارالعلوم وفیات نمبر)

ابوداؤد شریف کے استاذ

حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ (م:۱۴۱۲ھ)

ولادت: حضرت مولانا معراج الحق صاحب کی ولادت رجب ۱۳۲۸ھ میں دیوبند کے کوٹلہ محلہ میں ہوئی۔

تعلیم: مولانا کے والد جناب منشی نور الحق صاحب کا بسلسلہ ملازمت قصبہ ''برنالہ'' پنجاب میں قیام تھا آپ نے پرائمری تک تعلیم یہیں حاصل کی۔

اس کے بعد میڈل تک کی تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔

میڈل کی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند کے درجۂ دینیات میں داخل ہوکر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے والد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب سے اردو، فارسی اور ابتدائی عربی تک پڑھا۔

۱۳۴۵ھ میں والد کا تبادلہ سہارنپور میں ہوجانے سے آپ نے دیوبند میں تعلیم موقوف کر کے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پانچ سال رہ کر ہدایہ اولین تک کی تمام کتابیں پڑھیں۔

۱۳۴۹ھ میں آپ نے دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر مختصر المعانی، حسامی، ہدایہ اولین، ملاحسن، میبذی پڑھیں۔

۱۳۵۰ھ میں متنبی، ہدایہ آخرین، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، نخبۃ الفکر، سراجی اور میبذی (مکرر) پڑھیں۔

فراغت: ۱۳۵۱ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

۱۳۵۲ھ میں فنون کی کتابیں پڑھیں۔

دارالعلوم میں آپ کے اساتذہ یہ تھے:

حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دیوبندی، مولانا نبیہ حسن صاحب دیوبندیؒ، مولانا رسول خاں صاحب سرحدیؒ، مولانا عبدالسمیع صاحبؒ دیوبندی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

اساتذہ میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے آپ کو خاص تعلق تھا، یہاں آپ حضرت شیخ الادبؒ کے مخصوص اور منتخب تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ''مولوی، فاضل'' کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔

تدریس: ۱۳۵۳ھ سے ۱۳۵۸ھ تک مدرسہ ہاشمیہ جامع مسجد زکریا اسٹریٹ بمبئی میں اس کے بعد ۱۳۶۲ھ تک آپ گلبرگہ کی درسگاہ مدرسہ دینیہ روضتین سے وابستہ رہے یہاں صدارت تدریس کے ساتھ اہتمام کی ذمہ داری بھی آپکے سپرد رہی۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۶۲ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلایا گیا۔ دارالعلوم آپ کا گھر بھی رہا، قیام گاہ بھی اور درسگاہ بھی، تمام علائق دینوی سے یکسو ہو کر آپ مدرسہ ہی کے ہو کر رہ گئے، اور مشہور شعر ؎

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

کے کامل مصداق بن گئے، اور نصف صدی کی طویل مدت دارالعلوم اور طلبہ دارالعلوم کی خدمت اور تعلیم و تربیت میں گذار دی۔

نیابت اہتمام

۱۳۸۲ھ میں تدریس کے ساتھ نیابت اہتمام کی اہم ذمہ داری بھی سپرد ہوئی، اس اہم ترین منصب سے آپ ۱۳۹۳ھ تک متعلق رہے۔

صدارتِ تدریس
۱۴۰۲ھ میں آپ صدارتِ تدریس کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور تادمِ آخریں اس منصب کا حق ادا کیا۔

خصوصی فن
آپ نے زمانۂ تدریس میں تمام ہی اصناف علم وفن کی کامیاب خدمت انجام دی مگر اپنے خاص استاذ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی طرح آپ کا خصوصی اور پسندیدہ موضوع فقہ اسلامی اور قدیم عربی ادب تھا، فقہ حنفی کی ادق اور بلند پایہ کتاب ہدایہ آخرین کا درس آپ کا مشہور اور خاص درس تھا اسی طرح عربی کی مشہور کتابیں، حماسہ، متنبی، اور سبعہ معلقہ، کے درس میں طلبہ آپ کی فن سے متعلق تحقیقات پر جھوم اٹھتے تھے۔

ان دونوں فن میں مولانا کی انفرادیت پورے حلقۂ دارالعلوم میں معروف ومسلم تھی۔

افراد سازی
حضرت مولانا نے تصنیف وتالیف کے بجائے افراد سازی، مردم گری اور رجال کاری کی ساخت و پرداخت کو ہمیشہ ترجیح دی، حالاں کہ تصنیف وتالیف کی بھی بھرپور صلاحیت سے خدا نے آپ کونوازا تھا چنانچہ اسی جہد مسلسل کا نتیجہ ہے کہ آپ کے چراغ علم وحکمت سے علم وآگہی کی ہزاروں شمعیں روشن ہوگئیں جن کی ضیاء پاش کرنوں سے آج دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں۔

عادات وخصائل
حضرت الاستاذ نفع ونقصان سے بالاتر ہوکر ہمیشہ حق بات بڑی صفائی سے کہہ دیا کرتے تھے آپ کا مزاج ''زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ بساز'' کا نہ تھا بلکہ آپ ہمیشہ ''تو با زمانہ ستیز'' کے حامل تھے، آپ کسی سے مرعوب ہونے کے بجائے، مرعوب کن تھے، آپ بے حد بااصول تھے، بے اصولی کو سخت ناپسند فرماتے تھے، چھوٹوں اور چھوٹے بچوں پر بیحد شفیق تھے۔ بڑے ہی سنجیدہ اور باوقار تھے، قہقہہ تو جانتے ہی نہ تھے، زیر لب تبسم اور مسکراہٹ کی عادت تھی، بڑے ہی نفیس اور پاکیزہ طبع تھے۔

بیعت وارادت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ (خلیفہ حکیم الامت تھانویؒ) سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے۔

آخر شب میں اٹھنے کے عادی تھے اس پر دوام رہا۔ رمضان المبارک میں ساری رات بیداری کا اہتمام رہا، ۷رصفر ۱۴۱۲ھ سوا دس بجے دن میں واصل بحق ہوگئے۔

اور یہ حقیقت واقعی ہے کہ حضرت الاستاذ اپنے فضل وکمال اور وسیع تر علمی خدمات کے پیش نظر جس شہرت اور قدر دانی کے مستحق تھے وہ قدر دانی نہیں ہوئی۔ اور یہ تو اس دور کا رونا ہے، زمانہ لعل و جواہر کا کبھی قدر شناس نہیں ہوتا، کنکر پتھر کو ضرور چومتا ہے۔

آج کے اس بے اصولی کے دور میں حضرت الاستاذ بہت یاد آتے ہیں۔ ہاء! ؎

سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم لوٹ گئے ہو
تم ساتھ تھے، تم ساتھ ہو، تم ساتھ رہوگے

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ (ملخص از وفیات ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

❁ ❁ ❁

ترمذی شریف: ج:۲ر کے استاذ

حضرت الاستاذ مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ (م:۱۴۱۲ھ)

ولادت: حضرت الاستاذ مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ بہار کے ضلع سیتامڑھی کے ایک گاؤں میں ۱۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم کے لیے باہر نکلے اور ڈھاکہ مشرقی چمپارن بہار کے مدرسہ اسلامیہ گئے۔

دارالعلوم مئو بہار سے نکل کر آپ مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ دارالعلوم مئو (سابق ضلع اعظم گڑھ) گئے اور یہاں آپ نے مختصر المعانی تک پڑھا۔

مئو میں آپ نے جن یگانہ عصر اور ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور حضرت مولانا کریم بخش صاحب سنبھلیؒ بطور خاص ہیں۔

یہاں آپ ایک سال کے لیے اپنے استاذ حضرت مولانا سنبھلیؒ کی معیت میں سنبھل چلے آئے۔

مظاہر علوم سہارنپور سنبھل ایک سال رہ کر آپ نے مشہور درسگاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور آئے اور یہاں تکمیل سے ایک سال پہلے تک داخل رہ کر علمی تشنگی بجھاتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند بہار سے مئو، مئو سے سنبھل ہوتے ہوئے سہارنپور مظاہر علوم اور پھر مظاہر علوم سے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند آ گئے اور یہاں تکمیل علوم کیا۔

فراغت: آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۴۵ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بخاری اور ترمذی اور حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ اور دیگر اساتذۂ فن سے بقیہ کتب صحاح پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

آغازِ تدریس

تکمیل وفراغت کے بعد آپ نے مدرسہ شاہ بہلول سہارنپور سے تدریس کا آغاز کیا، یہاں آپ صرف ایک سال رہے۔

مدرسہ اشرفیہ راندیر

سہارنپور سے آپ گجرات کے مشہور قصبہ راندیر (سورت) کے مدرسہ اشرفیہ میں دوسال کے لیے گئے۔

مدرسہ صدیقیہ دہلی

راندیر سے آپ دہلی تشریف لائے یہاں آپ نے مدرسہ صدیقیہ پھاٹک حبش خاں میں مسلسل چودہ سال تک جم کر جملہ علوم وفنون کا کامیاب درس دیا۔ یہیں سے آپ کے اکابر اساتذہ کی نگاہ آپ پر پڑی اور آپ کو دارالعلوم دیوبند بلالیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا نے دارالعلوم دیوبند میں ہر علم وفن کی چھوٹی بڑی ساری ہی کتابوں کا درس دیا اور پوری نیک نامی اور کامیابی کے ساتھ لیکن آپ کا خاص فن معقولات تھا، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ جیسے امام المعقولات کی موجودگی میں مولانا بہاریؒ صاحب شیخ المعقولات اور "علامہ بہاری" جیسے توصیفی القاب سے مشہور ہوگئے تھے زندگی کے آخری بیس، بائیس سال سے حدیث پاک کے اسباق بھی آپ سے متعلق رہے، مولانا نے تدریس حدیث کی اہم ترین ذمہ داری کو بھی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، آپ درس میں طول طویل تقریر سے احتراز فرماتے، لمبی تقریر کے بجائے حل کتاب پر زور دیتے دقیق سے دقیق مسائل نہایت آسان انداز میں ذہن نشیں کرادیتے تھے، آپ کا درس "خیر الکلام ماقل ودل" کا مصداق تھا۔

مولانا خشک مزاج اور متقشف نہیں تھے، دوران درس طلبہ کی تنشیط اذہان کی غرض سے حسب موقع ومحل مناسب لطائف اور چٹکلے بھی بیان کردیا کرتے تھے، آپ کے درس میں متعلق طلبہ تو مکمل پابندی کے ساتھ حاضر درس رہتے ہی تھے، غیر متعلق طلبہ بھی آجاتے تھے، ازاول تا آخر پوری دلچسپی کے ساتھ درس میں سراپا گوش ہوتے تھے۔

آپ دارالعلوم کے قدیم اساتذہ میں تھے، استاذ الاساتذہ تھے، طلبہ تو طلبہ،

اساتذہ بھی حسب ضرورت آپ سے علمی استفادہ کرتے تھے، آپ کی شفقتیں اتنی عام تھیں کہ چھوٹے بڑے سب ہی آپ سے مل کر نہال ہوتے تھے۔

دارالعلوم میں مبلغ اعظم مولانا سید ارشاد احمد صاحبؒ احقر پر بیحد شفیق تھے، روزآنہ قیام دیوبند کے زمانہ میں بلاناغہ احقر کی درسگاہ میں تشریف لاتے تھے، آپ کے انتقال (۱۴۰۹ھ) کے بعد مولانا بہاری صاحبؒ نے یہ کہتے ہوئے کہ "مولانا کے انتقال سے تیرے دل پر بڑا صدمہ گذرا ہے" برابر درسگاہ میں آتے اور اپنی دلنواز باتوں سے دل کا بوجھ اتارتے اساتذہ آتے جاتے رہیں گے مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا جیسی دلنواز شخصیت اب کہاں۔

مولانا اپنی بے لوث اور مخلصانہ اداؤں کے باعث محبوب خاص وعام تھے، ہر مجلس ومحفل کی جان تھے حضرت الاستاذ کی ایک خصوصیت جس کا ذکر ضروری ہے اور جو نئی زمانہ مفقاہ ہوتی جارہی ہے، یہ ہے کہ آپ نماز باجماعت کے ساتھ صف اوّل کے پابند تھے، جب تک پاؤں میں چلنے پھرنے کی سکت رہی جیسے تیسے مسجد پہنچے اور صف اوّل میں جگہ بناتے۔

دارالعلوم سے والہانہ محبت رکھتے تھے، اگر کبھی مکان جاتے تو اس لیے جلد ہی واپس آجاتے کہ کہیں دارالعلوم دیوبند سے باہر، وقت آخر نہ آجائے، اور پیوندِ زمین دیوبند، مزار قاسمی میں جگہ نہ مل سکے۔

وصال یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے، آمد ورفت کا سلسلہ روزانہ جاری رہتا ہے، اس لیے کسی کی رحلت کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں لیکن بعض بندگان خدا اپنی امتیازی خصوصیات، افادی شان کی حامل ہوتی ہیں کہ ان کا جانا واقعۃً ایک حادثہ ہوتا ہے، اور اپنے پیچھے رنج والم چھوڑ جاتا ہے۔

حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ ایسے ہی ایک با فیض صاحب علم وکمال تھے جن کے فیوض سے علمی حلقہ ۵؍رجب ۱۴۱۲ھ کو ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ۔ (وفیات ہدار العلوم دیوبند کی روشنی میں)

❁❁❁

طحاوی شریف کے استاذ

نابغۂ عصر الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (م:١٩٩٥ء)

ایک مشکل استاذ محترم، نابغۂ عصر، وحیدِ دہر، عبقری زماں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ ایسے رجال امت میں سے ہیں جن پر لکھنا اوران کی حیات کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ تو کہئے کہ محب محترم مولانا نور عالم خلیل الامینی استاذ ادب دارالعلوم اور ترجمان دارالعلوم (تنظیم ابنائے قدیم) نے مستقل سوانح اور خاص نمبر شائع کردیا، ورنہ راقم الحروف کے لیے حضرت الاستاذ کی حیات کے گوشے پر کچھ لکھنا سخت مشکل ہورہا تھا، مولانا کی ذات اس شعر کی مصداق تھی۔ ۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ❁ کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا ایں جاست!

مولانا امینی نے (اللہ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے) حضرت الاستاذ کی حیات وکارناموں پر بڑی البیلی کتاب ''وہ کوہ کن کی بات'' لکھ دی۔

حضرت مولانا کی حیات اور کارناموں سے واقفیت کے لیے مذکورہ کتاب اور خاص نمبر ضرور مطالعہ میں رکھیں۔

ولادت حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں بن مولانا مسیح الزماں ابن مولانا محمد اسمٰعیل بن مولانا محمد حسین، قصبہ کیرانہ، ضلع مظفر نگر میں ١٧ر فروری ١٩٣٠ء مطابق ١٣٤٩ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ کا خاندان علمی خاندان تھا، والد، دادا، پردادا سب عالم دین تھے، آپ کی دادی نواب قطب الدین مصنف ''مظاہر حق'' کی پرنواسی تھیں۔

ابتدائی تعلیم آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ جامع مسجد کیرانہ میں ہوئی، مدرسہ ہٰذا اس دور میں ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن مع التجوید

کے لیے بڑا نیک نام تھا، حفظ قرآن کریم تجوید کے مکمل قواعد کے ساتھ ہوتی تھی۔
حضرت مولانا محمد خالد صاحب کیرانوی سے آپ نے فارسی کی تحصیل وتکمیل کی۔

حیدرآباد میں

۱۹۴۶ء میں بغرض تعلیم آپ حیدرآباد گئے، یہاں ایک سال قیام رہا لیکن تقسیم ہند کی قیامت خیزی کی بناء پر تعلیم کا نظام نہ بن سکا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

حیدرآباد سے واپس آکر ۱۹۴۸ء دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں تعلیم کے دوران ممتاز طلبہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا زمانۂ تعلیم میں عربی زبان کی اشاعت کے لیے ''مسلسلۃ الدروس العربیۃ'' کے نام سے اسباق لکھ کر آویزاں کرتے تھے، اور طلبہ کو مشق کراتے تھے، دارالعلوم میں آنے والے عرب مہمانوں کے استقبال اور سپاسنامے وغیرہ لکھنے کا کام آپ ہی انجام دیتے تھے۔ مختلف جلسوں میں عربی مقابلہ بھی پیش کرتے تھے، اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے عربی تحریری کام بھی آپ ہی انجام دیتے تھے، پانچ سال تک تمام کتابوں میں اعلیٰ نمبرات حاصل کیے اور خصوصی انعامات بھی، امتیازی حیثیت کی بنیاد پر دارالعلوم کی جانب سے پندرہ روپے ماہانہ (واضح رہے کہ آج سے باون سال پہلے پندرہ روپے) خصوصی وظیفہ بھی جاری کیا گیا۔ زمانۂ طالب علمی میں جمعیۃ الطلبہ کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔

فراغت: ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد

فراغت کے بعد رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے پرائیویٹ سکریٹری رہے اور ان کے ساتھ بڑی بڑی سرکاری ضیافتوں میں شریک رہے۔ ۱۹۵۶ء میں نو افراد پر مشتمل ایک سرکاری خیر سگالی وفد (گڈول مشن) سعودی عرب گیا آپ اس میں بحیثیت ایک ترجمان ممبر کے شامل تھے۔

سعودی عرب سے واپسی کے بعد محمد احمد کاظمی مرحوم ممبر پارلیمنٹ کی کتاب

''تقسیم ہنداور مسلمان'' کا ''تقسیم الہند والمسلمون فی الجمہوریۃ الہندیۃ'' کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا۔

اسی زمانہ میں مختلف موضوعات پر سات کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: (۱) آخرت کا سفر نامہ (۲) شرعی نماز (۳) انسانیت کے حقوق (۴) اچھا خاوند (۵) اچھی بیوی۔

اسی دوران القاموس الجدید، اردو عربی ڈکشنری کی تکمیل کی۔

دارالفکر کا قیام

۱۹۵۹ء میں دیوبند میں ''دارالفکر'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کے تحت عربی اور انگریزی زبان کی کلاسیں جاری کی گئیں، اور ماہنامہ ''القاسم'' بھی اسی ادارہ سے جاری کیا گیا جو کئی سال تک شائع ہوتا رہا، اسی ادارے سے ''القاموس الجدید'' اردو عربی ڈکشنری پہلی بار شائع ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس

۱۹۶۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ عربی تقرر ہوا۔

(یہ واضح رہے کہ آپ نے اس کے لیے کوئی درخواست نہیں کی تھی بلکہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ نے از خود تقرر کیا تھا) ایک سال بعد استقلال کے ساتھ درجہ وسطیٰ (ب) میں آپ کا نام درج کیا گیا۔

''دعوۃ الحق'' کا اجراء

۱۹۶۵ء میں سہ ماہی مجلّہ ''دعوۃ الحق'' عربی کا اجراء عمل میں آیا اور آپ کو اس کی ادارت سپرد کی گئی چند ہی سال بعد درجہ وسطیٰ (الف) میں ترقی دی گئی۔

۱۹۷۵ء میں درجہ علیا میں ترقی دی گئی، ۱۹۷۶ء و ۱۹۷۷ء میں عربی زبان وادب کے ساتھ حدیث کی دو مشہور کتابوں طحاوی شریف اور نسائی شریف کا درس بھی دیا۔

پندرہ روزہ الداعی
"دعوۃ الحق" کے بند ہوجانے کے بعد پندرہ روزہ "الداعی" کی ادارت کچھ عرصہ تک سپرد رہی۔

النادی الادبی کا قیام
دار العلوم میں تدریس کے دوران "النادی الادبی" کے نام سے طلبہ کی ایک ادبی انجمن قائم کی جس سے ہر سال تقریباً تین سو طلبہ وابستہ ہوکر عربی زبان کی تقریری اور تحریری مشق کرتے تھے، اس کے تحت بہت سے قلمی پرچے بھی نکالے گئے اور اس کے ذریعہ طلبہ کو علمی پروگراموں کے ساتھ انتظامی امور کی بھی تربیت دی گئی۔

اسی عرصہ میں "القاموس الجدید" عربی اردو ڈکشنری اور "للقراءۃ الواضحۃ" کے تین حصے اشاعت پذیر ہوئے، ان دونوں کتابوں کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور "القراءۃ الواضحۃ" تو بہت سے کالجوں یونیورسٹیوں اور دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

متعدد عرب ممالک کا دورہ
۱۹۷۷ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ایک سہ رکنی وفد کی سربراہی کرتے ہوئے متعدد عرب ممالک (سعودی عرب، بحرین، متحدہ عرب امارات وغیرہ) کا دورہ کیا۔ ایک طویل عرصہ تک آپ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور اس کے پندرہ روزہ عربی اخبار "الکفاح" کے چیف ایڈیٹر رہے۔ اس کے علاوہ جمعیۃ کے تصنیفی شعبہ "مرکز دعوت اسلام" کے ڈائرکٹر بھی رہے جو آپ ہی کی تحریک پر قائم کیا گیا تھا اور اس شعبہ سے متعدد علمی اور اصلاحی کتابیں شائع کیں۔

اجلاس صد سالہ میں آپ کی خدمات
۱۹۸۰ء میں اجلاس صد سالہ کے لیے فراہمی مالیات کے سلسلہ میں مشرقی یوپی کے اضلاع کا کامیاب دورہ کیا اجلاس صد سالہ کی تیاری کے لیے بنائی گئی کمیٹیوں کا آپ کو کنوینر مقرر کیا گیا، نیز دار العلوم کی تزئین وترمیم اور تعمیر

جدید کا کام بھی آپ کے سپرد کیا گیا، آٹھ ماہ کے عرصہ میں دارالعلوم میں ہر چہار جانب بوسیدہ اور مرمت طلب عمارتوں کی اصلاح وترمیم ہوئی اور بے شمار جدید تعمیرات ہوئیں، جیسے مسجد قدیم کا صدر دروازہ، دارالعلوم کے صدر دروازہ کی بالائی منزل کی تعمیر، احاطہ مکتب خانہ کا دومنزلہ برآمدہ، دفتر تعلیمات (اب اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے) دار جدید کی بالائی منزل کے بہت سے کمرے، جن سے بالائی منزل میں دوگنا کمرے ہوگئے۔ دارالحدیث فوقانی کے دائیں اور بائیں جانب دو درسگاہیں اور ان کے سہ طرف برآمدے اور دارالتفسیر کے گنبد پر وسیع کام وغیرہ مختلف تعمیرات۔

دارالتربیت کی تعمیر اور نظام کار

اجلاس صد سالہ کے اختتام پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دارالتربیت کی تعمیر اور اس کے نظام کار کو مرتب کر کے چلانے کا کام بھی آپ کے سپرد فرمایا۔ اس کے لیے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے وائس چانسلر نے دس لاکھ کی رقم عنایت کی تھی۔ اس کے بعد دارالعلوم کے حالات بگڑنے شروع ہوئے جس نے رفتہ رفتہ انقلاب کی صورت اختیار کر لی۔

ناظم مجلس تعلیمی

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم کے دوبارہ کھل جانے کے بعد ۱۹۸۳ء میں آپ کو ناظم مجلس تعلیمی بنایا گیا، اسی سال آپ نے ماریشیش، ری یونین، انگلینڈ، مصر اور پیرس کا سفر کیا۔

معاون مہتمم

۱۹۸۵ء میں آپ کو معاون مہتمم بنایا گیا، اس زمانے میں بہت سی نئی تعمیرات اور دفتری نظام کی اصلاح، طریقہ کار میں تیز رفتاری اور نظام تعلیم میں پختگی اور اسی جیسی بہت سی نمایاں انتظامی خدمات انجام دیں، ہندوستان کے بعض علاقوں سے مالیات کی فراہمی کا کام بھی کیا۔

آئینہ دارالعلوم کا اجراء

اسی سال ۱۹۸۵ء میں پندرہ روزہ آئینہ دارالعلوم کا اجراء کیا جو تا حال جاری ہے۔

معاون مہتمم کے عہدہ سے استعفیٰ ۱۹۸۷ء میں معاون مہتمم کے عہدہ سے استعفیٰ دے کر تدریس پر واپس آ گئے۔

دارالمؤلفین کا قیام دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد ۱۹۸۸ء میں ''دارالمؤلفین'' کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم فرمایا، اس ادارے نے نوجوان فضلاءِ دارالعلوم کی تصنیفی رفاقت حاصل کی اور ناسازگار حالات اور کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہ ہونے کے باوجود دو سال کے عرصہ میں چودہ کتابیں شائع کیں اور آٹھ کتابیں زیرِ طبع تھیں دارالمؤلفین ہی سے ''القاموس الاصطلاحی'' اردو عربی اور عربی اردو کے نام سے اپنی دو نئی ڈکشنریاں شائع کیں نیز اسی دور میں سابق القاموس الجدید اردو عربی اور عربی اردو میں گرانقدر اضافہ کیا۔

صدر ملی جمعیۃ علماء ہند ۱۹۸۸ء میں دہلی میں منعقدہ ملی کونشن میں ''ملی جمعیۃ علماء ہند'' کا قیام عمل میں آیا اور آپ کو باتفاق رائے اس کا صدر منتخب کیا گیا۔

دارالعلوم سے سبکدوشی ۱۹۹۰ء میں مجلس شوریٰ دارالعلوم نے تدریسی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے آپ کو پنشن دینا منظور کیا، حضرت الاستاذ کے لیے بلاشبہ زندگی کا یہ بڑا حادثہ تھا۔

۱۹۹۰ء میں وزارت حج واوقاف سعودی عرب کی دعوت پر حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔

جنوری ۱۹۹۲ء میں وزارت نشریات واطلاعات کویت کی طرف سے منعقدہ عالمی اسلامی کانفرنس میں شرکت فرمائی اسی سال مرکزی جمعیۃ علماء کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۹۳ء-۱۹۹۴ء میں ایک ضخیم قاموس بڑے سائز کی ۱۸۰۰ر صفحات پر مشتمل تالیف فرمائی۔

اسی دوران حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر ''معارف القرآن'' سے

اہم علمی و تحقیقی مباحث کو کئی جلدوں میں "جواہر المعارف" کے نام سے جمع فرمایا جس کی ایک جلد چھپ چکی ہے۔

۱۹۹۴ء میں قرآن پاک کے اردو ترجمہ کا آغاز فرمایا۔

۱۹۹۵ء میں مشکوٰۃ شریف سے اخلاق وآداب ومعاشرت پر مشتمل احادیث کا ایک بیش قیمت مجموعہ مرتب فرمایا۔

تقریباً تمام ہی عربی ممالک کا وقتاً فوقتاً دورہ فرمایا اور وہاں کی دعوت پر کانفرنسوں اور مجالس علمی میں شرکت فرمائی بہت سے مدارس کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔

بہت سے مدارس میں عربی زبان کے شعبوں اور ادبی انجمنوں کے سرپرست رہے۔

آپ کے تلامذہ اور شاگرد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جامعات ومدارس میں اساتذہ یا جماعتوں اور اداروں کے قائدین کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔

آپ کے بعض شاگرد برصغیر کے نامور اہلِ قلم اور عربی واردو زبان وادب کے مسلم ادیب اور مصنف کی حیثیت سے شناخت رکھتے ہیں۔

حضرت الاستاذ سے تعلق

مصنف کی تصانیف اہل علم کے دماغ ودل تک رسائی کا آسان اور مؤثر ذریعہ ہوتی ہیں، پھر تصنیف ایسی کہ جس سے مدارس کے اساتذہ اور طلبہ بے نیاز نہ رہ سکیں، مصنف سے گہری عقیدت پیدا کردیتی ہیں، اسی کے ساتھ مصنف ایسا باکمال، دلکش اوصاف اور دلآویز شخصیت کا مالک!

ایک تصنیف ہوتی ہے صفحات قرطاس پر بکھری ہوئی تحریر کی شکل میں اور ایک تصنیف ہوتی ہے چلتی پھرتی انسانی شکل میں یعنی تلامذہ اور شاگرد! پہلی قسم کی تصنیف یعنی کتاب تو حضرت مولانا کی سب سے اہم کتاب اور عظیم کارنامہ جس سے اہل علم کے دل ودماغ نے زبردست اثرات قبول کئے اور دلوں پر جس کی دھاک بیٹھی ہے وہ ہے "القاموس الجدید" ہر دو حصے۔

حضرت مولانا کی جدید عربی کی یہ لغتیں ہندوپاک میں اپنی نوعیت کی پہلی لغتیں ہیں، آج تمام مدارس اسلامیہ اور جدید علوم کی یونیورسٹیوں کے شعبۂ عربی کی لائبریریوں میں موجود ہیں، جدید عربی صحافت کے میدان میں ان کے بغیر کوئی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا۔

راقم الحروف کے پاس یہ لغت شروع سے رہی، میری تدریسی لائن جدید عربی نہیں ہے ابتدا سے تجوید وقراءت میں ہوں، یہ لغت تو محض مولانا سے غایت درجہ عقیدت کی بناء پر ساتھ رہتی تھی۔

دوسری قسم کی تصنیف مولانا کے تلامذہ تھے، یہ جب ملتے تو حضرت مولانا کے اوصاف وکمالات بڑے والہانہ انداز پر ڈوب کر بیان کرتے اور ہر بار کوئی جدید خوبی ضرور سامنے آتی، ان دونوں تصانیف نے راقم کو والہ وشیدا بنادیا۔

غالبًا ۱۹۷۳ء تھا، مولانا کا ایک سفر مشرقی یوپی کے مدارس کا ہوا جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے آپ کے مخصوص تلامذہ آپ کے ساتھ ہوتے گئے شدہ شدہ آپ جونپور بھی پہنچے۔ میں اس وقت شہر جونپور کی بڑی مسجد جامع الشرق مدرسہ قرآنیہ میں مدرس تھا، حضرت مولانا اپنے خاص شاگرد مولانا محمد توفیق صاحب جونپوری سلمہ کے پاس مدرسہ حسینیہ لال دروازہ جونپور آئے ہوئے تھے، مولانا توفیق صاحب نے راقم کو اطلاع دی اور بعد ظہر کی چائے کا انتظام احقر کے پاس طے ہوا، بعد نماز ظہر ٹھیک متعینہ وقت پر مولانا مع اپنے تلامذہ کے تشریف لائے، میں نے استقبال کیا، یہ مولانا کی پہلی زیارت تھی، میں آپ کی نفاست ونظافت طبع سے غائبانہ طور پر پہلے سے واقف تھا، کمرہ کی صفائی وستھرائی اور ہر سامان کو قرینے اور سلیقے سے رکھنے کی کوشش کی تھی، مولانا یہاں پہنچ کر بے حد مسرور ہوئے، میری سلیقہ مندی (جو کچھ بھی تھی) سے خوش ہوکر اپنے خاص شاگرد جناب مولانا ابواللیث صاحب اعظمی سے جو رفیق سفر تھے، فرمایا! دیکھئے مولانا ابواللیث صاحب! کمرہ ایسا ہونا چاہیے۔ حسن انتظام کی تعریف یہ ہے کہ۔ ''کمرہ چھوٹے سے چھوٹا ہو۔ سامان زیادہ سے زیادہ ہو۔ مگر نظر کم سے کم آئے''

میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ کا انتظام اس کے بالکل مصداق ہے۔

حضرت مولانا کی اس پہلی ملاقات کا قلب و دماغ نے جو گہرا اثر لیا تھا بحمد اللہ آج تک اسی طرح قائم ہے۔

حضرت الاستاذ بلاشبہ قدرت کی عطا کردہ حیرت ناک صلاحیتوں کا ایک دلنواز پیکر تھے، نیت کے سچے دھن کے پکے، جدوجہد ان کا مزاج اخلاص ان کا جوہر ذاتی، دماغ اولوالعزمانہ منصوبوں اور اسکیموں کا خزانہ۔ اپنی ہر اسکیم اور ہر منصوبہ میں انتہا پسند، آغاز وانجام میں ان کے نزدیک کچھ زیادہ فاصلہ نہیں رہتا تھا، جس کام کا آغاز کرتے پوری دھوم دھام سے کرتے اور انجام تک پہنچ جانے کا حوصلہ رکھتے، عملی جدوجہد کا کوئی بھی خاکہ بناتے تو اس میں رنگ بھرنے میں پے در پے ناکامیاں بھی ان کا حوصلہ پست نہیں کرسکتی تھیں، ان کو نچلا بیٹھنا آتا ہی نہیں تھا، وہ ایک سیماب صفت انسان تھے، وہ جس طرف رخ کرتے تھے پورے عزم وارادہ اور اپنی فطری توانائیوں کے ساتھ کرتے تھے پھر اس کام کے لیے اپنا پورا وجود وقف کردیتے تھے۔ عربی لغات کی تیاری ہو یا دیگر تصنیفی وتالیفی سرگرمیاں، جدید عربی کے میدان میں طلبہ کو تیار کرنا اور ان کو تربیت دینا ہو یا انقلاب کے بعد دارالعلوم دیوبند میں نئے نظام کو سنبھالنا اور انہیں تقویت دینا قدیم عمارتوں میں جدید پیوندکاری کر کے انہیں خوبصورت بنادینا ہو یا دارالعلوم کے تدریسی نظام کو چاق وچوبند کردینا وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں منھ بولتی شہادتیں ہیں۔

حضرت الاستاذ بلامبالغہ۔ باتوں کے دھنی، اخلاص کے پیکر، حسن اخلاق کے مجسمہ، بڑھاپے میں جوان عزائم کے مالک صدق وصفا کے مرقع جدید عربی صحافت کے امام تھے۔

نفاق عمل اور شرور وفتن سے بھری ہوئی اس دنیا کی جانب انہوں نے ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور یقین کرلیا یہ دنیا دیکھنے کی چیز نہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں ۱۵/اپریل ۱۹۹۵ء میں بند کرلیں۔

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے ❁ مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے (جگر)

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ!

بخاری شریف: ج:۱، و۲، اور ترمذی شریف: ج:۱، کے استاذ

حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (م:۱۴۱۷ھ)

ولادت ۱۰ر(۱۱) جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ جمعہ بمقام گنگوہ، والد صاحب کا نام مولانا حامد حسن ہے، آپ حضرت شیخ الہند کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

حضرت مفتی صاحب نسبی لحاظ سے ایوبیؓ خاندان سے ہیں، یعنی پیغمبر علیہ السلام کے اس مبارک صحابیؓ کی نسل سے ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں پیغمبر علیہ السلام کو اپنی میمون منزل میں ٹھہرانے کا شرف حاصل کیا یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ۔

آپ کی بسم اللہ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: جب میری عمر ڈھائی سال ہوئی تو والد صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے گھر پر میری بسم اللہ کرائی جس کا مجھے اس وقت شعور بھی نہ تھا، البتہ بعد میں جانا کہ یہ میری بسم اللہ خوانی تھی۔

حفظ قرآن آپ نے جناب حافظ کریم بخش صاحب نابینا سے قرآن کریم حفظ کیا، آخر قرآن کی اٹھارہ سطریں جناب حافظ عبدالکریم صاحب سے پوری کیں اور آپ سے دور نکالا، اسی زمانے کا یہ واقعہ ہے کہ گنگوہ میں ہاتھی آیا، سبھی بچے اسے دیکھنے نکل گئے، مگر حضرت مفتی صاحب وہیں بیٹھے پڑھتے رہے، آپ کے استاذ حافظ صاحب نابینا نے معلوم کیا کہ ''محمود تم کیوں نہیں گئے'' جواب دیا کہ میں تو پڑھنے آیا ہوں، ہاتھی دیکھنے نہیں، اس پر حافظ صاحب نے بیحد دعائیں دیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ واقعہ بعینہٖ حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی راوی موطأ امام مالکؒ سے ملتا ہے۔

فارسی کی تعلیم ابتدائی فارسی کی تعلیم آپ کی گنگوہ میں ہوئی، آپ نے مولانا فخر الدین صاحب گنگوہیؒ سے آمدنامہ کے چند اسباق اور بوستاں پڑھی ہے۔آپ کے یہ استاذ مولانا مظہر نانوتوی کے شاگرد تھے۔

آپ نے فارسی کی تعلیم کا سلسلہ جلالین شریف تک رکھا، جلالین شریف کے سال آپ نے ''اخلاق جلالی پڑھی''جس کا اصل نام ''لوامع الاشراق'' ہے۔

عربی کی تعلیم ۱۳۴۱ھ میں میزان الصرف، آپ نے اپنے والد صاحب سے آٹھ ماہ میں پڑھی، فرماتے ہیں کہ اس کے بعد قرآن کریم کا ہر صحیح صیغہ (یعنی جس کے حروف اصلی میں حروف علت نہ ہوں) بآسانی معلوم کرلیا کرتا تھا۔

میبذی اس کتاب کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ''اتنی آسان کتاب کہ اس کو استاذ سے پڑھنے کی کیا ضرورت؟ جب میں مدرسہ میں داخل ہوا تو ستر صفحات میں نے بغیر استاذ کے خود دیکھے اور کہیں نہیں اٹکا، دیکھتا چلا گیا''۔

منطق فرماتے ہیں کہ ''اب کیا منطقی الفاظ بولیں، لوگ منطق جانتے ہی نہیں میں نے درس نظامی میں سترہ کتابیں منطق کی پڑھی ہیں۔

کتب احادیث کی تعلیم آج کل دورۂ حدیث شریف کے نام پر مدارس میں کتب احادیث کی تعلیم کے ساتھ کیا معاملہ ہورہا ہے؟ احادیث کی کتابوں کی خواندگی کا کتنا حق ادا کیا جارہا ہے، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل صحاح ستہ وغیرہ اسباق کتنے مطالعہ سے گذرتے ہیں اور پھر پڑھ کر دوبارہ دیکھنے کی نوبت کتنی آتی ہے؟ -مدارس کے نظام تعلیم پر غور کرنے سے پتہ چل جاتا ہے۔اوقات مدرسہ کے علاوہ بعد مغرب، اور بعد عشاء بارہ بجے شب تک درس، بھلا کب مطالعہ کیا جائے اور کب پڑھا ہوا دیکھا جائے، نظام تعلیم کے کرتا دھرتا اور منتظمین مدارس خواہ کچھ بھی کہیں، یہ انداز تعلیم ایک مذاق محض کے سوا کچھ نہیں۔

۱۳۴۱ھ میں عربی کی آگے کی تعلیم کا مظاہر علوم سہارنپور میں آغاز کیا۔۱۳۴۹ھ

میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر مشکوٰۃ اور ہدایہ وغیرہ پڑھیں۔

حضرت الاستاذ کی ذہانت وذکاوت کے بارے میں کیا کہنے؟ لیکن حضرت اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

”میں خلقۃً ذہن کے اعتبار سے کمزور تھا۔ اسی وجہ سے میں نے دورۂ حدیث شریف تین سال میں مکمل کیا ہے پہلے مسلم شریف اور ابوداؤد شریف، دوسرے سال میں بخاری شریف اور ترمذی شریف دارالعلوم دیوبند ۱۳۵۰ھ میں پڑھیں اور باقی کتب تیسرے سال ۱۳۵۱ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھیں“۔

اب ذرا اس انداز درس پر خود حضرت ہی کا تبصرہ پڑھ لیجئے!

”-دورہ جس شان سے احقر نے پڑھا ہے وہ ناکافی ہے-“اس قدر زیادہ سبق“ میں نہ مطالعہ کی نوبت آتی تھی۔ نہ پڑھ کر دیکھنے کی۔ نیز بہت سے مواقع سمجھ میں بھی نہیں آئے، اس لیے والد صاحب فرماتے ہیں” حدیث جو مقصود بالذات ہے اس کو اس طرح ٹرخا دیا ہے، دوبارہ کسی اور مدرسہ میں پڑھنے کی ضرورت ہے، میں نے عرض کیا دیوبند سے بہتر کہاں ہوگی اور جناب (حضرت مولانا زکریا صاحبؒ) کا نام لے کر کہا کہ ان کی خدمت میں رہنے سے البتہ حدیث کی کچھ ہوا لگ جائے گی۔ یہی میری دلی تمنا بھی ہے کہ ہمیشہ جناب (حضرت شیخ الحدیث مذکور) کی خدمت میں رہوں لیکن جناب سے عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

والد صاحب نے فرمایا، بہت اچھا، اپنا کھانا، اپنا پہننا، پھر حدیث کے لیے سہارنپور رہنا بہت اچھا ہے۔ فالحمد للہ علی ذٰلک۔ (مکتوب بنام حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ ۲۶ رشعبان ۱۳۵۰ھ مطابق ۵ رجنوری ۱۹۳۲ء)

حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوریؒ سے ابن ماجہ، نسائی شریف پڑھی، اور خارج میں رشیدیہ، حصن حصین اور اقلیدس پڑھیں۔

کتابوں کا تکرار حضرت مفتی صاحبؒ نے زمانہ طالب علمی میں شروع سے آخر تک مع دورۂ حدیث کے تمام کتابوں کا تکرار کرایا۔

محنت ومجاہدہ طلب علم میں محنت اور مجاہدہ کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں:

''ہم کمرے میں رہنے والے تین طلبہ رات کو آپس میں طے کر لیتے کہ رات کا ایک تہائی حصہ فلاں جاگے گا اور مطالعہ کرے گا دوسرے تہائی حصہ میں دوسرا لڑکا جاگے اور مطالعہ کرے گا، تیسرے تہائی حصہ میں تیسرا طالب علم مطالعہ کرے گا۔ میں اس میں شرارت کرتا تھا وہ یہ کہ جو تہائی حصہ میرا تھا وہ تو تھا ہی میں دوسروں کے وقت میں بھی مطالعہ کر لیا کرتا تھا''۔

متقدمین کا عکس حضرات متقدمین میں ایک زبردست عالم، ماہر علم قراءت وعلم حدیث میں امام ابوحاتم سہل بن محمد السجستانی (م:۲۵۰ھ یا۲۵۵ھ) کی ایک ایسی ذات نظر آتی ہے جن کا بعینہٖ یہی حال تھا، حضرت مفتی صاحبؒ اپنے زمانہ طالب علمی میں اس کو اپنے ذات میں منعکس کیے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امام ابوحاتم سجستانی مُتَہجِّد اور مستغفر بالاسحار تھے، محقق ابن الجزریؒ، محمد بن اسماعیل الخفاف سے ناقل ہیں:

''ابوحاتم اوران کے والدین نے باہم رات کے تین حصے کر لیے تھے، ایک تہائی میں آپ کے والد قائم اللیل رہتے، دوسرے حصے میں آپ کی والدہ مصروف نماز ہوتیں اور تیسرے حصے میں ابوحاتم قائم اللیل رہتے، جب آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تو ابوحاتم نے اور والدہ نے رات کے دو حصے کر لیے ایک حصہ میں آپ قائم اللیل رہتے اور ایک حصہ میں والدہ، اور جب آپ کی والدہ بھی دنیا سے چل بسیں تو پھر ساری ساری رات ابوحاتم قائم اللیل رہتے'' (اللھم اجعلنا منھم)

بسلسلۂ مجاہدہ حضرت مفتی صاحبؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ایک نصیحت ذکر فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ نے طلبہ سے فرمایا، تم لوگوں کو مطبخ سے دو روٹی ملتی ہے تم دونوں کو کھا جاتے ہو، اتنا نہیں ہوتا کہ ڈیڑھ روٹی پر قناعت کرلو اور آدھی روٹی کسی غریب کو دے دو، اسی طرح، بستر پر سوتے ہو، تکیہ لگاتے ہو، میں جب تک طالب علم رہا کبھی بستر پر نہیں سویا اور نہ تکیہ لگایا بلکہ سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سوتا تھا''۔

ایک اور جھلک حضرت مفتی صاحبؒ کے زمانۂ طالب علمی میں آپ کو خرچ کے لیے کیا ملتا تھا ذرا ایک نظر ادھر بھی ڈال لیجئے فرماتے ہیں:

''طالب علمی کے زمانے میں ہمیں مدرسے سے سات آنے ملا کرتے تھے، یعنی ماہانہ وظیفہ۔ دو آنے حجامت وغیرہ کے لیے، دو آنے صابن کپڑے وغیرہ دھونے کے لیے، دو آنے مطالعہ کتاب کے لیے چراغ کے تیل کے لیے، ایک آنہ قلم دوات کاغذ وغیرہ کے لیے۔

ایک مرتبہ والد صاحب نے بذریعہ خط دریافت کیا کہ اگر تمہیں پیسوں کی ضرورت ہو تو لکھو میں بھیج دوں، میرے پاس خرچ کے لیے اس وقت صرف دو پیسے رہ گئے اور اسی روز کارڈ دو پیسے کا ہوا تھا، اس سے پہلے ایک پیسے کا ملتا تھا، میں نے وہی دو پیسے کارڈ میں خرچ کر دیے، اور اس پر ابا جان کو لکھ کر بھیج دیا کہ الحمد اللہ مجھے پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔

تدریس فراغت و تکمیل تعلیم کے بعد علماء ربانیین کی طرح تدریس کا آغاز فرمایا اور ۱۳۵۱ھ میں آپ بحیثیت معین مدرس اور معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے تدریس شروع کی۔ اس وقت آپ کی تنخواہ دس روپے ماہانہ تھی۔

جیسا کہ اوپر گذرا حضرت الاستاذ نے زمانہ طالب علمی میں شروع سے آخر تک تمام ہی کتابوں کا تکرار کرایا تھا مگر آغاز تدریس میں سب سے پہلے میزان پڑھائی۔

۱۳۵۴ھ میں نائب مفتی بنائے گئے، ۱۳۶۱ھ میں حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی خواہش پر مدرسہ انور یہ مسجد کمپنی باغ لدھیانہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۷۲ھ میں مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تشریف لے گئے، اور یہاں ہدایہ وغیرہ کا درس دیا۔

جامع العلوم کانپور میں

۱۳۷۳ھ میں آپ مدرسہ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے، یہاں آپ کا قیام تقریباً بارہ سال رہا یہاں آپ نے ۱۳۷۵ھ میں بحیثیت شیخ الحدیث بخاری شریف کا پہلی بار درس دیا۔

اضلاع پورب میں دعوتی خدمات

کانپور کے زمانۂ قیام سے مشرقی یوپی میں دعوتی واصلاحی سلسلے میں آپ کی زریں خدمات کا سلسلہ شروع ہوا، آپ کے مواعظ حسنہ سے مشرقی یوپی کے اہل طلب خوب محظوظ ہوئے۔

بڑے اہم اور کامیاب مناظرے بھی آپ نے کیے، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے جلسۂ سالانہ کا وہ مناظرہ تو ناقابل فراموش ہے جس میں آپ بعد نماز عشاء سے قبیل فجر تک ردّ مودودیت پر زبردست تقریر فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی یہ تقریر مودودیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔

راقم الحروف نے سب سے پہلے آپ کی اسی موقع پر زیارت کی، سرخ وسفید نہایت خوبصورت اور وجیہ چہرہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری وجاہت اور خوبصورتی عطا کی تھی، راقم الحروف جلسوں میں حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہاں پوریؒ کے ہمراہ اور کبھی مولانا ضمیر احمد صاحب اعظمی مرحوم کے ہمراہ جایا کرتا تھا اس طرح حضرت مفتی صاحب کی قریب سے زیارت کے خوب خوب مواقع ملتے تھے، مواعظ کے ساتھ مجلسوں میں آپ کی ظرافت طبع، خوش مزاجی، اور گل افشانی گفتار سے محظوظ ہونے کے بڑے مواقع نصیب ہوئے، آپ جس مجلس میں ہوتے اسے اپنی

خوش طبعی سے زعفران زار بنائے رہتے۔

دارالعلوم دیوبند میں

کانپور کے بعد آپ ۱۳۸۵ھ میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ اپنی مرضی سے تشریف نہیں لائے بلکہ اپنے اساتذہ، اکابر اور خاص طور پر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے حکم کی تعمیل میں آئے، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے ایک گفتگو یہاں نقل کر دینی مناسب ہوگی: فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میں دیوبند گیا تو حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کی خدمت میں بھی گیا وہ مجھ پر ناراض ہوئے اور فرمایا'' تم آتے کیوں نہیں؟ یہاں تم کو (مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں) بلایا جارہا ہے اور تم نہیں آتے، مادرِ علمی کو فراموش کر دیا؟''

میں نے عرض کیا کہ'' مجھے سخت افسوس ہوا اس لیے کہ میں نہیں سمجھتا تھا، اس کے اساتذہ شاندار اور اکابر تھے، اب ہم یہاں تک پہنچ گئے کہ مجھے افتاء کے لیے طلب کیا جارہا ہے (یہ کیا انصاف ہے؟'') تو فرمانے لگے: ''اس کو تم کیا جانو اس کو وہ جانیں جنہوں نے تم کو طلب کیا ہے''۔

دارالعلوم میں درسِ بخاری جلد دوم

۱۳۷۷ھ سے دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جلد دوم کا درس آپ کے ذمہ ہوا۔

محدث جلیل حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ نے اپنی خرابیٔ صحت کی وجہ سے بخاری شریف کی دوسری جلد کا درس حضرت مفتی صاحبؒ کو سونپ دیا تھا۔

اس وقت طلبہ کے ذہن ودماغ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے علمی تبحر کے ساتھ گل افشانی گفتار اور درس حدیث کی جامعیت اور ہر ہر حدیث پر بالاستقلال مفصل کلام کا ایسا سحر تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی ایجاز بیانی دارالعلوم دیوبند کے انداز درس سے میل نہیں کھاتی تھی لیکن خاص خاص مسائل اور موضوعات پر حضرت

مفتی صاحبؒ کی تحقیق انیق جب سامنے آتی تو ان کی سطح شروح وحواشی پر انحصار کرنے والے عام ارباب تدریس سے بہت بلند نظر آتی تھی۔

بخاری شریف: ج:۱، و۲ وترمذی شریف، ج:۱ | ۱۳۹۶ھ ۱۳۹۷ھ کے تعلیمی سال

میں راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف پڑھا حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ مسند شیخ الحدیث پر فائز کیے گئے تھے۔ آپ کے پاس بخاری شریف ج:۱، وترمذی شریف :۱، کا درس تھا، حضرت مولانا شریف الحسن صاحبؒ کا وصال اسی سال جمادی الثانیہ ۱۳۹۷ھ میں ہوگیا، اس سال حضرت مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحب سے فرمایا کہ مولانا کے انتقال کے باعث مجلس تعلیمی نے بخاری شریف پڑھانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ جس روز سے میں نے پڑھانا شروع کیا ہے اس وقت سے آج تک برابر نہیں سوسکا ہوں بعد مغرب سے ۱۱ ربجے رات تک مطالعہ کرتا ہوں، مشورہ ہوا اور بالاتفاق آپ کو سب نے منظور کیا ہے، حضرت مفتی صاحب کے مسلسل معذرت اور عذر کے باوجود باصرار یہ درس آپ کے سپرد ہوا۔

جلد ثانی بخاری کی تو آپ کے ذمہ پہلے سے تھی ہی، جلد اوّل اور ترمذی جلد اوّل کے بقیہ اسباق ختم تک اور ساتھ ہی ایک خاصہ حصہ نسائی شریف کا بھی ہم لوگوں نے آپ سے پڑھا، اور کہا جاسکتا ہے کہ اس سال دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی صاحبؒ سے درس حدیث میں استفادہ ہماری جماعت نے سب سے زیادہ کیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

جامع العلوم

حضرت الاستاذؒ! فقہ، حدیث، تفسیر علم کلام، اصول فقہ، تصوف، علم مناظرہ، جرح وتعدیل اور دیگر بہت سے علوم وفنون کے نہ صرف ایک ماہر اور دقیقہ رس عالم تھے بلکہ آپ کی حیثیت ایک

مشترک انسائیکلو پیڈیا اور چلتے پھرتے کتب خانہ کی تھی، قدرت نے آپ کو امتیازی قوت حافظہ سے نوازا تھا ذہانت اور حاضر دماغی اس پایہ کی تھی کہ آپ عبقری وقت تھے، درسی علوم میں مہارت کے ساتھ تاریخ وسیرت اور اکابر واسلاف کے حالات وواقعات پر بھی بڑی وسیع نظر تھی۔

ذہانت وذکاوت

آپ کی ذہانت اور حاضر دماغی کا کمال یہ تھا کہ کوئی نہ تو انہیں باتوں میں الجھا سکتا تھا اور نہ دھوکہ دے سکتا تھا، بات کی تہ تک بہت سرعت سے پہنچتے اور برق رفتاری کے ساتھ مسئلہ کا جواب ذہن میں آجاتا تھا۔ فرق باطلہ کے ساتھ بحث ومناظرہ میں تو اور بھی ذہانت وطباعی عروج پر ہوتی اور مخاطب کو منٹوں میں لاجواب کردیتے تھے، آپ بڑے ہی حاضر العلم تھے۔

ہر فن مولیٰ

لوگ عام طور پر آپ کو ایک عظیم مفتی کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن یہ محض آپ کے کمال کا ایک رخ تھا ورنہ حقیقتاً آپ ہر فن مولیٰ اور وقت کے زبردست علامہ تھے۔

فتویٰ نویسی

افتاء اور فتویٰ نویسی میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا، آپ کے فتاوے نہایت مختصر مگر جامع ہوا کرتے تھے، ہر بات ایسے قیود وشرائط کے ساتھ ہوتی کہ کہیں کسی کو انگلی رکھنے کی نہ تو گنجائش ہوتی اور نہ ہی فتاوے کے الفاظ سے کوئی غلط فائدہ اٹھا سکتا۔

فکر وعقیدت

حضرت الاستاذ قدیم طرز کے علماء میں سے تھے، حنفیت کے سلسلے میں متصلب تھے اور فکر وعقیدت میں بھی کسی طرح کی گمراہی یا بے راہ روی ناقابل برداشت تھی، فتویٰ کی دنیا میں حضرت مجدد الف ثانی کے ہم زبان ہوکر فرماتے تھے، کہ مجھے "نص" کے مقابلہ میں "فص" (شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم) کی ضرورت نہیں ہے اور فتوحات مدنیہ (ارشادات آقائے مدینہ) نے ہمیں فتوحات مکیہ (شیخ عربی کی مشہور کتاب) سے مستغنی کردیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی

ان سب حضرات کے علوم پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔

حضرت مفتی صاحب کے کمال علم کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ فتویٰ کی شرعی اور ٹکسالی تعبیر، اور مغلوب الحال بزرگوں کے کراماتی واقعات اور ذوقیات کے الگ الگ حدود سے اچھی طرح واقف تھے، اور کبھی ذوقیات کی وجہ سے شرعی ضوابط کو پامال نہیں ہونے دیتے تھے، مغلوبیت کی حالت میں نکلے ہوئے کلمات کی توجیہ بھی خوب جانتے تھے، فرماتے تھے، ''کلام العشاق یطوی ولا یروی'' یعنی (مغلوب الحال) عاشقوں کے کلام لپیٹ کر رکھ دینے کے لیے ہیں وہ ترویج واشاعت کے لیے نہیں ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی صحبت صرف فتویٰ نویسی کی مشق میں ہی مفید نہیں تھی بلکہ وہاں یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ امام ابن تیمیہؒ کا صحیح علمی مقام کیا ہے؟ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم میں نقل شدہ احادیث کا فنی وزن کیا ہے؟ اور حافظ عراقیؒ نے اپنی تخریج سے علمی دنیا پر کیا احسان کیا ہے؟ اور شیخ ابن عربی کون تھے؟ بلاشبہ نازک سے نازک مسائل میں آپ سے زیادہ دقیقہ رس اور صحیح الفہم عالم نہیں دیکھا گیا۔

آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت تھانویؒ، اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے افادات ونوادر کو مکمل طور پر ہضم کیے ہوئے تھے۔

آپ اگر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے ممتاز خلیفہ تھے تو آپ کے شاگردوں میں حضرت مولانا ہردوئی صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ، اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جیسے اکابر علم وفضل اور ارباب مسند زہد وتقویٰ بھی ہیں۔

ظاہری وجاہت وحسن

حضرت الاستاذؒ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری وجاہت اور خوبصورتی بھی عطا کی تھی، چنانچہ حلقۂ دارالعلوم ——، شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کا اجتماع حدیث وحکمت وفقہ کے ساتھ نورانی شکلوں کی وجہ سے بھی بقعۂ نور نظر آتا ہے۔

درکفِ جامِ شریعت

بلاشبہ حضرت الاستاذ صاحب علم وفضل، ذکر وانابت، تقویٰ وطہارت کے ساتھ ذہانت وذکاوت خوش طبعی اور فقاہت کی بھی ایک کائنات اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ☆ ان یجمع العالم فی واحدا

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت الاستاذؒ کی شان یہ تھی کہ ؎

درکف جام شریعت درکف سندانِ عشق ☆ ہر ہوسناکے نہ داند جام وسنداں باختن

وفاتِ حسرت آیات

فقہ وفتاویٰ کی بزم کا صدر نشیں، علوم شرعیہ کا مایۂ ناز محقق، فقہ وحدیث کا رمز شناس، تصوف وعلم کلام کا ماہر، مناظرہ میں یکتا، علم وعمل کا پیکر اور تزکیۂ باطن اور رشد وہدایت کا نشان سرزمین افریقہ میں ۱۹؍ربیع الثانی منگل کی شب ساڑھے دس بجے بعمر ۹۲ رسال ۱۴۱۷ھ روپوش ہوگیا، اور برصغیر اس آفتاب کی علمی واصلاحی کرنوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔

فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ واسکنہ فسیح جنانہ۔

(النور کشمیر: مولانا بدرالحسن صاحب مقیم کویت کے مضمون سے ملخص)

❁ ❁ ❁

سراجی کے استاذ

حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ

ولادت: ۱۳۲۸ھ وفات: ۱۴۲۰ھ

ولادت حضرت مفتی صاحب کی ولادت موضع اوندرا ضلع مئو (سابق ضلع اعظم گڑھ میں ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ میں ہوئی۔

آپ کا تاریخی نام ''حفظ الرحمٰن'' ہے،

مناقب الاولیاء'' میں اپنا سلسلہ اوپر تک بیان کیا ہے آپ کے والد صاحب شیخ محمد رفیع کی وفات ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ میں ہوئی اس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر چودہ سال تھی، اس کم سنی میں آپ کی تعلیم والدہ ماجدہ کے زیر نگرانی جاری رہی۔

تعلیم آپ نے انجمن اسلامیہ گورکھپور میں اپنے ماموں کے پاس رہ کر ناظرہ قرآن کریم مکمل کیا۔ ۱۳۴۲ھ میں آپ نے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں اپنی خالہ کے پاس رہتے ہوئے درجہ فارسی میں داخلہ لیا۔ دو سال میں یہاں آپ نے فارسی کا نصاب مکمل کر کے عربی تعلیم کا آغاز کیا۔

مبارک پور میں آپ نے مولانا نعمت اللہ صاحب اور مولانا شکر اللہ صاحب سے خصوصی استفادہ کیا، یہاں دوران تعلیم میں مصلح الامت حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ مدرس ہوکر تشریف لائے، یہاں آپ سے حضرت مفتی صاحب کا اوّلاً شاگردی کا اور پھر بیعت وتربیت کا تعلق پیدا ہوا۔

اسی دوران آپ اپنے رشتہ کے ایک بڑے بھائی محمد ذکی کی خواہش پر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف پہنچ گئے، یہاں تین سال رہ کر بہار بورڈ کے بعض عربی کے امتحانات دیے جس میں پورے بہار میں اوّل آئے، بہار سے واپس آکر آپ نے مدرسہ فتح پوری دہلی کا رخ کیا، یہاں ایک نمایاں طالب علم رہے۔

قیام دہلی کے دوران علماء ہند کے انگریزوں کے خلاف موقف سے متاثر ہو کر آپ انگریزوں کے خلاف اپنے تاریخی نام (حفظ الرحمٰن) سے مضامین لکھتے رہے۔ گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری ہوا، رہائش گاہیں تبدیل کرتے رہے لیکن بالآخر قیام دہلی میں جب مشکل ہوگیا تو پھر دیوبند آگئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ جنگ آزادی میں اپنی قلمی شرکت اور جدوجہد کا تذکرہ کم ہی کرتے تھے، جب کہ آزادی کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کتنے ہی لوگ خون لگا کر شہیدوں میں شریک ہوگئے، اور حکومت سے بہت سی مراعات حاصل کیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے کبار مشائخ اہل علم سے کسب فیض کیا، اپنے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے۔ آپ کے نمایاں رفقاء درس میں حضرت الاستاذ مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے آپ نے ۱۳۵۲ھ میں فراغت حاصل کی۔

تدریس

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۹۳۲ء میں اوّلاً آپ مدرسہ جامع العلوم جین پور ضلع اعظم گڑھ سے تدریس کا آغاز کیا، آپ نے یہاں پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد مدرسہ جامع العلوم شہر گورکھپور محلہ دھمال میں تین سال رہے۔

دارالعلوم مئو میں

اس کے بعد اپنے مرشد حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ کے حکم پر دارالعلوم مئو بحیثیت مدرس و مفتی تشریف لے گئے۔ آپنے یہاں تقریباً پچیس سال تک یہ دونوں اہم خدمات نہایت وقار کیساتھ انجام دیں۔

دارالعلوم دیوبند میں

دارالعلوم دیوبند میں افتاء کے منصب کے لیے ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کی نظر آپ پر پڑی، ذمہ داران نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے آپ کے لیے رابطہ قائم کیا۔

آپ دیو بند دارالعلوم میں رجب ۱۳۸۵ھ میں اپنے شیخ کے حکم سے تشریف لائے، آپ کے ذمہ یہاں بعض کتابوں کی تدریس بھی رہی مثلاً سراجی وغیرہ۔

آپ دارالعلوم دیو بند کے شعبہ افتاء سے تاحیات منسلک رہے اور حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے وصال کے بعد آپ شعبہ کے صدر بھی رہے۔ آپ قریباً پینتیس سال تک یہاں کے دارالافتاء سے منسلک رہے، آپ نے اپنے قلم سے جو علمی سرمایہ چھوڑا وہ بڑی تقطیع کی بیس جلدوں سے متجاوز ہے۔

تالیفات آپ نے متعدد تالیفات مطبوع وغیر مطبوع چھوڑی ہیں۔(۱) منتخبات نظام الفتاویٰ ۳ر جلدیں (۲) فتاویٰ اونڈر ویہ۔ مطبوعہ ایک جلد (۳) سراج الوارثین شرح سراجی (۴) اقسام الحدیث فی اصول التحدیث (عربی) (۵) اصول حدیث (اردو) (٦) آسان علم صرف ۲ر حصے، (۷) آسان علم نحو ۲ر حصے (۸) انوار السنۃ لرواد الجنۃ (عربی) معروف بہ فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان ۳ر جلدیں۔ یہ کتاب دراصل شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ہے اسے حضرت مفتی صاحب نے ایڈٹ کر کے شائع فرمایا تھا۔

آپ کا حلیہ حضرت الاستاذ مفتی صاحبؒ، خوب رو، متوسط قد، بارعب، وجیہ شخصیت کے حامل تھے، رنگ صاف گلابی مائل تھا، ڈاڑھی بھرپور اور خوبصورت تھی، چہرہ پرنور تھا۔ سادگی کے مرقع، پوری زندگی صاف اور بے داغ، سلف صالح کی سیرت کا نمونہ تھے۔

انتقال: ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ بروز شنبہ شب میں تقریباً دس بجے دیو بند میں آپ نے انتقال کیا دوسرے روز ۱۰ر بجے صبح تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ (ماخوذ مضمون از مولانا وقار عظیم ندوی)

مسلم شریف: جلد:۲ کے استاذ

جناب مولانا نصیر احمد خان صاحب بلندشہری

پیدائش | ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو ضلع بلندشہر کے موضع بسی میں پیدا ہوئے، آپ مولانا بشیر احمد خان صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔

تعلیم | حفظ قرآن مجید کے بعد فارسی و عربی کی جملہ درسیات شروع سے آخر تک ضلع بلندشہر کے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں پڑھیں۔

۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لے کر کامیابی حاصل کی ۱۳۶۳ھ میں فنون اور تجوید قراءت سبعہ وعشرہ کی تکمیل کی،

فراغت وتدریس | تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۶۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔

نیابت اہتمام | ۱۳۹۱ھ میں تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ کو نیابت اہتمام کا منصب تفویض کیا گیا۔

درس بخاری شریف | شوال ۱۳۹۷ھ دارالعلوم کے مسند شیخ الحدیث پر فائز کیے گئے مولانا موصوف کا درس عام طور پر پسند کیا جاتا ہے، درسی تقریر عام فہم اور مربوط ہوتی ہے۔

رسالۂ فتحیہ | آپ کو فن ہیئت میں بھی درک حاصل ہے، رسالہ فتحیہ جو فن ہیئت پر ہے، اس پر اپنے حاشیہ لکھا ہے۔

مزاج وطبیعت | آپ کی طبیعت میں سادگی، تواضع وانکسار ہے۔ عام طور پر جلسے جلوس سے پرہیز ہے، جلسوں کے آدمی نہیں ہیں،

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج:۲، ص:۲۳۰)

بیضاوی شریف اور ابوداؤد شریف: ج:۲ کے استاذ

الشیخ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب مدظلہ

ولادت: ۱۲/۷/۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء چہار شنبہ، بوقت صبح صادق آپ کی ولادت ہوئی، "تنویر عثمانی" سے آپ کی تاریخ پیدائش برآمد ہوتی ہے۔

بچپن: مولانا کا بچپن کھیل کود اور تفریحی رنگینیوں، شوخیوں اور دل چسپیوں سے یک سر سادہ گذرا ہے۔

تعلیم وفراغت تقریباً ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے درجۂ قرآن پاک میں داخل کیے گئے، پھر ۲/۱۲/۱۳۵۰ھ کو درجہ فارسی وریاضی نیز درجۂ تجوید وقرآت میں جب کہ ۲۷/۱۰/۱۳۵۵ھ میں درجۂ فارسی وریاضی سے اور ۲/۸/۱۳۶۳ھ میں درجۂ عربی وتجوید سے فراغت حاصل کی، اس دوران میں خوش نویسی بخط نسخ ونستعلیق کی تکمیل کی اور کچھ طب کی بھی کتابیں پڑھیں۔

آپ کے بزرگ اساتذہ ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل ہوئی، آپ کے بڑے اساتذہ میں درج ذیل شخصیات ہیں، اس سال شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ آزادی کی لڑائی میں جیل میں تھے، اس لئے بخاری وترمذی بجائے حضرت مدنی کے دیگر حضرت کے پاس پڑھی، چنانچہ ترمذی شریف کا ابتدائی حصہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی تلمیذ حضرت مولانا نانوتویؒ سے پڑھی، اسی طرح بخاری شریف کا ابتدائی حصہ اور درس القرآن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے اور پھر مکمل بخاری شریف مولانا سید فخر الدین احمد صاحب سے اور ترمذی شریف مولانا اعزاز علی صاحب سے مع دیگر کتب، مسلم شریف کے کچھ حصہ کی سماعت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی سے اور ابوداؤد شریف مولانا محمد ادریس

کاندھلویؒ وغیرہ سے اسی طرح مولانا بشیر احمد صاحب گلاوٹھی سے مسلم شریف، موطاامام محمد وغیرہ مولانا عبدالخالق صاحب ملتانی سے موطا امام مالک، مولانا عبدالشکور صاحب سے شمائل ترمذی اور نسائی، مولانا عبدالحق صاحب سرحدی سے طحاوی شریف اور ابن ماجہ شریف، مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے تجوید کی کتب، جمال القرآن، فوائدمکیہ، تحفۃ الاطفال، خلاصۃ البیان، مقدمہ الجزری، اور کتب قرآت میں: شاطبیہ، رائیہ، طیبۃ النشر، مع اجراء سبعہ۔

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی تمام درسی کتابوں کے نمبرات پر نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ آپ نے پڑھائی میں نہایت جاں فشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اور یہ کہ ذکاوت وذہانت کے ساتھ تعلیمی یک سوئی کے فارمولے کو بدرجہ اتم اختیار فرمایا ہے، آپ کے نمبرات میں بھی پچاس، اکیاون حتی کہ چون تک ہندسوں کے روح پرور نظارے نگاہوں کو سامان نور فراہم کرتے ہیں۔

ایک امتیازی شرف

ذیل کی عبارت بلاشبہ باعث شرف ہے:
قرآن پاک سالانہ امتحان علاوہ دیگر حضرات کے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی نے بھی لیا ہے، اسی طرح قراءت کا امتحان المقری عبداللہ صاحب مرادآبادیؒ تلمیذ حضرت المقری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ وعلامہ عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ اور قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ تلمیذ الشیخ عبدالرحمٰن بن محمد بشیر خان مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے لیا ہے۔ اسی طرح شیخ القراء حضرت المقری ضیاء الدین صاحب المذکور، اور قاری عبدالمالک صاحب سہارنپوریؒ کے سامنے دارالعلوم دیوبند میں ان کی تشریف آوری کے موقعہ پر آپ کے استاذ قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے آپ کی قراءت سنوائی اور مختلف لہجوں کے ساتھ آپ کے استاذ مشہور نعتیہ اشعار حجازی لے میں پڑھائی اور یاد کرائی تھی۔

الصبح بدا من طلعتہ والیل دجیٰ من وفرتہ (مکمل)

سندات فارسی اور ریاضی سے لے کر تجوید وقراءت سبعہ وعشرہ وغیرہ اور دارالعلوم سے فراغت کے بعد دی جانے والی عالمیت کی سند اور اس کے ساتھ بعض خصوصی سندیں دیکھنے کے بعد تمام علوم وفنون میں آپ کے جید الاستعداد ہونے کا شاندار ثبوت ملتا ہے۔

آغاز تدریس دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس کا آغاز ۹/۳/۶۳ ۱۳ھ کو مدرسہ فیضان القرآن بنجاران سہارنپور سے کیا، آپ کو یہاں مدرسہ کی نظامت سپرد کی گئی، مگر اصلاً آپ کا مزاج تدریسی تھا، اس لیے ۱۳۶۴ھ کی ابتداء میں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی بھاولپور میں صدر مدرسی کے منصب پر تقرر ہوا، آپ نے یہاں بیضاوی، مشکوٰۃ، ہدایہ آخرین وغیرہ معیاری کتابیں پڑھائیں، پھر تقسیم ملک کے بعد نتیجہ میں آپ دیوبند واپس آنے کے بعد دوبار بھاولپور نہ جاسکے اور ۱۱/۶/۲۲ ۲۲ھ ۹/۲۲/۱۹۴۷ء دارالعلوم دیوبند نے عربی تدریس کے لیے قبول کرلیا اور حضرت الاستاذ کے الفاظ میں "اس طرح قطرہ پھر اسی سمندر میں آملا جہاں سے ٹپکا تھا" ۱۱/۲/۷۴ھ کو آپ نے درجۂ وسطیٰ ب میں ترقی کی، پھر ۸۷ھ میں آپ وسطیٰ الف میں پہونچے، ۷۳/۳ھ سے ۸۷ھ تک دارالاقامہ کا نظم بھی آپ سے متعلق رہا۔ ذیل میں آپ کے مزاج، طبیعت اور علمی انہماک ویکسوئی سے متعلق صرف ایک تحریر حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کی پیش کی جاتی ہے جو ساری تائیدی تحریروں پر بھاری ہے۔

حامداً ومصلیاً ومسلماً! عزیز مکرم جناب مولوی قاری حافظ نعیم صاحب دیوبندی خلف الصدق جناب مولوی حکیم محمد منعم صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ میں سے چند ہیں اور ان معدودے چند طلبہ میں سے ہیں جنھوں نے از ابتداء تا انتہا تعلیم کا پورا زمانہ دارالعلوم دیوبند ہی میں صرف کیا ہے۔ ان کا زمانہ طالب علمی کامیاب زمانہ رہا۔ اپنے اقران اور معاصرین کے اعتبار سے ان کی جگہ صف اوّل

میں رہی، جہاں تک مجھے یاد ہے کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوئے، بلکہ ممتاز درجہ کی کامیابی ہر امتحان میں حاصل کرتے رہے۔ اخلاق کے اعتبار سے خصوصی امتیاز حاصل تھا، دارالعلوم پر مختلف ادوار گذرے، مگران کوان کے انہماک فی طلب علم نے کسی دوسرے شغل میں مشغول ہونے کی اجازت نہ دی۔اس کے بعد تدریس میں ہر جگہ اور ہر طرح کامیاب اور نیک نام رہے۔اب دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، دعاگو ہوں کہ جس طرح اس سے قبل نیک نام رہے ہیں خدا کرے کہ یہاں بھی علمی درجات کے ذروۂ علیا کے اہل ثابت ہوں۔ آمین۔

(حضرت مولانا) محمد اعزاز علی (صاحب)

۳؍ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ

اندازِ تدریس ماقلّ ودلّ

یہ حقیقت ہے کہ ہر استاذ کسی اعتبار سے اپنے طلبہ کو کسی نہ کسی درجہ میں متاثر کرتا ہے، یہ آج سے ربع صدی پہلے کا واقعہ ہے مگر دور حاضر میں اگر یہ حقیقت واقعی عنقاء بن رہی ہے تو یہ مدارس کی انتظامیہ کا سراسر قصور اور مجرمانہ کوتاہی ہے، اب تو شاید و باید کوئی استاذ طالب علم کو متاثر کر پاتا ہے۔

(۱) آپ کی درسی تقریر ''خیر الکلام ماقلّ ودلّ'' کا حقیقی مصداق ہوتی ہے، کتاب کی عبارت اور اس کی ضروری تشریحات کے بیان میں حیرت انگیز طور پر حاوی رہتے ہیں، نہ کسی جزء کی تشریح میں ادنی درجہ کی تشنگی اور نہ موضوع سے متعلق گفتگو سے ادنی انحراف، ذہین اور متوجہ طلبہ سبق کے اختتام پر سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہنے پر مجبور۔

(۲) اپنے ہوش کے زمانہ سے احقر حضرت مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ کے بارے میں آپ کے تلامذہ کی زبانی برابر سنتا آرہا ہے کہ آپ وقت کے بے حد پابند تھے، ادھر گھنٹہ بجا ادھر آپ کا قدم درسگاہ میں ہوتا، مگر آج حضرت شیخ الادب کے تلامذہ اور آپ کے نام لیواجوان کی اس خوبی اور خصوصیت کو بیان کرتے

نہیں جھکتے یہ کیسا عجوبہ ہے کہ یہی تلامذہ اس خوبی سے دور نظر آتے ہیں، آج یہی نام لیوا اوقات مدرسہ کی پابندی سے اس قدر عاری نظر آتے ہیں، جیسے شیخ الادب کی مذکورہ خوبی۔ بلکہ مدرسہ اور طلبہ کے حق میں نہایت ضروری عمل۔ اپنانے اور عمل میں لانے کے لائق نہیں، آج استاذ وقت کی پابندی کو ایک لغو کام اور غیر ضروری عمل سمجھنے لگے ہیں، کیا حضرت شیخ الادب کی یہ خوبی اور اس کا ذکر محض گرمی مجلس کے لیے رہ گیا ہے؟ اس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں؟ صد حیف!

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ مدارس دینیہ میں اساتذہ کو تعلیم پر جو تنخواہ دی جاتی ہے وہ جس وقت کی دی جاتی ہے، لہٰذا معلم کے لیے اس کے مکمل اوقات کی پابندی منٹوں اور سکنڈوں کے اعتبار سے نہایت ضروری ہے۔ واضح رہے کہ اس کا سیدھا تعلق دیانت اور تدین سے ہے۔ ذرا سوچ! اگر وقت کی پابندی نہ کی گئی اور تاخیر سے آئے گئے تو اس تاخیر کے بقدر تنخواہ لینی کس طرح جائز ہوگی؟ آج مدارس دینیہ میں اس کی طرف سے بڑی کوتاہی نظر آتی ہے، پندرہ منٹ، بیس منٹ، حتیٰ کہ آدھا گھنٹہ، پون گھنٹہ تک تاخیر سے آنا ایسا معمول بنتا جارہا ہے کہ اس سلسلے میں توجہ دہانی اور کہنے سننے کا کچھ بھی اثر نہیں ہورہا ہے بلکہ حد یہ ہے کہ یہاں تک سنا جاتا ہے کہ تاخیر سے آنا بڑا مدرس ہونے کی علامت سمجھ لیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ اگر کسی جماعت میں ایک سو لڑکے ہیں اور استاذ پندرہ منٹ تاخیر سے آتا ہے تو یہ صرف پندرہ منٹ کی بات نہیں ہے بلکہ یہ سمجھئے کہ آپ کی اس تاخیر سے ایک سو طلبہ کے پندرہ منٹ ضائع ہوئے۔

استاذ کی تاخیر کو دیکھ کر طلبہ تاخیر سے آنے کے عادی ہوجاتے ہیں، اب گفت وشنید کے بعد استاذ کہتے ہیں کہ طلبہ موجود نہیں ہوتے، طلبہ سے کہا جاتا ہے کہ صحیح وقت پر درسگاہ میں کیوں حاضر نہیں ہوتے؟ تو طلبہ کا جواب ہے کہ استاذ موجود نہیں تو کس لیے بروقت پہنچیں؟ استاذ کی غیر موجودگی میں لڑکے درسگاہ میں طرح طرح کی

شرارتیں کرتے ہیں، اب کسے بروقت یہ سوچنا چاہیے، یہ ظاہر ہے کہ استاذ اگر وقت کی پابندی کرے گا تو غیر موجود طلبہ کو آئندہ کے لیے سرزنش اور پابندی کی تاکید کر سکے گا۔ بڑے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حقیقتاً بد دیانتی ہے اور مدرسہ وطلبہ کی کھلی ہوئی حق تلفی۔

راقم الحروف اور حضرت الاستاذ سے تلمذہ کا شرف رکھنے والے اور آج بھی آپ کو دیکھنے والے حضرات بچشم خود یہ عنقائی وصف دیکھ رہے ہیں کہ آپ وقت کے کس قدر پابند ہیں اور اس وصف میں معروف ومشہور ہیں۔ کاش ہم منتسبین کو اس وصف سے کچھ نصیب ہو جائے۔

اور ظاہر ہے کہ جب وقت کی پابندی کے ساتھ کتاب کا مکمل حق ادا کرتے ہوئے "ما قل ودل" کلام اور تقریر ہوگی تو کتاب اپنے ٹھیک وقت پر ختم ہوگی.. حضرت الاستاذ کا سبق شروع ہو کر جب تک ختم کتاب تک نہ پہنچ جائے کیا مجال کہ درمیان میں کوئی سفر اور کوئی چھٹی ہو جائے، اسفار ہوتے ہیں تو کتابیں ختم کرانے کے بعد ہی۔ آج کل کے اساتذہ کی طرح آپ نہیں ہیں کہ اثنائے تعلیم میں چھوٹے بڑے اسفار بھی ہوتے رہتے ہیں خواہ اس سے درس کا تسلسل اور اسباق سے مناسبت کیوں نہ متاثر ہوتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مدظلہ کو اسفار کے مرض سے محفوظ فرمایا ہے۔

(۳) حضرت مولانا فضول مجلس آرائی اور ادھر ادھر کی باتوں سے ابتداء ہی سے دور رہے، چنانچہ آپ نہایت خوش اوقات ہیں بالکل علامہ شاطبی کے اس شعر کے مصداق ۔

وعش سالما صدرا وعن غيبة فغب
تحضر حضار القدس انقى مغسلاً

ترجمہ: اور تم زندگی گذار دینے کو خرابی (بغض وکینہ) سے محفوظ رکھ کر، اور غیبت سے الگ تھلگ ہو جاؤ تا کہ تم حظیرۃ القدس (جنت) میں خوب پاک وصاف

دھلے ہوئے لے جائے جاؤ۔

آج کل کی مجالس کا کیا حال ہے؟ اس بارے میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، اور مجلس آرائیوں کے مصائب بالکل جگ ظاہر ہیں۔ حضرت الاستاذ کو کم آمیز تو کہا جاسکتا ہے (اور احقر تو فی زماننا بطور خاص اسے ضروری سمجھتا ہے، کچھ عافیت ہے تو اسی میں ہے) لیکن خشک ہرگز نہیں۔ کاش آج کا مدرس ان اوصاف ثلثہ کی کرشمہ سازیوں کو سمجھ لے، اور پھر اس کی برکات کا مشاہدہ کرے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کا حامل بنائے۔ آمین!

تالیفی خدمات حالات وضرورت کے پیش نظر مختلف جرائد ورسائل میں مسلسل اور غیر مسلسل مضامین کی اشاعت ہوتی رہتی ہے، اسی کے ساتھ رمضان ۱۳۶۸ھ میں ''تذکرۃ الحفاظ'' لکھی، اور شعبان ۱۳۸۱ھ میں ''سلاسل حافظیہ'' کی تالیف واشاعت ہوئی، اسی طرح ''کمالین شرح جلالین'' ۱۳۸۲ھ میں ''نور الہدایہ شرح ہدایہ'' کے کچھ حصہ کی تالیف ہوئی اور ''لطائف الانوار من اقتباس کاشف الاسرار'' کی تالیف واشاعت ہوئی۔

مذکورہ تالیفات میں آپ کی مستقل تالیف ''تذکرۃ الحفاظ'' جو آپ کے جد امجد حضرت حافظ لطافت علی قدس سرہ کی سوانح حیات ہے، بڑے سائز میں ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز میں حرف اولین کے تحت اگرچہ حضرت الاستاذ یہ ارقام فرماتے ہیں کہ۔

''سوانح نگار بالکل مبتدی ہے، جو سوانح نگاری کے جدید تقاضوں اور نئے اسلوب بیان سے قطعاً آشنا نہیں'' یہ الفاظ محض تواضع پر مبنی ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ ''تذکرہ'' دراصل ''تبصرۃ وذکری لاولی الالباب'' کی خوبیوں کا حامل ہے، اس تذکرہ کے قاری کے سامنے جابجا شریعت وطریقت کے ایسے رموز وحقائق کی رونمائی ہوتی ہے جو ایک صاحب ذوق کے لئے سرمۂ بصر کا کام دیتے ہیں۔ قاری کو اس کتاب

کے صفحات میں ادبی شہ پارے بھی ملتے ہیں، ساتھ ہی زبان وبیان سے ذوق ادب کو چٹخارہ بھی ملتا ہے۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے متعلقہ مسائل کو خوب خوب مبرہن کیا گیا ہے، جا بجا معیاری اشعار سے بھی کام لیا گیا ہے، سوانح کو صرف ایک خشک تذکرہ نہ رکھ کر ایسا بنا دیا ہے کہ ایک بار اٹھالیں تو ختم کر کے ہی چھوڑیں، ہر صفحہ اپنے بعد والے صفحہ کے مطالعہ کا شوق دلاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ستاون (۵۷) عناوین پر مشتمل اس کتاب کے مندرجات دامن دل کو کھینچے بغیر نہیں رہتے ہیں۔

اس پیرانہ سالی میں بھی جب لوگ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں، آپ کا اشہب قلم رواں دواں ہے، تقریباً چودہ پندرہ سال کی شدید محنت اور عرق ریزی کے بعد آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی جو بہت سی خصوصیات کی حامل ہے اور کئی وجوہ سے اردو کی متعدد تفاسیر سے ممتاز ہے۔ یہ تفسیر بارہ ضخیم جلدوں میں ہے اور ''انوار القرآن'' کے نام سے دار الکتاب دیوبند سے چھپ چکی ہے۔

آپ کی شفقتوں سے سرشار

حضرت الاستاذ جیسا کہ اوپر گذرا، خود کو ہمیشہ لیے دیے رہتے ہیں، نہایت خاموش طبع، کم آمیز ہیں، اس لیے کسی شاگرد کے لیے یہ سمجھنا کہ حضرت کی شفقت کس پر زیادہ ہے بہت مشکل ہے، الا یہ کہ کسی خاص موقع پر اظہار ہو جائے۔ راقم الحروف بعض حالات کی بناء پر یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ دوسالہ شاگردی میں حضرت الاستاذ کی نگاہ کرم اور توجہ کا مورد رہا۔ احقر نے حضرت سے تفسیر بیضاوی (جسے اب یہاں کے آٹھ سالہ نصاب سے خدا جانے کس مصلحت سے دیس نکالا مل چکا ہے) اور ''ابوداؤد شریف'' جلد ثانی پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی عمر میں صحت وعافیت کے ساتھ برکت عطا فرمائے۔ ہم تلامذہ کو بیش از بیش استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

ابن ماجہ کے استاذ

حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ

نام: محمد سالم قاسمی ابن حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)

پیدائش: دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

تاریخ پیدائش | ۲۲ رجمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ رجنوری ۱۹۲۶ء یوم جمعہ سنہ داخلہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۵۱ھ ابتدائی تعلیم حفظ قرآن وتکمیل درجات فارسی سے لے کر تکمیل دورۂ حدیث تک دارالعلوم ہی میں حاصل کی

سنہ فراغت: ۱۳۶۷ھ (بزمانہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ)

مزید علمی لیاقت | ۱۹۴۰ء میں ادب عربی جدید کی تحصیل از مولانا سلیم صاحبؒ ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ۔ مقیم دہلی۔

موجودہ مشغلہ: تدریس بخاری شریف واہتمام وقف دارالعلوم دیوبند

سابق مشاغل: تدریس دارالعلوم دیوبند، تصنیف وتالیف اور تحریر وخطابت

دلچسپی کے موضوعات: ملی تعلیمی مسائل | ملی تعلیمی مسائل سے خصوصی دلچسپی کے تحت مسلمانوں کی نئی نسل کی دینی تعلیم کے لئے پانچ سال کی طویل کاوش ومحنت کے بعد مراسلاتی کورس سسٹم کو اپناتے ہوئے مکمل دینی تعلیم کا نظام مرتب کیا۔ اور جنوری ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات اردو دیوبند کی بنیاد ڈالی جس میں آٹھویں کلاس سے ایم اے تک زیر تعلیم طلباء اور طالبات کی دینی تعلیم کے لئے چار کورسز، ابتدائی دینیات، عالم دینیات، ماہر دینیات، اور فاضل دینیات کی مراسلاتی نظم ہے، یہ کورسز تمام ضروری دینی مضامین

یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد سیرت، تاریخ اسلام اور دعوت وتبلیغ پر حسب ترتیب درجات مشتمل ہیں، اور ملک بھر میں جامعہ کے قائم شدہ امتحان سینٹروں میں ہر سال یہ چاروں امتحانات منعقد ہوتے ہیں۔ جامعہ دینیات کے یہ امتحانات علی گڑھ، کشمیر، کاشی ودیاپیٹھ، اور عثمانیہ یونیورسٹیوں سے باضابطہ منظور شدہ ہیں، اور الحمدللہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنی جدید تعلیم کے ساتھ جامعہ دینیات کے ذریعہ گھر گھر مستعد ومکمل دینی تعلیم سے مستفید ہو رہی ہے۔

تصنیفات (۱) مبادی التربیۃ الاسلامیہ (عربی) (۲) تاجدار ارض حرم کا پیغام (۳) جائزہ تراجم قرآنی (۴) ایک عظیم تاریخی خدمت (۵) مروان غازی (۶) سفر نامہ برما اس کے علاوہ متعدد علمی، ادبی، موضوعات پر مقالات ہیں اور آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر شدہ متعدد عربی تقاریر ہیں۔ (ماخوذ از "ترجمان دار العلوم" دسمبر ۱۹۹۴ء۔

نسائی شریف کے استاذ

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیری مدظلہ

میرے استاذ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہ العالی کو مبداً فیاض نے جس قدر گوناگوں اور بوقلموں خصوصیات سے نوازا ہے اس سے ایک جہان واقف ہے۔

اپنے اساتذہ پر لکھتے ہوئے جب حضرت شاہ صاحب تک پہنچا تو قلم یکلخت رک گیا، بار بار کوشش کی، ہر بار ناکام رہا دراصل ''شاہ صاحب'' جس ہشت پہل نگینے کا نام ہے اس پر قلم اٹھانا بس کے باہر نظر آیا۔ حضرت الاستاذ کا سوانحی خاکہ انہیں کی ایک کتاب سے لیکر فہرست اساتذہ میں شامل کردیا، مگر ایک خلش برابر رہی کہ ''یہ کافی نہیں ہے کچھ اور ہو کچھ اور ہو''۔

اپنی یہ خلش برادرم مولانا عبدالرشید صاحب بستوی کے سامنے رکھی، انہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ آپ مطمئن ہو جائیں، حضرت شاہ صاحب پر مضمون، مشاق قلم کار، نبیرۂ حضرت بڑے شاہ صاحبؒ، صاحبزادہ محترم مولانا نسیم اختر شاہ ابن مولانا سید ازہر شاہ قیصر مرحوم، کے قلم سے ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' میں عنقریب آرہا ہے۔

مولانا نسیم اختر شاہ صاحب سے میں خوب واقف ہوں، سنکر دل باغ باغ ہوگیا، مضمون حرفاً حرفاً پڑھا، بصد شکریہ آپ کی اجازت سے پورا مضمون پیش خدمت ہے۔

میں نے حضرت شاہ صاحب سے نسائی شریف پڑھی ہے۔ اسی سال

حضرت کا درجہ علیا میں تقرر ہوا تھا، کہنے کو یہ ایک سہ ماہی کتاب تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت کا انداز درس، تحقیق اسماء الرجال پر بحث اور حدیث کے متعلقات پر تفصیلی کلام، دورۂ حدیث شریف کے علاوہ بھی دیگر درجات عربیہ کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد شریک درس ہوتی تھی، اور آپ کے انداز "گل افشانی گفتار" سے حسب توفیق دامن بھرتی تھی۔ احقر تو فراغت کے بعد بھی جب مدرسہ اصغریہ میں مدرس ہو چکا تھا۔ بعد مغرب کے درس حدیث میں پابندی سے حاضر ہوتا تھا، نشست کی جگہ بھی متعین تھی، کبھی کسی آیت کا حوالہ دینا ہوتا تھا تو حضرت میری طرف دیکھے بغیر ہاتھ سے اشارہ فرماتے کہ وہ دیکھئے قاری ابو الحسن بیٹھے ہوئے ہیں، اس عرض کا مقصد یہ ہے کہ میری طرح نہ جانے کتنے ایسے ہوتے تھے جو بعد مغرب کے اس درس حدیث میں شریک ہوتے تھے۔

کچھ خصوصیات خاصہ ہوتی ہیں جو مبدأ فیاض سے کہیں جمع ہو جاتی ہیں۔

ولیس علی اللہ بمستنکرٍ ❁ ان یجمع العالم فی واحدٍ

قدرت کی صناعی اور کاریگری کے لاتعداد شاہ کار اور بے شمار نمونے روئے زمین پر موجود خدائے وحدہٗ لاشریک کی عظمت و رفعت کو زبان حال سے بیان کرتی عجیب و غریب مخلوقات اور انگنت صورتیں، ہر ایک کا رنگ جدا، ہر ایک کی کیفیت مختلف، کوئی زندگی کے ساز پر گائی گئی خوبصورت غزل، کوئی بربط حیات پر چھیڑا گیا حسین نغمہ، کسی میں چاندی کا سکون، کوئی صبح دم چلتی ہوا کا مست کن جھونکا، کوئی آفتاب کی طرح زندگی کی حرارت کا اعلان، کوئی شام کی دلفریبیوں کی داستان، ہزاروں انسان مگر اپنی شکلوں، صورتوں، خصوصیات اور کمالات کے اعتبار سے قابل مدح اور لائق ستائش، سب پر خالق کی کرم فرمائیوں کے اثرات، ہر ایک اپنی ذات میں مجموعۂ اوصاف، صدہا رنگ کے پھول، ان پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے فضا

معطر اور عطر بیز، زندگی کی تعمیر جو ہاتھ خود کرتے اور کاروان حیات کو نئی جہتوں، نئی فضاؤں اور نئے آسمانوں سے آشنا کرتے ان میں ایک محترم نام ہمارے مخدوم وممدوح حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کا بھی ہے، جو ہر حلقہ میں ''شاہ صاحب'' کے نام سے متعارف اور ہر جگہ اسی انداز پر جن کی پذیرائی اور استقبال ۵ رسال کی عمر یتیمی کے دور کا آغاز مگر شیخ سعدی کی زبان میں

بالائے سرش زہوشمندی ❁ می تافت ستارۂ بلندی

ابتدائی عمر میں انگریزی تعلیم کے لیے دہلی کا سفر کیا، دہلی اس وقت شکست وریخت کے دور سے گزر رہی تھی، مگر اہل علم اور اصحاب کمال کی موجودگی سے طالبین کے لیے اس میں کشش تھی، تعلیم شروع ہوئی اور کچھ وقت گذرا بھی مگر ۴۷ء کے ہنگامۂ بلا خیز نے دیوبند آنے پر مجبور کردیا، پنجاب یونیورسٹی سے کچھ امتحانات دیئے مگر واپسی نے اس راہ کے دروازے بھی بند کردیئے، ازسرنو تعلیم کی ابتداء اور اب کی بار اسی میدان کا انتخاب جس میں ان کے نامور والد نے شہرت دوام حاصل کی، دھیمے قدموں سے سفر شروع کیا، ایک فرشتہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا ہاتھ تھام لیا ان ہی کی تربیت، ان ہی کی توجہ اور ان ہی کی محنت نے ایک یتیم کو جوہر قابل بنادیا۔

مولانا سید انظر شاہ صاحب نے پوری لگن، شوق اور جذبے سے ازاول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، ممتاز طلبہ میں شامل رہے، ان کی انفرادیت کے غنچے چٹکنے لگے اور علمی دنیا ایک نووارد کے قدموں کی چاپ محسوس کرنے لگی، ذہین، فطین، ہوشمند، بلا کا حافظہ، کچھ پانے کا سودا، کچھ حاصل کرنے کا جنون، آگے بڑھنا سیکھا تھا، پیچھے مڑکر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، زندگی کی سختیوں اور زمانے کی ناہمواریوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے منزل کی جانب بڑھتے رہے، بقول شاعر

جس دن سے چلا ہوں میری منزل پہ نظر ہے ❁ آنکھوں نے کبھی میل کا پتھر نہیں دیکھا

۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے اور اسی سال دارالعلوم میں مدرس عربی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا، اول دن سے ان کی تدریسی صلاحیتوں کے چرچے شروع ہوئے، میزان سے ابتداء اور بخاری پر آ کر ٹھہراؤ، مقامات ان کے زیر درس رہی، ملاحسن اور سلم کو انہوں نے پڑھایا، جلالین اور بیضاوی ان کی نکتہ آفرینیوں کا مرکز بنی، مختصر المعانی، شرح عقائد اور ہدایہ میں پختگی کا ثبوت دیا، ترمذی، مسلم ابوداؤد، مشکوٰۃ جیسی کتب احادیث بھی طویل زمانے تک پڑھانے کی سعادت حاصل رہی، فقہ وحدیث، تفسیر وکلام، منطق وفلسفہ، معانی وادب ہر جگہ شہرت اور محبوبیت نے ان قدموں تلے پھول بچھائے ۵۲ رسال ان کی تدریسی زندگی کے گذر رہے ہیں، ان کے انداز درس اور طریقہ درس نے مقبولیت کا دامن نہیں چھوڑا کسی فن میں نہ عاجز اور نہ کسی کتاب سے متوحش، ہر جگہ ان کی صلاحیتوں کے قطار اندر قطار چراغ روشن ہوئے اور ان کی روشنی طالبان علوم نبوت کے لیے ایک مثال بن کر سامنے رہی خدا نے ذہن، فکر، حافظے اور افہام وتفہیم کی بے پناہ دولتوں سے نوازا اور قدرت کی ان فیاضانہ عنایات کا انہوں نے فیاضانہ استعمال کیا، دارالعلوم کے وہ چند نام جو اپنے علم وعمل، صلاحیت اور قبولیت میں شہرت کی منزلوں تک پہنچے ان میں شاہ صاحب کا نام نمایاں ہے وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنے وجود میں ایک ادارہ ہیں، اس انجمن کی روشنی روز بروز بڑھ رہی ہے اور اس ادارہ کی وسعت علم سے دیوبندیت کے آنگن میں عقیدے اور مثبت فکر کے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔

اپنے وقت کے نامور اساتذہ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی اور ہر خوان علم سے خوب خوشہ چینی کی نہ کسی فن کی بیڑیوں میں جکڑے رہے اور نہ کسی خاص علم کی زنجیروں نے انہیں باندھے رکھا، مطالعہ ان کا عمیق بھی ہے وسیع بھی اور بے پناہ بھی، زندگی کو جن اصولوں کے حوالے انہوں نے کیا ان میں سے ایک مطالعہ بھی ہے، ایام جوانی سے لے کر بڑھاپے کی اس چھاؤں تک نہ کبھی وہ اس سے بیزار ہوئے

اور نہ بے توجہ۔ آج بھی گھنٹوں پڑھتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں اور تب جا کر بخاری جیسی عظیم اور اہم کتاب کا درس دیتے ہیں، خارجی مطالعہ بھی ان کے معمولات کا حصہ ہے، زندگی کیا ہے؟ کیا کوئی معمہ ہے، کوئی چیستاں ہے، کوئی لاینحل مسئلہ ہے، ایسا کچھ بھی نہیں شاہ صاحب کی زندگی کے نشیب وفراز سے جو لوگ واقف ہیں اور ان کی شبانہ روز جدوجہد پر جن کی نظر ہے وہ زندگی کو ایک کھلی کتاب کی طرح دیکھ سکتے ہیں، کیسے انسان کی محنت اور جانفشانی کی کلیاں چٹکتیں اور پھول بنتی ہیں، تدریس کی انفرادیت کے ساتھ ساتھ تحریر وقلم اور تقریر وخطابت میں ان کی امتیازی شان ہے، دونوں میدانوں میں وہ اس قافلہ سالار کی طرح ہیں، جس کے پیچھے چلتے قافلے اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کر دیتے ہیں اور اس کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہی وہ منزل پر پہنچتے ہیں۔ دارالعلوم کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے علوم وکمالات کے وہ گوہر پیدا کیے جن کی چمک آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے، تحریر ان کی اتنی اجلی، اتنی پاکیزہ، اتنی صاف شفاف، اتنی رسیلی، اتنی میٹھی، اتنی شیریں کہ خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ اپنا لطف کھو بیٹھے، اتنی پر شکوہ، اتنی باوقار، اتنی جاذب نظر کہ ابوالکلام آزاد کی تحریروں کا سحر ٹوٹتا نظر آئے، عمق اور بلندی اس درجہ کہ مناظر احسن گیلانی کی تحریروں کی چاشنی ذائقہ کا حصہ بن جائے تحریر میں وہ کسی کے مقلد نہیں اپنا ہی انداز اپنا ہی اسلوب وہ بھی اتنا جداگانہ اور متنوع کہ کوشش کے باوجود اس اسلوب تک رسائی ممکن نہ ہو، ہزاروں مقالات ومضامین ان کے گوہر بار قلم سے نکلے اور تا حال سلسلہ دراز ہے، علم کی گہرائیوں، معلومات کی ہمہ گیریوں کے ساتھ تاریخ اردو ادب پر بھی ان کا مطالعہ قابل رشک ہے، ہماری صف کے لوگوں کے مقابلہ میں اردو ادب کے مختلف ادوار، مختلف عظیم ادبی شخصیات، ان کے ادبی کمالات اور ان سب کے مابین بنیادی فرق اور امتیازات کو بھی وہ خوب جانتے اور پہچانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کبھی ان کی تحریریں غالب کے خطوط کی یادیں تازہ کرتیں اور کہیں قلعۂ معلی کے اردو نمونے بن کر سامنے آتی ہیں، لکھنا ان کے

لیے اتنا ہی سہل جتنا دوسروں کے لیے لیٹنا، سونا اور لذت کام ودہن میں مصروف ہونا ہر موضوع پر داد قلم دی اور ہر عنوان کو نکھارا اور سنوارا علمی موضوعات سے لے کر حالات حاضرہ پر بھی وہ جچی تلی رائے کا اظہار کرتے اور ان کی رائے میں وزن بھی ہوتا ہے فکر بھی اور سچائی بھی۔

ان کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے (۱) تذکرۃ الاعزاز سوانح حضرت مولانا اعزاز علی صاحب (۲) ایمان کیا ہے؟ ترجمہ تکمیل الایمان مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۳) طریقہ تعلیم ترجمہ تعلیم المتعلم مصنفہ الامام برہان الاسلام (الزرنوجی) تلمیذ صاحب ہدایہ (۴) فروغ سحر مجموعہ مضامین (۵) گل افشانی گفتار مجموعۂ تقاریر (۶) خطبات کشمیری مجموعہ خطبات (۷) نقش دوام سوانح امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۸) نالۂ دگل شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ (۹) اسمائے حسنیٰ کی برکات (۱۰) تفسیر ابن کثیر پر دقیع اور علمی کام (۱۱) بیضاوی کے ایک حصہ کی شرح، ترتیب بنام "تقریر شاہی" وغیرہ ان کے علاوہ چند کتابیں زیر تالیف ہیں ان کے زیر ادارت ماہنامہ "نقش" اور پندرہ روزہ "یثرب" ایک طویل عرصہ تک شائع ہوئے آج کل ماہنامہ "محدث عصر" ان کی قلمی جولانیوں کا ثبوت ہے، تصنیفات وتالیفات پر ان کی تقریظات اور مقدمات کا شمار سو وہ اب ممکن نہیں۔

تحریر وقلم سے ان کی وابستگی جتنی قریبی، پختہ اور مضبوط تقریر وخطابت سے بھی اتنی ہی قربت، اتنی ہی نزدیکی، اتنی ہی منفرد اور مہتم بالشان، وہ خطابت کی دنیا کے تنہا ایسے مقرر جن کے لب ولہجہ اور انداز گفتار کو اختیاری اور غیر اختیاری طور پر ہزاروں نے اپنایا مگر چند قدم چلنے کے بعد سب نے حوصلہ ہار دیا، وہ اپنے انداز کے خود ہی موجد اور خود ہی خاتم بہت سوں نے انظر شاہ بننے کی کوشش کی مگر بقول استاذ ذوق

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب

ہزار برق نے چل پھر کے مشق کی لیکن ❁ ادا نہ آئی ترے مسکرا کے آنے کی

گذشتہ ۳۵ رسال سے میں ان کو سن رہا ہوں ہزاروں کے مجمع میں بھی سنا، مختلف تقریبات اور پروگراموں میں بھی شرکت کی، عظیم الشان اجتماعات میں بھی شریک ہوا، شاہ صاحب ہر صورت میں شاہ صاحب ہی ثابت ہوئے، غلہ اسکیم کے جلسوں میں، دیوبند کے محلوں میں، اور دیگر مواقع پر ان کی تقاریر کی گونج ہے، مجمع صرف ان کو سننے کے لیے جمع ہوتا اور ان کی تقریر کے اختتام پر اپنے گھروں کو لوٹنے لگتا ہے جوش ملیح آبادی کے بارے میں کسی نے لکھا تھا کہ الفاظ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے (مجھے یہ تعبیر کبھی پسند نہیں آئی) الفاظ شاہ صاحب کے اردگرد پروانوں کی طرح پوری وارفتگی، پورے جذبے کے ساتھ چکر لگاتے ہیں، کب ان کی نظر کرم ہو اور ان کی نوک قلم اور نوک زبان سے ادا ہونے کی سعادت حاصل ہو، علوم کا گنجینہ، معلومات کا خزینہ ان کے مواعظ اور خطبات کی شان ہی نرالی ہے، ابوالکلام آزاد کی سحر انگیز خطابت، عطاء اللہ شاہ بخاری کی گھن گرج، حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا استدلال، حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی مہارت، شبیر احمد عثانی کی طلاقت لسانی نے اگر کہیں ٹھکانا بنایا تو وہ شاہ صاحب کی ذات ہے۔ جنوبی افریقہ، کینیڈا، پناما، ویسٹ انڈیز، برطانیہ، شارجہ، دبئ، کویت، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب، ماریشس، ری یونین، وغیرہ ممالک کی زمین ان کے مضبوط قدموں کی دھمک اور اعلیٰ خطبات وتقاریر کی چمک اپنے قلب اور اپنے سینے پر محسوس کرتی ہیں، ہندوستان کے ہزاروں اسفار، ۵۲ر سال کے عرصہ میں ہزار ہا ہزار جلسوں اور اجتماعات میں ان کی شعلہ بیانی کے ہمیشہ سے چرچے غرض دور آخر میں شاہ صاحب جیسا دوسرا کوئی مقرر اور خطیب اپنی تقریر اور خطابت کا ایسا سحر قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا اور بات یہیں آکر ٹھہری۔

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر ❁ محو حیرت ہے ثریا رفعت پرواز پر

اپنے وقت کے باکمال انسانوں، نامور شخصیات، سرکردہ لوگوں، برگزیدہ افراد اور عالمی سطح کی شخصیات سے ان کے تعلقات بھی رہے اور مراسم بھی، حاضری اور

ملاقاتیں بھی سب نے ان کو سراہا،سب نے ان کو چاہا اور سب نے ان کو سینے سے لگایا،متعدد بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو چکے ہیں،عالم حدیث پر خداوند قدوس نے ان کو خصوصی نظر عطا کی اور وہ آج ممتاز محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں، عزم اور ارادہ ان کی زندگی کا حسین عنوان ہیں،ایک طوفان بھی ان کی زندگی میں آیا ایسا طوفان کہ جس نے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف ❁ اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

یہ طوفان تھا یا اپنی بقا کی جنگ،یا معرکۂ کرب و بلا ان سب سے زیادہ موزوں یہ کہ خود کو ٹوٹنے،بکھرنے اپنے اور جماعت کے وجود کو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ رکھنے کا ایک مسلسل اور مستقل عمل ہمیشہ روشنی کی تلاش رہی اور جب صدق وصفا کے چراغ ہتھیلیوں پہ سجا لیے تو یہ عمل۔

کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلا دیا

ان پر لکھنے کے لیے بہت کچھ باقی اور زندگی کے دیگر پہلوؤں پر خامہ فرسائی کے لیے دوسری صحبت بھی درکار ہے۔۱۹۲۸ء کو انہوں نے عالم امکان کا پہلا جلوہ دیکھا اور تب سے آج تک علمی عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ مناظر قدرت،مناظر عالم،مناظر فطرت سے ان کا ذہن،ان کا قلب،ان کی روح،ان کی آنکھیں اکتساب نور کر رہی ہیں۔

❁❁❁

مشکوۃ شریف، ج:۲، موطاً امام مالک اور شرح نخبۃ الفکر کے استاذ

حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندی مدظلہ

''اخلاص'' بجائے خود ایک پرکشش وصف ہے، جو عموماً کم وبیش تمام اساتذہ میں ہوتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اگر کسی استاذ میں کچھ اور ایسے اوصاف ہوں جو طلبہ کے دل ودماغ کو اپنی جانب کھینچ رہے ہوں تو اس کا فیض کچھ زیادہ ہی عام وتام ہوتا ہے۔

ایسے بافیض اساتذہ میں استاذی المحترم حضرت مولانا خورشید عالم صاحب ابن حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ ہیں، حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ سے متعلق غائبانہ معلومات اپنے اساتذہ سے تھیں، آپ ایک جامع المعقول والمنقول استاذ تھے، دارالعلوم دیوبند کے طبقۂ علیا کے استاذ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے دارالعلوم میں آخر تک حدیث پاک کی تدریسی خدمات انجام دیں۔

میں نے اپنے ایک استاذ سے سنا تھا کہ حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ قرآن کریم، حدیث پاک اور دیگر کتب عربی کے ترجمہ میں بے مثال تھے۔

میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تو قدیم ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے امسال کے اساتذہ میں حضرت مولانا خورشید عالم صاحب مدظلہ بھی ہیں، میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ بتلایا کہ حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ کے صاحبزادے، حضرت مرحوم کے بارے میں غائبانہ سن رکھا تھا، بہرحال جب پہلے روز حضرت مولانا تشریف لائے تو دیکھتے ہی رُعب کے ساتھ کشش بھی محسوس ہوئی، اور بسم اللہ کے ساتھ چند جملے زبان سے ادا ہوتے ہی لب ولہجہ اور اندازِ تکلم نے درسگاہ کے تمام ہی طلبہ کو مسحور کر دیا۔ پہلے ہی روز، صرف چند جملوں میں درسگاہ کے تمام طلبہ کو ایسی مضبوط گرفت میں لے لینا، ایسا پہلے دیکھا ہی نہیں۔

مولانا کے پاس ہماری کتاب اولاً مشکوۃ شریف جلد ثانی، اور اس کے ختم کے بعد موطاً امام مالکؒ اور شرح نخبۃ الفکر ''نزہۃ النظر'' رہی ہے۔

یوں تو استاذ کی نظر تمام ہی طلبہ پر ہوتی ہے، لیکن اگر یہ عرض کیا جائے کہ پابندی اور مکمل حاضری کے باعث ہمارے دوست مولانا مفتی امان اللہ صاحب کو کئی اور میری جانب خاص توجہ تھی تو بطور تحدیث نعمت کے بیجا نہ ہوگا، اور یہ توجہ بحمد اللہ تا حال ہے۔

ولادت حضرت مولانا کی ولادت ۱۳۵۳ھ میں دیو بند کے ایسے ماحول اور خاندان میں ہوئی جن کے آباؤ اجداد کا مشغلہ تعلیم قرآن رہا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ دار العلوم کے درجۂ فارسی میں ریاضی کے یکتا، ممتاز اور ماہر فن استاذ تھے۔ والد صاحب کے سلسلے میں ابھی گذرا۔ اور خود حضرت الاستاذ سامنے ہیں، صاحبزدگان مولانا محمد عارف اور مولانا قاری محمد واصف سلمہما، یہ دونوں مدرس ہیں۔ نیز حضرت کے بھائی مولانا عبد الشکور صاحب کے پوتے مولوی نوید صاحب معہد انور میں استاذ ہیں، اس طرح تعلیم و تدریس کا یہ زرّیں سلسلہ پانچ پشتوں کو محیط ہے، اسے سلسلۃ الذہب کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

تعلیم ناظرہ قرآن کریم کا آغاز بہ عمر ۵ سال آپ نے رشتے کی دادی محترمہ اَمَةُ الحنان مرحومہ سے کیا، قرآن کریم کے ورد اور تصحیح حروف اور اس کی تعلیم میں آپ ایک بے مثال خاتون تھیں، وردِ قرآن ایسا تھا کہ حفاظ کو ٹوک دیتی تھیں، تمام عمر آپ نے لوجہ اللہ پڑھایا، دیو بند میں آپ کے شاگرد لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔

حفظ قرآن کریم ناظرہ کی تکمیل کے بعد دار العلوم میں آپ نے حضرت قاری محمد کامل صاحب کے پاس حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی۔ جناب قاری محمد کامل صاحبؒ بڑے بافیض اور نہایت تجربہ کار اور مقبول استاذ تھے، آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے۔ تکمیل حفظ کے بعد آپ نے اپنے نانا جناب حافظ ناظم علی صاحبؒ سے ایک سال قرآن کریم کا دور کا، موصوف دیو بند کے جید حفاظ میں سے تھے، پورا قرآن کریم ایک شب میں بیک دفعہ سنا دیتے تھے۔

حضرت قاری کامل صاحب اور جناب نانا صاحب کا فیض ہے کہ حضرت الاستاذ بہترین حافظ قرآن کریم ہیں۔

فارسی کی تعلیم مولانا نے اردو، فارسی اور ریاضی کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور فارسی اور ریاضی دونوں میں آپ کی امتیازی پوزیشن تھی۔

قرآن کریم اور فارسی کی تعلیم کے دوران آپ تین بار سخت اور مہلک امراض میں مبتلا رہے، اس لیے دو سال زائد لگ گئے۔

عربی کی تعلیم عربی کی تعلیم کا آغاز آپ نے ۱۳۷۰ھ سے کیا۔

اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی درجات کی تعلیم معیاری نہیں تھی، اس لیے آپ کا ارادہ الہ آباد یونیورسٹی سے متعلقہ امتحانات، مولوی، عالم، فاضل، دینے کا ہوا اور یہ خیال ہوا کہ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے آخری درجات میں داخلہ لے کر تکمیل کی جائے —— مگر آپ کے والد صاحبؒ کو طبعاً یہ خیال پسند نہ تھا کیوں کہ فی الواقع یہ صورت بہتر نہ تھی مگر اس کے باوجود اس خیال کو مسترد نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے (حضرت شیخ الادبؒ آپ کے والد صاحبؒ کے استاذ بھی تھے، اور مزید برآں دونوں حضرات کے مابین تعلقات اور معاملات، مدرسہ اور خانگی معاملات سے بھی زیادہ تھے) اپنے دل کی بات کہہ دینا اور ان کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا، چناں چہ آپ نے والد صاحبؒ کی معیت میں حاضر خدمت ہو کر اپنی بات رکھ دی، سن کر حضرت شیخ الادبؒ نے فرمایا کہ: ''اگر ابتدائی کتابیں میں تم کو پڑھادوں تو کیسا ہے''؟ حضرت الاستاذ نے اسے اپنے لیے باعث سعادت سمجھ کر رضامندی کا اظہار فرمایا۔

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ صاحب کا انداز درس اور افہام و تفہیم کا طریقہ مثالی تھا، مولانا کے ساتھ ابتدائی کتابوں کے درس میں، غنیمت بار دہ سمجھتے

ہوئے استفادہ کی غرض سے مشکوٰۃ شریف وغیرہ کے طلبہ بھی شریک ہونے لگے۔

اور اس طرح پابندی کے ساتھ درس کا آغاز ہوگیا۔ حضرت شیخ الادبؒ وقت کی پابندی، درس کی حاضری پر غیر معمولی توجہ فرماتے تھے روزانہ سبق کے ساتھ آموختہ ضرور سنتے تھے، پہلی کتاب ختم ہوکر دوسری شروع ہوجاتی تب بھی پہلی کتاب کا آموختہ سنتے تھے اس طرح بلاشبہ طالب علم کو محنت کی عادت ہوجاتی ہے، اور حضرت مولانا کو اس کی عادت ہوگئی اور یہ عادت آج تک ہے۔

نحو اور صرف کی کتابیں حضرت شیخ الادبؒ نے مکمل کرائیں، اور منطق میں، صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی اور مرقاۃ آپ کے والد صاحبؒ نے اس طرح مکمل کرائیں کہ تہذیب کو حفظ کرایا، اس طرح پہلا سال مکمل ہوا۔

اس کے بعد آپ نے عام جماعتوں کے ساتھ شامل ہوکر تعلیم حاصل کی مگر آپ کے والد صاحبؒ ہر سال فن کی بنیادی اور مشکل کتاب آپ کی وجہ سے اپنے نام تجویز کراکر پڑھاتے تھے۔

حضرت شیخ الادبؒ کی مخصوص کتاب ہدایہ اخرین تھی مگر آپ سے یہ کتاب اس لیے نہ پڑھ سکے کہ آپ کا اس سے پہلے ہی وصال ہوگیا تھا۔

فراغت

۱۳۷۶ھ میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف مکمل پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

علمی محنت اور مشقت

تعلیم کی لائن سے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ ایک بے مثال شخصیت کا نام ہے۔ جو بھی طالب علم آپ سے جڑ جاتا تھا اس پر آپ کی پوری چھاپ پڑ جاتی تھی، حضرت الاستاذ کو حضرت شیخ الادب نے ابتداءً ہی اس طرح محنت شاقہ کا عادی بنایا تھا کہ وہ آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ دورانِ تعلیم آپ کو اہم کتاب کی شروح کے بالاستیعاب مطالعہ

کرنے کا خوب موقعہ ملا۔ اس طرح کہ اس کے بغیر قلبی سکون حاصل نہ ہوتا۔

آغازِ تدریس

حضرت مولانا کی تدریس کا آغاز فراغت کے بعد ہی سے ہوگیا تھا، حضرت مولانا جہاں رہے اپنے اندازِ درس، طرزِ تکلم اور لب ولہجہ کے باعث محبوب اور مقبول رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر

۱۳۸۳ھ میں بعد امتحان ششماہی دارالعلوم میں عارضی تقرر ہوا اور شرح عقائد نسفی، ملاحسن، سلم العلوم اور شرح وقایہ، جیسی اہم کتابوں کے اسباق، دیگر اساتذہ سے آپ کے نام منتقل کیے گئے۔

اگلے سال ۱۳۸۴ھ میں استقلال عمل میں آگیا۔

۱۳۸۴ھ سے ۱۴۰۲ھ تک یعنی اٹھارہ سال کے عرصہ میں علاوہ بخاری اور ترمذی کے جملہ علوم وفنون کی تمام چھوٹی بڑی کتابیں پڑھانے کا موقعہ ملا۔ حضرت مولانا کا اندازِ درس والد محترم کے مشابہ ہے۔

انتظامی صلاحیت

جس طرح بہترین اور نادر انداز کی تدریسی صلاحیت اللہ رب العزت نے آپ کو عطا فرمائی ہے، اسی طرح مبدأ فیاض سے نظم وانتظام کی بھی اعلیٰ صلاحیت حاصل ہوئی ہے، چناں چہ ابتداء ہی سے تمام ہی علمی اور انتظامی شعبہ جات کی نظامت اور نگرانی سے وابستگی رہی —— ناظم دارالاقامہ، نگراں مطبخ کمیٹی، رکن کمیٹی دارالافتاء، رکن کمیٹی دارالقضاء، رکن مجلس تعلیمی اور رکن اہتمام کمیٹی کی حیثیت سے ہمیشہ خدمت کے مواقع ملے۔

نیز حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ کے دورِ نظامت تعلیمات میں درجات عربیہ کے علاوہ دیگر درجات کی نگرانی بھی آپ سے متعلق رہی۔

اسی طرح ماہِ رمضان میں حضرت حکیم الاسلامؒ اور حضرت نائب مہتمم کے سفر میں چلے جانے کی صورت میں عارضی طور پر بحیثیت قائم مقام مہتمم خدمت کرنے کا بھی موقعہ ملا ہے۔

وقف دارالعلوم
۱۴۰۲ھ میں جب جامع مسجد میں مدرسہ کا نظام قائم ہوا تو حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ نے نیابتِ اہتمام کی ذمہ داری، حضرت مولانا کو سپرد فرمائی، نیا نیا مدرسہ، جامع مسجد جیسی مختصر جگہ، تعلیمی نظام کہیں طلبہ کا رہائشی انتظام کہیں۔ اور مطبخ اور محاسبی کا نظام اور کہیں —— اس صورتِ حال میں اہتمام تعلیمات، محاسبی، تنظیم وترقی، دارالاقامہ اور مطبخ وغیرہ جملہ شعبہ جات کا نظم وانصرام تدریس کے ساتھ ساتھ یہ تمام نظم وانتظام از سرِ نو قائم کرنا، ان سب کی مکمل نگرانی، کوئی معمولی کام نہیں تھا بلا شبہ یہ نہایت جوکھم بھرا انتہائی سخت اور مشکل کام تھا۔ بہت سے قدیم وجدید حضرات تھے مگر نظر پڑی تو آپ پر، حضرت الاستاذ نے ایک اعلیٰ درجہ مدبر، ایک سنجیدہ اور سلجھے ہوئے تجربہ کار منتظم کی طرح ان اہم خدمات کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ ساتھ ہی تدریسی سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ مسلم شریف ج:۱، جیسی اہم حدیث کی کتاب بھی متعلق رہی۔

مگر —— ۱۴۱۲ھ میں شدید علالت کے باعث نظم سے دست بردار ہو گئے، تدریسی خدمت بہر حال رہی مسلم شریف تقریباً ۲۵ رسال سے زیرِ درس ہے، بخاری شریف آٹھ سال سے، اس وقت اس کی جلد ثانی متعلق ہے۔

حضرت مولانا کا تدریسِ حدیث کا سلسلہ ۱۳۷۷ھ سے ۱۴۲۵ھ تک مسلسل انچاس ۴۹ سال سے ہے۔

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم جیسے عمدہ مزاج اور سلجھی ہوئی طبیعت اور اخلاص کے حامل لوگ آج کے اس دورِ نفاق میں کہاں ملتے ہیں۔ احقر کا تعلق اس دارالعلوم سے ہے، پہلے سے احقر کی مشغولیت اب کچھ بڑھ گئی ہے، ملاقات کا موقعہ بہت کم ہوتا ہے، مگر جب کبھی بھی حضرت سے ملاقات ہو جاتی ہے اسی شفقت اور محبت سے ملتے ہیں مزاج پرسی فرماتے ہیں، مل کر طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے، آہ! آج کے اس خود غرضانہ ماحول میں کہاں ایسے لوگ؟ اللہ تعالیٰ، حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کے سلسلہ خدمت حدیث کو کامل صحت وعافیت کے ساتھ اخیر عمر تک دراز فرمائے! آمین!

مشکوۃ شریف: ج:۱، اور موطأ امام محمد کے استاذ

حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوری مدظلہٗ

ولادت: ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء

سال ہشتم جو نیا نیا سال قائم ہوا تھا اس کی خصوصیت ایک یہ بھی تھی کہ متعدد کتب نئی داخل کی گئیں تھیں انہیں میں ایک کتاب موطأ امام محمدؒ بھی تھی، یوں تو یہ کتاب دورۂ حدیث شریف کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے مگر اس کا کچھ حصہ، اس سال کی خصوصیت یہ تھی موطأ پوری کتاب داخل تھی، اس پہلے سال میں حدیث کی دو کتاب موطأ امام محمدؒ اور مشکوۃ شریف جلد اول حضرت مولانا قمر الدین صاحب ابن الحاج بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھی۔

حضرت مولانا ۱۹۳۸ء ۱۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے، آپ کی ابتدائی تعلیم ناظرہ، فارسی اور عربی درجہ اول تک مدرسہ فیض العلوم بڑھنی گنج ضلع گورکھپور میں ہوئی یہی آپ کا وطن بھی ہے، عربی دوم کی تعلیم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں ہوئی، اور شرح جامی سے ہدایہ اولین ملاحسن اور متنبی تک کی کتابیں دار العلوم مئوناتھ بھنجن میں پڑھیں، اسی دوران آپ نے منشی اور مولوی کا امتحان الہ آباد بورڈ سے پاس کیا۔ ۱۹۵۷ء ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء ۱۳۷۸ھ میں تفسیر و حدیث اور فنون کی تکمیل دار العلوم دیوبند میں ہوئی اور یہیں سے فراغت پائی۔

۱۹۵۹ء ۱۳۷۹ھ سے آپ نے دہلی کے قدیم مدرسہ عبد الرب میں تدریس کا آغاز فرمایا، آپ چونکہ ایک باصلاحیت عالم ہیں، یہاں تدریس کے پہلے ہی سال میں موقوف علیہ اور دورۂ حدیث شریف کی کتابیں زیر درس رہیں۔ مدرسہ عبد الرب دہلی کے ارباب حل وعقد آپ کو بہت چاہتے تھے، آپ کے تقویٰ اور شرافت سے

بہت متاثر تھے،مولانا نے یہاں ۱۹۶۶ء ۱۳۸۶ھ تک تدریسی خدمت انجام دی۔تدریس کے ساتھ دہلی کی مختلف مساجد میں مختلف اوقات نماز میں تفسیر وحدیث بیان کرنے کا سلسلہ رہا،کہیں بعد نماز جمعہ تقریر اور کہیں بعد نماز عشاء تفسیر وحدیث بخاری شریف کا درس،اور یہ سارے دروس وتقریریں آپ کی بہت مقبول رہیں،اس زمانے کے حضرات آج بھی مولانا کو یاد کرتے ہیں۔

دہلی کے بعد ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں پہلے سال ہدایہ اولین،مختصر المعانی،قطبی،سلم العلوم اور مقامات حریری زیر درس رہیں۔

۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء سے دارالعلوم دیوبند میں حدیث کی تدریس کا آغاز ہوا اور ہماری جماعت ہی نے آپ سے سب سے پہلے حدیث کا سبق لیا،حدیث کی پہلی کتاب موطأ امام محمد اور مشکوۃ شریف تھی۔

اس کے بعد سے تاحال اہم کتابوں کے ساتھ حدیث شریف خاص طور پر مسلم شریف کا کامیاب درس دے رہے ہیں،دارالعلوم دیوبند کے آپ کامیاب اور مقبول مدرس ہوتے ہوئے نہایت شریف الطبع اور نیک سیدھے سادے استاذ ہیں۔ ناظم تعلیمات بھی رہ چکے ہیں۔

بیعت کا تعلق مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی سے رہا،آپ کے وصال کے بعد محی السنہ حضرت مرشدی مولانا سید ابرارالحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم سے تعلق قائم کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں اجازت وخلافت حاصل ہوگئی۔اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ آپ کا مبارک سایہ قائم رکھے اور ہم کو بیش از بیش استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین!

حضرت مولانا دور ونزدیک،قرب وجوار میں اصلاحی اسفار بھی فرماتے رہتے ہیں جس کے ماشاءاللہ بہت مفید ثمرات مرتب ہورہے ہیں۔

"طیبة النشر" کے استاذ

حضرت شیخ القراء مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ

پیدائش میرے استاذ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی مدظلہ کے صاحبزادے حضرت الاستاذ مولانا قاری المقری عبداللہ سلیم صاحب دامت برکاتہم کی ولادت — ۱۷ر صفر ۱۳۵۸ھ بروز شنبہ ۷ ربجے، ہوئی۔

تعلیم از اوّل تا آخر آپ کی تمام تر تعلیم ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، جس میں — تعلیمی ایام بسر کرنے کے لیے ایشیاء میں کتنے ہی بندگانِ خدا شب و روز تمنائیں کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے شب و روز ایسے علمی، ادبی، عرفانی اور نورانی ماحول میں گذرے، جس کا صرف اب تذکرہ ہے، وہ احوال بس کتابوں کی زینت ہیں۔

علمی صلاحیت حضرت قاری صاحب نے دارالعلوم میں تمام ہی علوم پورے اِنہاک اور کامل شغف اور توجہ کے ساتھ حاصل کیے، نحو، صرف، منطق، ادب، معانی، اور تفسیر وحدیث وغیرہ سارے ہی علوم میں آپ مضبوط صلاحیت کے حامل ہیں، جید الاستعداد ہیں۔

قاری خوش نوا آپ جس کسی علم کے ساتھ اشتغال رکھنا چاہتے، اس میں بہترین کامیاب اور بڑے نیک نام استاذ ہوتے، لیکن اللہ رب العزت کو آپ سے اپنے کلام کی بنیادی اور اوّلین خدمت لینی تھی، مبدأِ فیاض نے آپ کو نہایت خوبصورت آواز سے نوازا ہے، آپ نے کلامِ الٰہی کی خدمتِ جلیلہ میں اپنی خوش نوائیوں اور حسین صداؤں کا خوب خوب استعمال فرمایا۔

میری پہلی زیارت

حضرت قاری صاحب دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد، بنارس کے جامعہ اسلامیہ مدنپورہ میں قراءت کے استاذ ہوکر تشریف لے گئے تھے۔ آپ ابھی جوان تھے، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے جلسۂ سالانہ میں تشریف لائے تھے۔

مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کو حضرت تھانویؒ اور آپ کے خلیفہ اجل حضرت پھولپوریؒ سے خصوصی نسبت حاصل ہے، حضرت پھولپوری حیات تھے، مدرسہ کے بانی اور مہتمم سب کچھ آپ ہی تھے۔ آپ نے حضرت قاری صاحب کو بطور خاص تلاوت قرآن کریم کے لیے جلسہ میں مدعو فرمایا تھا۔

اللہ رب العزت نے حضرت قاری صاحب کو جس طرح حسن صوت سے نوازا ہے، حسن صورت بھی بھرپور عطا فرمائی ہے۔ آپ نے تلاوت فرمائی ماحول پر عجیب وغریب پر کیف سماں تھا، تلاوت کیا تھی، اللہ اللہ، ایک ایک حرف کی ادا اور لفظ لفظ پر صدائے دلنواز کا زیر و بم، حضرت پھولپوریؒ پر وجد طاری تھا، آپ خود تجوید وقراءت کے کامل اداشناس تھے، مدرسہ بیت العلوم کا عرفانی ماحول، اطراف وجوانب سے سیلاب کی طرح امنڈا ہوا عظیم مجمع صدائے قرآنی کا قدردان، حضرت قاری صاحب کے دہن مبارک سے نکلتی ہوئی لحن داؤدی میں حسین آواز، ملکوتی حسن کے ساتھ، کیا عرض کروں، ایسا معلوم ہوتا تھا مَا هٰذَا بَشَرًا الخ۔

زمیں پہ جیسے فرشتہ کوئی اتر آئے!

حضرت پھولپوریؒ عاشقِ قرآن، دورانِ تقریر نعت کی جگہ حضرت قاری صاحب سے تلاوت ہی کی فرمائش کرتے رہے —— اس پہلی زیارت میں دوروز تک متعدد بار کی تلاوت میں مجموعی طور پر آٹھ رکوعات مسموع ہوئے، اگلے روز جمعہ کا خطبہ اور نماز جمعہ بھی آپ نے ہی پڑھائی، دورانِ خطبہ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے گلابی سنگِ مرمر کے حسین مجسمہ میں روح ڈال دی گئی ہو۔

احقر کو اتنی مدت میں ان گنت خوبصورت آوازیں سننے کا اتفاق ہوا ہے مگر اتنی خوبصورت آواز پورے بانکپن کے ساتھ کم ہی سنی، یہ کوئی تلمیذانہ مبالغہ آرائی نہیں ہے، حقیقت واقعی کا محض ادنیٰ اظہار ہے۔

دوسری زیارت

دوسری زیارت بھی غالباً ۱۹۶۵ء میں اسی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے سالانہ جلسہ میں ہوئی اس وقت آپ دارالعلوم دیوبند کے تدریسی سلسلہ سے وابستہ ہو چکے تھے، عمر نے ایک فاصلہ طے کر لیا تھا مگر آواز کا سحر اور بانکپن اور زیر و بم علی حالہ تھا۔

حضرت قاری صاحب سے شرفِ تلمذ

ایک طویل عرصہ ایسا گذرا جس میں احقر لیل ونہار کی گردشوں کی نذر رہا، بارہ سالہ تدریس کے بعد قسمت نے یاوری کی بفضلِ خداوندی، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر تکمیل تعلیم کا زرّیں وقت آیا، دو سال قیام رہا۔ دورۂ حدیث شریف کے سال میں اگرچہ خالی وقت بالکل نہیں ہوتا، پھر یہ کہ احقر قراءت کی ساری کتابوں کی تدریس سے گذر چکا تھا، مگر تمام پڑھنے پڑھانے کے باوجود وقت نکال کر صرف حضرت قاری صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے کی غرض سے ''طیبة النشر فی القراء ات العشر'' کی خواندگی کے لیے باضابطہ درخواست پیش کی اور یہ احقر کی خوش بختی ہے کہ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقعہ ملا۔

علم القراءت میں آپ کی قابلیت

محقق ابن الجزریؒ نے علم القراءات میں ''النشر فی القراء ات العشر'' تصنیف فرما کر دنیائے قراءت میں ایسا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اور اس میں بیان مسائل کے تحت ایسی تحقیقات رقم فرمائی ہیں، جس کی اب کوئی امید نہیں ہے آپ کے بعد کے سارے ہی مصنفین نے آپ کی اسی نادر تحقیقات کو اپنی تصنیفات میں نقل کیا ہے قراءات عشرہ پر بلا مبالغہ یہ ایک بے مثال کتاب ہے۔

محقق ابن الجزریؒ ہی نے پھر یاد کی آسانی کے لیے اپنی اس کتاب کے نفس مسائل کا عطر اور خلاصہ نکالا تو ایک ہزار پندرہ اشعار میں پوری کتاب منظوم کردی، اور پھر بلاشبہ یہ قصیدہ "دریا بکوزہ" کا مصداق ٹھہرا۔

اس قصیدہ کو پڑھانا کوئی آسان اور معمولی بات نہیں ہے (ویسے تو آج اس کی تدریس کا ہر کس وناکس دعویٰ کرسکتا ہے) اس وقت جب اس کی اردو شرحیں تقریباً ناپید تھیں، صرف متن سے قصیدہ حل کرنا اور طلبہ کو مطمئن کرنا غیر معمولی بات تھی۔

مزید یہ کہ حضرت قاری صاحب پڑھنے کے بعد پہلی بار ہمیں ہی پڑھا رہے تھے، اہل فن خوب واقف ہیں کہ اس کی تدریس ٹھوس اور عظیم صلاحیت ہی کی مرہونِ منت ہو سکتی تھی۔

بہر حال احقر آپ سے تلمذ کی نسبت کو دارین کی عظیم سعادت اور ایک بڑا شرف گردانتا ہے۔

تقریری اور تحریری صلاحیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب کو تقریر وخطابت کی بھی اعلیٰ صلاحیت عطا فرمائی ہے جلسوں اور مجامع میں آپ کے بیانات بہت مؤثر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس وصف سے عوام وخواص کو بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔

تقریر کے ساتھ تحریر وانشاء کی صلاحیت بھی بھرپور طور پر عطا ہوئی ہے شروع ہی سے آپ ملک کے متعدد اور معیاری جرائد ورسائل کے لیے مضامین لکھتے تھے اور یہ مضامین اعزاز وتشکر کے ساتھ طبع ہوتے تھے، اور بہت مقبول ہوتے تھے۔

مضامین بھی کسی ایک موضوع پر نہیں، مختلف النوع موضوعات پر ہوتے تھے، حالاتِ حاضرہ پر بھی ہمیشہ ضرورت کے تحت مضامین لکھتے، غرض علمی ادبی، اور سیاسی سارے ہی موضوعات آپ کے زیرِ قلم ہوتے۔

اسی کے ساتھ کتابوں پر تقریظات اور مقدمات بھی ہوتے، ان میں آپ محدود

صفحات کے اندر کتاب کے عنوان اور موضوع کا ایسا عطر اور خلاصہ درج فرمادیتے تھے کہ موضوع کتاب کا پورا مضمون نگاہوں میں پھر جاتا تھا۔

آپ کے تلامذہ حضرت قاری صاحب ہندوستان کے خوش آواز قراء میں سب سے عمدہ آواز اور لہجے کے مالک ہیں آواز اور لہجے کی کشش نے ملک بھر کے شائقین تجوید کو متوجہ کردیا، اور پھر آپ سے شرف تلمذ کے شائقین کی بڑی تعداد نے استفادہ کیا، ملک کے ہر گوشے میں آپ کے باصلاحیت تلامذہ، اور خوش آواز شاگردوں کی بڑی تعداد ہے اور یہ سب استاذ محترم کا نام روشن کررہے ہیں۔

دار العلوم دیوبند میں آپ ابتداءً شعبہ افتاء سے بھی متعلق رہے اور اس طرح فقہی مناسبت اور اس سے گہرا ربط وتعلق بھی آپ کو حاصل ہے، آپ سے استفادہ کرنے والے حضرات اس رُخ سے بھی ہیں۔

ایک بڑا نقصان احقر کے نزدیک دار العلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ کا ایک بڑا نقصان اور المیہ یہ بھی ہے کہ یہ ادارہ ایک خوش آواز اور خوش لہجہ معلم قراءت سے محروم ہوگیا۔

احقر اس نظریہ کا حامل ہے کہ شخصیات اصل ہوتی ہیں نہ کہ ادارہ اس لیے کہہ سکتا ہے کہ یہ ادارہ کی ایک محرومی ہے، اللہ رحم فرمائے۔

سلامتی طبع حضرت قاری صاحب کے نام کا ایک جز ”سلیم“ بھی ہے، اس جز کا بھرپور اثر آپ کے مزاج پر ہمیشہ رہا ہے، سلامتی آپ کی طبیعت میں رچی بسی ہے، چناں چہ جب دار العلوم دونیم ہوا تو آپ نے کسی سے وابستگی کے بجائے، اختلاف سے دور اور الگ رہ کر اپنی راہ الگ اپنائی، اور صرف دیوبند سے نہیں ملک سے بھی بہت دور، ایشیاء سے باہر —— امریکہ —— جا بسے۔

امریکہ میں ابتداءً متعلقین سوچتے رہے کہ آپ امریکہ میں خود کو کن مشغولیات کے حوالے کریں گے، مگر صلاحیت اپنی جگہ خود بنالیتی

ہے، اور بقول شاعر ؎

رند جو ظرف اٹھا لیں وہی پیمانہ بنے ❁ جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی مے خانہ بنے

اور آپ نے اپنی جامع صلاحیتوں سے خوب کام لیا، چوبیس گھنٹوں کے نظام کار کے لیے ایسے نظام الاوقات بنائے اور ان اوقات میں اتنی گوناگوں خدمات انجام دے رہے ہیں جسے فی زمانہ ایک مجلس علمی ہی انجام دے سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کامل صحت وسلامتی کے ساتھ تادیر آپ کا سایہ باقی رکھے۔ آمین!

گر تو می خواہی کہ باشی خوش ادا
کن ادا بس کن ادا بس کن ادا

(مسامرہ الدرحتیٰ کے استاذ)

حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

ولادت: آپ کی ولادت تقریباً ۱۹۴۲ء میں پالن پور کے ملحقات میں ایک موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا گجرات میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم کی ابتداء اپنے والد صاحب سے ہوئی، پھر وطن ہی کے مدرسہ میں ابتدائی کتابیں جناب داؤد چودھری، جناب ابراہیم جونیہ اور جناب حبیب اللہ چودھری سے پڑھیں۔

تعلیم: ابتدائی کتابیں پڑھ لینے کے بعد آپ دارالعلوم چھاپی جو علاقے کا مشہور مدرسہ ہے، داخل ہوئے اور وہاں آپ نے ماموں جناب عبدالرحمٰن صاحب شیرا سے "حکایات لطیف" وغیرہ کتابیں چھ ماہ تک پڑھیں، پھر وہاں سے اپنے ماموں صاحب کے ہمراہ سینڈھنی تشریف لے گئے اور وہاں بقیہ چھ ماہ تک آپ سے پڑھا، اس کے بعد آپ پالن پور حضرت مولانا محمد نذیر احمد صاحبؒ کے مدرسہ میں داخل ہوئے، اور وہاں چار سال تک حضرت مولانا نذیر صاحبؒ کے بھائی سے عربی کی متوسطات تک پڑھیں۔

سہارن پور آمد

متوسطات تک خواندگی مکمل کر لینے کے بعد آپ نے گجرات سے باہر کا علمی سفر اختیار فرمایا، سہارنپور تشریف لائے اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ۱۳۷۷ھ میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے تین سال تک پڑھا، یہاں جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان میں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی ہیں، آپ سے اکثر کتب پڑھیں، حضرت مولانا وقار احمد صاحب بجنوری، حضرت مولانا مفتی محمد یحیٰ صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا محمد یامین صاحب سہارنپوری ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں آمد

اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۸۰ھ میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے پہلے سال جلالین شریف ہدایہ اوّلین علم ہیئت پر ایک کتاب کے بیس ابواب، شرح چغمینی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

دوسرے سال مشکوۃ شریف ہدایہ آخرین، تفسیر بیضاوی سورۂ بقرہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، اس کے بعد ۱۳۸۲ھ میں کتب احادیث کی خواندگی مکمل کیں، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں خاص طور پر جن حضرات سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان میں حضرت مولانا اختر حسین میاں صاحب دیوبندی، آپ سے نصف اوّل ہدایہ پڑھی، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب اور حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب آپ سے تفسیر جلالین اور الفوز الکبیر پڑھی، حضرت مولانا سید حسن دیوبندی، حضرت مولانا عبدالجلیل کیرانوی، حضرت مولانا اسلام الحق اعظمی، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نبیرۂ حضرت النانوتویؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ مرادآبادی، حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی حضرت الشیخ جناب محمود عبدالوہاب المصری، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری، یہ واضح رہے کہ یہ تینوں مؤخر الذکر حضرات، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ کے تلامذہ ہیں۔

آپ نے ۲؍سال تک حضرت مولانا سید مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوری کی خدمت میں فتاویٰ کی مشق وتمرین بھی کی حضرت الاستاذ مولانا پالنپوری صاحب دامت برکاتہم حافظ نہیں تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اچانک اس کا احساس ہوا اور پھر لگ گئے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت جلد حافظ قرآن کریم ہو گئے۔

آغازِ تدریس

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اوّلاً آپنے دارالعلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت گجرات میں تدریس کا آغاز ۱۳۸۴ھ میں کیا۔

آپ نے یہاں ۹ رسال تک صحاحِ ستہ اور فنون کی کتابوں کا نہایت کامیاب درس دیا۔

۱۳۹۳ھ میں آنجناب کی کامیاب تدریس کی شہرت کے باعث ارباب دار العلوم دیو بند نے یاد کیا، آپ نے یہاں متوسطات سے لے کر منتہی کتابیں سب ہی پڑھائیں، اور اب برسہابرس سے دیگر اہم ترین کتابوں کے ساتھ صحاح ستہ میں اہم ترین اور گونا گوں خصوصیات کی حامل کتاب ''ترمذی شریف'' کا درس دے رہے ہیں، آپ کا درس امتیازی شان کا حامل ہوتا ہے۔

راقم الحروف نے ۱۳۹۵ھ میں جب تعلیم کے دورِ ثانی میں دار العلوم دیو بند میں داخلہ سال ہشتم میں لیا تھا اس وقت حضرت مولانا کے پاس اس جماعت کی دو اہم ترین کتابیں زیرِ درس تھیں، مسامرہ، دیوانِ متنبی، دونوں کتابیں جس اہمیت کی حامل ہیں وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہیں اس وقت کے بڑے بڑوں نے خاص طور پر مسامرہ پڑھانے سے پہلو تہی کی تھی، حضرت مولانا نے بغیر کسی ادنیٰ تامل وتردد کے اسے منظور فرمایا اور حق یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں جو بالکل الگ نوعیت کی ایک دوسرے کی متضاد تھیں، تدریس کا حق ادا فرمایا، اگر یہ کہا جائے کہ اس سال ان دو کتابوں سے بہتر اور تحقیقی درس کسی کتاب کا نہیں ہوا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہاں اپنے ایک دوست مولانا عبد الحمید نعمانی سلمہ کی تحریر کا ایک مختصر اقتباس درج کرنے کا جی چاہتا ہے۔

> ''حضرت مولانا دار العلوم دیو بند کے مقبول اور کامیاب اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں ان کا درس بڑا مقبول ہے کتب درسیات پر ان کی نظر بڑی گہری وسیع اور کلیات کے ساتھ جزئیات تک کو اپنے احاطہ اثر میں لیے ہوئے ہیں جن کو ان کے درس میں بیٹھنے اور سننے کا موقع ملا وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ درس اور فنون میں انہیں اجتہادی بصیرت حاصل ہے۔ پڑھانے کا ایک نرالہ انداز ہے، راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب سے ترمذی شریف اور بیضاوی شریف پڑھی، آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے تلامذہ کو گویا کہ کتابیں

گھول گھول کر پلا رہے ہیں، شاید ہی کوئی طالب علم ہو جوان کے اسباق سے
غیر حاضر رہتا ہو اور سچ تو ہے کہ درس نظامی کے پڑھنے پڑھانے کا طویل و وسیع
تجربہ ہے اور فن پر بڑی مضبوط گرفت ہے"۔ (ترجمان دارالعلوم: مئی ۱۹۹۹ء)

آج کے دور قحط الرجال میں حضرت مولانا کو دیگر اساتذہ کرام سے جو چیز ممتاز کرتی ہے اور طلبہ اور متعلقین کو والہانہ انداز سے چاہنے پر مجبور کرتی ہے وہ شے نادر، رجال سازی اور مردم گری کی صفت ہے، آپ اپنے متعلقین اور طلبہ کے علمی و تعلیمی مشاغل سے برابر واقفیت رکھتے ہیں اور حسب صلاحیت انہیں پڑھنے لکھنے میں مشغول رکھتے ہیں، انہیں مفید اور کارآمد مشاغل میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور مختلف انداز میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

راقم الحروف اپنے کج مج اور ٹوٹے پھوٹے انداز میں جو کچھ کاغذ سیاہ کرتا ہوا نظر آتا ہے وہ درحقیقت حضرت مولانا دامت برکاتہم کی توجہات ہی کا صدقہ ہے، فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء!

تصنیف و تالیف

حضرات متقدمین کی تصانیف کی لمبی چوڑی فہرست دیکھ کر دنیا حیرت زدہ ہے ابھی ماضی قریب کی شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے تصنیفی کارنامے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے مگر ان کے شب و روز کے نظام الاوقات اور اس پر منٹوں کے حساب سے مضبوطی کے ساتھ پابندی پر نظر ڈالنے سے یہ حیرت و استعجاب دور ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اوقات کا مکمل انضباط اور تقوائی زندگی یہی وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نیک بندوں کی زندگی اور ان کے ایک ایک منٹ میں ایسی برکت عطا ہوتی ہے کہ ایک ایک منٹ پورے ایک ایک دن ان کے ایک دن ہفتوں اور مہینوں پر بھاری

ہو جاتے ہیں، اور وہ اس حیاتِ مستعار میں ایسے محیر العقول کارنامے انجام دے جاتے ہیں کہ دنیا اسے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ وقت جیسی عظیم اور بے مثال قیمتی متاع کی دورِ حاضر میں جتنی ناقدری ہوئی ہے اتنی کبھی نہیں ہوئی وقت کے ناقدر شناسوں کی سمجھ میں اسی لیے نہیں آتا، مگر توفیق یافتہ بندگانِ خدا نے اس کلید کی حقیقت کو جانا، سمجھا اور اسے استعمال کیا تو علم و حکمت تعلیم و تعلّم ذکر و تذکیر وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف کے سارے دروازے، ان کے لیے کھلتے چلے گئے، حال کی دو شخصیات کے نام اور کام ہمارے سامنے ہیں، ایک جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ پاکستان میں اور دوسری شخصیت زیرِ تذکرہ استاذی حضرت مولانا پالنپوری صاحب مدظلہ... سفر و حضر میں جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ؎

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

پر عمل کرتے ہوئے موصوف کس طرح وقت کی کلائی کو مروڑ کر اپنے موافق کرتے ہیں۔ جس طرح حضر میں لکھنے پڑھنے کے اوقات کا انضباط رہتا ہے، سفر میں بھی اسی طرح سامانِ نوشت و خواند کے ساتھ یہ لکھنا پڑھنا جاری رہتا ہے، کوئی وقت ضائع نہیں ہونے پاتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ابتدائی کاموں سے لے کر تفسیر ہدایت القرآن اور اب تازہ ترین عظیم تصنیف ''رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ'' اور اس کے درمیان کی پچیس سے زائد تصنیفی خدمات نگاہ و قلب کے لیے سامانِ نور و سرور بنی ہوئی علماء و محققین سے خراجِ تحسین وصول کر رہی ہیں، ان کتابوں کا صرف سرسری تذکرہ پیش کیا جاتا ہے، اس میں زمانی ترتیب کا لحاظ نہیں ہے۔

﴿۱﴾ ہدایت القرآن فی تفسیر القرآن

یہ تفسیر ابتداءً مولانا کاشف الہاشمی مرحوم نے ایک خاص انداز پر لکھنی شروع کی

تھی مگر موصوف سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی، حضرت الاستاذ نے آپ سے لے کر ان کے کئے ہوئے حصے سے آگے تفسیر شروع کی، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ ہاشمی صاحب کے انداز کو کامیابی کے ساتھ باقی رکھا، بلکہ تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے اس سے بہت آگے بڑھادیا۔ یہ تفسیر حالات کے نشیب و فراز اور مختلف النوع ہجوم کار و اشتغال کے باعث ابھی نصف قرآن تک پہنچ سکی ہے، دنیاء علم مدتِ دراز سے اس کے انتظار میں آنکھیں کھولے ہوئے ہے خدا کرے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اور شائقین کے ہاتھوں میں ایک انمول تفسیر آئے۔

﴿۲﴾ رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ

''حجۃ اللہ البالغہ'' حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی زبردست کتاب جو آپ کی وفات ۱۱۷۶ھ کے ایک سو دس سال بعد ۱۲۸۶ھ میں پہلی بار طبع ہوئی اور اب دو سو انچاس سال کے بعد اس کی اردو شرح (۱۴۲۲ھ میں شروع ہو کر) ۱۴۲۵ھ میں مکمل ہو کر پانچ جلدوں میں اہل علم کے ہاتھوں میں آئی ہے۔ یہ عظیم الشان علمی افادات، خصوصیات اور قابل صد قدر کاوشوں سے آراستہ حضرت الاستاذ کی جانب سے ایک بیش بہا علمی تحفہ ہے، ''حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی علمی کتاب کو حل کرنے کے لیے شارح مدظلہ کے پاس کوئی ماخذ نہیں تھا، کتاب کے جو چار تراجم تھے وہ بوقت ضرورت غیر مفید تھے، بس صرف مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ایک قلمی تقریر تھی، اس صورت حال میں حضرت مولانا نے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دینے کے لیے کمر ہمت باندھی، اس کے لیے زبردست اہتمام فرمایا، اور پھر بحمد اللہ پانچ ضخیم جلدوں میں اس اولین شرح سے اسلامی کتب خانہ اور علمی لائبریری میں ایک گرانقدر اضافہ ہوا۔

اس عظیم شرح ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' کی خصوصیات اس کے علمی فوائد، توضیحی تشریحات اور حضرت شارح مدظلہ العالی کی محنت اور خدمات کی حقیقی قدر و منزلت کو سمجھنے

کے لیے ضروری ہے کہ "اللہ کی اس وسیع رحمت" کے طویل سائے میں وقت گذارا جائے، اس کے گھنے اوراق کے عریض چھاؤں میں وقت بسر کیا جائے اور اس کے علمی گل ولالہ کی خوشبوؤں سے اپنے مشام جان کو معطر کیا جائے۔

رسائل اور جرائد نے ابتدائی جلدوں پر تعارفی تحریر شائع کی، خراج تحسین وتبریک پیش کی اور کریں گے دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے اراکین کی جانب سے بھی تحسین وتبریک کی تجویز پیش کی گئی۔ (ماہنامہ ترجمان دار العلوم، ستمبر ۲۰۱۰ء میں تفصیلی تعارف ملاحظہ کریں)

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی عمر میں خوب خوب برکت عطا فرمائے، صحت وعافیت کے ساتھ آپ کا مبارک سایہ دراز فرمائے، اور آپ کے فیوض سے ہم طالب علموں کو بیش از بیش متمتع فرمائے، آمین!!

۳۔ فیض المنعم شرح اردو مقدمہ مسلم

احادیث کے مجموعوں میں امام مسلمؒ کا مرتب کردہ مجموعہ صحیح مسلم شریف کی جو حیثیت ہے وہ ظاہر وباہر ہے مذہب مختار اگرچہ یہی ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف ہے، مگر علماء مغرب کے نزدیک پہلا نمبر مسلم شریف کا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استفادہ کے اعتبار سے بخاری شریف سے مسلم شریف زیادہ آسان ہے مسلم شریف کا مقدمہ بہت گوناگوں اہمیت کا حامل ہے، اساتذۂ مسلم شریف اس کے حل وبیان میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ اس مقدمہ کی شرح وتبیین کی ہمیشہ ضرورت رہی اور اس ضرورت کی تکمیل کی طرف علماء نے توجہ بھی کی، ہمارے حضرت الاستاذ نے بھی مقدمہ مسلم کے حل کے لیے اس جانب توجہ فرمائی۔

ابتدائی صورت تو ۱۴۰۲ھ میں پیدا ہو چکی تھی، پھر ۱۴۰۴ھ اور ۱۴۰۷ھ میں یہ متعلقہ تحریر گرامی سامنے آئی مگر طباعت کی منزل سے دور رہی، پھر ۱۴۰۸ھ میں از سر نو اس کی جانب توجہ مبذول فرما کر طباعت کے مرحلے سے گزار دیا۔

حضرت الاستاذ نے مقدمہ کی اس شرح میں جن امور کا بطور خاص لحاظ فرمایا ہے وہ نہایت گرانقدر ہے، اور اپنے یوم اشاعت سے حدیث شریف کے طلبہ کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

﴿۴﴾ مفتاح التہذیب شرح اردو تہذیب

''ایسا قانون جس کی رعایت ذہن انسانی کو فکری غلطیوں سے محفوظ رکھے اسی فطری قانون کا نام منطق ہے، ''تہذیب'' اسی فن کی مشہور درسی کتاب ہے۔ اور زیر تذکرہ کتاب ''مفتاح التہذیب'' اسی ''تہذیب'' کی سلیس فنی اسلوب میں سہل ممتنع اردو شرح ہے، کتاب کے آغاز میں اس کتاب کے مرتب حضرت مولانا خورشید انور گیاوی سلمہ ومدظلہ کی تحریر بہ عنوان ''عرض مرتب'' ہے مناسب ہے کہ انہیں کے الفاظ درج کردیے جائیں۔

''مفتاح التہذیب'' حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم کی درسی تقریر ہے جسے صاحبزادۂ محترم رشید احمد صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اہتمام کے ساتھ دوران درس قلم بند کیا تھا، یہ تقریر ملک کے متعدد مدارس کا سفر کرتی رہی، یعنی مدارس عربیہ کے اساتذہ اس کی نقلیں حاصل کرکے استفادہ کرتے رہے، حضرت مولانا کی جانب سے اشاعت کی اجازت نہ تھی، مگر بار بار کی باصرار اجازت طلبی اور دوبارہ ترتیب اور نظر ثانی کی درخواست کے بعد اجازت مل گئی میں نے یہ افادات مرتب کرکے پیش کیے تو مکمل نظر ثانی کے بعد اشاعت کی اجازت عنایت فرمائی ''مفتاح التہذیب'' درحقیقت مفتاح المنطق یعنی علم منطق کی کلید ہے، اس کا صحیح اندازہ پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ہی ہوگا''۔

﴿۵﴾ مفتاح العوامل شرح شرحِ مأۃ عامل

یہ حقیقت ہے کہ ہر شرح نہ کتاب حل کرتی ہے اور نہ مفید ثابت ہوتی ہے، یہ امتیاز

اسی شرح کو نصیب ہوتا ہے، جس کا مصنف ذی استعداد ماہر فن طلبہ کی نفسیات سے واقف اور تصنیف کا سلیقہ رکھتا ہے، جب اردو شرحوں کا رواج چل پڑا ہے تو اب اس کا اہتمام کیا جانا چاہیے کہ قابل ماہر اساتذہ کی لکھی ہوئی شرحیں طلبہ تک پہنچیں۔ حضرت الاستاذ مولانا پالن پوری صاحب مدظلہ آگے پیش لفظ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"استاذی فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادیؒ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند (م۱۳۹۲ھ) نہ صرف شیخ الحدیث تھے بلکہ تمام علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، فنون کی بہت سی کتابیں آں حضرت کو نوک زبان تھیں، آپ نے اپنے صاحبزادے کی تعلیم کے لیے "شرح مأۃ عامل" کی نہایت سہل، جامع مانع شرح تحریر فرمائی تھی جس میں فن کی بہت سی قیمتی باتیں نہایت آسان انداز میں بیان فرمائی تھیں، مگر مسودہ اس طرح لکھا ہوا تھا کہ اس کی ترتیب وتکمیل اور عنوانات کے اضافہ کے بغیر کتاب سے پورا فائدہ ممکن نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ اہم خدمت عزیز مکرم مولانا خورشید انور گیاوی سلمہ (استاذ دارالعلوم دیوبند) کے لیے مقدر فرمائی تھی، موصوف نے بڑی جانکاہی اور دیدہ ریزی سے اس کو مرتب کیا اور میں نے آں عزیز کے ساتھ مل کر کتاب کا ایک ایک لفظ بغور پڑھا۔ اور اس کا نام مفتاح العوامل تجویز کیا، آں عزیز نے آخر تک ضروری ترکیب کا اضافہ کیا"۔

یہ کتاب اس طرح مزید گرانقدر ہوگئی کہ اس کے تمام الفاظ حضرت الاستاذ مولانا پالنپوری کی دوررَس نگاہوں سے گذر گئے یہ کتاب بیحد مقبول ہوئی اور بڑے آب وتاب کے ساتھ برابر طبع ہورہی ہے۔

۶۱ گنجینۂ صرف شرح پنج گنج

جس طرح شرح مأۃ عامل کی شرح حضرت فخر المحدثینؒ نے لکھی جس کا ابھی اوپر

ذکر ہوا، اور اس کا نام حضرت پالنپوری مدظلہ نے مفتاح العوامل تجویز کیا، اسی طرح زیر تذکرہ کتاب بھی حضرت فخر المحد ثین المذکور کی کتاب ہے، اور اس کا عمدہ نام گنجینۂ صرف شرح پنج گنج حضرت پالنپوری مدظلہ کا تجویز کردہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''کتاب فن صرف کی قیمتی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک نہیں بلکہ پانچ خزانے، اور حضرت قدس سرہ کی تحقیقات نے تو اس میں چار چاند لگائے ہیں''۔

''اس شرح کا مسودہ بھی ترتیب وتکمیل کا محتاج تھا''۔

حضرت مولانا پالن پوری صاحب مدظلہ نے اس کتاب کی از سرِ نو تسوید کی اس کی ترتیب وتکمیل اور مزید تشریح کا پورا حق ادا فرمایا۔ فوائد کا اضافہ فرمایا بہت سی جگہوں پر متن کا ترجمہ نہیں تھا، ترجمہ بڑھایا، مسودہ میں چھوٹی ہوئی جگہوں کو مضمون سے مکمل فرمایا، کتاب پر حواشی لکھے (سوائے ایک حاشیہ کے) عنوانات لگائے، غرض حضرت پالنپوری کی محنت کے بعد اپنے موضوع پر یہ ایک لاجواب اور گرانقدر کتاب ہوگئی، ایسی کہ آنکھوں سے لگائیں، دل ودماغ میں اتاریں۔

◆۷◆ آپ فتویٰ کیسے دیں؟

فتویٰ نویسی کے اصول وآداب میں علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب شرح عقود رسم المفتی کا سلیس ترجمہ مفید اور گرانقدر عنوانات ضروری اور اہم وضاحت اور فقہاء اور کتب فقہیہ کا مفصل تعارف اور کتاب میں وارد ایک سو سولہ (۱۱۶) شخصیات کا تعارف حواشی میں زیب کتاب ہے۔

◆۸◆ الفوز الکبیر کی تعریب کی تہذیب وتعلیق

حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' دریا بکوزہ کی حقیقی مصداق ہے، شاہ صاحب نے یہ کتاب عصری زبان

فارسی میں لکھی تھی، روز تصنیف سے ہی یہ کتاب داخل نصاب رہی، جب زبانِ فارسی کا رواج ختم ہوا تو اس کتاب کی تعریب کی گئی، تعریب کی نسبت علامہ محمد منیر الدمشقی کی جانب ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

الفوز الکبیر کی بار بار لیتھو کی طباعت سے کتاب کے استفادہ میں دشواری ہو رہی تھی، حضرت مولانا پالن پوری مدظلہ نے کمپیوٹرائز کرانے کا ارادہ فرمایا تو تعریب پر نظر ثانی فرمائی اور اصل فارسی متن سے مقابلہ کیا جس میں بہت سے مقامات پر یا تو صحیح ترجمہ نہیں ہوسکا تھا یا تو اصل عبارت ہی رہ گئی تھی، جس سے حضرات اساتذہ کو بھی دشواری ہو رہی تھی۔

حضرت مولانا نے اصل فارسی متن اور رائج معرب نسخہ کا مقابلہ کر کے تعریب کی تہذیب کی اور جہاں جہاں مترجم سے عبارت چھوٹ گئی تھی اس کا اضافہ کیا، اس کے ساتھ پھر عناوین قائم کئے اور ترقیمات لگائیں، مزید گرانقدر تحقیقی حواشی لکھے جس سے کتاب کا سمجھنا انتہائی آسان ہوگیا ہے۔

اس مہذب نسخے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہی نسخہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں داخل نصاب ہے۔

﴿۹﴾ العون الکبیر شرح الفوز الکبیر

علم تفسیر جیسا کہ معلوم ہے قرآن کریم کے تبیین وتشریح کے لیے وجود میں آیا۔ ہر اہم علم کے کچھ نہ کچھ اصول ہوتے ہیں انہیں اصول کے تحت علوم آگے اپنا سفر طے کرتے ہیں۔

تفسیر کے اصول پر الامام الاکبر حضرت حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ''الفوز الکبیر'' فی اصول التفسیر'' معروف ومشہور ہے۔

زعیم حریت، مشہور مفکر حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ایک بار حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا کہ مجھے قرآن کریم کے تفسیری اصول وعلوم سے متعلق کسی کتاب کی نشاندہی فرمادیجئے، حضرت شیخ الہندؒ نے سیوطیؒ کی الاتقان، کا نام لیا، حضرت سندھیؒ نے عرض کیا!

میں اسے دیکھ چکا ہوں، مجھے اس سے اطمینان حاصل نہیں ہوا، کوئی اور کتاب بتایئے، کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے الامام الاکبر محدث دہلویؒ کی اسی کتاب کا نام لیا، اور پھر بالآخر علامہ سندھیؒ نے مطالعہ کے بعد اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا۔

آج سے تقریباً تیس سال پہلے حضرت الاستاذ نے اسی اہم کتاب کی شرح ''العون الکبیر'' لکھی، جس میں عربی ترجمے کی لغزشوں کی اصلاح کرتے ہوئے کتاب کو نہایت عمدہ انداز اور مکمل طریق پر حل فرمایا، ساتھ ہی دیگر اہم مباحث عربی اور اردو کتب سے جمع فرمایا۔ بالخصوص حضرت نانوتویؒ کی کتابوں سے استفادہ کرکے اس کتاب میں چار چاند لگائے، ساتھ ہی بعض مضامین میں حضرت الامام الدہلویؒ پر استدراک بھی فرمایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں جس سے بدکا جائے، خود مولانا بنوریؒ نے، حضرت الامام الدہلویؒ کی تمام تر جلالت شان کے باوجود لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بعض آراء سے اتفاق مشکل ہے۔

بہر حال الفوز الکبیر کی یہ شرح ایک عجالہ نافعہ ہے جس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے، حضرت الاستاذ کا عظیم احسان ہے اس فن کے طلبہ اور اساتذہ پر۔ فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

۱۰۰ کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی معرکۃ الآراء کتاب۔ ''توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام'' کی محققانہ شرح ہے۔

یہ مسئلہ کہ مقتدی فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟ سری اور جہری نمازوں کا ایک حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ - یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے ہر مسلمان کو روزانہ پانچ مرتبہ سابقہ پڑتا ہے، ضروری ہے کہ ہر مسلمان اس مسئلہ کو خوب سمجھ لے حضرت الامام نانوتویؒ نے اس کتاب میں یہ مسئلہ مدلل بیان فرمایا ہے۔

لیکن حضرت نانوتویؒ کی کتاب اور وہ بھی جو دقیق کتابوں کی فہرست میں آتی ہے اس کا سمجھنا کچھ آسان نہیں ہے، اچھے اچھے اہل علم کو پسینہ آجاتا ہے، آپ کی کتابوں کو سمجھنے اور سمجھانے والے صرف وہی اصحابِ علم ہوسکتے ہیں، جنہیں خود حضرت نانوتویؒ کے علوم سے مناسبت ہو، ایسے اہل علم خال خال ہی ہوتے ہیں، الحمدللہ حضرت الاستاذ پالنپوری مدظلہ کو اللہ رب العزت نے مناسبت عطا فرمائی ہے جس کا برملا اظہار حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا، چنانچہ اسی مناسبت کا یہ ثمرہ ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس دقیق کتاب کی ایسی عمدہ اور نفیس شرح آج طلبہ اور اساتذہ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی اور اس طرح کی دقیق اور ادق کتابیں بھی آپ کے ہاتھوں تشریح کے مراحل سے گذر کر سہل ہوجاتیں تو امت کو فائدہ عظیم ہوجاتا، کاش!

◆۱۱◆ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں

ڈاڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے بلکہ انسانی اور فطری اصول سے خواصِ رجولیت میں سے ہے، لیکن افسوس کہ سب سے زیادہ مسلمان ہی اس کی صفائی کے درپے ہیں اور اس طور سے قومی وملی امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کے لیے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

ایک تعلیم یافتہ شخص نے ڈاڑھی سے متعلق ایک طویل سوال حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ (م ۱۴۰۴ھ) شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ اندیر کی خدمت میں تشفی کے لیے پیش کیا تھا، آپ نے اس کا جواب لکھنے کے لیے حضرت مولانا پالنپوری صاحب مدظلہ سے فرمایا، حضرت مولانا مدظلہ نے جواب ہی نہیں لکھا بلکہ اس موضوع پر نہایت جامع کتاب تیار کردی۔

یہ کتاب پہلے ”ڈاڑھی اور فطرت کی باتیں“ کے عنوان سے شائع ہوئی تھی، پھر چار سال کے بعد ۱۳۹۴ھ میں دوبارہ شائع کی گئی تو سابقہ نام بدل کر ”ڈاڑھی اور انبیاء

کی سنتیں" رکھا گیا، اور پھر اس نظر ثانی اور اس کے بعد کی نظر ثالث ورابع میں اس کتاب میں زبردست اضافہ ہوا، اور بہت سے اہم مسائل اور فتاوے بڑھائے گئے جس سے کتاب کا نفع بیش از بیش ہوگیا۔

۱۲ آسان صرف (دو حصے)

علم صرف، عربیت کے لیے بنیادی علم ہے، اسی علم کے ذریعہ لفظوں کی گردان، صیغوں کی پہچان اور صیغے بنانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، اس علم سے الفاظ کا صحیح تلفظ آجاتا ہے۔

اس موضوع پر متعدد رسائل لکھے گئے مگر زیر نظر رسالہ "آسان صرف" استاذ گرامی نے اپنے تجربہ کی روشنی میں اور اپنے طریقہ تعلیم کے مطابق مرتب فرمایا ہے، جس میں اس بات کی رعایت رکھی گئی کہ بچوں کی نفسیات اور ابتدائی صلاحیتوں کا لحاظ ہو اس لیے ابتداء ہی سے قواعد کا بوجھ زیادہ نہ پڑے، حصہ اوّل میں تمرینات کم دی گئی ہیں، یہ سب امور حصہ دوم میں آئیں گے، اگر بچوں کو توجہ سے پڑھایا گیا اور بچوں نے توجہ سے گردانیں مضبوط کرلیں تو بلاشبہ اس کتاب کے ذریعہ ان کا بیڑا پار ہوجائے گا۔

۱۳ آسان نحو (دو حصے)

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے اپنے صاحبزادے احمد سلمہ کو جب ابتداءً اس وقت کی رائج کتابیں "علم النحو اور" کتاب النحو" پڑھانی چاہی تو محسوس فرمایا کہ ان کتابوں کی سطح چھوٹے بچوں کی فہم سے بلند اور مشکل ہے، یہ کتاب اسی کا لحاظ کرکے مرتب فرمائی گئی کہ بچے کی ذہن پر یکبارگی بہت زیادہ بوجھ نہ پڑجائے اور فن نحو کی تحصیل وتعلیم بہت مشکل نہ معلوم ہو۔

۱۴ آسان منطق ترتیب تیسیر المنطق

آج سے تقریباً ستاسی سال پہلے ایک متبرک رسالہ "تیسیر المنطق" از مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی تصنیف ہوا، اس کتاب پر تحشیہ کا کام بڑے بڑے متبرک

حضرات نے انجام دیا، اس رسالے کی نوک پلک درست کی گئی، اتنی طویل مدت میں زبان کہاں پہنچ گئی، انداز بیان میں کتنی تبدیلیاں آچکی ہیں اور استعداد وصلاحیت کمزور سے کمزور تر ہو چکی ہے۔

حضرت الاستاذ نے جب اپنے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تو بار بار اس متبرک کتاب کی ترتیب کا خیال آیا اور متعدد اور اہم ضرورتیں محسوس کیں، یہ "آسان منطق" حضرت مولانا کی انہیں محسوسات کا پیکر جمیل ہے، اساتذہ کے لیے مشورہ ہے کہ اس کتاب کو دیکھیں، اس کی افادیت کو سمجھیں اور اپنے زیر درس طلبہ کو اس سے مستفید فرمائیں۔

۱۵ اسلام تغیر پذیر دنیا میں

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ صرف ایک انگریزی تعلیم کا ادارہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے کیمپس میں بڑی علمی ہلچل اور چہل پہل رکھتا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی زندہ علوم اور موضوعات ہو سکتے ہیں سب پر آئے دن جلسے، تذکار اور سیمینار ہوتے رہتے ہیں اس طرح علوم وفنون کو زندہ وتابندہ رکھنے میں اس جامعہ کا بڑا دخل ہے۔

کچھ ایسا ہی حال جامعہ ملیہ دہلی کا بھی ہے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سیمیناروں اور جلسوں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالے تغیر پذیر دنیا میں اسلام کو جن مسائل کا سامنا ہے ان پر بصیرت افروز اور چشم کشا تبصرہ جدید مسائل کے حل کی مختلف تدبیروں کی نشاندہی اور صحیح طریق کار کی تعیین۔ اور ان کے علاوہ دیگر بیش قیمت عنوانات اور مضامین اس کتاب میں نظر آتے ہیں۔

پہلا مقالہ: اسلام تغیر پذیر دنیا میں: (از: مولانا مدظلہ۔ پیش کردہ جنوری ۱۹۷۷ء (از: صفحہ ۱۳-تا-صفحہ: ۴۰)

دوسرا مقالہ: فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ ضرورت اور لائحہ عمل: (از: مولانا مدظلہ۔ پیش کردہ جامعہ ملیہ دہلی کے سیمینار میں دسمبر ۱۹۷۶ء (از: صفحہ ۴۱-تا-۵۲)

تیسرا مقالہ: فقہ حنفی میں فہم معانی کے اصول، اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ۔ (از: مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ۔ جامعہ ملیہ دہلی کے سیمینار میں دسمبر ۱۹۷۶ء (از: صفحہ ۵۳ - تا صفحہ ۶۶)

چوتھا مقالہ: نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟ (از: مولانا پالنپوری مدظلہ۔ جامعہ ملیہ دہلی کی عظیم الشان مسجد میں اپریل ۱۹۷۷ء میں اساتذہ اور طلبہ کے اجتماع میں پڑھا گیا۔ (از: صفحہ ۶۹ - تا - ۱۰۸)

♦۱۶♦ حیاتِ امام طحاویؒ

احادیث شریف کے مجموعوں کے مرتبین میں حضرت امام ابوجعفر طحاویؒ بڑے عالی مقام و مرتبہ ہوئے ہیں یہ کتاب امام طحاویؒ کے تفصیلی حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، ان کے حکیمانہ اصول، نظر طحاوی کی توضیح، آپ کی خاص اصطلاحات، طبقات فقہاء اور ان میں امام صاحب کا رتبہ، شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف - اور اس کی تمام شروحات کا مفصل جائزہ سلیس اور زندہ اسلوب میں!

سو کے قریب عنوانات پر مشتمل اس کتاب کے مطالعہ سے علم حدیث وفقہ سے تعلق اور شوق وذوق رکھنے والوں کو عظیم فائدہ ہوگا۔

♦۱۷♦ حیاتِ امام ابوداوٗدؒ

صحاح ستہ میں ایک اہم اور خاص انداز پر مرتب کیا ہوا احادیث کا عظیم الشان مجموعہ "ابوداوٗد شریف" سے کون ناواقف رہ سکتا ہے، امام سلیمان ابن الاشعث المکنی بابی داوٗد کی حیات کے اہم ترین گوشوں کو سامنے لانے والی یہ کتاب بھی بڑی البیلی ہے، امام ابوداوٗدؒ کے مکمل حالات زندگی، تصانیف کا تذکرہ، "سنن ابی داوٗد کا تفصیلی تعارف اور اس کی تمام شروحات ومتعلقات کا مفصل جائزہ سلیس اور دلنشیں اسلوب بیان میں۔

﴿۱۸﴾ مشاہیر محدثین وفقہاء کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث

یہ حضرت الاستاذ کی ایک کتاب "آئینۂ اکابر" پر نظر ثانی شدہ ایک گراں قدر کتاب ہے جس کے شروع میں خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، مکثرین صحابہ (ایک ہزار سے زائد رواۃ احادیث) ازواج مطہرات، ذریت طیبہ، مدینہ کے فقہائے سبعہ وغیرہ کا تذکرہ بڑھایا۔ ساتھ ہی -مؤطین، اور مشکوٰۃ شریف کے رواۃ کا تذکرہ شامل کتاب کیا، نیز فقہائے احناف کی صدی وار ترتیب، اس میں ضروری ناموں کا اضافہ، ان سب حضرات کے اسماء وانساب، اور تاریخ ولادت ووفات کا ذکر، اور بعض حضرات کی تصانیف یا دیگر ضروری احوال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حدیث شریف کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے بلاشبہ یہ بڑی بیش قیمت اور گرانقدر کتاب ہے۔

﴿۱۹﴾ حرمت مصاہرت

حرمت مصاہرت -- یعنی سسرالی اور دامادی رشتوں کے مفصل احکام اور ناجائز انتفاع کا مدلل حکم -- واضح رہے کہ حرمت مصاہرت کا مسئلہ خصوصاً لمس ونظر اور حرام جماع سے ثبوت حرمت کا معاملہ -- دلیل کے اعتبار سے فقہ حنفی کا دقیق مسئلہ ہے، دوسروں کے اعتراضات سے قطع نظر بہت سے حنفی علماء کو بھی اس مسئلہ پر تشفی نہیں ہوتی۔

شائقین اور مسئلہ کی اہمیت سے واقفین کے مسلسل اصرار پر حضرت الاستاذ نے اس دقیق مسئلے کو واضح فرمایا ہے، یہ کتاب پچپن عناوین کو اسی صفحات کے دامن میں سمیٹے ہوئے ایک اچھوتے عنوان پر نادر کتاب ہے۔

﴿۲۰﴾ محفوظات

قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی تعلیم وتعلم ہی مدارس عربیہ کی غرض وغایت ہے جس میں کامیابی اس پر موقوف ہے کہ طالب علم کو ان کا معتد بہ حصہ محفوظ ہو، آیات والفاظ

قرآنی اور احادیث کو یاد کرنے کا یہ ایک اہم ترین مقصد اور فائدہ ہے دیگر اور فوائد یہ ہیں:

(۱) محفوظات سے عبارت خوانی کی استعداد پیدا ہوتی ہے (۲) محفوظات، بات سمجھنے میں مدد و معاون بنتے ہیں۔ (۳) محفوظات مسئلہ کی تفصیلات یاد رکھنے میں مددگار رہتے ہیں۔ (۴) محفوظات کا بڑا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب طلبہ فارغ ہو کر تعلیم و تربیت اور دعوت و اصلاح کے میدان میں قدم رکھتے ہیں اس وقت اگر عالم اور داعی کو وہ آیات قرآنی اور احادیث شریفہ جو دین کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہیں یاد ہوں تو وہ اس کے لیے بڑا سہارا بنتی ہیں۔

ہمارے مدارس عربیہ میں اس کا رواج بہت کم ہے جو ایک افسوسناک صورت ہے مگر اس کوتاہی کو جتنی جلد ممکن ہو دور کر لینا ضروری ہے، ضرورت ہے کہ ارباب مدارس مربیان امت اور اساتذہ کرام اس طرف توجہ فرمائیں ہر درجہ میں محفوظات کا سلسلہ جاری کریں۔

اب تک کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔ تحقیقی ذوق رکھنے والوں کے لیے کتاب کے آخر میں احادیث کے حوالے بھی درج کیے گئے ہیں جو خاصہ کی چیز ہے۔

﴿۲۱﴾ تحفۃ الدرر

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی اصول حدیث پر بے نظیر کتاب ''نخبۃ الفکر'' ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت مولانا نے اس کی شرح ''تحفۃ الدرر'' کے نام سے ایک انوکھی تشریح پیش کی ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ کی تحریر ملاحظہ کریں:

> ''حضرت مولانا پالن پوری زید مجدہم نے اصطلاحات محدثین سے طلبہ حدیث کو بہ آسانی واقف کرانے کے لیے ''نخبۃ الفکر'' کی اردو شرح لکھی ہے حضرت موصوف کو چوں کہ خداوند قدوس نے رسوخ فی العلم کے ساتھ مرتب گفتگو کا سلیقہ عطا فرمایا ہے اس لیے ان کی زیر نظر تحریر بھی حسن ترتیب میں

اور مشکل کو آسان بنانے میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے"۔

بلاشبہ اس کتاب کے ذریعہ محدثین کرام کی اصطلاحات اور فن اصول حدیث کا مغز اور عطر طلبہ کے ہاتھ آجائے گا۔

۲۲ زبدة الطحاوی شرح طحاوی شریف

حضرت مولانا پالن پوری مدظلہ کو بزمانہ تدریس راندیر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار پڑھانے کو ملی تھی، مولانا نے ایک خاص داعیہ قلبی کے تحت دوسال کے عرصہ میں اس کتاب کے ایک معتدبہ حصہ پر کام کیا تھا یہ کتاب زبدہ بھی عربی میں ہے۔اس میں شرح معانی الآثار کی تلخیص اور مشکل مقامات کی تشریح کی گئی ہے۔

امام طحاویؒ کی نظر خاص طور پر اہم ہے، اس کی طرف بطور خاص توجہ کی ہے اور اسے حل فرمایا ہے، جابجا مفید حواشی بھی بڑھائے ہیں۔

۲۳ معین الفلسفہ

"میبذی" پہلے فن سمجھ کر پڑھی جاتی تھی اس سے پہلے "ہدیہ سعیدیہ" یا ہدایت الحکمت" ضرور پڑھائی جاتی تھی، پھر یہ کہ پڑھنے والے ذہین ہوتے تھے، اب وہ ذوق وشوق نہ طلبہ میں رہا اور نہ اساتذہ ہی اس طرح کے رہے اس لیے اب کتاب کا سمجھنا ایک مسئلہ بن گیا۔

اس صورت حال کے باعث بڑے غور وفکر کے بعد طے کیا گیا کہ فن کی مصطلحات پر ایک رسالہ لکھا جائے، اور اسے "میبذی" سے پہلے پڑھایا جائے۔ یہ کام حضرت مولانا کے سپرد ہوا۔آپ نے اس پر ایک رسالہ "مبادی الفلسفہ" کے نام سے لکھا اور وہ چھپ گیا، مگر اس کی تنگ دامانی کے باعث اس کتاب میں تمام ضروری مضامین نہیں لیے جاسکے، اس کے لیے اردو میں ایک رسالہ مرتب فرمایا جو اس "مبادی الفلسفہ" کی شرح بھی ہے اور باقی ماندہ مضامین بھی اس میں آگئے۔اسی کا نام "معین الفلسفہ" ہے۔

لمحۂ فکریہ

اوپر حضرت الاستاذ مولانا پالن پوری مدظلہ العالی کی چند تصانیف کی جانب مختصر تعارفی اشارہ ہوا، آپ کی ساری کتابیں اس وقت سامنے نہیں ہیں۔

حضرت مولانا کے اس تصنیفی رُخ کی جانب بطور خاص اشارہ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ مدارس میں اور خاص طور پر دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دینے والے حضرات اساتذہ کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے ذرا سوچیں کہ تدریس کے دوش بدوش تصنیف وتالیف کی لائن سے بھی کام کس طرح انجام دیے جاسکتے ہیں۔

تدریس ہی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفاء کرنے والے حضرات یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ ''یہ تدریس کوئی معمولی خدمت ہے؟ ان کی خدمت میں بصد ادب عرض ہے کہ ''بیشک معمولی نہیں ہے، مگر واضح رہے کہ یہی سب کچھ نہیں ہے''۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرح نہیں ہیں کہ کسی کو شادکام کردیں اور کسی کو نامراد، مبدأ فیاض سے سب کو صلاحیتیں یکساں نصیب ہوتی ہیں، بس فرق یہ ہے کہ کوئی، کسی باصلاحیت کی صحبتوں کی برکت سے اپنی مخفی صلاحیتوں کا عرفان حاصل کرکے اسے کام میں لاتا ہے اور کوئی استعمال نہ کرکے اسے ضائع کردیتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ قرآن وحدیث سے متعلق علوم کے گوشے لاتعداد ہیں جو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

جو استاذ کچھ مدت تک کسی علم کو پڑھاتا ہے شب وروز اس فن کے متعلقات اس کے زیر مطالعہ رہتی ہیں اس کے نشیب وفراز سے اسے واقفیت ہوجاتی ہے، اس سے مناسبت ہوجاتی ہے، اس کے کچھ تجربات ہوتے ہیں- اب ضرورت ہے کہ اپنے حاصل مطالعہ اور تجربات کو سلیقے اور قرینے سے مرتب کرکے اسے لکھے، شائع کرائے، تاکہ آنے والی نسل اس سے فائدہ اٹھائے۔

اشاعت علم کی ذمہ داری ہر طرح واجب ہے۔

دیکھئے! آخر حضرت مولانا پالن پوری صاحب مدظلہ (اور بعض دیگر حضرات) اسی دارالعلوم دیوبند میں استاذ ہیں "ترمذی شریف" حدیث شریف کی کوئی ہلکی پھلکی کتاب نہیں ہے، کس کو نہیں معلوم ہے کہ اس کتاب کے جلو میں مصنف چودہ علوم لے کر چل رہے ہیں۔ اس کتاب کے تدریسی حقوق کی ادائیگی کوئی معمولی بات نہیں ہے، اسی کے ساتھ حضرت مولانا کا تحقیقی و تفصیلی انداز درس معروف ہے۔ نیز یہ کہ آپ ماشاء اللہ ملک و بیرون ملک کے اسفار بھی کرتے ہیں۔

آخر لیل و نہار کی ساعتیں سب کے لیے یکساں ہیں یہ سب سوچنے کی بات ہے۔

ہمیں چاہیے کہ اوقات عزیز کو منضبط رکھیں، اس کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور کچھ کر گذرنے کا جذبہ پیدا کریں۔

الاستاذ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہ

راقم الحروف اپنی زندگی میں، کردار وعمل کے جن غازیوں سے متاثر ہوا ان میں استاذ محترم حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ اپنی گوناگوں خصوصیات وکمالات کے باعث ایسے تھے جنھیں حیات جہد وعمل میں نمونہ بنایا جاسکتا ہے، اور حسب توفیق وطاقت آپ کے تلامذہ نے آپ کو نمونہ بنایا، اور کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔

حضرت مولانا کیرانویؒ نے اپنی تدریسی زندگی میں جو ہیرے جواہرات تراشے ان کی ایک طویل فہرست ہے، ان میں ایک بڑا نمایاں اور دلکش جوہر کا نام استاذی حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم ہے۔

نام و پیدائش حضرت مولانا عبدالخالق صاحب بن جناب عبدالقدوس صاحب مرحوم مدراسی مدظلہ، آپ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وفراغت آپ کی ابتدائی تعلیم مدراس کے مقام ویلور میں ہوئی، ۱۹۶۲ء میں آپ کی ابتدائی تعلیم سے فراغت ہوئی، ابتدائی تعلیم کی تحصیل کے بعد آپ نے عربی کی تعلیم اور فراغت مدرسہ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور سے ۱۹۶۸ء میں حاصل کی، آپ نے سبیل الرشاد میں قیام کے دوران قراءت سبعہ وعشرہ بھی پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۶۹ء و ۱۹۷۰ء میں آپ دارالعلوم میں رہے اور ۱۹۷۰ء میں آپ نے یہاں سے فراغت حاصل کی۔

ادب عربی آپ جب دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو عربی ادب سے فطری لگاؤ کے باعث ادیب زماں حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی ذات ستودہ صفات سے قربت ہوئی، اور ۱۹۷۰ء کے بعد ۱۹۷۲ء تک حضرت کیرانویؒ کے

پاس عربی ادب کی خوب خوب مشق کی، حضرت مولانا کیرانویؒ نے خصوصی توجہ مبذول فرمائی، اور آپ کی صلاحیتوں کو بطور خاص ادب عربی کے رُخ سے جلا بخشی اور کندن بنایا۔

عربی رسالہ ''الداعی'' کی دیکھ ریکھ بھی آپ کے ذمہ ہوئی، مولانا مدراسی ادب عربی کے عنوان سے دارالعلوم دیوبند میں خوب متعارف ہوئے۔

آغازِ تدریس دارالعلوم دیوبند

مدرسہ درحقیقت اسلام کا قلعہ ہوتا ہے، اسلام کی ہمہ جہتی محافظت کے لیے پاسبانی کا کام یہیں سے ہوتا ہے، مدارس کی اہمیت اور حیثیت پر کچھ زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں۔

اسلام کی علمی وعملی پاسبانی کے لیے مکمل صلاحیت اور ضروری حد تک صالحیت لازمی ہوتی ہے، دارالعلوم دیوبند کا خاص طور پر یہ طرۂ امتیاز رہا کہ یہاں تدریسی وتعلیمی خدمات انجام دینے والے اساتذہ اور معلمین کامل واکمل صلاحیت وصالحیت کے حامل ہوتے رہے ہیں۔

حضرت الاستاذ مولانا مدراسی صاحب سلمہ ومدظلہ نے تقریباً چھ سال تک اس آفاقی وعالمی حیثیت کے حامل ادارے میں وقت کی عبقری شخصیت وحید عصر حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی مشفقانہ تربیت میں رہ کر پروان چڑھے، فراغت کے بعد تدریسی خدمات کے لیے آغاز ہی میں حضرت مدراسی صاحب پر اگر نگاہِ انتخاب پڑگئی تو یہ باعث تعجب نہیں کیوں کہ مولانا مدراسی حقیقتاً اپنی صلاحیت کے اعتبار سے بلاشبہ اس کے حق دار تھے، حضرت مولانا کیرانویؒ نے جس انداز پر مولانا مدراسی صاحب کو تراشا خراشا تھا اس کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ آپ کو بلاتاخیر دارالعلوم میں رکھ لیا جائے اور حق بحق دار رسید کے تحت آپ کی تدریس کا آغاز، مادر علمی ازہر ایشیاء دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۷۵ء سے ہوا۔ ۱۹۷۵ء مطابق ۱۳۹۵ھ سے مولانا نے تدریس کا آغاز دارالعلوم دیوبند سے فرمایا اور راقم الحروف کا دارالعلوم میں ثانوی دور

تعلیم بھی ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء سے ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت الاستاذ مدرس اور راقم الحروف متدرس و متعلم ایک ساتھ ہوئے یہ ایک دلچسپ اتفاق تھا۔

راقم الحروف کی تعلیم سال ہشتم جو ایک نیا اضافی سال تھا، (یعنی موقوف علیہ تام، اس کے بعد دورۂ حدیث) ایک گھنٹہ اس میں عربی کی مشق کے لیے بنام ''صف نہائی'' رکھا گیا، اصلاً تو اس کے لیے حضرت کیرانویؒ تھے، مگر کسی وجہ سے آپ نے اپنی جگہ حضرت مولانا مدراسی کو مقرر فرمادیا اور اس طرح ہماری ایک منتخب جماعت نے پورے سال ''القراءۃ الواضحۃ'' مکمل حصے، حضرت مولانا مدراسی سے پڑھی، اور نہایت ذوق وشوق کے ساتھ پورا سال مشق وتمرین عربی میں گذرا۔

منصبِ نیابتِ اہتمام

بعض مناصب ایسے ہوتے ہیں جس کے لیے سادہ لوح شخصیت قطعاً مناسب نہیں ہوتی، مگر حضرت مولانا مدراسی صاحب اگر ایک طرف نیک، سیدھی سادی طبیعت اور صاف مزاج ہیں تو دوسری طرف معاملہ فہم اور وصفِ ذہانت سے بھی متصف ہیں، دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم الشان ادارہ کا یہ منصب اہتمام اور اس کی نیابت کے لیے ایک ذہین وفطین ہی شخص مناسب ہوسکتا ہے۔

۱۹۹۹ء میں اربابِ شوریٰ کی دوراندیش نگاہوں نے اس اہم اور نازک منصب کے لیے برمحل انتخاب کرکے ایک صحیح فیصلہ کیا، مولانا بفضل خداوندی بحسن وخوبی عہدہ برآ ہورہے ہیں۔

آپ کے زیر درس ادب عربی کے ساتھ دیگر اہم اور معیاری کتابیں بھی رہتی ہیں، مثلاً — دیوانِ متنبی، تاریخ الادب العربی، تفسیر جلالین، مشکوٰۃ شریف، اور شمائل ترمذی۔

اگر یہ عرض کیا جائے کہ مولانا مدراسی صاحب مدظلہ اپنے حسنِ اخلاق اور مرنجان مرنج طبیعت کے باعث تقریباً دارالعلوم دیوبند کی سب سے زیادہ محبوب شخصیت ہیں تو یہ محض ذاتی تعلق اور حسن ظن کی بناء پر مبالغہ نہ ہوگا اہل شہر ہوں یا طلبہ، اساتذہ اور ملازمین مدرسہ سب کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہیں۔

مزاج وطبیعت

حضرت مولانا مدراسی اصلاً نہایت سادہ لوح، صاف طبیعت اور مجوبانہ مزاج کے حامل ہیں، یہ مزاج وطبیعت دراصل جنوبی ہند کی دین ہے، دارالعلوم دیوبند جیسے مرنجان مرنج ماحول میں پڑھتے پڑھاتے ہوئے اتنی طویل مدت گذارنے کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ آپ کے مزاج کی اصلی سادگی نہیں گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگوں کو دیکھتے اور برتتے ہوئے اپنوں اور بیگانوں سب کو سمجھ گئے ہیں۔ آپ کی خاموش طبعی سے مخاطب خود سادہ لوحی کا شاہکار ہوکر کبھی کبھی اس دھوکے میں آجاتا ہے کہ مولانا شاید اسے سمجھ نہیں سکے۔

دل دردمند

حضرت مولانا مدراسی اپنے پہلو میں بڑا احساس اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ آپ کے سامنے جب کوئی (خواہ بڑا، خواہ چھوٹا، طالب علم، غیر طالب علم) اپنی غم زدہ اور دردمند تصویروں کا (صورتوں کا نہ کہ حقیقی تصویروں کا) البم لے کر آپ کے سامنے آتا ہے تو اوّل وہلہ ہی میں آپ متاثر ہوجاتے ہیں، اور کچھ نہ کچھ ضرور کر گذرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کو ایک لاکھ روپے سے زیادہ ہی آپ دے چکے ہیں، یہ ایسے روپے ہیں، جن کی واپسی نہیں اسی طرح چھوٹے بڑے سبھی کے کام آتے ہیں، ایک خاصی تعداد تو ایسے طلبہ کی بھی رہتی ہے، جن کے کھانے آپ کی جانب سے کھلے ہیں اور ان کی خوراک کے پیسے آپ ادا کرتے ہیں۔

خلق ومروّت

نرا علم کوئی معنی نہیں رکھتا، علم کے ساتھ عرفان ومعرفتِ الٰہیہ بھی ہو اور صرف عرفان سے بھی کام نہیں چلے گا بلکہ اِس سب کے ساتھ جب تک محبتِ الٰہیہ نہ ہو سب بے قدر ہوجاتی ہے اور اللہ سے محبت کے لیے اتباعِ رسول، اتباعِ سنت ضروری ہے۔ ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ الخ'' جوں جوں اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھلتا جائے گا، خدا کا محبوب ہوتا جائے گا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی محبوبیت بندہ کو حاصل ہوجاتی ہے تو وہ بندگانِ خدا کا بھی

محبوب ہوجاتا ہے، اللہ کے بندوں کی جانب سے رجوع عام ہوجاتا ہے۔

حضرت مولانا مدراسی صاحب کو اللہ رب العزت نے خلق حسن، مروت ورافت اور لینت وشفقت کا حصہ وافر عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت نے بندوں کا محبوب بنادیا ہے، اخلاق حسنہ کے باعث سبھی آپ کے اندر بڑی کشش محسوس کرتے ہیں۔ طلبہ عزیز کا رجوع عام رہتا ہے۔ جدھر سے گذر جاتے ہیں محبت پاش نظروں کے مرکز بن جاتے ہیں۔

دیوبند کی مجالس

دیوبند میں بزمانۂ ماضی بوقت شام متعدد علمی، دینی روحانی مجالس ہوا کرتی تھیں، جس کے بڑے فوائد تھے حضرت مولانا اصغر حسین میاں صاحب محدث دیوبندیؒ کی مجلس بڑی خاموش علمی وروحانی مجلس ہوا کرتی تھی، اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں ہر قسم کے لوگ ہوا کرتے علمی مزاج کے لوگ علمی استفادہ کرتے، مریدین باصفا روحانی مجرعہ کشی کرتے، اور سیاسی لوگ بھی ہوتے جو اپنے سیاسی مسائل کا حل ڈھونڈتے اور سب ہی حسب توفیق فیض یاب ہوتے تھے۔

اسی طرح حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کی مجلس خالص باوقار علمی مجلس ہوتی تھی، جس میں باکمالانِ علم وفن حاضری دیتے، ایک حاضر باش ان میں سے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم بھی ہوتے جو محض اشاروں اور کنایوں میں حضرت علامہ سے دفتر کے دفتر حاصل کرلیتے تھے۔

اسی طرح حکیم الاسلام حضرت قاری صاحبؒ کی مجلس بھی بڑی ہی علمی، اور روحانی اور عرفانی ہوا کرتی تھی، حضرت قاری صاحب کی مجالس مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے اور اس سے استفادہ جاری ہے۔

اس زمانے میں اسی طرح کی مجلس حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند کی بھی بڑی عرفانی ہوتی تھی، جس سے طلبہ اور اساتذہ دونوں مستفیض ہوتے تھے۔

آخر میں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی مجلس بڑی مرنجان مرنج ہوتی تھی آپ کی مجلس سے اساتذۂ کرام بطور خاص اور طلبہ عزیز بھی خوب خوب استفادہ کرتے، ہر قسم کے علمی، دینی، فقہی، روحانی وعرفانی سوالات ہوتے اور سب برجستہ جواب سے نوازے جاتے۔

مگر آہ! فآہ! ثم آہ!!! ــــــ یہ ساری مجلسیں ان بزرگوں کے چلے جانے کے بعد ویران ہوگئیں، بعد والوں نے خود کو اس کا اہل نہ بنایا کہ جانشینی کا حق ادا کرتے، یہ ایک بڑا ہی سانحہ اور نقصان ہے۔

اب خدا جانے کیا ہوگیا، کہ ان بندگانِ خدا جیسے بننے اور خود کو بنا سنوار کر افادے کی اس اہم ترین صورت کو قائم کرنے کی ساری مساعی ختم ہوگئیں۔

اب بعد نماز عصر حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالن پوری مدظلہ کے یہاں بعض طلبہ حاضر ہوتے ہیں اور علمی استفادہ کرتے ہیں، مولانا ریاست علی صاحب کی قیام گاہ پر بعد عصر کچھ اساتذہ نظر آتے ہیں۔

مولانا مدراسی کی مجلس

حضرت الاستاذ مولانا مدراسی صاحب مدظلہ کی مجلس بعد عصر پابندی کے ساتھ ہوتی ہے، اس مجلس میں ہر قسم اور ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر ایک طرف اہل علم اساتذہ ہوتے ہیں تو علمی ذوق رکھنے والے طلبہ بھی ہوتے ہیں، نیز دیوبند کے بعض سنجیدہ مزاج، فہیم، ذکی اور ذہین عمدہ سمجھ بوجھ رکھنے والے سیاسی مزاج کے حامل حضرات بھی آتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں تمام ہی موضوعات سے متعلق گفتگو ہوتی ہے حضرت مولانا کی گفتگو سے مجلس زعفران زار بنی رہتی ہے۔

آپ کے یہاں آنے والوں میں حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ جیسے علمی تحقیقی مزاج رکھنے والے، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ جیسے فقیہ مصنف اور مصنف گر، حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب جیسے سنجیدہ طبع، مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی جیسے نکتہ سنج، مولانا محمد جمال صاحب جیسے لکھنے پڑھنے

والے، مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی جیسے خوش گفتار اور مولانا خورشید انور گیاوی جیسے نیک نفس اور باصلاحیت اساتذہ وغیرہ وغیرہ حضرات ہوتے ہیں۔

دورانِ مجلس سبھی حاضرین کو نہایت عمدہ چائے پیش کی جاتی ہے جس میں استاذ، شاگرد چھوٹے اور بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مجلس میں ہر ذوق کی تسکین کا سامان ہوتا ہے، مولانا ندراسی صاحب کی ذات اس شعر کے مصداق ہے۔

بہت لگتا ہے جی محفل میں ان کی ❁ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں!

اور آپ کی مجلس کیا ہوتی ہے:۔

مزہ برسات کا چاہو تو ان کی آنکھوں میں آ بیٹھو
سیاہی ہے، سفیدی ہے، شفق ہے ابر باراں ہے

مولانا کا کتب خانہ

کتابیں تو عالم کا ہتھیار ہوتی ہیں ہتھیار کے بغیر جنگ نہیں ہو سکتی، اسی طرح کتابوں کے بغیر تعلیم و تعلم ممکن نہیں کتابیں عالم کی زینت ہیں۔

ماضی میں فراہمی کتب کا اتنا ذوق نہیں تھا۔

راقم الحروف نے مدارس کے کتب خانوں اور علمی لائبریریوں میں سب سے پہلے اور نہایت عظیم الشان ذخیرۂ کتب دیکھا، تو وہ ہندوستان کی مشہور لائبریری ''دارالمصنفین اعظم گڑھ'' تھی۔ علامہ شبلی نعمانی کی ذات ایشیاء کی ایک بڑی علمی ہستی تھی، ندوۃ العلماء لکھنؤ سے الگ ہونے کے بعد آپ نے ضلع اور شہر اعظم گڑھ کو اپنا مستقر بنایا، اور پھر اپنے ذوق و مزاج کے مطابق تیار کردہ اہل علم کو یہاں جمع کیا، اس کا نام ''شبلی منزل'' رکھا، آہستہ آہستہ اس کا تعلق بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیات سے جڑا اور اس ذخیرۂ کتب کو ایشیاء کا ایک عظیم الشان اور بعض اعتبار سے ایک نہایت نادر کتب خانہ بنا دیا۔

''دارالمصنفین'' کے بعد ذاتی اور شخصی طور پر اگر کسی کے پاس کتابوں کا نہایت معتبر، بیش قیمت اور وافر ذخیرہ دیکھا تو وہ عالمی شخصیت، محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کا ذاتی کتب خانہ تھا۔

ذاتی طور پر کتابیں جمع کرنے کا ذوق وشوق ذرا کم ہی نظر آیا، پھر یہ کہ اس کا تعلق محض ذوق سے نہیں ہے، پہلا سوال روپے کا سامنے آتا ہے، ذوق اور زر دونوں ذرا کم ہی جمع ہوتی ہیں، اگر کسی کو ذوق ہوتا ہے کتب بینی کا شائق وعاشق ہوتا ہے، تو اقتصادی حالات اسے سر اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے —— اور اگر روپے پیسے ہوں تو ذوق ندارد، —— مگر اب حالات بدلے ہیں، اور عام طور پر علماء معلمین اور تصنیف وتالیف سے ذوق رکھنے والے حضرات کچھ نہ کچھ حسبِ استطاعت ذخیرۂ کتب رکھنے لگے ہیں، اور یہ دور ایک علمی دور کہلانے لگا ہے۔

یہاں دارالعلوم میں ابتداءً خصوصی توجہ اس جانب اگر نظر آئی تو وہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ کے یہاں، پھر آہستہ آہستہ یہ ذوق بڑھا۔

راقم الحروف کے سامنے اس وقت خاص طور پر مولانا مدراسی صاحب کا خوبصورت کتب خانہ ہے جس کے تین کمرے ہیں، سب سے پہلے دروازہ کھلتے ہی آنے والے کو، سامنے قیمتی الماریوں میں صاف ستھرے شیشے کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی تمام ہی علوم وفنون پر مشتمل علماء متقدمین کی، علماء جدید کے ذریعہ تحقیق وتعلیق سے مزین، اہم ترین چمچماتی ہوئی جلدوں سے مرصع کتابیں دعوت نظارہ دیتی ہیں آنے والے باذوق حضرات کی نگاہیں ان الماریوں پر جم کر رہ جاتی ہیں۔

سامنے کی ایک ہال نما کمرے میں جس میں حضرت مولانا کی نشست گاہ بھی ہے، اس میں تفسیر وحدیث پر بڑا گراں قدر سرمایہ، صاحبِ ذوق مطالعہ کے شائقین کے لیے متاعِ سکون ہے، دارالعلوم کے مقتدر اساتذہ حسب ذوق اور ضرورت ان

کتابوں سے اخذ واستفادہ کرتے ہیں، یہ ہال کمرہ علمی وتحقیقی مزاج والوں کے لیے اہم ترین ماخذ اور مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس ہال کمرہ کے بعد متصل کمرہ میں بھی عربی زبان کی اہم ترین کتابیں جمع ہیں۔

ایک تیسرا کمرہ اردو زبان کی نہایت مفید کتابوں سے بھرا ہوا ہے، اس کمرہ میں علم وفن سے متعلق کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔

پڑھے لکھے لوگوں کے لیے مولانا کے یہ ذخائر کتب بڑی طمانیت کا سامان ہیں، تشنگانِ علم آتے ہیں اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔

حضرت مولانا مدراسی کے اندر، دارالعلوم کے اساتذہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی مقناطیسی کشش ودیعت کر رکھی ہے، آپ کا انداز تکلم، انداز درس، جذبہ ترحم، طلبہ یا اساتذہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب سے خوش اخلاقی سے ملنا، اس طرح کہ ہر ملنے والا یہی سمجھے کہ سب سے زیادہ مولانا کا التفات اور توجہ میری ہی طرف ہے، جو بھی ملتا ہے آپ کی دلآویز شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

حدیثِ پاک میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کے بارے میں مذکور ہے کہ ہر صحابی آپ کی مجلس میں یہی محسوس کرتے کہ مجھ سے ہی زیادہ تخاطب آپ کا ہے۔

جگر مرحوم نے اسی کو اس انداز میں پیش کیا ہے:۔

اللہ رے چشمِ یار کی معجز بیانیاں ❁ ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

مولانا، جگر کے اس شعر کے مصداق ہیں۔

بڑائی کا کوئی اظہار نہیں، مخاطب کو پتہ ہی نہ چلے کہ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم، ادب کے عظیم استاذ اور درجۂ علیا کے معلم حدیث ہیں۔

مولانا سے گفتگو میں چھوٹے بڑے کسی کو بھی کوئی جھجک نہیں ہوتی، ہر شخص بڑے اطمینان سے اپنی بات آپ کے سامنے رکھ سکتا ہے۔

جس حیثیت، منصب اور درجہ کے آپ دارالعلوم میں استاذ ہیں یعنی ادب عربی

کے قدیم اور بہت نمایاں استاذ، حدیث کے بہترین معلم اور ایسے مرکزی ادارے کے نائب مہتمم ——— مگر رہن سن، رفتار و گفتار، سلوک و معاملات، غرض کسی بھی معمول میں ادنیٰ فرق نہیں۔ حالاں کہ اللہ رب العزت کی جانب سے عطا کردہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر یہ مناصب آپ کو ملے ہیں، اس میں ادھر ادھر سے کسی سعی کا دخل نہیں، بلکہ ہر وقت اس کے لیے تیار کہ جب چاہیں ارباب انتظام اس انتظامی ذمہ داری (بلکہ خرخشے) سے سبک دوش کر دیں۔

دیکھا جاتا ہے کہ صلاحیت و قابلیت پر نہیں بلکہ محض ہیرا پھیری سے منصب حاصل کر کے ایسے طمطراق کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ جیسے خدائی مل گئی ہے، انداز، گفتگو، ملنا جلنا غرض ہر چیز تکلفات کا شکارہ ہو جاتی ہے، زمین پر پاؤں نہیں پڑتے، خود کو کوئی اور ہی مخلوق سمجھنے لگتے ہیں، کبر و غرور کا تودہ ہو جاتے ہیں۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ منصب کا سایہ بادل کے سائے کی طرح ہے، کتنی دیر کا، اس کی دھوپ چھاؤں محض وقتی، ذرا دیر کی، ایسی عزت پل بھر کا تماشا ہوتی ہے۔

آدمی کو ایسا ہونا چاہیے کہ مناصب اسے سلام کریں، ذاتی صلاحیت اور قابلیت کا حامل ہو کہ منصب اس سے لگ کر خود اپنی عزت بڑھائے، نہ کہ منصب سے آدمی اپنی عزت میں اضافے کا خواہش مندر ہے۔

الحمدللہ مولانا ایسے ہی مستغنی المزاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کے اندر بڑی دل کشی اور دلآویزی رکھی ہے، آپ کے چمن حیات میں اتنے رنگ برنگ کے پھول ہیں کہ انھیں اس مختصر مضمون میں چننا اور سمیٹنا مشکل ہے:

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

صداقت شعاری، معاملات کی صفائی، سادہ مزاجی، جود و سخا، تعلیم و تعلم، شوق مطالعہ، ذوق تحقیق، دردمندی، حلم و انکساری، ضبط و تحمل، صبر و استغناء ——— آپ کی کتاب زندگی کے نمایاں ابواب اور گلشن اخلاق کے سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔

مولانا مدراسی اور جدید دارالعلوم کی تعمیراتی خدمات

اجلاس صد سالہ کے دوران استاذی حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ نے دارالعلوم کی ضرورت اور اہتمام کی فرمائش سے خداداد ذوق ومزاج کے مطابق جو جدید اہم تعمیراتی سلسلہ شروع فرمایا تھا، وہ اہم سلسلہ دور ثانی میں حضرت مولانا مدراسی کی زیر نگرانی بہت آگے بڑھا، ذیل میں آپ کی زیر نگرانی تعمیراتی سلسلے کی اب تک کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

جامع رشید

دارالعلوم دیوبند کی انتہائی محبوبیت اور مقبولیت کی وجہ سے اطراف واکناف ملک سے طلبہ عزیز کا رجوع بھی روز افزوں رہا، اس کے پیش نظر طلبہ کے لیے اقامت گاہوں کے ساتھ ایک بڑی مسجد کی ضرورت بھی سامنے آئی، اسی اہم اور بنیادی ضرورت کی تکمیل ''جامع رشید'' کی شکل میں آج اپنی پر شکوہ اور جاذب نظر طرز تعمیر کے باعث زیارت گاہ خاص وعام بنی ہوئی ہے۔

اس مسجد کا سنگ بنیاد وقت کے اہل دل بزرگان دین، اساتذہ کرام اور طلبہ عزیز کی موجودگی میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، عالم جلیل نبیرۂ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم عبد الرشید محمود عرف ننھو میاں صاحبؒ اور ارکانِ شوریٰ کے ہاتھوں ۱۴۰۹ھ میں رکھا گیا۔

مسجد کا تعمیری کام کوئی مختصر اور معمولی نہ تھا، اس کے لیے وصف عزیمت، انتھک جدوجہد، اوقات کی مکمل پابندی اور بیدار مغزی کے ساتھ فطری ذوق کا حامل ہونا بھی ضروری تھا۔

ماضی کے بطل جلیل مولانا وحید الزماں صاحبؒ میں یہ اور اس سے بھی زائد اوصاف تھے، آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مدراسی صاحب مدظلہ کے اندر صاحب

بصیرت لوگوں کو یہ ضروری اوصاف اور خوبیاں نظر آئیں اور ارکانِ شوریٰ نے اس عظیم الشان کام کی نگرانی آپ کے حوالے کردی اور یہ انتخاب بلاشبہ حسن انتخاب ثابت ہوا۔

مولانا نے شب وروز کی انتھک جدو جہد سے جس طرح اس عظیم الشان تعمیرِ مسجد کو تکمیل تک پہنچایا بلاشبہ یہ آپ ہی کا حق تھا۔

راقم الحروف نے اس پوری مدت میں مختلف مراحل اور مواقع پر بچشم خود آپ کو ہر موسم کی شدت میں نگرانی کرتے ہوئے دیکھا اور دل سے بے ساختہ دعائیں نکلیں، آپ نے مسجد کی تعمیر وتکمیل کو شب وروز کا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، شب وروز کا ایک ایک لمحہ اس کے لیے وقف کردیا تھا۔

سب سے پہلے مسجد کا دروازہ جو خوبصورتی کے ساتھ نہایت بلند اور عظیم الشان ہے، نگاہوں کو روکتا ہے، جس کی بلندی پچاس فٹ، اور وسعت ایک سو دوفٹ ہے، جس میں آمدورفت کے لیے پانچ راستے ہیں۔

صدر دروازہ کے بعد ایک سو اسی فٹ لمبا اور ایک سو اٹھائیس فٹ چوڑا اور وسیع وعریض صحن سامنے آتا ہے، اس وسیع صحن میں سینتیس صفوں کے نشان بنائے گئے ہیں، صحن کے دونوں جانب وسیع برآمدہ ہے، ان دونوں جانبوں میں ایک ایک خوبصورت دروازے ہیں۔

صحن کے بعد عالی شان مسقّف عمارت شروع ہوتی ہے، جس کی لمبائی، ایک سو اٹھائیس اور چوڑائی ایک سو دس فٹ ہے، جس کے اندر پچیس صفیں ہیں، اس مرکزی ہال کے نیچے وسیع وعریض تہ خانہ ہے، جس میں امتحانات ہوتے ہیں جس کے اندر بیک وقت ایک ہزار سے زائد نشستوں کی گنجائش ہے، اوپر جس برآمدے کا ذکر ہے اس کے نیچے بھی تہ خانہ ہے، جس میں طلبہ کے لیے اٹھائیس رہائش کمرے ہیں، مسجد کی چھت کے چاروں گوشوں پر چار چھوٹے گنبد ہیں، درمیان میں بڑا عظیم الشان اور خوبصورت گنبد ہے جس کی اونچائی ایک سو بیس فٹ اور چوڑائی ۴۰×۴۰ ہے جس

کے اندر کم سے کم دوسو نمازیوں کی گنجائش کی ایک منزل ہے۔

دونوں جانب ایک سو اسی فٹ (۱۸۰) بلند، عالیشان مینارے ہیں جس میں ستون نما محرابی دیواریں ہیں، درمیان میں نیچے سے اوپر تک زینہ ہے۔ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی کے بنوائے ہوئے یہ مینارے کئی میل کی دوری سے خالق کائنات کی عظمت کا اعلان کرتے ہیں، پوری مسجد میں مکرانہ (راجستھان) کا اصلی وقیمتی پتھر لگایا گیا ہے، نیز باہر بھی چاروں طرف سنگ مرمر ہی بچھائے گئے ہیں۔

نماز کی اہم ضرورت اور تعلق سے وضو کے لیے ایک خوبصورت اور بڑا حوض تعمیر کیا گیا ہے جس کے گرد چوہتر (۷۴) نشستیں ہیں، اسی کے ساتھ الگ الگ دو بڑے وضو خانے بھی بنائے گئے ہیں۔ جن کی بیک وقت دوسو افراد وضو کر سکتے ہیں۔

مسجد کے جانب جنوب میں پندرہ پیشاب خانے، سینتیس بیت الخلاء اور دس غسل خانے —— یہ سب بڑے صاف ستھرے انداز میں بنائے گئے ہیں۔

مسجد کا طرز تعمیر، قدیم وجدید کے امتزاج کے باعث جلال و جمال اور حسن وخوبصورتی کے ساتھ پائیداری اور مضبوطی کا جامع ہے جس سے اس مسجد کو بڑی مرجعیت حاصل ہوگئی۔

اوقات نماز میں تو روح پرور منظر رہتا ہی ہے، نماز کے اوقات کے علاوہ یہاں علم وفن اور تعلیم وتعلم کی ایک دنیا آباد رہتی ہے، بعد مغرب اور پھر بعد عشاء بارہ، ایک بجے شب تک طلبۂ عزیز کے مطالعہ اور مباحثہ، تکرار ونداکرہ سے یہ مسجد آباد رہتی ہے، دنیا کی کم ہی مساجد یہ منظر پیش کرتی ہوں گی، اس مسجد کی یہ خصوصیت خاصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا مدراسی مدظلہ العالی کی جملہ شرور وفتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

دیگر سلسلۂ تعمیرات

تعمیری ذوق اور اس کے اندر مہارت کے حامل اور بھی ہوسکتے ہیں، دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے، ایک سے

بڑھ کر ایک مل سکتے ہیں —— مگر خوب واضح رہے کہ یہ کوئی حکومتی پروجیکٹ نہیں ہے کہ ٹینڈر دے دیا گیا اور بہ ظاہر کفایتی انداز کو اختیار کر کے سپرد کر دیا گیا، یہ دینی ادارہ ہے، عوام وخواص کی نگاہیں ہمہ وقت تعاقب میں رہتی ہیں، اور تجربہ بھی یہی ہے، کہ روپے پیسے کی کشش سے کوئی بچ نہیں سکتا، اچھے اچھوں کو بہتی گنگا میں نہاتے اور ڈبکی لگاتے دیکھا گیا ہے۔ پھر جہاں اتنا بڑا کمپلیکس ہو، اتنا طویل سلسلۂ تعمیرات ہو، کتنے وارے نیارے ہوتے دیکھے گئے ہیں۔

مدارس میں عوام کے ایک ایک روپے سے کام ہوتا ہے، اس کا مکمل اور مفصل حساب ہوتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ —— ذوقِ شاہجہانی کے ساتھ سراپا دیانت بھی ہو، چناں چہ روزمرہ کی زندگی میں دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے جبہ ودستار اور ہوحق کرنے والے اس راہ میں نہایت بودے ثابت ہوئے ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کا ورد زبانوں پر رکھنے والے کتنے ہی لوگ ایسے سامنے آئے کہ اس بھری گنگا میں ایسے ڈوبے کہ پھر نہیں ابھرے۔

دیانت اور تدین سے خالی ہوتی ہوئی آج کی دنیا میں جب ہماری نظر استاذ محترم جناب مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی پر پڑتی ہے تو رُک کر خیال آتا ہے کہ ابھی یہ دنیا بالکل خالی نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا کی زیرنگرانی جاری کاموں سے متاثر ہو کر مجلس شوریٰ نے ماہانہ تین ہزار روپے تعمیری کاموں کا وظیفہ دیے جانے کی تجویز منظور فرمائی تھی، اس وقت سے اب تک اس کی رقم تقریباً پانچ لاکھ روپے سے زیادہ بنتی ہے —— اسی طرح، مہتمم صاحب کی ہدایت پر تعمیرات سے متعلق جب سے اب تک بے شمار اَسفار کیے ہیں جس میں دو سفر بیرون ہند کے بھی ہیں —— اب ذرا روپوں پیسوں کی حد سے بڑھی ہوئی ہوس کی ماری ہوئی دنیا میں دل پر ہاتھ رکھ کر سنئے کہ —— مولانا نے —— نہ اب تک مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق اس وظیفہ سے استفادہ کیا

ہے اور نہ ہی اسفار کا بوجھ دار العلوم کے سر ڈالا ہے۔ خود ہی زیر بار رہے۔

مزید برآں ـــــ جب سے اب تک بائیس برس سے لگاتار مہتمم صاحب کی خواہش اور ہدایت پر نہ تعطیل کلاں سے استفادہ کیا ہے، نہ تعطیل خورد سے جس کے تقریباً تیرہ سوا ایام ہوتے ہیں، دار العلوم کے مختلف کاموں کی انجام دہی کے لیے دار العلوم ہی میں مقیم رہے۔

نیز ـــــ اب تک کے تمام تعمیراتی نقشہ جات کے مصارف کا بوجھ دار العلوم کے سر نہیں رہا ہے، ماشاء اللہ سبھی تعمیرات کے خاکے اور نقشے مولانا نے خود ہی بنائے۔

اوپر عرض کی گئی ایک صفحہ کی عبارت ذرا ایک بار پھر پڑھ لیجئے۔ کیا آپ کی نگاہوں نے ایسے افراد دیکھے، میں نہیں کہتا کہ دنیا بالکل ہی خالی ہے، لیکن کمیاب بلکہ عنقاء ہیں ایسے لوگ۔

جامع رشید کی طرف قدرے تفصیلی اشارات کے بعد دیگر بڑی چھوٹی تعمیرات کا نقشہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے جسے مولانا کی نگرانی کا شرف حاصل ہے۔

(۱) جامع رشید (جس کا تفصیلی ذکر ہوا)

(۲) حضرت شیخ الاسلام منزل (آسام منزل)

(۳) حضرت حجۃ الاسلام نانوتوی منزل (مدرسہ ثانویہ)

(۴) حضرت شیخ الہند منزل (اعظمی منزل)

(۵) حضرت حکیم الامت تھانوی منزل (دار تحفیظ القرآن الکریم)

(۶) مہمان خانہ

(۷) دفتر تعلیمات پانچ بڑے کمروں پر مشتمل۔

(۸) دار الافتاء کا ہال۔

(۹) دیوان دروازہ سے متصل دو منزلہ دوکان۔

(۱۰) اعظمی منزل سے متصل تین دوکان۔

(۱۱) رواق خالد سے متصل تین تین منزلہ کی دو عمارت، ہر عمارت کے ساتھ ضروری لوازمات۔
(۱۲) دو عدد پانی کی ٹنکی، ایک ڈھائی لاکھ لیٹر پانی، ایک ساڑھے تین لاکھ لیٹر۔
(ادارہ کے تمام وسیع وعریض علاقہ میں آب رسانی کے لیے ۶ رانچ کے پائپ کا زیر زمین جال بچھایا گیا ہے)
(۱۳) دو بڑے جنریٹر کے لیے بڑا ہال نما کمرہ۔
(۱۴) احاطہ مولسری میں چاروں طرف دو منزلہ برآمدہ۔
(۱۵) عمارت برائے گیس۔
(۱۶) مطبخ کے بالائی حصہ پر ایک بڑے ہال کی تعمیر برائے گودام۔
(۱۷) اساتذۂ کرام کی رہائش کے لیے مکانات۔
(۱۸) قدیم احاطہ دارالقرآن کے بالائی صحن پر پانچ مکانات۔
(۱۹) افریقی منزل قدیم کے بالائی حصہ پر تین مکانات۔
(۲۰) آسامی منزل کے سامنے چار مکانات۔
(۲۱) اساتذۂ کرام کے قدیم چار مکانات میں سے ہر مکان میں ایک ایک کمرہ اور برآمدہ کا اضافہ۔
(۲۲) دارجدید کی زیریں منزل کے تمام کمروں میں سیمنٹ کا پکا فرش۔
(۲۳) دارجدید کے سامنے چاروں طرف اینٹوں کا فرش۔
(۲۴) دارجدید کے وسط میں ڈامر کی سڑک۔
(۲۵) طلبہ کے لیے دارجدید کے چاروں کونوں پر چار عدد بڑے زینے۔
(۲۶) دارجدید کے چاروں کونوں پر چالیس عدد بیت الخلاء۔
(۲۷) تیس عدد غسل خانے۔
(۲۸) اعظمی منزل (شیخ الہند منزل) سے لے کر جی ٹی روڈ تک لمبی ۲۲ فٹ چوڑی

سیمنٹ کی سڑک۔

(۲۹) افریقی منزل جدید کی پشت پر ۲۵ ر عدد بیت الخلاء بیس عدد غسل خانوں پر مشتمل دو منزلہ عمارت۔

(۳۰) احاطہ مطبخ میں لمبا چوڑا اینٹوں کا فرش۔

(۳۱) مختلف بڑی وسیع عریض تین اراضی دارالعلوم کی چہار دیواری اور ان کی زمینوں کی بھرائی۔

(۳۲) دارالحدیث میں سنگ مرمر کے ٹکڑوں کا پکا فرش۔

(۳۳) طلبہ کی سہولت وآرام کے لیے کھانے کی تقسیم کی جگہ کے بالائی حصہ پر لمبی چوڑی آر سی سی چھت بنوا کر طلبہ کی رہائش کے لیے سات کمرے۔

(۳۴) قدیم دارالقرآن میں طلبہ کی رہائش کے لیے چھ کمرے اور ان سے متصل آٹھ بیت الخلاء۔

(۳۵) مسجد قدیم کی زیریں منزل میں دیواروں اور چھتوں پر چینی کے ٹائلز لگا کر اندر اور باہر کے صحن پر سنگ مرمر کا فرش۔

(۳۶) مسجد کی باہری جانب تینوں طرف دو منزلہ مکمل پلاستر۔

(۳۷) قدیم جامعہ طبیہ کے احاطہ کی چہار دیواری۔

(۳۸) طلبہ کے لیے چھ مختلف احاطوں میں ٹھنڈے پانی کے چھ کیبن۔

	کل رہائش کمرے طلباء عزیز	رہائشی کمرہ اساتذہ کے متعلق	دوکان	کل الماریاں	کل تلیشین	کل غسل خانے	کل پیشاب گھر	پلیٹ فارم کپڑے صاف کرنے کیلئے	زینے	ہال کمرے طلباء سے متعلق	کل ایریا تینوں منزلوں کا	درسگاہیں	دفتر
شیخ الہند منزل	۲۸	۱	۲	۳۳۹	۳۳	۹	۱۱	۳	۳	x	۳۹۹۰۶	x	x
رواق خالد جانب شمال	۴۱	۱	x	۱۷۵	۹	۱۵	۴	۵	۱	۲	۱۵۱۲۹	x	x
رواق خالد جانب جنوب	۴۳	x	x	۹۶	۷	۱	۶	۳	۱	x	۹۸۹۵	x	x
شیخ الاسلام منزل	۴۹	۵	x	۴۰۰	۳۵	۴۳	۱۸	۴	۳	x	۴۸۳۰۰	x	x
حکیم الامت منزل	۳	۱۱	x	۶۴۴	۱۲۸	۵۳	۲۱	۵	۲	۱۲	۷۳۴۷۴	۴۴	۱
حجۃ الاسلام منزل	x	x	x	x	x	x	x	x	۱	x	۴۱۳۵۰	۲۰	۱

وضاحت: آخر میں یہ وضاحت نہایت ضروری ہے کہ یہ مولانا مدراسی کا اپنا حقیقی ذوق اور مزاج نہیں ہے، تعمیرات اور اس سے متعلق جو کچھ آپ کر رہے ہیں خارجی دباؤ کے تحت، آپ کا حقیقی مزاج اور ذوق طبیعت وہی علمی زندگی ہے، جس کی ایک ہلکی جھلک ماسبق میں گذری۔ دار العلوم دیوبند میں جس تدین اور روپے پیسے سے استغناء، لین دین کے سارے معاملات سے دوری، مدرسہ کے بجائے خود اپنی جیب ہلکی کرنا یہ اور اس طرح کے اور بہت سے ضروری اوصاف کا حصول اتنا آسان نہیں۔ دار العلوم کے ارباب انتظام نے آپکے سپرد کیا، اور علمی کی یہ بھی ایک خدمت ہے، یہی سمجھ کر بادل ناخواستہ قبول کرلیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حسن وخوبی اور عزت وآبرو کے ساتھ اس سب سے سبک دوش فرمادے۔ کیوں کہ یہ ایسا دور ہے بلکہ مِنْهُ فِي الْبِدَاءَةِ ہے کہ اس سے بچ کر نکل آنا بہت مشکل ہوتا ہے، اچھے اچھوں کی کلیا ڈوبتی ہوئی آئے دن دیکھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

میرے حضرت میرے شیخ

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتوِ آں
ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

قرآن کریم کے حقوق ——— محبت ،عظمت ،تلاوت مع الصحت، اطاعت، ——— کی مکمل ادائیگی ——— احیاءِ سنت ——— اور ——— منکرات پر نکیر ——— اور اصلاح امت کے لیے اضطراب و بے چینی ———

ان امور بالا کے لیے سراپا عمل آج جو ذاتِ گرامی ہے وہ بلاشبہ ہمارے حضرت والا محی السنہ شیخی حضرت مولانا شاہ سید ابرار الحق صاحب حقی ہردوئی دامت برکاتہم ہیں۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ آپ کے حالات کی جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں۔

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ کی تصانیف کی تعداد جن میں ضخیم کتابیں اور چھوٹے بڑے رسائل بھی داخل ہیں تقریباً نوسو ہیں۔

حضرت حکیم الامت کے افادات اور علوم کی اشاعت روز مرہ کے ملفوظات کے ذریعہ بھی بہت ہوئی۔ تصنیف کی دوسری قسم آپ سے استفادہ کرنے والے وہ حضرات ہیں جو ہر طبقۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوئے اپنے اپنے وقت میں حضرت تھانویؒ کی زندہ اور چلتی پھرتی تصنیف بن گئے تھے۔

یوں تو بزمِ اشرف کے سارے ہی چراغ ایسے تھے جن سے اپنی بساط بھر دنیا نے اکتسابِ نور کیا اور ان سے تاریکیاں کافور ہوئیں۔

لیکن یہ ایک حقیقتِ واقعہ ہے کہ اس بزم کی آخری شمع حضرت شیخی و مرشدی

مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم کے اندر تعلیمات تھانوی کی نورانیت جتنی اور جس انداز کی نظر آتی ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

حضرت تھانویؒ مجدد الملت تھے تو حضرت والا ہردوئی مدظلہ بلا مبالغہ مفسر تعلیمات تھانویؒ ہیں، آپ حضرت تھانویؒ کے حقیقی پرتو ہیں۔ حضرت والا ہردوئی پر تفصیلی کلام اس کج مج قلم کی بساط سے باہر ہے۔

ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ اشارات کئے جا رہے ہیں:

ولادت حضرت والا سے ایک بار تاریخ ولادت کے بارے میں دریافت کیا تو ارشاد فرمایا:

۲۰ ردسمبر ۱۹۲۰ء ہے، اس کا تطابق ہجری سے ۱۳۳۹ھ ہوتا ہے۔

آپ کا آبائی وطن اگرچہ دہلی کے نواح میں مقام "پلول" ہے جناب شکیل احمد سنسار پوری کی ایک نظم سے اس پر روشنی پڑتی ہے، اس نظم کا ایک بند یہ ہے ؎

وہاں سے کھینچ لایا آب ودانہ ان کو یوپی میں
تھے آبا اور اجداد ان کے سب مشہور خوبی میں
تصوف، علم وتقویٰ، زہد میں اور خلق نبوی میں

سلسلۂ نسب آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے جا ملتا ہے اس لیے آپ کے نام کے ساتھ "حق" کی نسبت نظر آتی ہے۔

ہے نسبت شاہ عبدالحق محدث کے گھرانے سے
یہ دُرِّ بے بہا آیا اسی علمی خزانے سے

حضرت والا کے والد ماجد محمود الحق صاحبؒ بھی حکیم الامت تھانوی کے مجاز صحبت تھے۔

تعلیم وتربیت حضرت والا کا خانگی ماحول بڑا پاکیزہ اور ستھرا تھا، ماحول کی اسی پاکیزگی کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث

مظاہر العلوم سہارنپور نے ابوداؤد شریف کے درس میں فرمایا کہ:

"مولانا ابرارالحق صاحب کو اللہ پاک نے طالب علمی ہی کے زمانے میں صاحب نسبت اور تعلق مع اللہ کی دولت عطا فرمائی تھی"۔ (بحوالہ آداب المعلمین والمتعلمین، ص:۸۱)

حضرت والا کی ابتدائی تعلیم اردو، فارسی اور عربی ہردوئی ہی میں انجمن اسلامیہ کے مدرسہ میں ہوئی۔

تعلیم کی بسم اللہ

حضرت والا کی تعلیم کی بسم اللہ عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دیوبندیؒ نے کرائی۔

تعلیم کی ترتیب

دینی تعلیم کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ اولاً قرآن کریم ناظرہ کے بعد حفظ کی تعلیم مع التجوید ہو اس کے بعد عربی کی تعلیم ہو، قرآن کریم حفظ کے بعد آگے کی تعلیم اس کی برکت سے بے حد آسان بھی ہوتی ہے اور بابرکت بھی، حضرت والا آٹھ سال کی مختصر عمر میں قرآن کریم کے حفظ کی دولت عظمیٰ سے سرفراز اور مالا مال ہو گئے تھے۔

عربی کی تعلیم اور فراغت

عربی کی ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے ۱۳۴۹ھ میں علمی سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے مشہور اور عرفانی ماحول کی حامل درسگاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا۔ یہاں سے آپ نے شرح مأۃ عامل، نحو میر، دستور المبتدی، کبریٰ، کافیہ وغیرہ کتب سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔

دورۂ حدیث شریف کی کتابیں حضرت والا نے درج ذیل حضرات سے پڑھیں:

بخاری شریف: ج:۱، اور ابوداؤد شریف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے۔ بخاری شریف: ج:۲، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے۔ مسلم شریف، نسائی شریف حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ سے۔ ترمذی شریف اور طحاوی شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری سے۔

دورۂ حدیث دو سال میں

حضرت والا دورۂ حدیث شریف کے سال علیل ہو گئے، علالت کے باعث دورہ کی کتب حدیث دو سالوں میں پڑھیں۔

حضرت والا دورہ کے سال پوری جماعت میں اوّل نمبر سے کامیاب ہوئے اس لیے حضرت کو بڑی گرانقدر علمی کتابوں کا وقیع انعام دیا گیا۔

دورۂ حدیث شریف سے فراغت آپ کو ۵،۶، ۱۳۵۵ء میں حاصل ہوئی۔

۱۳۵۷ھ میں حضرت نے درج ذیل کتابیں پڑھیں۔

بیضاوی، رسم المفتی، ترمذی شریف، شمائل ترمذی، مدارک، سراجی۔

۱۳۵۸ھ میں پھر آپ نے یہ کتابیں پڑھیں۔ تصریح، اقلیدس، عروض المفتاح، حماسہ، خلاصۃ الحساب، شمس بازغہ، مسلم الثبوت، متنبی، صدرا، توضیح وتلویح، شرح چغمینی، سبع شداد۔

مذکورہ بالا کتابوں کے امتحان سالانہ میں حضرت اوّل نمبر سے کامیاب ہوئے اور اس بار بھی منجانب مدرسہ حضرت والا کو پانچ روپے نقد انعام کے ساتھ چند قیمتی کتابیں بھی دی گئیں۔

سالانہ امتحانات میں اوّل نمبر سے کامیاب اور وقیع انعام کا حصول، حضرت والا کی ذہانت وفطانت کا بین ثبوت ہے۔

تعلیم قراءت، قرآن عزیز کے چار حقوق ہیں:

(۱) محبت (۲) عظمت (۳) تلاوت مع الصحت (۴) اطاعت

ایک صاحب ایمان کے دل میں قرآن عزیز کی محبت اور عظمت کتنی ہونی چاہیے، اس کے بارے میں کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ کار نبوت میں سے اوّلین کام تلاوت قرآن ہے، اور قرآن کریم کا نزول مع التجوید ہوا ہے، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب تک اور صحابہ کرامؓ نے اپنے بعد والوں کو حتی انتہت

سلسلہ الیناسی طرح مع التجوید قرآن کو پہنچایا صحت اور تجوید کے قواعد کی مکمل رعایت کے ساتھ تلاوت کس قدر ضروری ہے اور خلاف تجوید سے حروف قرآنیہ کیا سے کیا ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے معنی میں کتنا فساد پیدا ہو جاتا ہے اہل علم پر مخفی نہیں۔

یہ علم تجوید و قراءت جتنا اہم اور ضروری ہے، افسوس کہ اتنا ہی غفلت اور بے اعتنائی کا شکار ہے اور صد حیف کہ یہ بے اعتنائی دین زیادہ ہے جہاں زیادہ سے زیادہ اعتناء اور توجہ ہونی چاہیے الا ماشاء اللہ!!

حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو آغاز ہی سے اللہ رب العزت نے تجوید اور نہایت عمدگی کے ساتھ قرآن عزیز کی تلاوت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔

پھر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اپنے آغاز ہی سے علم تجوید و قراءت کا اہتمام کیا، حضرت والا کو سہارنپور میں علم تجوید و قراءت کی نادر اور عظیم شخصیت مل گئی۔

مظاہر علوم میں دوران تعلیم آپ نے مایہ ناز شخصیت، شیخ القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے بڑے بھائی شیخ القراء حضرت المقری عبدالخالق صاحبؒ امام و خطیب جامع مسجد سہارنپور سے ربط رکھا اور کامل اہتمام و سعی کے ساتھ علی الصباح نماز سے پہلے مدرسہ سے جامع مسجد آکر حضرت قاری صاحب سے بعد نماز فجر تجوید و قراءت کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت والا کی عربی تعلیم کے جوائز اور امتحانات کے نمبرات سے حضرت کی مکمل استعداد اور عربیت کی صلاحیت اور قابلیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، مگر علم تجوید و قراءت اور قرآن کریم کی اس طرح قراءت جس طرح وہ نازل کیا گیا، حضرت کے ذوق و مزاج پر اس طرح چھا گئی کہ آپ کی طبیعت ہی بن گئی۔

راقم الحروف کو اپنی کم عمری ہی سے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ کے جلسہ سالانہ کے ذریعہ حضرت والا کی حسن قراءت سے استفادہ کا موقع ملتا رہا ہے، مدرسہ ہذا کے جلسہ سالانہ میں حاضری کا ایک بڑا داعیہ حضرت والا سے قرآن

کریم کی آیات سننے اور آپ کے روح پرور انداز میں اشعار پڑھنے سے قلب و دماغ پر جو کیف آور حال طاری ہوتا تھا اس سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ سال بھر اس جلسہ کا انتظار رہتا تھا، کم عمری کے باعث وعظ کے مشتملات سمجھ میں تو کم ہی آتے لیکن آپ کی صدائے دلنواز اور کیف آور انداز سے خوب خوب محظوظ ہونے کا موقعہ ملتا۔

حضرت والا سے اسی زمانہ سے عقیدت پیدا ہوگئی تھی، اور ۱۳۷۹ھ سے باقاعدہ قریب سے دید و شنید کے مواقع ملتے رہے حضرت والا ہمارے گاؤں ''جگ دیش پور'' میں بھی تشریف لائے، وعظ فرمایا، اس وقت احقر حفظ قرآن کریم کر رہا تھا، قرآن کریم کو کما حقہ کامل عظمت و محبت کے ساتھ تلاوت مع التجوید کے حضرت والا ایک محرک اعظم بن گئے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی صفت ہے، اس کی ذات سے نکلا ہوا ہے، اس کا حق اور اس کی عظمت کا تقاضہ ہی یہی ہے۔

براعظم ایشیاء کے حضرات حضرت کی اس تحریک اور مشن سے خوب واقف ہیں کتنے ہی مدارس عربیہ جن کے نظام میں علم تجوید کا کوئی خانہ نہ تھا، حضرت کی جدوجہد اور مسلسل توجہ سے وہاں تجوید کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا باقاعدہ نظام قائم ہوا، درجات قائم کئے گئے۔

قرآن کریم کو صحت کے ساتھ پڑھنے کے سلسلے میں مواعظ ایسے دل نشیں اور مؤثر انداز میں، روزمرہ کی مثالوں کے ساتھ ہوا کرتے ہیں جو فوراً ہی دل میں گھر کر لیتے ہیں۔

جو لوگ قرآن کریم پڑھے ہوئے نہیں ہوتے وہ آپ کی مجلس وعظ سے قرآن کریم پڑھنے کا تہیہ کر کے اٹھتے ہیں اور لاتعداد ایسی مثالیں ہیں کہ بڑی عمر کے عمر دراز حضرات نے اس عمر میں قرآن کریم پڑھ لیا اور صحت کے ساتھ تلاوت کلام الٰہی سے لطف اندوز ہونے لگے اور بے پناہ اجر و ثواب کے حامل بنے۔

پڑھے لکھے حضرات جو تجوید سے واقف نہ تھے باقاعدہ نورانی قاعدہ پڑھ کر تلاوت قرآن کریم کا حق ادا کرنے والے ہوگئے۔

کتنے ہی مجودین، قراء اور معلّمین تجوید وقراءت نے بھی حضرت کے ارشادات سے اپنی اصلاحات کیں، ادائیگی اور فن کی باریکیوں کے کتنے ہی گوشے ایسے تھے کہ تجوید پڑھنے کے باوجود او جھل تھے، حضرت کی صحبت کی برکت سے ان اہم گوشوں سے آشنا ہو گئے۔

آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں خاص طور پر صحیح قرآن کریم کا جو ماحول نظر آرہا ہے اس میں زیادہ تر حضرت والا دامت برکاتہم کی مخلصانہ مساعی کا حصہ ہے۔

صحبت با اولیاء

علم وفن کو حاصل کر لینا، اس میں مہارت اور رسوخ وکمال وامتیاز پیدا کرنے کے لیے صرف کتابی علم، نظریاتی معلومات اور وسعت مطالعہ کافی نہیں، اس کے ساتھ اس علم وفن کے ماہرین اور ان سے عملی تربیت ازبس ضروری ہے، کیوں کہ علم ایک روشنی ہے جس سے راستے کا علم ہو جاتا ہے، اس کے نشیب وفراز، اونچ نیچ اور صحیح اور غلط کا تعین ہو جاتا ہے لیکن صرف علم سے منزل مقصود تک رسائی نہیں ہو جاتی جب تک منزل کی طرف گامزن ہونے کے لیے قوت وطاقت نہ ہو، ہمت وصلاحیت نہ ہو۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روز اوّل سے انسانوں کی رشد وہدایت اور ان کی اصلاح وتربیت کے لیے تسلسل کے ساتھ کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کا نظام قائم فرمایا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس حقیقت کی توضیح میں ارشاد فرماتے ہیں:

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل ومکمل ہوا ہے، موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا اور درزی کے پاس بیٹھے بغیر سوئی پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا، خوش نویس کے پاس بیٹھے بغیر اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوش نویس نہیں بن سکتا، غرض بدون کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا، راستہ نظر آجانے کے بعد اس پر چلنے کے لیے جس روحانی طاقت وقوت اور ہمت اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت وتقویٰ ہے۔

جسم انسانی کی بقاء اور اس کی صحت کے لیے جس طرح غذا ضروری ہے اسی طرح

ایمانی اور روحانی صحت کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت اور تقویٰ ازبس ضروری ہے۔

یہ وہ جوہر ہے کہ اس سے انسان حقیقی معنوں میں انسان بنتا ہے، اخلاق سنور جاتے ہیں، عادات درست ہو جاتی ہیں، روح میں تازگی، قلب میں حرارت، نیکی کا جذبہ، طاعت کا داعیہ، برائی سے نفرت، گناہوں سے دوری، نفسانی خواہشات پر کنٹرول ہو جاتا ہے۔

اور اس کے بغیر نہ انسان میں انسانیت اور شرافت آسکتی ہے، نہ ہی ایمان ویقین میں زیادتی اور پختگی، اعمال میں للّٰہیت، سیرت وکردار میں عمدگی اور بلندی اور تہذیب ومعاشرت میں دل ربائی اور شائستگی آسکتی ہے۔

جو دل تقویٰ اور معرفت کے نور سے خالی ہے وہ عارف رومیؔ کے بقول بظاہر دل ہے مگر درحقیقت وہ قارورہ کی اس شیشی کی طرح ہے جس میں پیشاب بھرا ہوا ہے۔

آن زجاجے کو ندارد نور جاں ❁ بول قارورہ است قندیلش مخواں

یہی وجہ ہے کہ مختلف عنوان سے اس کا مطالبہ کیا گیا۔

(۱) یاایها الذین آمنو اتقو اللّٰه حق تقٰته. (آل عمران:۱۰۲)

اور واضح ہو کہ یہ تقویٰ اور للّٰہیت خدا ترسی اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کتابوں کی ورق گردانی، الفاظ ونقوش، ان کے معانی اور مفاہیم کے علم، زبان دانی، زبان وبیان میں مہارت وکمال اور ادبیت وبلاغت کے ذوق سے حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ جوہر تو صرف اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، مولانا رومؔ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو ❁ پیش مرد کاملے پامال شو

اکبر الہ آبادی اسی کو یوں فرماتے ہیں:۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

خود قرآن عزیز نے اہل اللہ اور اہل تقویٰ کی معیت اور صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصّٰدقین. (توبہ:۱۱۹)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے تعلق

جیسا کہ ابتداء ہی میں معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کے والد حضرت تھانویؒ کے مجازین صحبت میں سے تھے حضرت کا گھر اور ماحول سارا تقوائی تھا۔

چناں چہ مظاہر علوم سہارنپور کے زمانہ قیام وتدریس میں ابتداء ہی سے آپ کا معمول رہا ہے کہ ہر ہفتہ سہارنپور سے تھانہ بھون حاضری دیتے زمانہ تعطیل میں سارا وقت حضرت تھانویؒ کے پاس گزارتے اسی طرف شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے اشارہ فرمایا:

''مولانا ابرارالحق صاحب کو اللہ پاک نے طالب علمی ہی کے زمانے میں صاحب نسبت اور تعلق مع اللہ کی دولت عطا فرمادی تھی''۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حکیمانہ اور حقیقت بین نگاہوں نے آغاز ہی میں آپ کے اندر چھپے ہوئے جوہر قابل کو بخوبی دیکھ لیا تھا بقول شاعر ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ❁ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اجازت وخلافت

چناں چہ عارف ومرشد حضرت اقدس مولانا تھانویؒ، حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو کم عمری ہی میں جب کہ آپ ۱۳۶۱ھ میں فتح پور ہنسوا میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے اجازت وخلافت مرحمت فرمادی تھی۔

تاثرات اکابر

حضرت تھانویؒ سے غایت درجہ عقیدت ومحبت اور شیخ ومرشد کی خصوصی توجہات، حضرت والا ہردوئی، جمال وکمال تھانویؒ کے عکس اور پرتو بن گئے۔

ذیل میں صرف چند اکابر زمانہ کے مختصر تاثرات درج کئے جاتے ہیں:

"جناب مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ اپنے مرشد کے طریق پر اخلاق و معاملات کی اصلاح اور تربیت وتزکیہ، تعلیم وتدریس کی خدمات پورے انہماک کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، آپ کا فیض پورے ہندوستان کے طول وعرض میں جاری ہے آج کانوں میں ان کی باتوں کی آواز آرہی ہے جو ہم تھانہ بھون میں سنا کرتے تھے"۔

(مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کراچی ۱۳۹۶ھ)

"حضرت تھانویؒ کے خلفاء مستفیدین اور قابل قدر مبارک ہستیوں میں سے الحمدللہ کہ ہمارے گرامی اخلاص مولانا ابرار الحق صاحب نفع اللہ الامۃ بحیاتہ کا وجود بھی ہے، ابتداء تو غائبانہ تعلق رہا اور ایک عرفاتی ملاقات بھی ہوئی اور ان کے قابل قدر احوال بھی سنتا رہا لیکن اس دفع کراچی تشریف آوری کے موقع پر قریب سے دیکھا اور دو تقریریں سننے کا موقع بھی نصیب ہوا الحمدللہ کہ توقع سے بالاتر، ماشاء اللہ حضرت تھانویؒ کی نسبت جذب نے ان کو اپنا مجذوب بنا کر ان کی زبان کو اپنے پرکیف مواعظ سنانے کے لیے انتخاب فرمایا: و کفی بہ فخراً"۔ (مولانا محمد یوسف بنوریؒ ۱۳۹۶ھ)

"اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ حضرت تھانویؒ کے نقش قدم پر چلنے والے اور حضرت کے مسلک وذوق کی اشاعت کرنے والے بحمد اللہ اب بھی موجود ہیں، میرے محترم برادر عزیز مولانا ابرار الحق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری وباطنی اوصاف سے نوازا ہے آپ کے ملفوظات اور مواعظ میں ہمارے حضرت والا (تھانویؒ) کا مذاق اور مسلک کا رنگ جھلکتا ہے اور از دل خیزد بردل ریزد والا اثر محسوس ہوتا ہے"۔ عارف باللہ مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب ۱۳۹۶ھ)

"مولانا ابرار الحق صاحب حفظنا اللہ تعالیٰ بطول بقاءٗ کا دیدار اب کے برسوں بعد نصیب ہوا ان کے محاسن اور کمالات ذاتی کے علاوہ وہ وقت آگیا

جب تھانہ بھون میں انھیں چٹکتی کلیوں یا گل نوبہار کی کیفیت میں دیکھا تھا اور یہاں جب گل وگلزار کی شان دیکھی تو طبیعت وجد میں آ گئی۔ بیان، حسن بیان، طرز بیان، جاذبیت، حسن ادا میں ناکارہ کیا بیان کرسکتا ہوں۔"

بسیار شیوہاست حسیں را کہ نام نیست

کا معاملہ ہے، پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ بزم اشرف کے اس آفتاب ضیا افروز کو دیکھ کر دل میں بے ساختہ یہ آیا کہ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را مولانا یادگار حکیم الامت ہیں۔ (بابا نجم احسن صاحب مجاز صحبت حضرت تھانوی ۱۳۹۶ھ)

"حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص شان اصلاح سے نوازا ہے، اور پھر اصلاح امت کے کام کو ان کے لیے ورد دل بنا دیا ہے کہ اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتی۔

میں اطراء فی المدح اور کسی مدح کے ضمن میں تنقیص غیر سے پناہ مانگتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اصلاح منکرات کا جو کام حضرت مولانا ابرار الحق صاحب سے لے رہے ہیں وہ آج دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ پھر نہی عن المنکر کے جذبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حسن بیان اور ایسی شان جاذبیت عطا فرمائی ہے کہ آپ کی نکیر باعث تنفیر نہیں بنتی بلکہ منکرات کا قبح قلوب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے، یہ دل کی تڑپ اور اخلاص وقبول کی علامت ہے"۔ (مولانا مفتی رشید احمد صاحب ۱۳۹۶ھ)

"مولانا ابرار الحق صاحب بڑے صاحب عزیمت داعی الی اللہ شیخ ہیں"۔ (مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی تذکرۂ اکابر، ص: ۲۳۲)

"آپ اپنے وقت کے اسماعیل شہید ہیں"۔ (مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ایضاً)

❁❁❁

نقل مکتوب علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

آپ کے متعلق حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے ۲۲/ذی قعدہ ۵۸ھ کو مدرسہ جامع العلوم کانپور کے مہتمم جناب نظیف الرحمٰن صاحب کو جو گرامی نامہ لکھا ہے اس کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایک صاحب میری نظر میں ہیں جو بہت دیندار ہیں اور ذی استعداد ہیں مدرسین مدرسہ مظاہر علوم اور وہاں کے ناظم صاحب کو بھی جہاں تک میں نے سنا ہے ان کی استعداد پر پورا وثوق ہے۔ اور ان کا نام مولوی ابرار الحق سلمہٗ ہے چند سطروں کے بعد آگے فرماتے ہیں کہ علوم شرعیہ درسیہ کی تحصیل بڑی محنت سے مظاہر علوم میں کی ہے اور بحمد اللہ حافظ وقاری بھی ہیں اور تحصیل علم کے ساتھ تدریس کا فرض منصبی بھی انجام دیتے رہے طلبہ کو ان کا طریقہ تعلیم پسند ہے اور تقویٰ طہارت علم وعمل میں اپنے ہم عصروں اور ہم سروں میں بہت ممتاز ہیں میرے خیال میں اس دوسری جگہ کے لیے زیادہ موزوں رہیں گے اور صرف ۲۵/روپیہ ماہانہ تنخواہ پر بخوشی آجائیں گے اگر آپ ان کو پسند کریں تو جلد از جلد جواب دیں تا کہ ان سے گفتگو کر کے جلد بھیج دوں حضرت حکیم الامت نے ان الفاظ میں اس کی تصدیق وتوثیق فرمائی کہ احقر اشرف علی بھی تحریر بالا میں لفظ بہ لفظ متفق ہے۔ والسلام۔

تدریس کا آغاز

مظاہر علوم سے علوم وفنون سے فراغت کے بعد حضرت والا کو مظاہر علوم میں معین مدرس بنایا گیا، اس طرح آغاز تدریس ہندوستان کے مرکزی ادارہ مدرسہ مظاہر علوم سے ہوا۔

جامع العلوم کانپور میں

کانپور ہندستان کا بڑا خوش قسمت صنعتی شہر ہے جس کو حکیم الامت مجدد الملت جیسی

جامع المنقول والمعقول نادرروزگار علمی شخصیت حاصل رہی، حضرت والا تھانویؒ ۱۳۰۱ھ میں اہل کانپور کی درخواست پر مدرسہ ''فیض عام'' کانپور میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب اور حاجی کفایت اللہ صاحب کے اصرار پر محلہ پٹکاپور میں حضرت تھانویؒ نے درس دینا شروع کیا یہ ایک نیا مدرسہ تھا جہاں منقولات اور معقولات کی تعلیم شروع ہوئی نیز جامع مسجد کی مناسبت سے حضرت تھانویؒ نے مدرسہ کا نام ''جامع العلوم'' رکھا حضرت نے یہاں تقریباً ۱۴ سال تک درس وتدریس میں اپنا وقت صرف کیا ۱۳۱۵ھ میں آپ کانپور سے واپس تھانہ بھون آ کر خانقاہ امدادیہ کو آباد کیا۔

یہی وہ علمی جامعیت کا حامل کانپور کا مرکزی مدرسہ ہے جس میں آپ اپنے شیخ اور مرشد کے حکم اور خواہش پر تشریف لے گئے حضرت والا ہردوئی صاحب دامت برکاتہم نے یہاں تقریباً دو سال تک تدریسی خدمت انجام دی۔

فتح پور ہنسوہ جامع العلوم کانپور میں دو سال قیام کے بعد حضرت فتح پور ہنسوہ کے مدرسہ اسلامیہ میں تشریف لائے یہاں بھی تقریباً دو سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

❀❀❀

مدرسہ اشرف المدارس کا قیام

اور خدمات

آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جابجا اگر "امر بالمعروف" کی تاکید ملتی ہے تو اس کے پہلو بہ پہلو "نہی عن المنکر" کی تاکید بھی ہے امر بالمعروف کے سلسلے میں مساعی اور کوششیں ہو رہی ہیں انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی مگر کیا منکر پر نکیر کے لیے اس درجہ کی جدوجہد ہو رہی ہے؟ حالاں کہ اگر غور کیا جائے تو اس دوسرے جز کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہے، بلکہ کبھی زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے، مریض کے لیے جتنی ضرورت قوت بخش غذا کی ہے اس سے زیادہ پرہیز کی ضرورت ہے۔ ہزاروں روپے کی مقوی دوا اور غذا اور نہایت بیش قیمت معجون صرف ایک بدپرہیزی پر رائیگاں اور بے اثر ہو جاتا ہے۔

جناب مولانا مفتی رشید احمد صاحب کراچی کے درج ذیل کلمات میں کیا ادنیٰ درجہ میں بھی مبالغہ ہے؟ فرماتے ہیں:

> "رہبرانِ قوم نے نہی عن المنکر کے فریضہ کو تو ایسا بھلا دیا ہے کہ گویا یہ حکم سرے سے شریعت میں ہے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر منکرات کی مجالس میں علانیہ شرکت بلکہ اپنی مجالس میں منکرات کی کھلی چھوٹ دے کر عوام کو فتنۂ اباحیت میں مبتلا کر دیا ہے"۔ (مجالس ابرار: ص: ۷)

منکرات پر نکیر کے سلسلے میں ہر طرف سناٹا نظر آتا ہے، یہ صورت حال اتنی عمومیت اختیار کرتی جا رہی ہے کہ اچھے خاصے حضرات اس سے پہلوتہی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس گم کردہ راہ دنیا کے ازسرِنو راہ پر آنے کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ خدا

اورآخرت طلبی کی تعلیم وتربیت (اور ساتھ ہی تبلیغ) کا ایسا جامع اور محیط نظام اختیار کیا جائے جو عوام وخواص، پڑھے اور بے پڑھے سب کو حاوی ہو۔

کسی مدرسہ کی ملازمت اور مدارس میں ماتحت رہ کر کوئی شخص آزادی کے ساتھ خاطر خواہ اپنی صلاحیتوں کا استعمال نہیں کرسکتا یہی وجہ تھی کہ حضرت والا تھانویؒ نے چودہ سال (۱۳۰۱ھ سے ۱۳۱۵ھ) تک مدرسہ سے منسلک رہ کر تعلیمی وتدریسی خدمات کے بعد خود کو آزاد کرلیا، اور پھر انھیں مصالح اور ضرورت کے تحت حضرت تھانویؒ نے حضرت والا کو مدرسہ کے قیام کا حکم فرمایا۔

چناں چہ حضرت والا ہردوئی نے اپنے شیخ اور مرشد کے حکم کے مطابق اپنے وطن ہردوئی میں حضرت تھانویؒ کے نام سے ''بنام اشرف المدارس'' ماہ شوال ۱۳۶۲ھ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس مدرسہ سے آج ہردوئی جیسے کفرستان اور ظلمت کدہ میں علم وتعلیم اور تزکیہ وتربیت کی ایسی شمع روشن ہوئی جس کی روشنی سے آج نہ صرف ہندوستان اور ایشیاء بلکہ افریقہ اور یورپ کے شائقین حضرات کے قلب ودماغ منور ہورہے ہیں۔

مدارس میں بالعموم صحت کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیم بچوں کی دینی تربیت واخلاق وعادات کی اصلاح ودرستگی میں توجہ کی کمی ہے، جس کے نتیجہ میں عمل بالدین جو مدارس کے قیام کی روح ہے اس میں ضعف آرہا ہے۔ان حالات میں ایسے مدرسہ کی ضرورت تھی کہ جس میں صحت قرآن پاک کی معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی بطور خاص اہتمام ہو۔دیگر اداروں کے کارکنان بھی حضرت والا دامت برکاتہم کے طرز اور نہج کے زرّیں فوائد کھلی آنکھوں دیکھ کر اپنے زیر انتظام مدارس اور مکاتب کو اسی روش پر چلانے کی سعی کرنے لگے ہیں، اور ''مدرسہ اشرف المدارس'' آج پورے ایشیاء بلکہ اس سے باہر ایک معیار بن چکا ہے۔

❁❁❁

تبلیغ کی اہمیت

جس طرح تعلیم کے صحیح معنی انسان کواس کے مقصدِ وجود اور اس مقصد کی تحصیل وتکمیل کا علم عطا کرنا ہے اسی طرح تبلیغ کے معنی اس علم کو حاصل کر کے دوسروں تک پہنچانا ہیں۔ حضرات انبیاء کرام اور حضرت خاتم الانبیاء علیہ التحیہ والسلام کو انسان کے مقصدِ وجود اور اس کی تحصیل وتکمیل کے وسائل کا علم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے وحی تنزیل کے ذریعہ عطا ہوا ہے، پھر تمام انبیاء اور نبی الانبیاء علیہ السلام آخر دم تک اسی کو دوسرے تک پہنچاتے رہے دراصل رسول اللہ یا پیغمبر خدا کی لفظی ومعنوی حقیقت اور نبوت کا بنیادی فریضہ ومنصب مبلغ ہونا ہی ہے یعنی وہ اللہ کے رسالہ پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔

تبلیغ نہ صرف دین کی تمام دیگر علمی وتعلیمی خدمات سے اہم واقدم ہے بلکہ دیگر خدمات علم کی جو کچھ بھی قیمت واہمیت ہے وہ تبلیغ ہی کے اسباب ووسائل ہی کے درجہ میں ہے، جابجا فرماتے ہیں ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت وتشریف آوری کا اصل مقصد احکام دین کی تبلیغ تھی باقی جو کچھ ہے سب کی اس کی تائید واعانت کے لیے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء نہ مدرسے کھولنے تشریف لائے اور نہ کتب خانے قائم فرمانے بلکہ وہاں تو بالذات نفس نوشت وخواند تک مامور ومطلوب نہ تھی نہ متعارف علوم وفنون کو حضرات انبیاء یا حضرات صحابہ کے کمالات ودرجات کی فہرست میں کوئی مقام حاصل ہے تاہم درس وتدریس، تالیف وتصنیف وغیرہ سب چیزیں دراصل حسب ضرورت چوں کہ تبلیغ ہی کے مقدمات ووسائل ہیں اس لیے یہ بھی واجبات تبلیغ میں داخل ہیں، اور اس کے لیے حقوق العلم کے عنوان سے مستقلاً اور مواعظ وغیرہ میں متفرقاً ان کی اصلاح وتجدید کا بہ تفصیل حق ادا فرمایا گیا ہے۔ البتہ وسائل کو مقاصد بنانے

کی غلطی وغلو اس باب میں بھی اتنا ہوا کہ بالعموم مدارس ومدرسین علماء ومصنفین کی نظر اصل مقصد سے ہٹ گئی اس لیے ایک نہیں، آداب التبلیغ۔ الدعوۃ الی اللہ، محاسن اسلام وغیرہ مواعظ میں براہِ راست اور دیگر مواعظ ومضامین کے سلسلے میں جابجا بکثرت احکام دین کی تبلیغ واشاعت اور دعوت الی الحق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور خود حضرت تھانویؒ کی ساری تصنیفات وتالیفات سارے مواعظ وملفوظات کا محور تو کہنا چاہیے کہ احکام کی تبلیغ واشاعت اور حق کی طرف دعوت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔

❁❁❁

مجلس دعوۃ الحق کا قیام

اوپر ”تبلیغ کی اہمیت“ کے عنوان سے تحریر سامنے آئی۔ اسی وجہ سے حضرت والا تھانویؒ نے اپنے زمانہ میں مجلس دعوۃ الحق کا نظام قائم فرمایا تھا اور اس کے لیے مکمل لائحہ عمل تیار کیا تھا۔

حضرت تھانویؒ ارقام فرماتے ہیں:

”اسباب اتفاقیہ سے ایک زمانہ طویل سے عام طور پر اس کی طرف سے بہت زیادہ بے التفاتی ہوگئی جس کی وجہ سے بعض کا اس پر قادر نہ ہونا اور بعض کا دوسرے مشاغل ضروریہ یا غیر ضروریہ میں مشغول ہونا ہے، جس کا نتیجہ لازمی طور پر غلبۂ جہل ہے اور غلبۂ جہل سے فسادِ عمل اور فسادِ عمل سے مسلمانوں کا ہر قسم کا ظاہری وباطنی تنزل اور انواع مصائب میں ابتلاء اس قدر رونما ہوگیا ہے کہ جلدی اس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ خدانہ کرے مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہوجائے گی اس لیے سخت ضرورت ہے کہ بہت جلد اس کا خاص انتظام کیا جائے“۔ (دعوۃ الداعی: ص:۲)

حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد اس نہج پر کام ختم ہوگیا تھا، حضرت والا

ہردوئی دامت برکاتہم چوں کہ حضرت تھانویؒ کے پرتو اور عکس جمیل ہیں، حضرت تھانویؒ کے انداز وطرز پر مجلس دعوۃ الحق کے نظام کو قائم رکھنے کا شدید داعیہ تھا۔

بدعات ورسومات کے روز بروز شیوع سے حضرت والا ہردوئی کو بڑا غم تھا، احیاء سنت کے جذبہ کے تحت حضرت اپنے شیخ اور مرشد کے بنائے ہوئے ضوابط اور لائحہ عمل کی روشنی میں پوری قوت کے ساتھ تنہا میدان میں آگئے اور مجلس دعوۃ الحق کا ۱۳۷۰ھ میں احیاء فرمایا، اور حسب ضرورت حالات اور زمانہ کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً مختصر اور مفصل کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے جو اپنے موضوع پر اکسیر اور نہایت مفید ہیں۔

حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم ایک عالم ربانی، مرشد کامل، دینی حمیت وغیرت سے بھرپور، دل میں ملت اسلامیہ کے ہر ہر فرد کی دارین میں حقیقی کامیابی وترقی کے لیے تڑپ اور لگن رکھنے والے حقیقی رہنما ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا حال بھی امت کی دینی ودنیوی زبوں حالی کو دیکھ کر یہ ہوگیا تھا کہ آپ نہ ٹھیک سے کھانا کھا سکتے تھے اور نہ ہی سو سکتے تھے، بھوک اور نیند دونوں اڑ گئی تھی، دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ شریعت حقہ پر کسی بھی نوع سے اور کسی بھی سمت سے کوئی گرد آتی ہوئی نظر آتی ہے تو حضرت والا ہردوئی بھی اپنی اسی نسبت سے اسی انداز پر ہر طرح اس ملت بیضاء پر ڈالی گئی گرد کو صاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قرآن کریم کے حقوق اربعہ میں سے کسی بھی حق میں کوتاہی ہو، سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے بے رخی ہو آپ کی شبانہ روز کی یہ جہد مسلسل ہے کہ احیاء سنت ہو، امت مرحومہ کامل طریق نبوی پر، سنتوں پر عمل کرنے والی بن جائے۔

بہر حال دعوۃ الحق ہردوئی کو ۱۳۷۰ھ میں احیاء فرما کر اس کے ذریعہ ملک اور ملک سے باہر ایسی انتھک مساعی کا عظیم سلسلہ شروع فرمایا کہ بلاشبہ اور بلا مبالغہ حضرت والا کا یہ تجدیدی کارنامہ بن گیا، جو سنتیں مردہ ہوگئی تھیں آج زندہ ہوئیں، اس

مجلس کو آج ایسی مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے کہ اس کی نگرانی میں تبلیغی کام کا ایک طویل سلسلہ نظر آرہا ہے، مکاتب کا قیام، قائم شدہ مکاتب میں ترقی اور صحیح نہج پر کام، مجلس کے تحت مکاتب کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے۔

آپ کا اہم تجدیدی کارنامہ

قرآن کریم کی تعریف میں الفاظ "هو النَّظْمُ والمعنى جميعًا" آتے ہیں، نہ تنہا الفاظ اور نہ تنہا معانی، بلکہ دونوں کے مجموعے کا نام قرآن کریم ہے، مگر آج خاص طور پر مدارس عربیہ کے نظام سے الفاظ کی کما حقہ خدمت اور اس کی اہمیت کی جانب حقیقی توجہ خارج نظر آتی ہے، یہ بڑے دکھ اور خطرے کی بات ہے، الا ماشاء اللہ پیغمبر علیہ السلام کے مناصب اربعہ میں اوّلین منصب آیات کتاب کی تلاوت صحیحہ ہے اس کے بعد دیگر کام، مگر الفاظ کی صحیح تلاوت جو بقدر ضرورت فرض عین ہے آج کتنے مدارس ہیں جو اس طرف متوجہ ہیں۔

حضرت والا اوّل روز سے اس کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اس طرح جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں جس طرح اس کا حق ہے، آپ نے اس کو اپنی حیات کا ایک اہم مشن اور زبردست تحریک بنالیا ہے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین شہنشاہوں کے شہنشاہ کا کلام جو تمام کلاموں کا بادشاہ اور شہنشاہ ہے اسے اسی طرح پڑھا جائے، جس طرح پڑھے جانے کی اس کی اہمیت تقاضہ کرتی ہے، اس سلسلہ میں آپ کی تڑپ اور بے قراری دیدنی ہے۔

اس سلسلہ میں آپ کی بے چینی اور سعی کو جنہوں نے دیکھا اور قریب سے سنا ان میں بھی آپ کی تڑپ اثر کئے بغیر نہ رہی اور پھر مساعی کا ایک سلسلہ شروع ہوتا نظر آیا، لاتعداد نئے مکاتب اور مدارس اسی نہج اور طرز پر کھلے اور جاری مکاتب کا انداز تعلیم بدلا، ان کے منتظمین اور کارکنان نے کلام الٰہی کی حقیقی عظمت اور حق کو سمجھنا شروع کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت والا دامت برکاتہم کی صدائے قرآنی کی دل نوازلے کچھ اس

طرح گوشہائے حق نیوش سے ٹکرائی کہ برصغیر کے اس سرے سے اس سرے تک اسی طرز وانداز پر اہل حق گنگنانے لگے اور اس شعر کا مصداق نگاہوں میں پھر گیا۔

یک چراغیست دریں بزم کہ از پر تو آں
ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

اصلاح وتربیت کا کام

گذشتہ امتوں میں تو ہدایت اور اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرما رکھا تھا مگر اس امت میں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کا جامع اور مکمل پیغام لے کر مبعوث ہو گئے اور خدا تعالیٰ کا مکمل پیغام بندوں تک پہنچ گیا تو اب کسی نبی کی بعثت کی ضرورت نہیں رہی البتہ آخری پیغام کی حفاظت اور اشاعت کے لیے ہر زمانہ میں داعین و مصلحین کی ضرورت رہی چناں چہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر شعبہ دین میں مجددین اور مصلحین کا ہمیشہ سلسلہ جاری رکھا اسی لیے تجدید واصلاح کی ایک نہایت روشن اور تابناک کڑی مجدد الملۃ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی ذات گرامی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی میں دین کے ہر شعبہ میں تجدید واصلاح کا کام سپرد فرمایا اور حق یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی سے من جانب اللہ ہر شعبہ میں جامعیت اور وسعت کے ساتھ تجدید کا کام لیا گیا جس کے اثرات اس دور میں ہر کس وناکس کے مشاہدہ میں ہیں۔ و ذلك فضل الله۔

اور من جملہ آپ کی تجدیدی خدمات کے ایک نہایت اہم رجال کار کی تربیت اور اصلاح وارشاد کے لیے افراد سازی کا کام تھا چناں چہ یہ واقعہ ہے کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کے فیض تربیت سے بہت سے ایسے رجال کار تیار ہوئے جنھوں نے مختلف شعبہائے دین میں حضرت کے کام اور سلسلہ تجدید کی

توسیع وترقی کا کام کیا اور خود بھی اپنی ذات میں کامل ہو کر مستقل مرکز ثابت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت خاصہ اور توفیق سے ہمارے حضرت والا محی السنہ دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ایسے ہی منتخب افراد میں سے ایک ہے آپ کے جوہر قابل نے نہایت کم عمری میں یعنی اکیس سال ہی کی عمر میں حضرت مولانا تھانویؒ کے آفتاب ضیاء افروز سے جذب نور کیا اور اجازت بیعت کی سند سے سرفراز ہوئے پھر ساری زندگی اس نور کی حفاظت بلکہ ترقی اور اشاعت میں اس ذھن کے ساتھ سے منہمک رہے کہ آپ کی ذات گرامی بھی امت کے لیے مثل آفتاب و ماہتاب بن گئی اور اب آپ کی ذات گرامی کا فیض نور دنیا کے ظلمت کدہ میں روشنی کا مینار ثابت ہو رہا ہے۔ و ذلک فضل اللّٰہ۔

حضرت والا محی السنہ مد ظلہم کے ذریعہ بحمد اللہ قرآن کریم کی صحیح تعلیم اور سنت کے موافق اذان واقامت اور نماز کی ادائیگی سنت کی اشاعت کا فیض بڑے پیانہ پر جاری ہوا نیز رجال کار کی تربیت اور امت کی اصلاح کا کام بھی بفضل ایزدی وسیع پیانہ پر ہو رہا ہے، نہ صرف اندرون ملک بلکہ دور دراز کے بیرونی ممالک میں حضرت والا کے آفتاب عالم تاب کی کرنوں کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے میں مصروف ہیں۔

حضرت والا تھانویؒ کے اتباع میں حضرت والا کے یہاں بھی مجازین کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن کو تکمیل کے بعد بیعت وتلقین کی اجازت عطا کی گئی اور ایسے حضرات کی تعداد بحمد اللہ تعالیٰ ستر ۷۰ رسے متجاوز ہے دوسرے وہ حضرات ہیں جو تکمیل کے قریب پہنچ چکے ہیں مگر بعض حالات خاصہ کا انتظار ہونے کی وجہ سے ان کو بیعت وتلقین کی اجازت کے بجائے صرف تعلیم وتذکیر اور صحبت مجلس کی اجازت دی گئی ایسے حضرات کو "مجازین صحبت" کہا جاتا ہے اور بحمدہ تعالیٰ ان حضرات کی تعداد بھی کثیر ہے جب کہ بحمدہ تعالیٰ ابھی دریائے فیض جاری ہے اور تشنگانِ جام محبت کے ورود وصدور کا سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت والا کے فیوض و برکات کے شرقاً غرباً شمالاً جنوباً سارے عالم میں عام اور تام فرمائے اور سلسلہ فیض کو تا قیام قیامت دراز فرمائے۔ و یرحم اللّٰہ عبدا قال آمینا۔

ارشادات کے مختصر اقتباسات

بزم اشرف کی اس تابندہ ودرخشندہ شمع سے اقتباس نور میں راقم الحروف بے حد کوتاہ رہا اور اسے اپنی اس تقصیر پر بے حد تاسف اور غم ہے کہ براہِ راست حاضر ہو کر ارشادات عالیہ کو قلم بند کرنے کی سعادت نہ حاصل کر سکا۔

خوش نصیب ہیں وہ حضرات مسترشدین جنھوں نے ایک خاصی تعداد میں حضرت والا کے مواعظ اور ارشادات وملفوظات کو محفوظ اور قلم بند کرنے کی سعی مشکور کی ہے اور آج ایک معتد بہ حصہ طبع ہو کر قارئین اور ناظرین کی نگاہوں کے لیے سرمۂ بصر بلکہ "درنجف" اور قلب وروح کے لیے اصلاح وسرور کا سامان بن گیا ہے۔

حضرت والا کے ارشادات عالیہ کے جتنے حصے مطبوعہ ہیں الحمد اللہ راقم الحروف کے زیر مطالعہ رہتے ہیں یوں تو حضرت کے سارے ہی مواعظ وارشادات تصحیح قرآن کریم، اصلاح منکرات، اور احیاء سنت کے عنوانات پر ہوتے ہیں لیکن یہاں ازاں جملہ انتخاب کے بعد ایک مختصر تلخیص پیش کر دینا اس لیے مناسب ہے تا کہ اس مختصر تحریر کے پڑھنے والے حضرت والا کی صحبت بابرکت اور مجلس کیمیا اثر کا کسی حد تک لطف حاصل کر سکیں، اور یہ محسوس ہو کہ حضرت کی صحبت اور اس کے ماحول ہی میں وقت کا کچھ حصہ گذرا۔

نیز اس سے حضرت والا دامت برکاتہم کی تڑپ واضطراب وبے چینی کا ایک ہلکا سا اندازہ بھی ہو سکے گا جو فی زمانہ قرآن کریم کی کما حقہ صحیح اور تجوید کے ساتھ تلاوت میں کوتاہی منکرات پر نکیر میں مداہنت اور احیاء سنت اور طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت میں پہلوتہی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

فرمایا: قرآن پاک کے ہر حرف پر دس نیکی ملنے کا جو وعدہ ہے وہ صحیح پڑھنے پر ہے مثلاً "قل" کے دو حرف پر بیس نیکی کا وعدہ ہے لیکن اگر کوئی اس قل کو کل پڑھے اور

قاف نہ ادا کرے تو یہ ثواب کس طرح ملے گا، اگر اردو کا امتحان لیا جا رہا ہو اور کہا جائے کہ لکھو ظالم اور طالب علم لکھے جالم تو کیا آپ اُس کو پاس کریں گے یا کوئی نمبر دیں گے حالاں کہ صرف ایک حرف کو غلط لکھا ہے اور تین حرف کی اکثریت صحیح ہے اسی طرح آپ نے کہا لکھو طوطا اس نے توتا تو آپ کیا نمبر دیں گے پس جو فیصلہ یہاں کریں گے قرآن پاک کی تلاوت میں بھی کرلیں، بہت اہتمام سے قرآن پاک کی تلاوت کو صحت حروف کے ساتھ مشق کریں قرآن پاک کی غلط تعلیم سے منتظمین مدرسہ بھی وہاں سے نہ بچ سکیں گے اور صدقہ جاریہ کے بجائے ضد صدقہ جاریہ ہوگا۔

حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا بعض شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث کو بھی خانقاہ تھانہ بھون میں قاعدہ پڑھنے کا حکم دیا گیا اور جمال القرآن جو تجوید پر نہایت جامع رسالہ ہے پڑھنا پڑا، کسی شاعر کے کلام کو غلط پڑھ کر دیکھئے کہ اسے کس قدر ناگواری ہوتی ہے اور یہ کلام رب العالمین اور کلام احکم الحاکمین ہے اس کی صحت حروف اور قواعد تجوید کا کتنا اہتمام ہونا چاہیے، قرآن پاک کی عظمت جس طرح ہے اسی طرح حفظ وناظرہ کے طلبہ کا اکرام قلب میں ہونا چاہیے، بعض مدارس دینیہ کے معائنے کے لیے جب حاضری ہوئی تو دیکھا کہ کافیہ پڑھنے کی درس گاہ میں دریاں نہایت عمدہ اور حفظ قرآن پاک کے درجے میں بوسیدہ اور گھٹیا درجہ کی چٹائیاں تھیں، دل بے حد غمگین ہوا اور وہاں کے مہتمم صاحب سے گذارش کی گئی کہ کیا حال ہے، مقدمات کا یہ اہتمام اور مقصود کے ساتھ یہ معاملہ، الحمدللہ ہمارے مدرسہ (ہردوئی) میں عمدہ اور نئی دریاں جب آتی ہیں تو پہلے حفظ خانے میں بچھائی جاتی ہیں پھر وہاں سے مستعمل ہو کر جب نکلتی ہیں تو ان کو صرف ونحو کے درجے میں بچھایا جاتا ہے۔

ایک حکایت یاد آئی: ایک وزیر کے لڑکے کی سورۂ بقرہ ختم ہوئی اس نے استاذ کی خدمت میں ڈھائی سو اشرفیاں ہدیہ پیش کی استاذ نے کہا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے

میں نے ابھی کیا ہی کیا ہے جو اتنے بڑے انعام کا مستحق ہوں، وزیر نے ہدیہ تو دیدیا اور کہا کہ مجھ سے تنہائی میں ملنا جب خلوت میں ملاقات ہوئی تو کہا اب میرے لڑکے کو پڑھانے مت آنا کیوں کہ تمہارے قلب میں سورۃ بقرہ کی عظمت ڈھائی سو اشرفیوں سے بھی کم ہے اور میرے اس ہدیہ کو سورۃ بقرہ سے زیادہ وقیع سمجھا، جب آپ کا یہ حال ہے تو ہمارے لڑکے کے قلب میں قرآن کی عظمت کیسے پیدا ہوگی، کیا حال تھا اس زمانے کے امراء کا۔

الحمد للہ ہمارے یہاں دعوۃ الحق ہردوئی کی نگرانی میں تقریباً ۱۰۰ ار سے زائد مکاتب ہیں اور چار سو سے زائد اساتذہ وملازمین ہیں اور اب تک تقریباً پندرہ ہزار سے زائد طلبہ نے ناظرہ قرآن پاک مکمل کیا اور سولہ سو ۱۶۰۰ ار سے زائد طلبہ نے حفظ قرآن پاک مع التجوید مکمل کیا ہمارے یہاں بعض حفاظ کی تنخواہ علماء سے زیادہ ہے ہمارے یہاں تنخواہ کا معیار ضرورت اور حاجت پر ہے قرآن پاک کی صحیح خدمت کا اہتمام رہتا ہے اسی کی برکت سے کبھی مالی ابتلا نہیں ہوتی حالاں کہ ڈیڑھ کروڑ سالانہ خرچ ہے۔

ہمارے یہاں حفاظ کرام کو جہری نماز ہو یا سری ہو خواہ فرض نمازوں کی امامت ہو یا تراویح پڑھانی ہو، تجوید اور قواعد کی پوری رعایت رکھنی ہوتی ہے... بعض حضرت جہری نمازوں کے لیے تو خاص طور پر قراءت کے تمام اصول کی پابندی کریں گے اور سری نمازوں میں سب اصول ختم کردیتے ہیں، کیا یہ قواعد صرف جہر کے لیے خاص ہیں؟

اگر یہ قرآن پاک کی عظمت کا حق ہے تو پھر ہر حالت میں اس کی رعایت ضروری ہے تراویح میں تو عام ابتلاء ہے کہ تیز پڑھنے میں تمام قواعد ہضم کر جاتے ہیں۔

میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں وہ یہ کہ کار کے تیز چلانے پر حکومت کی طرف سے انعام مقرر ہو تو کچھ لوگوں نے سرخ سگنل کو بھی پار کرلیا اور تصادم سے بھی نہ رکے سب کو گراتے پڑاتے منزل مقررہ تک پہنچ گئے اور کچھ لوگ ہر سرخ سگنل پر اپنی کار روک لیا کرتے ہیں اور کسی کی جان بھی تیز رفتاری سے نہیں ضائع کی تو آپ

ہی بتلائیں کہ انعام کن لوگوں کو ملے گا؟ اور چالان کن لوگوں کا ہوگا؟ انعام تو کجا ایسے لوگوں کی سزا کا خطرہ ہے جو تیز رفتاری سے تراویح میں اصول وقواعد تجوید کی پرواہ نہیں کرتے اور مقتدیوں کو خوش کرنے کے لیے خداتعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔

مزاحاً فرمایا کہ:

جو لوگ ضالین کو دالین (مشابہ بدال) پڑھتے ہیں، پلاؤ چھوڑ کر دال کھاتے ہیں، دال کے حروف ابجد چار ہیں اور ضاد کے آٹھ سو ہیں ایک دم سے ۷۹۶ درجہ کم ہوجاتے ہیں، تفسیر ابن کثیر میں ضاد کو مشابہ بالظاء لکھا ہے کسی ماہر فن سے مشق کرنی چاہیے۔

(از راقم - علم تجوید وقراءت کے امام علامہ مکی ابن ابی طالب القیسر وانی الاندلسی متوفی ۴۳۷ھ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الرعایۃ لتجوید القراءۃ وتحقیق لفظ التلاوۃ'' میں حرف ضاد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"والضاد یشبه لفظها بلفظ الظاء"

"ولولا اختلاف المخرجین وما فی الضاد من الاستطالة لکان لفظهما واحدًا ولم یختلفا فی السمع" (ص:۱۸۴، باب الضاد)

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بعض لوگوں نے علامہ مکی کے جملہ اوّل کے خلاف مستقل رسالہ تالیف کردیا ہے اور بڑے زور وشور کے ساتھ لکھا ہے کہ ضاد کو ظاء سے مشابہت نہیں ہے۔

مگر صحیح وہی ہے جو علامہ مکیؒ اور دیگر ائمہ فن نے لکھا ہے، تفصیلات کے لیے تنویر المرءات شرح ضیاء القراءات اور اللطیۃ العنبر یہ وغیرہ دیکھی جائیں۔

فرمایا: ہمارے یہاں بمبئی حیدرآباد دکن، مدراس اور اڑیسہ مختلف صوبوں کے چھ سات سال کے بچے اپنے مصارف سے دارالاقامہ میں رہتے ہیں اور اب تجوید کی معیاری تعلیم کو سن کر افریقہ (اور لندن) سے بھی طلبہ آنے لگے ہیں (واضح رہے کہ یہ ۱۳۹۶ھ سے پہلے کی بات ہے، اور اب رجوع اور بڑھ گیا ہے)

فرمایا: گھڑی خراب ہو جائے تو شہر میں جو سب سے ماہر گھڑی ساز ہوگا اس کے پاس جاویں گے اور بچوں کی تعلیم قرآن پاک کے لیے سستا استاذ تلاش کریں گے چاہے وہ کیسا ہی غلط سلط پڑھتا ہو، ''رُب قاری للقرآن والقرآن یلعنه'' یعنی بعض لوگ قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے۔

قرآن پاک کی تعلیم کے لیے فن تجوید کے ماہر کو استاذ بنانا چاہیے۔

فرمایا: میں اس وقت ان طلباء کرام حفظ و ناظرہ سے گذارش کرتا ہوں، اگر آپ لوگوں کے سامنے چار قسم کے رجسٹر ہوں، ایک میں شریر بچوں کا نام ہو دوسرے میں جو سب سے زیادہ شریف ہوں ان کا نام ہو اور اس میں شریروں کے گروہ کا بھی نام ہو بلکہ گرد گھنٹال کا یعنی شیطان کا نام بھی ہو.....اور تیسرے رجسٹر میں نیک لوگوں کا نام اور چوتھے رجسٹر میں جو سب سے زیادہ نیک لوگ ہوں ان کا نام درج ہو تو آپ لوگ اپنا نام کس رجسٹر میں لکھوائیں گے (بچوں نے جواب دیا کہ جس رجسٹر میں سب سے اچھے لوگوں کے نام ہوں گے اس میں اپنا نام لکھوانا پسند کرتے ہیں) اچھا بھائی تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ لوگ چوتھے رجسٹر میں اپنا نام لکھانا پسند کریں گے، اب سنئے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''خیر کم من تعلم القرآن وعلمه'' تم لوگوں میں سب سے اچھا اور نیک وہ ہے جو قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو تعلیم قرآن پاک کی دے۔

فرمایا: اب میں بیعت کرتے وقت غیبت اور بدنگاہی اور بدگمانی سے احتیاط کا عہد بھی لیتا ہوں، نیز قرآن پاک کو تجوید کے قواعد سے کسی ماہر فن سے مشق کرنے کا عہد بھی لیتا ہوں، بہشتی زیور کا ساتواں حصہ حقوق الاسلام، قصد السبیل کا غور سے مطالعہ کرنے کی تاکید بھی کرتا ہوں اور ایک تسبیح استغفار اور ایک تسبیح کلمہ شریف اور ایک تسبیح درود شریف کی ضرور بتاتا ہوں۔

قرآن پاک کی عظمت مطلوبہ میں بڑی کمی ہے

اس کا علاج یہ ہے کہ گاہ گاہ طلبہ کے اجتماع میں قرآن پاک کی عظمت اور فضائل کی احادیث سنائی جائیں ان کے قلوب میں انشاء اللہ قرآن پاک کی عظمت پیدا ہو جائے گی۔

(۱) تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن پاک کو سیکھے اور سکھائے (بخاری عن عثمان)

(۲) ارشاد فرمایا حضور ﷺ نے حق تعالیٰ شانہ کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔ (ترمذی عن ابی سعید خدریؓ)

(۳) قرآن کا ماہران ملائکہ کے ساتھ ہے جو میر منشی ہیں اور نیکوکار ہیں اور جو شخص قرآن پاک کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دقت اٹھاتا ہے اس کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ (بخاری وغیرہ عن عائشہؓ)

(۴) حسد (غبطہ و رشک کے معنی میں) صرف دو شخصوں پر جائز ہے ایک وہ جس کو حق تعالیٰ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے۔ دوسرے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے۔ (عن ابن عمرؓ)

(۵) تین چیزیں قوت حافظہ بڑھاتی ہیں۔ (۱) مسواک (۲) روزہ (۳) تلاوت کلام پاک۔ (احیاء العلوم عن علیؓ)

(۶) قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں تو آخری آیت پر پہنچے۔ (ترمذی وغیرہ عن ابن عمرؓ)

(۷) قرآن شریف کے ہر حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے

برابر ہے میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔ (ترمذی عن ابن مسعودؓ) یعنی صرف الم پر تیس نیکی کی بشارت ہے۔

(۸) جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ کیا، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔ (احمد و ترمذی عن علیؓ)

(۹) جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں، وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔ (ترمذی عن ابن عباسؓ)

(۱۰) دلوں میں زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے آپ سے پوچھا گیا کہ اس کی صفائی کی کیا صورت ہے ارشاد فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ (عن ابن عمرؓ)

(۱۱) میری امت کے بڑے لوگ اصحاب اللیل اور حملۃ القرآن ہیں۔

مدارس کی کثرت ہو رہی ہے بظاہر تعلیم کا شیوع بڑھ رہا ہے، مگر اسی کے ساتھ تعلیم کے آداب اور طریق میں بڑی کمی اور کوتاہی ہو رہی ہے، یہ کوتاہی ہر طرف سے ہے ذیل میں حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کی حضرات منتظمین مدارس کی خدمت میں پیش فرمودہ گذارشات میں سے چند گذارشات جو قرآن عزیز سے متعلق ہیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) عظمت طلبہ بالخصوص طلباء قرآن شریف کا زیادہ اہتمام کریں۔

آج دینی مدارس میں گھوم جایئے، ان طلبہ کے سلسلے میں لفظ "مہمان رسول" عام ہے مدارس کے اشتہارات اور رودادوں میں یہی لفظ ملے گا، مگر حقیقتاً ان کے ساتھ وہی سلوک اور معاملہ کیا جارہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کے ساتھ کیا جانا چاہیے، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ان کے ساتھ اپنے ذاتی معمولی مہمان جیسا

برتاؤ بھی روا نہیں رکھا جاتا ہے، ان کے قیام وطعام، اوران کی شب وروز کی نگہداشت کس طرح کی جارہی ہے، یہ ایک لمحہ فکریہ ہے، حضرت والا نہایت اہمیت کے ساتھ اس جانب توجہ دلاتے رہتے ہیں۔

(٢) ان کے ضیف رسول ﷺ ہونے نیز مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا استحضار رکھ کر معاملات کرنا۔

(٣) حفاظ کے لیے وظیفہ میں گنجائش رکھنا۔

(٤) تکمیل حفظ پر انعام خصوصی مقرر کرنا۔

(٥) جن اساتذہ میں صحت مطلوبہ یعنی قرآن مجید مع التجوید پڑھنے کی کمی ہو ادارہ کے مصارف پر پورا کرنا۔

(٦) معلمین قاعدہ وناظرہ کا مشاہرہ معقول مقرر کرنا خواہ علماء کرام سے زیادہ ہو جائے، مدار وظیفہ ضرورت ہونا چاہیے نہ کہ علمی لیاقت۔

(٧) بوقت داخلہ طلبہ، قرآن پاک میں امتحان کرانا۔

(٨) تصحیح مطلوب کی کمی پر تصحیح قرآن مجید کے لیے وقت مقرر کرنا۔

(٩) اجتماع طلبہ، جلسہ اور وعظ میں تدویراً اور صدراً طلبہ سے قرآن شریف پڑھوانا۔

(١٠) قواعد تجوید کے موافق سنانے پر انعام کا دیا جانا۔

(١١) تصحیح قرآن شریف کی ناکامی پر وظیفہ کا بند کرنا اور درجہ کی ترقی سے محروم کرنا۔

(١٢) بیمار طلبہ کی خاطر، دیکھ بھال، دل جوئی، اور راحت رسانی کا اہتمام کرنا۔

رسول اکرم ﷺ کے یہ حضرات طلبہ کرام مہمان ہیں تو جب عام مسلمین کی عیادت اور تیمارداری کا اتنا اجر وثواب ہے تو ان کی عیادت اور دیکھ بھال کا کتنا ثواب ہوگا۔

ہردوئی کے ایک طالب علم نے جواب کراچی میں رہتے ہیں حضرت اقدس ہردوئی دامت برکاتہم کی شفقت کا ایک قصہ بیان کیا کہ میں نے بچپن میں ایک مرتبہ حضرت والا کے ساتھ ایک سفر میں حضرت والا کی چادر پر پیشاب کردیا، صبح حضرت

والا نے فرمایا تم پانی ڈالو اور خود اپنے دست مبارک سے دھو رہے تھے یہ کہہ کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم نے ایک وعظ میں ارشاد فرمایا کہ آج مدرسین حضرات کو یہ شکایت ہے کہ طلبہ ہماری خدمت نہیں کرتے، ہمارا اکرام نہیں کرتے تو بات دراصل یہ ہے کہ ہم تو طلبہ سے تعلق رکھتے ہیں ضابطہ کا اور ہم ان کی طرف سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا رابطہ کا خیال کریں، آج حال یہ ہے کہ طالب علم کسی کمرہ میں بیمار پڑا ہوا ہے استاذ کو دیکھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ! تو بھائی یک طرفہ محبت کیسے پیدا ہو۔

حدیث پاک میں من لم یرحم صغیرنا کو مقدم فرمایا گیا ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا ''ولم یوقر کبیرنا فلیس منا'' (بخاری عن ابن عمرؓ)

حدیث بالا میں کس قدر وعید ہے، اس تقدم سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت ورحمت میں سبقت کرنا چاہیے۔

فرمایا: ہمارے یہاں (ہردوئی میں) عالموں کی تقرری پر ان کا قاعدہ کا امتحان ضرور ہوتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک عالم صاحب کچھ خفا ہوئے اور کہنے لگے ہماری سند میں تمام کتابوں کے اندر ہمارے اعلیٰ نمبر آئے ہیں۔ ان سے گذارش کی گئی مگر آپ کی سند میں قاعدے کا ذکر نہیں ہے۔ پھر ایک قاعدہ پڑھنے والے بچے کو بلایا گیا اور ان سے ان کو قاعدہ سنایا گیا، پھر وہ خود ہی کہنے لگے کہ یہ بچہ تو مجھ سے اچھا پڑھتا ہے، پھر ان کو قاعدہ سنایا گیا، پھر ان سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ کو اس بچے کا امام بنا دیا جائے تو اس بچے کے قلب میں آپ کی وقعت ہوگی بات سمجھ میں آگئی، آج کل اس طرف بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔ علماء کو سند دیدی جاتی ہے اور وہ قرآن کو قواعد تجوید سے نہیں پڑھ سکتے۔

فرمایا: حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ کلام پاک کے چار حق ہیں۔

(۱)عظمت (۲) محبت (۳) تلاوت مع الصحت (۴)احکام کی متابعت
تھانہ بھون میں بعض محدثین کو بھی نورانی قاعدہ پڑھنا پڑا، مکان کے رنگ روغن کی فکر ہے تاکہ جمال پیدا ہو لیکن قرآن پاک کے جمال کی فکر کیوں نہیں۔
جہاں ضروریات دین کا اہتمام نہ ہو تو پھر وہاں معارف و دقائق تصوف ان کو کیا نفع دے سکتا ہے۔

ایک دینی ادارہ میں معائنہ کے بعد فرمایا

بعض طلباء نے قرآن کو صحت حروف سے نہیں پڑھا کافیہ اور مرقاۃ کی عبارت تو صحیح پڑھی اور قرآن پاک غلط پڑھا، کتاب اللہ کی عظمت نہیں ہے۔
ارشاد فرمایا کہ جس طرح بات چیت سے محبت بڑھتی ہے تلاوت بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہے اس لیے تلاوت قرآن پاک سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے ایک حرف پر دس نیکی اور ایک پارہ پر ایک لاکھ نیکی کا اوسط ہے یہ انعام الگ ہے ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ کو لکھا کہ تلاوت قرآن پاک میں دل نہیں لگتا۔ حضرت والا نے جواب لکھا کہ یہ سوچا کرو کہ حق تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہمارا کلام سناؤ دیکھیں کیسا پڑھتے ہو۔ پڑھنے کا انعام الگ ہے سمجھنے کا انعام الگ ہے جو لوگ پڑھنے کو بدون سمجھنے کے بیکار سمجھتے ہیں یا تو وہ جاہل ہیں یا تو وہ بددین اور مخالف فرمان رسول اللہ ہیں قرآن پاک کا حافظ دراصل معجزہ عظیم کا محافظ ہے ملک کی سرحد کے محافظ تو سرکاری آدمی سمجھے جاتے ہیں تو قرآن پاک جو کلام رب العٰلمین ہے اس کے محافظوں کو کیا سرکاری محافظ کا مقام حاصل نہ ہوگا۔
فرمایا: حسن صوت اللہ کا عطیہ ہے جو غیر اختیاری ہے تجوید سے پڑھنا اپنا کمال ہے اور اختیاری ہے اس لیے جو چیز غیر اختیاری ہے اس کے پیچھے نہ پڑے جو اختیاری ہے جس کا انسان مکلف ہے اس کو حاصل کرے، اس میں محنت کرنے لگے پھر یہ کہ

مقبول عند اللہ تجوید سے پڑھنے والا ہے نہ کہ بلا تجوید اچھی آواز سے پڑھنے والا۔

فرمایا: (تلاوت کرتے وقت) کہاں سانس توڑے؟ کہاں وقف کرے؟ اس کے قاعدے مقرر ہیں، اس کے موافق سانس توڑنا چاہیے۔ اہل علم کے لیے یہ بھی ہے کہ وقف کے بعد اعادہ کرنے میں معنی کی رعایت کے ساتھ اعادہ کرے۔

(ترتیل جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے دو اجزاء ہیں، تجوید الحروف، اور معرفۃ الوقوف، حروف کی تجوید اور وقوف کی معرفت کے ساتھ ہی ترتیل مکمل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح وقف کی ضرورت میں سے ابتداء اور اعادہ بھی ہے)

فرمایا: قرآن پاک کی عجیب شان ہے اس کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے۔ قراءت کے دس امام ہیں اسی کو قراءاتِ عشرہ کہا جاتا ہے۔ ایک طریقہ وہ بھی ہے جو ابھی پڑھا گیا ہے مغربی علاقہ میں یہ طریقہ رائج ہے، یہاں اس کے جاننے والے کم ہیں یہ طریقہ بھی حضور ﷺ سے منقول ہے۔ یہ قراءت امام نافع مدنیؒ کے شاگرد (امام ورشؒ) کی ہے نماز میں بھی اس طرح پڑھ سکتے ہیں مگر لوگ ناواقف ہوتے ہیں اس لیے ایسا نہ کرے، ترغیب وتشویق کے لیے پڑھ سکتے ہیں مگر بتلا دیا جائے کہ اس وقت فلاں روایت کے موافق پڑھا جائے گا۔ (یہ ملفوظ اس موقعہ کا ہے جب راقم الحروف نے ہردوئی حاضری پر حضرت والا کی خواہش پر بروایتِ ورش تلاوت کی تھی)

ارشادات بسلسلۂ اصلاح منکرات

فرمایا: اگر بڑوں کی پیالیوں میں چائے پیتے وقت مکھیاں گر جائیں تو چھوٹے فوراً اس کو نکال دیتے ہیں اور اس بات سے بڑے بھی خوش رہتے ہیں تو منکرات میں بھی یہی معاملہ ہونا چاہیے، ہرگز ہرگز اس منکر میں شریک نہ ہو اور موقع سمجھ کر ادب سے اکابر کی خدمت میں بھی عرض کر دے لیکن ایسے وقت اکابر کا اکرام اور اپنی پستی وکمتری کا استحضار بھی ضروری ہے۔

اگر ہمارے گھروں میں کوئی بچہ خبر دیتا ہے کہ بستر پر فلاں بھیا نے جوتا رکھ دیا ہے یا دیوار پر لکیر بنا دی یا چائے کی پیالی میں مکھی گر گئی تو ہم سب کو فکر ہو جاتی ہے۔

حالاں کہ چائے میں کمی تو نہیں ہوئی اضافہ ہی تو ہوا پیروں پر ورم ہے اضافہ ہوا مگر ڈاکٹر کے پاس بھاگے جا رہے ہیں معلوم ہوا کہ ہر اضافہ ہر ترقی آپ پسند نہیں کرتے اسی طرح اگر مچھر دانی میں دو تین مچھر گھس گئے تو بغیر اس کو نکالے چین نہیں نیند ہی نہیں آ سکتی جب تک ان کو نکال نہ لیں گے حالاں کہ یہ مچھر دو تین عدد کتنا خون پی لیتے ایک رتی یا ایک ایک ماشہ پی لیتے پھر وہ بھی آرام سے سوتے اور آپ بھی آرام سے سوتے لیکن دو تین قطرہ خون دینا گوارہ نہیں۔ دوستو! سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے گھروں میں اگر منکرات داخل ہو جائیں خلاف شریعت چیزیں گھر میں داخل ہوتی جا رہی ہیں ہمیں کوئی فکر نہیں ہمارے بچے انگریزی بال رکھیں ہمارے بچے جاندار کی تصویریں لائیں ان کی فکر کیوں نہیں گھر میں سانپ، بچھو آ جائے تو فوراً نکالنے کی فکر ہوگی ان کے نکالنے والوں کو بلائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہمارے گھروں میں آ دے تو ان منکرات سے سکون کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ انگلی میں کانٹا گھس گیا چین چھن گیا اجنبی چیز داخل ہوگئی آنکھوں میں گرد و غبار آ گیا کھٹک اور

درد شروع ہو گیا لیکن اگر سرمہ لگالیا تو چین میں اضافہ ہو رہا ہے کیوں کہ سرمہ آنکھوں کے لیے اجنبی نہیں آنکھ کو سرمہ سے مناسبت ہے اسی طرح روحانی بیماریاں ہیں مثلاً حسد غضب کبر ان اخلاق رذیلہ کے آتے ہی سکون چھن جاتا ہے۔

فرمایا: ایک گلاس پانی میں چند ذرات لوہے کے ڈال دو پانی کا وزن ہلکا اور اس قلیل مقدار لوہے کا وزن زیادہ ہوگا اسی طرح وہ پانی لوہے سے کس قدر قوی تر مگر وہی پانی لوہے کی صورت بگاڑ دیتا ہے یعنی زنگ لگا دیتا ہے اور پھر اس لوہے کی حقیقت بھی تباہ ہو جاتی ہے یعنی اوّل صورت بگڑتی ہے پھر سیرت بھی بگڑ جاتی ہے اور لوہا کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سیاہ نقطوں سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس میں زنگ لگتا چلا جاتا ہے اسی طرح بری صحبت خواہ کتنی ہی قلیل ہو اور کمزور ہو لیکن نقصان پہنچادے گی انگریزوں نے پہلے مسلمانوں کی صورت بگاڑی ہے سر پر انگریزی بال اور ڈاڑھی صاف کرا کے پیغمبر ﷺ کی محبوب صورت سے دور کر دیا پھر جب صورت بگڑ گئی تو سیرت بھی بگڑ گئی اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور صورت دونوں سے محرومی ہوتی چلی جارہی ہے۔ اب علاج کیا ہے علاج یہ ہے کہ پہلے زنگ صاف کرتے ہیں پھر رنگ کرتے ہیں آج ہمارے بچے غیر صالح ماحول میں تعلیم و تربیت پاتے ہیں تو ان پر زنگ کیوں نہ لگے گا؟ البتہ اگر لوہے پر پینٹ کر دیا جائے تو رنگ کرنے کے بعد پانی کا اثر نہ ہوگا اور زنگ سے محفوظ رہے گا اسی طرح ہمارے دل اور ہمارے بچوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت اور اخلاق محمدی ﷺ کا پینٹ ہو جائے تو پھر دین کا نقصان نہ ہوگا مگر یہ پینٹ اللہ والوں کے پاس ملتا ہے۔

ان هذا القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا اصابه الماء الخ.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تمہارے دلوں کو اس طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لوہے کو زنگ لگاتا ہے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر کس طرح زنگ صاف ہوگا ارشاد فرمایا: تلاوت قرآن پاک کرو اور کثرت سے موت کو یاد کرو۔

فرمایا: اعمال صالحہ اور وظائف اختیار کرنا آسان ہے مگر گناہوں کا چھوڑنا مشکل معلوم ہوتا ہے جیسے سہارنپور کا گنا چوسنا تو آسان اور لذیذ ہے مگر کسی کے منہ سے گنا چھین لینا مشکل ہے اس طرح نفس کو جن گناہوں کی عادت ہوگئی ہے ان کو چھوڑنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے عام طور پر لوگ ایسے واعظ کو بھی پسند نہیں کرتے جو برائیوں پر روک ٹوک اور گناہوں کے ترک پر وعظ کرتا ہے۔

فرمایا: جس طرح امر بالمعروف کا اہتمام سے جگہ جگہ کام ہو رہا ہے نہی عن المنکر کا بھی تو اہتمام سے کام ہونا چاہیے دونوں ہی فرض کفایہ ہیں آج کل برائیوں پر روک ٹوک نہ ہونے سے برائیاں تیزی سے پھیلتی جارہی ہیں جماعتی حیثیت سے اس کا کام بھی ہونا چاہیے۔

احقر کی ایک جگہ دعوت تھی بس ایک صاحب نے چالاکی سے فوٹو کھینچ لیا پہلے تو انہوں نے دھوکا دینا چاہا کہ روشنی جو ہوئی ہے کیمرہ کی نہ تھی بجلی کا بلب فیوز ہوا یا بجلی کا تار خراب ہوگیا میں نے کہا کہ کیمرہ مجھے دیجئے میں نے اس پر قبضہ کیا اور کہا پوری ریل میرے سامنے ضائع کردو ورنہ اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھوں گا اور نہ اس وقت کھانا کھاؤں گا ابھی واپس جاتا ہوں بس سب کا مزاج ٹھیک ہوگیا ۳۲ روپے کی تمام ریل تباہ کی گئی زندگی بھر کے لیے سبق مل گیا آج روک ٹوک کی کمی سے برائیاں سیلاب کی طرح پھیلی جارہی ہیں، ہم لوگوں میں منکرات پر نکیر اور روک ٹوک کی اہمیت باقی نہ رہی اپنی اولاد کو ایک مکھی جو چائے کی پیالی میں پڑگئی نگلنے نہ دیں گے لیکن گناہوں کے روحانی سانپ بچھوان کے پیٹ میں داخل ہوتے جائیں سب گوارہ ہے۔

میرے دوستو! اسباب رضا اختیار کیجئے اور وہ حق تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل ہے اور اسباب رضا کی ضد سے بچئے اور وہ نواہی یعنی معاصی سے بچنا ہے پھر دیکھئے کیا انعامات عطا ہوتے ہیں۔

❁❁❁

احیاء سنت

ارشاد باری ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (آل عمران:۳۱)

کہہ دو اے لوگو! محبت ہے اگر اللہ کی
پیروی میری کرو رکھے گا دوست اللہ بھی
بخش دے گا وہ تمہارے سب معاصی اور گناہ
بخشنے والا ہے وہ اور مہرباں (بے اشتباہ)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ. (آل عمران:۳۲)

کہہ دو وہ مانیں خدا کا حکم اور حکم نبی
گر نہ مانیں (تو رہے امر خدا سے آگہی
وہ نہیں کرتا پسند ان کافروں کو واقعی

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (نساء:۸۰)

جس نے مانا صدق دل سے واقعی حکم رسول
اس نے گویا اپنے خالق کی اطاعت کی قبول

دین و شریعت دراصل اتباع سنت ہی ہے، کسی بھی عمل و فعل پر دین کا خواہ کتنا ہی پرکشش ٹائٹل لگا دیا جائے لیکن اگر وہ سنت کے مطابق نہیں ہے تو وہ کبھی دینی عمل نہیں بن سکتا۔

اگر امت تباہ ہو رہی ہے، قعر مذلت میں گرتی جا رہی ہے، آخر اس کے اسباب

کیا ہیں۔اس کا سبب صرف سنت سے دوری ہے طریق نبوی سے مہجوری ہے۔

اور یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ مدارس اور مساجد جہاں دینی تعلیم ہوتی ہے جہاں اللہ کی عبادت ہوتی ہے وہاں سے بھی سنتوں کا جنازہ نکلتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

شمعیں تو جل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں!

آج کے اس دور پرفتن میں جس میں بدعات وخرافات کی تاریکیوں نے امت کو بھٹکا رکھا ہے یہ اللہ رب العزت کا بڑا لطف وکرم ہے کہ اس نے حضرت اقدس ہردوئی دامت برکاتہم جیسی ذات بابرکات عطا فرمادی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو اصلاح امت اور احیاء سنت اور اصلاح منکرات کے لیے بلاشبہ عالمی پیمانہ پر حوصلہ اور توفیق سے نوازا ہے، آپ کہیں بھی ہوں اور کسی حال میں ہوں سنت کی شمع روشن کرتے نظر آتے ہیں، حضرت والا کی یہ تڑپ اور خواہش ہے کہ سنت کی ضیاء اور انوار، مساجد اور مدارس سے ہوتے ہوئے گھر گھر پھیل جاویں۔

ذیل میں چند ارشادات وملفوظات درج کیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے رسول کی ایک ایک سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین!

فرمایا: دین کے تین اہم شعبے ہیں۔(۱) تعلیم (۲) تبلیغ (۳) تزکیہ۔

جن کے ذرائع کا نام مدارس، مساجد خانقاہیں ہیں، مدارس اور مساجد کے خدام کی تنخواہوں کے سلسلے میں بھی غور کرنا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تنخواہیں معقول ہونا چاہیے جب تنخواہ معقول ہوگی تو آدمی بھی معقول ملیں گے۔

بالغین کے لیے پہلا مدرسہ مساجد ہیں اور بچوں کے لیے مدارس ہیں اور جو لوگ مساجد نہیں آتے ہیں ان کے لیے تبلیغی نظام ہے۔مساجد اور مدارس میں ایک منٹ کا مدرسہ صبح کا ایک منٹ کا مدرسہ شام کا اس طرح شروع کیا جائے کہ صرف ایک سنت صبح بتادی جائے تو تیس دن میں تیس سنتیں یاد ہوجائیں گی اور تعب بھی نہ ہوگا۔

آج ہم ہر چیز بڑھیا اور عمدہ پسند کرتے ہیں۔دوکان بڑھیا ہو مکان بڑھیا ہو اور پان

بھی بڑھیا ہو اور نان بھی بڑھیا ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیوں کہ خود اشرف المخلوقات ہے اگر ہر چیز اسے اعلیٰ اور اشرف پسند ہو تو یہ اس کی فطری خواہش ہے لیکن یہ انسان اپنے لیے تو اشرف اور بڑھیا چیز پسند کرے اور اپنے مالک اور خالق کے کاموں میں بھی اس کو یہی تقاضہ ہونا چاہیے کہ اس کا وضو بھی بڑھیا ہو اور نماز بھی بڑھیا ہو مگر وضو اور نماز کب بڑھیا ہوگی جب سنت کے مطابق ہوگی نماز میں ۶؍فرائض ہیں۔ ۸؍واجبات ہیں اور ۱۵؍سنتیں ہیں مگر آج سو آدمیوں میں سے ایک آدمی کی بھی نماز سنت کے مطابق نظر نہیں آتی اگر ایک سنت روز بتادی جائے تو ۱۵؍دن میں نماز کی ۱۵؍سنتیں یاد ہوجائیں گی۔ وضو کی تیرہ سنتیں ۱۳؍دن میں یاد ہوجائیں گی۔

اور اس طرح زندگی کے تمام شعبوں کی سنتیں یاد کرائی جاسکتی ہیں۔ لیکن جب وضو اور نماز کی سنتوں کا اہتمام نہیں تو ختنہ اور عقیقہ کی اور کھانے پینے کی سنتیں کون یاد کرے گا اور جب ہماری زندگی سنتوں سے محروم ہوجائے گی تو خاندان اور برادریوں کی غلط رسم ورواج یا پھر شہر کی یا صوبے کی یا ملک کی راہ ورسم آجاویں گی جب اصلی گھی گھر میں نہ ہوگا تو لامحالہ ڈالڈا کھانا پڑے گا اور جب سنتوں کے سیکھنے سکھانے اور اس پر عمل کا اہتمام ہوگا تو غلط رسم ورواج خود ہی دور ہونے لگیں گے جس طرح بارش کا پانی جب برستا ہے تو نالے اور نالیاں گندے پانی سے خود بخود صاف ہوجاتی ہیں دین آسان ہے مساجد میں ایک سنت روز سکھائے چند ماہ میں اس طرح نمازیوں کو کتنی سنتوں کا علم ہوجائے گا اور ہر نمازی اپنے گھر جاکر عورتوں اور بچوں کو سکھائے اور اس طرح مدرسے میں جن طلبہ کو ہر روز ایک سنت سکھائی جاوے وہ گھر جاکر اپنے بھائی اور بہنوں کو اور ماں اور باپ کو سکھائیں اس طرح سنت کے انوار مساجد اور مدارس سے لے کر گھر گھر پھیل جاویں گے اور جب سنتیں پہنچیں گی تو بری عادتیں خود بخود دور ہوتی جاویں گی۔

فرمایا: جن سنتوں پر خاندان یا معاشرہ مزاحمت نہیں کرتا ان پر عمل فوراً شروع

کردیں، جیسے کھانے پینے کی سنتیں سونے جاگنے کی سنتیں وغیرہ تو اس سے نور پیدا ہوگا روح میں قوت پیدا ہوگی اور پھر ان سنتوں پر عمل کی توفیق ہونے لگے گی جو نفس پر مشکل ہیں اور معاشرہ اور ماحول اس میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

فرمایا: میں کہا کرتا ہوں کہ سنت کا راستہ اسہل اور اکمل ہے، مثلاً ہاتھ دھو کر کھانا یہ اکمل ہے اور سامنے سے کھانا یہ اسہل ہے، بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَتِ اللّٰہِ کہہ کر کھانا یہ اکمل ہے کیوں کہ اس سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ مضمون ایسی جگہ بیان ہوا جہاں لوگ ہمارے اکابر سے حسن سلوک اور حسن ظن نہ رکھتے تھے، اس عنوان سے ان پر بہت اچھا اثر ہوا الحمدللہ۔

فرمایا: لوگ اپنے خیالات سے اپنی قیمت زیادہ لگاتے ہیں، اپنی قیمت سنت کی کسوٹی پر لگایئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکری چرا لیتے تھے دودھ بکری کے تھن سے نکال لیتے تھے، حضرت عمرؓ نے فاخرانہ لباس پہننے سے انکار فرمایا کہ اپنے نفس میں کچھ محسوس کیا اور فرمایا کہ: نحن قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر کھانا گر گیا، اٹھا کر کھالیا، بعض غیر ممالک کے سفرا بھی تھے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ کیا خیال کریں گے فرمایا ہم ان احمقوں کے سبب اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔

فرمایا: دنیا میں ہر چیز عمدہ اور بڑھیا پسند کرتے ہیں امرود عمدہ ہو کیلا عمدہ ہو وغیرہ۔ تو جس طرح امرود کا باطن تو اچھا ہو لیکن اس کے اوپر داغ ہوں آپ پسند نہیں کرتے پس مسلمان کا ظاہر بھی عمدہ ہو اور باطن بھی عمدہ ہو ظاہری وضع قطع صلحاء سے آراستہ ہو اور باطن بھی، زمانہ ہو گیا وضو کرتے اور نماز پڑھتے مگر سنتیں وضو اور نماز کی معلوم نہیں الا ماشاءاللہ مگر دماغ کا یہ حال ہے کہ موٹر کو کھول کر ہر جز کو علیحدہ کردیا اور صاف کر کے پھر سب کو فٹ کردیا، جنرل اسٹور کی ہزاروں چیزیں از بر یاد ہیں کہ کون سی چیز کہاں ہے گاہک نے مانگی اور فوراً ہاتھ وہاں پہنچا مگر افسوس کہ آخرت کے معاملہ میں

دماغ اور حافظہ کا استعمال ہی نہیں کیا طلبہ کو وضو اور نماز کی سنتوں کو اور سونے اور جاگنے اور چلنے پھرنے کھانے پینے کی تمام سنتوں اور دعاؤں کو سکھاتے ہیں۔

اے کہ تو دنیا میں اتنا چست ہے ❁ دین میں کیوں آخر اتنا ست ہے

اگر ایک سنت ایک دن میں یاد کریں تو ۳۶۰ دن میں ۳۶۰ سنتیں یاد ہو جائیں گی۔

فرمایا: اپنے مکان سے ایک اینٹ دینا گوارہ نہیں اپنے خون سے مچھروں کو ایک قطرہ دینا گوارہ نہیں مگر دین کے ہر نقصان کو ذرا سی بات کے لیے گوارہ کر لیتے ہیں مثلاً افطار کی دعوت پر مغرب کی جماعت اور مسجد کی حاضری کو اپنے اوپر معاف سمجھ لیا دینی مجالس کے لیے بھی یہی حکم ہے اگر دو چار بوڑھے معذور ہوں تو ان کی خاطر پوری مجلس کے شرکاء بھی گھروں میں جماعت نہ کریں انہیں مسجد میں حاضر ہونا چاہیے ہر نیک عمل سے جس طرح روح میں نور اور طاقت پیدا ہوتی ہے اسی طرح گناہ سے ظلمت اور تاریکی اور کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

بھولو پہلوان اپنی تمام مقوی غذائیں کھاتے رہیں (اس وقت بھولو پہلوان پاکستانی زندہ تھے) صرف سال میں ایک دفعہ سنکھیا کھا کر دیکھیں چارپائی سے لگ جائیں گے، سنکھیا کا زہر تو تمام سال کی مقوی غذاؤں پر پانی پھیر دے اور کمزوری کا باعث ہو اور زیادہ مقدار کھالے تو موت بھی واقع ہو اور گناہوں کا زہر روح کی نورانیت اور اعمال صالحہ کی طاقت پر اثر نہ کرے گا یہ کس قدر دھوکا ہے۔

ہر گنہ زنگیست بر مرآۃ دل ❁ دل شود زیں زنگہا خوار و خجل (رومی)

یعنی ہر گناہ سے دل کے آئینے پر زنگ لگتا ہے اور دل اس کے زنگ سے ذلیل اور شرمندہ ہو جاتا ہے۔

چوں زیادت گشت دل را تیرگی ❁ نفس دوں را بیش گردد خیرگی

یعنی جب دل میں گناہوں سے تاریکی بہت بڑھ جاتی ہے تو نفس ذلیل کی حیرانی اور گمراہی میں نہایت زیادتی ہو جاتی ہے البتہ اگر توبہ کر لے تو پھر تاریکی صاف

ہو جاتی ہے توبہ سے گناہوں کے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔

ہم دین کے غریب اسی سبب سے ہیں کہ اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ گناہ کر کے جمع شدہ نور بھی ضائع کرتے رہتے ہیں اور اولیاء اللہ دین کے امیر اس لیے ہیں کہ ان کے پاس انوار ہی جمع ہوتے رہتے ہیں گناہوں سے وہ محتاط رہتے ہیں ولایت کا مدار اسی تقویٰ پر ہے۔

فرمایا: طاعون کے زمانے میں ہر شخص چوہے سے ڈرتا ہے کہ طاعون کے جراثیم ہمارے گھروں میں نہ آجائیں، اور بدعملی اور منکرات کے چوہے ہمارے گھروں میں کتنے ہی ہوں فکر نہیں، سانپ گھر میں آجائے سب پریشان اور گھر میں خلاف شرع وضع قطع، تصاویر جاندار کی ریڈیو کے گانے، ٹیلیویژن کا گھریلو سینما آجائے تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے ہر عمل کے لیے علم صحیح کی ضرورت ہے لاعلمی سے زہر کھانے سے نقصان تو یقیناً پہنچے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں تشریف لے گئے وہاں تصویر جاندار کی تھی تو فوراً واپس آگئے۔

رزق کی تنگی اور برکت کے لیے وظیفے پڑھنے کے لیے تیار ہیں مگر گناہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

فرمایا: کسی کام میں جلدی نہ کرے ورنہ ندامت ہوگی ہر کام میں تامل اور تحمل سے کام لے۔

فرمایا: حضرت میاں جی نور محمدؒ مکتب میں قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے مگر عملی مقام یہ تھا کہ چالیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی، اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب کے شیخ ہوئے۔

فرمایا: امام احمدؒ کے یہاں دورۂ حدیث میں صرف اُس طالب علم کو داخلہ ملتا تھا جو تہجد گذار ہوتا تھا۔ حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی کے یہاں مولانا مظفر حسین

صاحب کاندھلویؒ پڑھنے آئے کھانا آیا تو صرف روٹی کھالی اور سالن واپس واپس کردیا شاہ صاحب کو تشویش ہوئی دریافت فرمایا کیا بات ہے عرض کیا حضرت عام طور پر دلی کے سالن میں کھٹائی پڑتی ہے اور یہاں آموں کی خرید وفروخت پھلوں کے آنے سے پہلے ہی ہو جاتی ہے جو بیع فاسد ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے خوشی میں فرمایا کہ الحمدللہ ہمارے یہاں فرشتہ پڑھنے آیا ہے ایسے طالب علم ہوا کرتے تھے۔

فرمایا: سکھ بھنگی بھی داڑھی رکھ کر ہمارے صالحین کی نقل سے سردار کہلاتے ہیں اور ہم وضع صلحاء کی چھوڑ کر سردار ہو رہے ہیں داڑھی منڈانا یا کتروانا دراصل یہ اعلان کرنا ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی داڑھی کی وضع کو گھٹیا سمجھا اور انگریزوں کے چہروں کو بڑھیا سمجھا ایمان کی خیر منایئے۔ اور بدوں اس کے بھی ایمان ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اسی ڈاکٹر اسپیشلسٹ کی طرح جس کی مثال یہ ہے کہ وہ جب آپ کے پاس لایا گیا تو چارپائی پر معلوم ہوا کہ فالج گر گیا ہے مریض نے حال بتایا تو معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر بہرا بھی ہے حال پرچہ پر لکھ کر دیا تو معلوم ہوا کہ آنکھوں میں پانی بھی اتر آیا بینائی بھی جاتی رہی تو آپ ایسے ڈاکٹر کو اسی وقت نامنظور کرکے واپس کردیں گے۔

میرے دوستو! کیا ایسا گھٹیا اسلام اور ایمان خدائے تعالیٰ کے پاس لے جانے کی آرزو کرتے ہو۔ خدا کے لیے اپنی جانوں پر رحم کرو اور غور سے سوچو کہ ہم تو غلام ہو کر ایسی خراب چیز رد کردیں اور ہم خدائے تعالیٰ کو گھٹیا تحفہ پیش کرنے کے لیے تیار رہیں۔

فرمایا: ایک ادارہ میں حاضری ہوئی شرح تہذیب اور مقامات یاد ہے مگر کھانے پینے اور نماز کی سنتیں یاد نہیں۔

فرمایا: جہاں سنتوں کو پھیلایا گیا وہاں کے عوام سے وہ بدگمانی جو ہمارے اکابر کے ساتھ تھی جاتی رہی اور ان کی سمجھ میں آگیا کہ یہ تو بڑے ہی اصلی عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہر سنت کا طریقہ اسہل، اجمل اور اکمل ہے۔

فرمایا: غیر متبع سنت جو ہوا پر اڑنے والا ہے وہ استدراج میں مبتلا ہے اور متبع سنت سے افضل نہیں ہوسکتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے پائلٹ ہوائی جہاز اڑا کر وزیر اعظم کو بھی بٹھا کر سفر کرا سکتا ہے تو درجہ کس کا افضل ہے۔

بعض وقت ہوائی جہاز اڑانے والا غیر مسلم ہوتا ہے اور اس ہوائی جہاز پر بیٹھنے والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔

فرمایا: وصول تو مطلوب ہے مگر اصول کے ساتھ، سنت کے طریقوں کے علاوہ قرب حق کا تصور ہی جہالت ہے ورنہ حاکم کے پاس مجرم بھی ہوتا ہے مگر بے اصول ہونے کے سبب معتوب ہوتا ہے۔

تصانیف

حضرت والا دامت برکاتہم چوں کہ امت کی اصلاح میں ہمہ وقت متفکر رہتے ہیں اس لیے صرف مواعظ اور مجالس، نشست و برخاست چلتے پھرتے ہر حال میں حسب ضرورت اصلاحی باتیں ہی ارشاد نہیں فرماتے بلکہ اسی کے ساتھ حسب ضرورت وقتاً فوقتاً چھوٹے بڑے بیش قیمت رسائل بھی تصنیف و تالیف فرماتے رہتے ہیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچاتے ہیں لوگ دیکھیں اور اس سے خود بھی استفادہ کریں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر صرف چند رسائل اور کتابیں ہیں جن کے نام درج کیے جاتے ہیں:

(۱) اشرف الہدایات لاصلاح المنکرات (۲) امت کی پریشانی اور انحطاط کا سبب اور اس کا علاج۔ (۳ اشرف النصائح (۴) اشرف الاصلاح (۵) اشرف النظام (۶) اشرف الخطاب (۷) اذکار مسنونہ (۸) اشرف التفہیم (۹) اصلاح الغیبۃ وغیرہ ان رسائل کے علاوہ مجالس اور مواعظ کے مجموعے الگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کتابوں اور رسائل سے ہم سب کو استفادہ کی توفیق بخشے آمین!

واضح ہو کہ (۱) قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی صفت ہے۔ (۲) تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت (۳) منکرات پر نکیر اور امر منکر دیکھتے ہوئے قدرت کے باوجود مداہنت پر وعیدیں۔ (۴) اور احیاء سنت۔

ان عناوین اربعہ پر حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کس قدر متفکر رہتے ہیں، اوپر حضرت کے ارشادات وفرمودات کی جانب ایک مختصر سا اشارہ اس لیے کردیا گیا ہے کہ ہم ان کے آئینے میں اپنی زندگی کے روز وشب دیکھیں اور جائزہ لیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو متبع سنت بنائے۔

حضرت والا دامت برکاتہم کی حیات میں صحت وعافیت کے ساتھ برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو آپ کے مواعظ اور مجالس اور اقوال وارشادات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلاۃ والسلام
علی سید المرسلین و آلہ واصحابہ اجمعین.

❀❀❀

تدریس کا دورِ ثانی

تدریس کا دورِ ثانی ﴿ڈائری سے ماخوذ﴾

۱۳۹۵ھ میں جب بتوفیقِ الٰہی دوبارہ تعلیم اور تکمیل کے لیے دارالعلوم میں داخلہ لیا تو سال کے شروع میں دیوبند کے قدیم خادمِ قرآن مدرسہ اصغریہ میں جناب قاری محمد یحییٰ فیض آبادی سے (جو جلال پور ضلع فیض آباد میں راقم الحروف سے تجوید پڑھ چکے تھے، اور یہاں دیوبند میں قیام پذیر تھے، مدرسہ اصغریہ میں جزوقتی طور پر تجوید پڑھا رہے تھے، اور قریب ہی میں مطب کرتے تھے) ملاقات کے لیے جانا ہوا، مغرب کا وقت ہوا تو چوں کہ یہی قاری صاحب امام بھی تھے، انہوں نے امامت کے لیے احقر کو آگے بڑھایا۔ بعد نماز مدرسہ کے مہتمم مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب دامت برکاتہم اپنے ساتھ مدرسہ کے دفتر میں لے گئے، تلاوت قرآن کریم کی فرمائش کی، آپ کی فرمائش کی تعمیل کی گئی۔ فرمایا ہمارے مدرسہ میں تجوید وقراءت کی خدمت کو قبول کیجیے، عرض کیا گیا کہ احقر نے دارالعلوم میں داخلہ لے لیا ہے، فرمایا تعلیم کی تکمیل کے بعد یہیں تدریسی خدمت انجام دیں ہم نے ابھی سے کہہ دیا ہے دو سال تک ہم انتظار کرلیں گے۔

مدرسہ اصغریہ دیوبند

جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دو سال بعد دارالعلوم سے فراغت ہوئی تو مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب نے حسبِ وعدہ یاددہانی کرائی، آپ کی فرمائش پر احقر حاضر ہوگیا اور درجہ تجوید اوّل اوّل میرے ہی ذریعہ قائم ہوا، کام کا آغاز کردیا۔

یہاں چار سال قیام رہا اور اس دوران میں تجوید اور قراءت سبعہ کے کافی طلبہ پڑھ کر نکلے۔ اس وقت ان سب کے نام اور پتہ سے بالکل لاعلمی ہے البتہ جن میں خاص حضرات کے نام یاد رہ گئے وہ یہ ہیں:

(۱) قاری محمد اسماعیل صاحب ۲۴ ر پرگنوی بنگال، آپ نے روڑکی مدرسہ رحمانیہ سے آکر مدرسہ اصغریہ میں داخلہ لیا، اچھی آواز اور ادائیگی کے حامل ہیں، یہاں سے فراغت کے

بعد یہیں مشق وتجوید کے استاذ ہو گئے اس دوران میں بھی خارج اوقات میں کچھ نہ کچھ پڑھنے کا سلسلہ رکھا، اب یہ اپنے وطن میں قرآن کریم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۲) قاری احسن اللہ صاحب مرشد آبادی، بنگال۔آپ نے مدرسہ اصغریہ میں حفظ وتجوید کی تحصیل اور اشرف العلوم گنگوہ سے عربی کی تعلیم کے بعد مدرسہ اصغریہ میں دوبار ایک عرصہ تک تجوید کی خدمت انجام دی، آپ بڑے خوش لہجہ، عمدہ ادائیگی پر قادر ہیں، ہندوستان گیر پیانہ پر مقابلہ قراءت میں متعدد بار اوّل نمبرات حاصل کئے ہوئے ہیں، آج کل اپنے وطن میں خدمت قرآن میں مصروف ہیں۔

(۳) قاری عبدالمجید میواتی۔آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور افتاء کرنے کے بعد باقاعدہ داخلہ لے کر قراءت سبعہ کی تکمیل۔اس وقت کہاں ہیں معلوم نہیں۔

(۴) قاری محمد ابراہیم بن محمد بھڑ کودروی، گجرات۔آپ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تعلیم میں مدرسہ اصغریہ حاضر ہوکر راقم الحروف سے پڑھا، اور اب گجرات کے مشہور تاریخی شہر بڑودہ کے نواحی علاقہ تاندلجہ کے مدرسہ دارالعلوم بڑودہ میں مصروف خدمت ہیں۔

(۵) قاری محمد یعقوب ولنوی گجرات۔آپنے اپنے زمانہ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے مدرسہ اصغریہ آتے رہے اور یہاں تجوید کی مشق اور کتابیں پڑھیں اب لندن میں ایک مدرسہ قائم کر کے بڑی گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں (آپ کا مستقل تذکرہ حسن المحاضرات فی رجال القراءات میں دیکھا جائے)

(۶) ہندوستان کے مشہور خوش لہجہ قاری جناب عبدالجلیل صاحب منی پوری، اپنے دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی زمانہ میں مدرسہ اصغریہ آتے تھے اور پڑھتے تھے۔آپ دارالعلوم دیوبند میں بھی استاذ تجوید رہے، اس وقت لندن میں ایک مدرسہ قائم کر کے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ چھ نام یاد رہ گئے جو درج کیے گیے۔

مدرسہ اصغریہ دیوبند قرآن کریم کی خدمات میں اپنا ایک خاص اور منفرد مقام رکھتا ہے، مزید تفصیل حسن المحاضرات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں شروع ہی سے تجوید وقراءت کا خاص اہتمام رہا شوریٰ اور عاملہ کی تجاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب مدرسہ کی خاص توجہ اس امر کی طرف رہتی تھی ایک تجویز کے الفاظ یہ ہیں:

''بالاتفاق منظور ہوا کہ مدرسہ کے ہر طالب علم کے واسطے علم تجوید کا سیکھنا لازمی امر ہوگا اور کسی طالب علم کو کم از کم ایک سیپارہ کی مشق کرکے کامیاب نمبر حاصل کیے بغیر سند نہ دی جائے، نیز تمام مدرسین قرآن مجید کا قراءت میں سند یافتہ ہونا ضروری ہوگا۔ جو مدرس تجوید کے سند یافتہ نہ ہوں ان کی جگہ سند یافتہ مقرر کیے جائیں''۔ (رجسٹر کارروائی مجلس شوریٰ)

شعبہ تجوید کا باقاعدہ قیام شوال ۱۳۵۰ھ میں عمل میں آیا اور سب سے پہلے اس شعبے کو رونق بخشنے والے حضرت مولانا المقری عبداللہ التھانوی ثم مرادآبادی تھے، ۲۲ر شوال ۱۳۵۰ھ میں آپ یہاں اس شعبہ کے مسند صدارت پر فائز ہوئے۔ آپ کے انتقال (۱۰ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ) کے بعد (اور آپ کی اسارت کے زمانے میں بھی) جناب قاری امیر علی صاحب نگینویؒ یہاں مدرس تجوید ہوئے۔

مدرسہ شاہی میں جناب قاری محمد کامل صاحب افضل گڑھی بجنوریؒ ۱۳۶۱ھ سے ۱۴۰۱ھ تک یہاں عظیم الشان خدمات انجام دیں، آپ کے انتقال کے بعد ۱۴۰۱ھ سے کچھ پہلے یعنی آپ کی حیات ہی میں راقم الحروف کو شعبہ تجوید وقراءت کی ذمہ داری سونپی گئی، یہاں ایک سال تک قیام رہا اگلے سال دارالعلوم دیوبند میں انتظامیہ بدلی تو احقر کو یاد کیا گیا، اور ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ دارالعلوم دیوبند میں باضابطہ تقرر عمل میں آیا۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں صرف ایک سال قیام رہا، درجات عربیہ

کے طلبہ بھی گھنٹہ وار آتے تھے اور کچھ باضابطہ تھے۔ اس وقت تک باقاعدہ ریکارڈ رکھنے کا کوئی معمول نہ تھا، ایک عرصہ گذر جانے کے بعد وہاں سے پڑھے ہوئے عام وخاص طلبہ کے نام یاد نہ رہے بس صرف قاری عبدالجلیل صاحب منی پوری اپنی خصوصیات کے باعث یاد رہے، آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد باضابطہ قراءت سبعہ کی تعلیم کے لیے حاضر ہوکر باقاعدہ داخلہ لے کر پڑھا، اور تکمیل کی۔ قاری عبدالجلیل صاحب فطری طور پر نقال اور خوش گلو تھے، کوئی بھی لہجہ اور آواز ہو ایک ہی بار سن کر محفوظ کر لیتے تھے، جب دارالعلوم دیوبند میں آپ تعلیم حاصل کر رہے تھے بلکہ اس سے بھی پہلے آپ گجرات مدرسہ دارالعلوم ماٹلی والا میں تھے جب ہی آپ کی شہرت ہو چکی تھی۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۸۵۷ء کی بھیانک تاریکی اور پرفتن دور میں اللہ رب العزت نے اپنے کچھ نیک بندوں کے قلوب میں دین کی صیانت وحفاظت کے لیے ایسے قلعہ کی تعمیر اور ایک ایسی اسلامی فوج کی تیاری کا القاء اور غیبی اشارہ فرمایا جس کے ذریعہ اسلامیہ ہند کی کشتی کو نصرانیت کے اس سیلاب بلا سے بچایا جاسکے چنانچہ دارالسلطنت دہلی سے تقریباً ایک سو انچاس کیلومیٹر دور شمال مشرق میں اس وقت کے ایک گمنام اور معمولی خطے میں جس کا نام "دیوبند" ہے اللہ کے ان نیک بندوں نے ایک دینی چھاؤنی کا انتظام کیا، اس طرح روشنی کی ایک صبح نمودار ہوئی۔

۱۵رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء کے اس یادگار دن دیوبند میں آبِ حیات کا یہ چشمہ پھوٹا۔

دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید وقراءت سے متعلق مضمون "حسن المحاضرات،" ج:۲،ص:۲۶ تا ۵۰ ملاحظہ کیا جائے۔ اس شعبۂ تجوید وقراءت کے باضابطہ پہلے استاذ حضرت مولانا قاری عبدالوحید خاں صاحبؒ الہ آبادی (تلمیذ حضرت المقری عبدالرحمٰن مکیؒ) ہیں ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۶۵ھ تک آپ کے انتقال کے بعد حضرت شیخ القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحب (تلمیذ حضرت مکی المذکور) کا تقرر شعبۂ قراءت کی صدارت پر ہوا، زمانۂ تدریس ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۸۸ھ تک۔ آپ کے بعد شعبہ کی صدارت پر جناب قاری عتیق احمد صاحب دیوبندی کا تقرر ہوا۔ آپ کے بعد صدر شعبۂ قراءت جناب الشیخ المقری عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ قرار پائے۔ (ولادت:۱۷رصفر ۱۳۵۸ھ) مدت تدریس ۱۳۸۸ھ تا ۱۴۰۲ھ۔

ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ میں راقم الحروف کا تقرر مدرسہ شاہی مرادآباد سے دارالعلوم

دیوبند میں ہوا، ایک سال مطلق تقرر رہا، کسی استاذ کے ۔لیے منصب کا فیصلہ نہیں ہوا، سال بھر کارکردگی دیکھنے کے بعد منصب صدارت کا فی[illegible] تھا، ایک سال کے بعد انتظامیہ نے کام دیکھ کر منجانب ناظم تعلیمات شعبہ کی دیکھ ریکھ اور نگرانی کے لیے منصب صدارت کا فیصلہ کیا ذیل میں وہ تحریر نقل کی جاتی ہے۔

''محترم المقام جناب قاری ابوالحسن صاحب. سلام مسنون!

چوں کہ عرصہ سے شعبۂ تجوید کے صدر کی جگہ کسی کا انتخاب نہیں کیا گیا، اور کسی مستقل نگراں اور ذمہ دار کے نہ ہونے سے بسا اوقات انتظامی امور میں دشواری ہوتی ہے اور اب تک کے تجربہ سے ماشاء اللہ آپ کی دلچسپی، انہماک اور محنت سامنے آرہی ہے اس لیے .... آپ کو اس شعبہ کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، آپ اپنی اسی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور پورے شعبہ کی دیکھ ریکھ کریں، ممنون ہوں گا''۔

والسلام

(مولانا) وحید الزماں ۲۵رذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

تعلیمات: ۲۲۹

احقر اپنے ٹوٹے پھوٹے تجربات کی روشنی میں شبانہ روز کی جدوجہد سے شعبہ کو ترقی دینے کی سعی کرتا رہا۔

تلخ حالات

مدارسِ دینیہ وعلمیہ میں مدرس کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟ ہم نے جو اپنے بڑوں سے یہ سنا ہے کہ مدرس کے لیے دو وصف ضروری ہیں، (۱) صلاحیت (۲) صالحیت، یہ دونوں اوصاف نہایت جامع ہیں، دونوں ضروری ہیں، اگر ایک وصف بھی کم ہوگا تو مدرس ناکام ہوگا۔ یعنی اگر صلاحیت بغیر صالحیت کے ہوگی تو مدرس چوں کہ خوفِ خدا سے عاری ہوگا اس لیے اپنا فرضِ منصبی صحیح ادا نہ کر سکے گا۔ کام سے طرح طرح سے جان چرائے گا، مدرسہ کا نقصان کرے گا۔ اور صالحیت اگر بغیر استعداد، قابلیت اور صلاحیت کے ہوگی تو چوں کہ تقویٰ شعار ہوگا، خوفِ خدا کی وجہ سے کوشش اور سعی تو بہت کرے گا مگر چوں کہ صلاحیت واستعداد نہ ہوگی، باوجود صد کوشش کے ناکام ہوگا۔ یہی امور پہلے ہر جگہ انتظامیہ کے پیش نظر ہوا کرتے تھے کہ مدرس صلاحیت اور صالحیت کا حامل ہو اور بس! مگر صد حیف! اب عموماً مدارس کے حالات میں زبردست تغیر آچکا ہے، اب ان دو امور کے بجائے ایک شے دیگر کی تلاش ہوتی ہے یعنی تملق اور چاپلوسی، مدرس انتظامیہ اور اقتدارِ اعلیٰ کا آدمی ہو، اس کا چاپلوس اور جی حضوری کرنے والا ہو، اب چاہے صلاحیت نہ بھی ہو تو کام چلے گا اور خوب چلے گا۔

یہ واضح رہے کہ باصلاحیت اور قابل مدرس کبھی چاپلوسی نہیں کر سکتا، اور کیوں کرے گا، اور کب اس کے لیے وقت نکالے گا۔ ایک متملق آدمی صلاحیت کی کمی والے خانے کو اسی وصف تملق سے پُر کیا کرتا ہے۔

یہ حقیقت اگرچہ بہت تلخ ہے اور ہمیں بے چین کر دینے کے لیے کافی ہے یہ مرض جو علم ودانش کی مرکزی درسگاہوں کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے، کھوکھلا کیے جا رہا ہے، اچھے بڑے اداروں میں بھی در آیا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں اظہر من

الشمس فی نصف النہار ہیں۔

شعبۂ قراءت کا المیہ

دارالعلوم دیوبند میں جب انتظامیہ بدلی تو ابتداءً عبوری دور سے یہ ادارہ بھی نہ بچ سکا، اور ایسا ہوتا ہی ہے، چنانچہ ابتداءً شعبۂ تجوید میں بعض ایسے تقرر ہوگئے جو بہر حال نہ ہونے تھے۔ اگر ابتداءً کسی وجہ سے ایسا ہو ہی گیا تھا تو بعد میں اسے درست کیا جاسکتا تھا، مگر یہ اس شعبہ کے لیے بدقسمتی اور المیہ نہیں ہے تو کیا ہے کہ ۱۴۰۲ھ سے دمِ تحریر تیئس سال کا طویل ترین عرصہ گذر گیا اور اس انہونی کو جھیلا جارہا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو انتظامیہ سے مخفی ہے، ۱۴۱۲ھ میں جب راقم الحروف کی حرمین شریفین میں حاضری ہوئی تو مدینہ منورہ میں (اس وقت کے) کے ناظم تعلیمات صاحب نے اس موضوع کو از خود چھیڑ کر مجھ سے مفصل گفتگو کی، جس سے بخوبی اندازہ ہوا کہ معلوم تو سب کچھ ہے، پوشیدہ کچھ نہیں ہے۔ پھر یہ کہ متعدد بار مختصر اور مفصل تحریریں بھی پیش کی جاتی رہیں مگر لاحاصل اور بے سود!

اے روشنی طبع...

راقم الحروف کو اللہ رب العزت نے تملق جیسے رذیلہ اور گھناؤنے وصف سے محفوظ رکھا ہے اور حال یہ ہے کہ کوئی بھی ادارہ اور مدرسہ ہو اس میں یہ رذیلہ رچا بسا ہے، نیچے سے اوپر تک چاپلوسی، ہی چاپلوسی اور ہمیں یہ آتی نہیں بس پھر کیا ہے۔

اے روشنی طبع تو برمن بلاشدی

کا مصداق بن جانا تھا ہی، طرح طرح کے تماشے اندر اور باہر سے شروع کیے اور کرائے گئے، جو چیز قابل قدر تھی، قابلِ نفرت بن گئی، بے بات کی بات کو پہاڑ بنایا گیا اور موقعہ بے موقعہ اذیتوں سے دوچار کیا جاتا رہا۔

۱۵رشوال ۱۴۱۶ھ کو مجھے ایک بڑے استاذ نے مشورہ دیا کہ شعبے سے متعلق جو باتیں ہیں انہیں اختصار کے ساتھ ناظم تعلیمات کے گوش گذار کردو، تمہاری کڑھن اور

گھٹن کچھ کم ہو جائے گی اس مشورہ پر غور کر کے ایک تحریر مرتب کر کے ناظم صاحب کے حوالہ کر دی۔ جس میں ۱۴۰۶ھ سے ۱۴۱۶ھ کے احوال وکوائف پیش کر دیے مناسب معلوم ہوتا کہ اسے یہاں نقل کر دیا جائے۔

احوالِ شعبۂ تجوید وقراءۃ دارالعلوم

صورتِ حال سے واقفیت کے لیے ناظم تعلیمات کی خدمت میں پیش کردہ ایک تحریر

ڈائری سے من وعن ماخوذ

شعبۂ تجوید وقراءت ۱۴۰۲ھ سے پہلے

راقم الحروف ۱۳۹۰ھ کے آس پاس مشرقی یوپی کے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتا تھا، اپنے متعلق طلبہ تجوید جب ان مدارس سے متوسطات کی تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل وفراغت کے لیے عازم دیوبند ہوتے تو ان سے بتاکید کہتا کہ دارالعلوم دیوبند پہنچ کر تجوید سے غافل نہ ہونا، اس میں مزید ترقی کے لیے اساتذۂ فن سے تعلق رکھنا اور مشق وتمرین میں ترقی کرنا وغیرہ وغیرہ!!

لیکن طلبہ یہاں پہنچ کر اس شعبہ سے مستفید نہ ہوتے، اس طرح کی اطلاعات پر حیرت وافسوس ہوتا!

۱۳۹۶ھ میں دیوبند حاضری

۱۳۹۶ھ تا ۱۳۹۷ھ میں جب راقم خود دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہو کر اور داخلہ لے کر تکمیل کی غرض سے قیام پذیر ہوا، تو معلوم ہوا کہ تاکید ونصیحت کے علی الرغم طلبہ کیوں مشق وتمرین سے دور رہتے تھے، اور یہ صورت حال ۱۴۰۲ھ تک (انتظام واہتمام کے انقلاب تک) رہی۔

۱۴۰۲ھ سے ۱۴۰۳ھ

شوال ۱۴۰۲ھ تک راقم مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں خادم تدریس تھا، اسی سال دیوبند میں انقلاب

حال ہوا، اور ہر شعبہ میں اساتذہ اور کارکنوں کی ضرورت پیش آئی۔

۱۴۰۳ھ اور شعبۂ تجوید اس وقت دارالعلوم کے شعبۂ تجوید میں جو حضرات خدمات انجام دے رہے تھے، ان میں جناب قاری احمد میاں صاحبؒ (۱۳۵۷ھ تا ۱۴۰۷ھ)، جناب قاری جلیل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ ((۱۳۶۰ھ تا ۱۴۱۶ھ))، جناب قاری محمد نعمان صاحب بلیاویؒ ۱۳۷۴ھ تا ۱۴۰۴ھ، جناب قاری سعید عالم صاحب مرحوم مظفر نگری (۱۳۹۶ھ تا ۱۴۰۲ھ)، اور صدر شعبہ حضرت الاستاذ مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب دیوبندی مدظلہ (۱۳۸۸ھ تا ۱۴۰۲ھ) تین مقدم الذکر پیرانہ سالی کے دور سے گذر رہے تھے، اور دونوں مؤخر الذکر دارالعلوم سے علیحدہ ہو گئے تھے، اس طرح یہ شعبۂ کچھ زیادہ ہی توجہات کا محتاج تھا۔

راقم الحروف کا تقرر بایں صورتِ حال ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ میں راقم اور جناب قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری کا تقرر عمل میں آیا، جناب قاری احمد اللہ صاحب اس سے پہلے ڈابھیل میں خدمت انجام دے رہے تھے، اپنے حالات کی بناء پر یہاں دارالعلوم میں نہیں ٹھہر سکے اور اگلے سال عید الاضحیٰ کے بعد واپس نہیں آئے۔

یہ واضح رہے کہ پہلے ہی سے شعبہ تجوید و قراءت کافی بدنام تھا، (راقم الحروف نے ایک مختصر رسالہ میں دارالعلوم کی خدمات تجوید و قراءات کا تذکرہ کیا ہے اس سے ماضی اور حال کی صورت حال کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے) صحیح معنوں میں جدو جہد کے ساتھ کچھ کر گذرنے کا جذبہ رکھتے ہوئے راقم نے خدمت کا آغاز کیا۔

کہنا چاہیے کہ صفر سے کام کی ابتداء ہوئی، پہلے سال قراءت سبعہ میں ایک طالب علم، اور عشرہ میں ایک طالب علم (جو میرے ساتھ مرادآباد سے سبعہ پڑھ کر آگئے تھے) سے آغاز ہوا۔

دوسرے سال

چار سبعہ میں اور ایک عشرہ میں، اس طرح سال بہ سال الحمدللہ ترقی ہوتی گئی اور تعداد بڑھتے بڑھتے باضابطہ داخلہ لے کر ۱۵ر اور سترہ طلبہ سالانہ داخلہ لیتے رہے۔

دارالعلوم میں دیگر اساتذۂ قراءت

جب کام بڑھا تو مزید اساتذہ کا تقرر ضروری ٹھہرا، جناب قاری احمد اللہ صاحب کے جانے کے بعد سب سے پہلے جناب قاری عبدالجلیل صاحب منی پوری (قاری سبعہ وعشرہ فارغ ۱۴۰۳ھ) کا تقرر باقاعدہ انٹرویو اور مقابلہ کے بعد عمل میں آیا، موصوف ایک خوشنوا اور خوش لہجہ قاری تھے، (اب وہ لندن میں زریں خدمات انجام دے رہے ہیں) لیکن اپنے حالات اور ضروریات کے باعث یہاں ٹھہر نہ سکے (۱۴۰۳ھ تا ۱۴۰۴ھ) پھر فوری طور پر ضرورت پیش آئی اور جناب قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری کا تقرر (۱۴۰۵ھ) ہوا۔

اسی طرح ۱۴۱۴ھ میں (تا ۱۴۱۷ھ) جناب قاری جہانگیر صاحب امروہوی کا تقرر ہوا پھر ۱۴۱۱ھ جناب قاری شفیق الرحمٰن صاحب کا تقرر ہوا۔

راقم الحروف کی کاوش وکوشش اور مشورہ سے ان چاروں حضرات کا تقرر عمل میں آیا، چاروں حضرات نے یہیں دارالعلوم میں قراءت سبعہ وعشرہ کی تعلیم راقم ہی کے پاس حاصل کی۔ اور شعبۂ تجوید میں مشق وتمرین کی غرض سے ان کا تقرر ہوا اور بجا طور پر یہ تقرر تھا، راقم الحروف شعبہ کا نگراں تھا، جو معاملہ ہوتا تھا مشورہ سے ہوتا تھا لیکن بعض تقرر ایسا بھی ہوا، جس میں راقم کے مشورہ کا قطعاً دخل نہ تھا، بغیر مشورہ کے (ضابطہ کے خلاف) رکھے گئے۔

راقم الحروف کے پاس ابتداء سے تجوید حفص عربی، قراءت سبعہ وعشرہ اور کچھ طلبہ حفص اردو کے رہتے تھے۔ مگر ۱۴۰۶ھ سے باقاعدہ ایک سازش کے تحت راقم الحروف کی کردار کشی کی تحریک شروع کی گئی۔ ملک سے باہر دور دراز سے آئی ہوئی

ایک تحریر کی روشنی میں بغیر تحقیق کے راقم کو عتاب کا شکار بنایا گیا۔شعبہ کا کوئی باضابطہ نگراں نہ ہونے کے باعث دیکھ ریکھ نہ رہی اور گرفت ڈھیلی پڑتی گئی، اور پھر طرح طرح کی باتیں اور کمزوریاں در آنی شروع ہوگئیں۔

ایک عجیب واقعہ شعبہ تجوید وقراءت میں کمزوری اور نقائص کیسے درآئے، اس سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہوگا۔واضح رہے کہ شعبہ کے صحیح حالات کا مکمل اندازہ جب ہی ہوگا کہ احوال مکمل پیش کردیے جائیں، بلاشبہ اس سے بہت سی پیشانیاں شکن آلود ہوں گی، اس کے مکمل احساس کے ساتھ (اور صاحبِ سوانح کی سخت ممانعت کے باوجود آپ کی ڈائری سے) پیش کیا جارہا ہے۔)

دفتر تعلیمات میں نصاب تعلیم (تجوید وقراءت) سے متعلق ایک گفتگو میں ایک عجیب بات سامنے آئی، کیوں کہ سابقہ انتظامیہ میں تجوید وقراءت کا نصاب نہایت ناقص تھا (ملاحظہ سے معلوم ہوسکتا ہے) اس وقت کے صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کے مسلسل حکم وتحریک سے ایک نصاب راقم الحروف نے پیش کیا تھا جسے مجلس کی منظوری سے رائج کیا گیا۔

نصاب میں علم رسم عثمانی پر کوئی رسالہ نہیں تھا، اسی لیے جدید نصاب میں اس موضوع پر "معرفۃ الرسوم" کو داخل کیا گیا۔قراءت سبعہ میں اصل الاصول اور سب سے زیادہ مقبول اور اہم کتاب علامہ دانیؒ (م:۴۴۴ھ) کی "التیسیر فی السبعۃ" کو علم القراءات میں وہی حیثیت حاصل ہے جو علم حدیث میں بخاری شریف کو حاصل ہے، اسی لیے یوم تصنیف سے ہمیشہ متداول اور دنیا بھر کے نصاب قراءت میں بنیادی کتاب رہی ہے، ہر زمانہ کے قراء کے لیے لازمی رہی، اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد علامہ شاطبیؒ (م:۵۹۰ھ) نے اس فن پر بہت سی کتابوں کے باوجود علم قراءت کو منظوم کرنے کے لیے علامہ دانیؒ کی اسی کتاب

"التیسیر فی السبعۃ" کو منتخب کیا، اور یہ کتاب نظم کا جامہ پہن کر"حرز الامانی ووجه التهانی"المعروف بہ"قصیدۂ شاطبیہ لامیہ"کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن بے اعتنائی اور ناقدری فن کے باعث یہ کتاب ایک طویل عرصہ سے نایابی کا شکار رہی، حتیٰ کہ اس عرصہ میں اپنی تمام تر اہمیت اور بنیادی حیثیت کے باوجود متروک رہی جو بہرحال ایک بڑا سانحہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے راقم الحروف نے تقریباً چھیاسٹھ سال کی نایابی کے بعد ۱۴۰۳ھ میں مختلف قلمی نسخوں کی مدد سے پہلی بار شائع کیا، یہ کتاب قراءت سبعہ کے نصاب میں داخل ہے اور پڑھائی جاتی ہے۔

معرفۃ الرسوم (برائے درجہ اردو حفص) اور التیسیر فی السبعہ (برائے درجہ قراءت سبعہ) سے متعلق مختصر سی تفصیل اس لیے ضروری تھی کہ دونوں کی حیثیت معلوم ہو جائے۔ اور یہ کہ دونوں کس فن اور کس زبان میں ہیں۔

اب سنئے :- ایک استاذ تجوید ایک میٹنگ میں (جس میں جناب مولانا ریاست علی صاحب بجنوری اس وقت کے ناظم تعلیمات، جناب قاری محمد عثمان صاحب دیگر اور اساتذہ اور شعبۂ قراءت کے جملہ اساتذہ موجود تھے) تجویز پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"چوں کہ"معرفۃ الرسوم" (اردو) بہت مشکل رسالہ ہے اس لیے درجہ حفص اردو کے لیے اس کی جگہ"التیسیر" (فی السبعہ عربی) کیوں نہ داخل کردی جائے"۔ (ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!)

موصوف نے صرف اس کتاب "التیسیر" کا نام سن رکھا تھا، آنکھ سے دیکھا بھی نہ تھا، پڑھنا تو دور کی بات، بس صرف لفظ "التیسیر" بمعنی آسان ہی ذہن میں تھا، جھٹ لفظی سہارا لیا اور یہ نادر اور عجوبہ روزگار نسخۂ سہل، تجویز فرمادیا۔ یہ سننا تھا، کہ اس وقت موقعہ پر موجود ایک استاذ پر ہنسی کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ خود کو سنبھال نہ سکے

اور پیچھے الٹ گئے، جناب قاری محمد عثمان صاحب حیران کہ یہ کیسی احمقانہ تجویز ہے، مولانا ریاست علی صاحب ہکابکا، کہ یہ کیسی صورت حال ہے؟۔ (شام کو جناب قاری محمد عثمان صاحب نے راقم سے فرمایا کہ انہیں یہاں مدرس کیسے رکھ لیا گیا؟ مگر وائے افسوس! کہ آپ کے زیر نیابت اہتمام اب وہی صاحب اُس اَن دیکھی کتاب کا درس دے رہے ہیں''اسے سبعہ کو دفن کردینا نہیں کہا جائے گا؟)

مذکورہ تفصیل سے ان صاحب کا مبلغ علم وفکر معلوم ہوسکتا ہے۔اب یہ سانحہ بھی دیکھئے کہ امسال (۱۴۲۰ھ) درجہ قراءت سبعہ میں تین طالب علم داخل ہیں اور ماشاءاللہ تین،استاذ کے پاس (ایک طالب علم،ایک استاذ) پڑھ رہے ہیں،ان تینوں میں''نسخۂ سہل والے وہ استاذ بھی قراءت سبعہ کا درس بڑے اعتماد اور شان کے ساتھ دے رہے ہیں کسی شخص کا یہ کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس مضحکہ خیز صورت حال سے بہت اچھا ہوا کہ تجھے سبعہ کی تدریس سے خدا نے بچالیا۔

کیا اس سے شعبہ قراءت سخت تنزل کا شکار نہ ہوگا،اور یہ کہ سننے والے حیرت کے ساتھ مذاق اڑاتے ہیں اور اس صورت حال کی ذمہ داری کس کے سر؟؟ صرف تین لڑکے۔کسی ایک کو دیدیے جاتے،مگر یہ کیا؟ کیا اسے بندر بانٹ نہ کہا جائے گا۔

آخر میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اور تو کوئی کچھ نہیں کہہ سن رہا ہے،صورت حال جیسی بھی ہو،سب خاموشی کے ساتھ اپنے کاموں میں مصروف ہیں،صرف تم ہی کیوں؟ اس کے جواب میں صرف ایک شعر۔

وہ گلستاں جسے خونِ جگر سے سینچا ہے
خزاں کو سونپ کے جانا کوئی مذاق نہیں

۲۰رشوال ۱۴۲۰ھ

موجِ حوادث

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

ناظم تعلیمات کے نام ایک تحریر

۱۴۰۶ھ سے ۱۴۱۶ھ تک کے احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی و معظمی ....السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی!

مؤدبانہ گذارش ہے کہ ـــــ مجلس شوریٰ منعقدہ شعبان ۱۴۱۶ھ نے آنجناب کو ناظم تعلیمات کے لیے انتخاب کیا ـــــ اس پر احقر آنجناب کی خدمت میں اوّلاً مبارک باد پیش کرتا ہے، ثانیاً دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بہتر سے بہتر خدمات لیتا رہے۔ آمین!

جناب والا! احقر کی ملازمت دارالعلوم کے چودہ سالہ ایام میں متعدد حالات احقر کے ساتھ پیش آئے، ـــــ دو ماہ سے برابر یہ سوچتا رہا کہ ان حالات کا ایک مختصر خاکہ جناب کی خدمت میں اس لیے پیش کر دیا جائے کہ احقر کا بھی بہر حال تعلق شعبۂ تعلیمات ہی سے ہے اور آنجناب اس شعبہ کے ناظم ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر آنجناب صحیح صورت حال سے واقف نہ ہوں تو واقف ہو جائیں، اور اگر واقف بھی ہوں تو احقر کے ذریعہ واقفیت سے احقر کو اطمینان ہو جائے۔

ابتداءً ہی یہ وضاحت ضروری ہے کہ ذیل کی تحریر صرف نجی ہے، یعنی اس لیے ہرگز نہیں ہے کہ اس پر احقر کسی نوع کی کارروائی کا خواستگار ہے، نہیں، ہرگز نہیں، اوّلاً یہ ممکن بھی نہیں ہے، ثانیاً احقر کو اس کی قطعاً ضرورت بھی نہیں۔ بس صرف یہ کہ ایک بار آنجناب اپنے عزیز اور قیمتی اوقات میں سے تھوڑا سا وقت صرف کر کے ذرا یکسوئی کے ساتھ نظر ضرور ڈال لیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ماضی میں شعبۂ تعلیمات کا ایک

حصہ ''درجہ تجوید وقراءت'' اور اس درجہ سے متعلق شخص پر کیا کچھ گذری ہے، ـــــ اور یہ کہ احقر کیا واقعی اسی کا مستحق تھا؟

❋ ❋ ❋

۱۴۰۶ھ میں بے سان گمان اچانک احقر کو بغیر کسی الزام اور سوال و جواب کے بیک بنی دو گوش معطل کر دیا جاتا ہے، لیکن چوں کہ یہ معطلی قطعی طور پر خلاف ضابطہ و قانون تھی اس لیے کچھ حضرات کے توسط سے (یہ آپ کے علم میں ہے اور اس مجلس میں آپ بھی تشریف فرما تھے) تعطل کو (تعطل نامہ کے پہنچنے سے پہلے ہی) ختم کر کے ''فوری طور پر'' تین سوالات مرتب کیے گئے اور احقر سے اس کے بارے میں باز پرس ہوئی۔

سوال (۱) ''آپ نے فن قراءت و تجوید کی ایک قدیم کتاب کی اشاعت اپنے نام سے کی، کہ گویا آپ اس کے مصنف ہیں؟''

جواب عرض ہے کہ احقر نے اس کتاب کی اشاعت اپنے نام سے نہیں کی ہے ـــــ ٹائٹل پر احقر نے اپنا نام بطور مقدمہ نگار اور مصحح کے لکھا تھا، احقر کو آفسیٹ کی طباعت کا تجربہ نہ ہونے کی بناء پر طباعت کا کام دوسرے شخص (مالک مکتبہ علم و حکمت دیوبند) کے سپرد کیا گیا اور ان سے فرمائش کی گئی تھی کہ وہ احقر کے نام کے ساتھ ''تقدیم و تصحیح'' لکھوائیں، تحقیق و تصحیح، کا لفظ ان کو نہیں بتلایا گیا تھا ـــــ لیکن نگرانِ طباعت نے جہاں اور بہت سی تبدیلیاں کیں (مثلاً کاغذ وغیرہ کی تبدیلی) یہ تبدیلی بھی کی کہ ''تقدیم و تصحیح'' کی جگہ ''تحقیق و تصحیح'' کا عنوان دیکر ٹائٹل کا بلاک بنوایا، ـــــ احقر اس پوری مدت میں اپنے وطن اور دیگر مقامات پر تھا، دوبارہ دیکھ بھال کی نوبت نہ آئی جس سے یہ غلطی عمل میں آئی۔

غلطی کے بعد کتاب کو بازار میں عام کرتے وقت بڑا تامل رہا، بار بار خیال آتا کہ نقصان کی پرواہ نہ کی جائے اور ٹائٹل کو تبدیل کر دیا جائے لیکن ٹائٹل تمام کتابوں کے ساتھ خام جلد کی صورت میں چسپاں ہو چکا تھا اور کتاب کی کٹنگ بھی ہو چکی تھی

ایسی صورت میں ٹائٹل بدلنا صرف مالی نقصان ہی نہیں تھا بلکہ تمام کتابوں کا نقصان تھا کیوں کہ دوسرا ٹائٹل لگانے سے دوبارہ کٹنگ کی ضرورت ہوگی اور دوسری کٹنگ کی کتاب متحمل نہیں تھی۔

پھر خیال آیا کہ احقر نے کتاب میں جو معمولی محنت کی ہے آیا اس پر ''تحقیق'' کا لفظ منطبق ہوسکتا ہے یا نہیں، احقر نے محترم مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری سے ملاقات کے دوران عرض کیا کہ احقر نے اس کتاب میں یہ محنت کی ہے۔

(الف) تمام متون پر نظر ثانی اور قدیم وجدید نسخوں سے مقابلہ کرکے تصحیح کا کام کیا۔

(ب) مصنفین اور ناظمین قصائد کے تذکرے اور حالات تلاش وجستجو کے بعد اوّل کتاب میں اضافہ کئے ہیں جسے عصر جدید کی اصطلاح میں مقدمہ کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے، جو کلمۂ تقدیم کا مصداق ہے۔

(ج) تصحیح کے لیے دسیوں مقامات پر وہ کام کیا گیا ہے جس سے صرف لفظ کی تصحیح نہیں ہوئی بلکہ اس لفظ میں جو ''رمز'' ملحوظ تھا وہ فوت ہو رہا تھا، تصحیح کے ذریعہ اس نقصان کی تلافی کی گئی۔

یہ کام مندرجہ ذیل صفحات میں کیا گیا: ـــــ ص:۱۲۹، س:۶، ص:۱۵۹، س:۶، ص:۱۶۰، س:۹، ص:۱۶۳، س:۳، ص:۱۷۴، س:۱۰، ص:۱۹۶، س:۱۴، ص:۲۰۶، س:۱۰، ص:۲۱۰، س:۵، ص:۲۱۴، س:۹، ص:۲۱۵، س:۴، وس:۶، ص:۲۲۳، س:۷، ص:۲۲۵، س:۲، ص:۲۲۸، س:۳، ص:۲۳۲، س:۱۵ ـــــ وغیرہ وغیرہ (بطور نمونہ مذکورہ مقامات درج کئے گئے ورنہ پوری کتاب میں تقریباً پانچ سو مقامات ہیں)

ان میں سے دو مقامات کی تفصیل نمونہ کے طور پر عرض کرتا ہوں۔

ص:۱۲۹، س:۶ پر اصل نسخہ میں وَخُبِلَا رَمز تصحیح کے استخراج کے بغیر ہے جس کا ظاہری معنی یہ ہوگا ''اور یہ دونوں منقول ہیں'' یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کس قاری کے لیے منقول ہیں، جب کہ اس لفظ میں حاء کو رمز ہونا چاہیے یعنی ''وَ[حُـ]ـبِـلَا''

اب معنی ہوئے مرموز بالحاء یعقوب حضرمی (امام تاسع) کے لیے یہ دونوں منقول ہیں۔ اصل نسخہ میں ح قوسین میں نہیں تھی، اسی طرح ص:۱۹۶، س:۱۱۴ اصل نسخہ میں ہے "قِيلَ عَلٰى مَاحَسْبُ [حِـ]ـفْظُهُ [زَ] سَا" اس میں اولاً "حِفظُهُ" کو صحیح سمجھا ہے، ثانیاً اس لفظ کی حاء کو رمز قرار دیا ہے جبکہ یہ لفظ دراصل "حُلْفُهُ" ہے اور رمز ہے اس سے پہلے لفظ کی حاء [حَـ]ـسْبُ) (نشر: ج:۲، ص:۱۲۶، شاطبیہ، ص:۳۴)

جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے احقر کی بات سن کر فرمایا کہ ـــــ قدیم زمانہ میں تو یہی رواج تھا کہ ناشر اصل کتاب ہی میں اسی طرح تصحیح کا عمل کیا کرتے تھے لیکن عصر حاضر میں یہ ہوگیا ہے کہ اصل نسخہ کو برقرار رکھتے ہوئے حاشیہ پر تصحیح کردی جاتی ہے، لیکن آپ کا کام "تحقیق وتصحیح" کے عنوان کے جواز کے لیے کافی ہے۔

حضرت قاضی صاحب سے گفتگو کے بعد احقر کو اطمینان ہوگیا اور جو غلطی نادانستہ ہوگئی تھی اسکو برقرار رکھا گیا۔ اسی ضمن میں ایک دوسری غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ جب ان متون کی طباعت کا کام پہلے ہو چکا تھا اور اس کا نام بھی وہی تھا تو سابق جمع کنندہ کا معین کردہ نام اپنی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے تھا، اسی طرح سابق جمع کنندہ کا نام بھی بحیثیت جامع ٹائٹل پر آنا ضروری تھا، اس لیے عرض ہے کہ احقر کے پاس سات متون پر مشتمل جو قدیم نسخہ ہے (۱۳۰۶ھ) اس پر کسی جامع کا نام نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی جامع کی مدد کے بغیر ناشر کتب نے (مصطفیٰ البابی الحلبی - برادران مصر) اپنے طور پر کئی متون کو یکجا کردیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کئی متون کو اصل مصنفین کے نام کے ساتھ یکجا شائع کردینا ناشرانِ کتب کے یہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

یہ دوسرا نسخہ جس کی طباعت احقر نے کرائی ہے، یہ بجائے سات متون کے دس متون پر مشتمل ہے، یہ نسخہ نہایت بوسیدہ حالت میں احقر کو ملا، اس کا ٹائٹل بھی محفوظ نہیں تھا، احقر نے خیال کیا کہ پچھلے سات متون کی یکجائی طباعت کی طرح اس پر بھی کسی کا نام

نہ ہوگا، اگر احقر کو بحیثیت جامع کسی کے نام کی اطلاع ہوتی تو اس کی طباعت میں ہرگز تامل نہ کیا جاتا، کیوں کہ احقر نے بحیثیت جامع یا مرتب اپنا نام نہیں ڈالا ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت تھی۔ کیوں کہ یہ متون جن بزرگوں کے ہیں ان تمام کے نام ہر متن کے ساتھ (اور ابتداء مقدمہ میں بھی) شامل ہیں۔ان کو یکجائی صورت میں شائع کرنا علم کی خدمت ضرور ہے لیکن کوئی اہم علمی کام نہیں ہے۔

رہا اس سابق نام کا جوں کا توں برقرار رکھنا بلکہ اس کو اپنی طرف منسوب کر لینا تو اس سلسلے میں بھی یہ عرض ہے کہ جب کتاب بعینہٖ شائع ہو رہی تھی اور علاوہ مقدمہ اور تصحیح کے اس میں کوئی تبدیلی نہیں تھی اور اصل مصنفین کا نام ہر متن کے ساتھ شائع ہو رہا ہے تو محض یکجا صورت میں مطبوعہ کتاب کا نام بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔آخر۔ ''الاشباہ والنظائر'' علامہ سیوطیؒ کی بھی ہے اور حافظ ابن نجیمؒ کی بھی ہے ''تہافۃ الفلاسفۃ'' ابن رشدؒ کی بھی ہے، امام غزالیؒ کی بھی ہے، ''شفاء العلیل'' امام غزالیؒ کی بھی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بھی ہے، ''جواہر القرآن'' امام غزالیؒ کی بھی اور علامہ طنطاویؒ کی بھی، ''معارف القرآن'' حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کی بھی ہے اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی بھی ہے، ''آب حیات'' محمد حسین آزاد کی بھی ہے اور حضرت مولانا نانوتویؒ کی بھی ہے۔''غبار خاطر'' غلام علی آزاد بلگرامی کی بھی ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کی بھی ہے، ''بہشتی زیور'' کی ابتداء میں حضرت تھانویؒ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب کا انتساب میری طرف برائے نام ہے ورنہ اس کے گل سرسبد فلاں ہیں،- اور اسلامی کتب خانہ میں سیکڑوں کتابیں ایسی ہیں جن کے مصنفین نے دوسروں کا نام قبول کرنے میں کوئی احتیاط نہیں کی ہے۔

اس لیے عرض ہے کہ احقر نے کتاب اپنے نام سے شائع نہیں کی، جتنا کام کیا گیا ہے اس کے لیے اصل لفظ ''تقدیم وتصحیح'' تھا، نگران طباعت کی غلطی سے اس کو تقدیم کے بجائے ''تحقیق'' کر دیا گیا ہے، اس غلطی کو باقی رکھنے کا جواز معلوم ہوا تو اس کو باقی رکھا

گیا، جامع کا اوّل تو اس میں کام کوئی اہم نہیں تھا، دوسرے یہ کہ ان کا نام معلوم نہ ہو سکا، اس لیے وہی نام اس لیے برقرار رکھا گیا کہ تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

سوال (۲): دوسرا سوال یہ تھا کہ: "آپ نے دارالعلوم دیوبند کے لیٹر پیڈ بھی چھپوا رکھے ہیں"۔

جواب "عرض ہے کہ ترانۂ دارالعلوم کی اشاعت کی غرض سے ان لینڈ لیٹر کی طباعت حضرت والا (مہتمم صاحب) کے علم و اجازت اور تائید سے ہوئی ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ اسی طرح کے ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہوا ایک خط مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے احقر کے پاس آیا جس پر علی گڑھ کا ترانہ بھی چھپا ہوا تھا، احقر نے (اسوقت کے) ناظم تعلیمات صاحب کی خدمت میں پیش کر کے ترانۂ دارالعلوم دیوبند کی اشاعت کی اجازت طلب کی کیوں کہ وہی اس کے نظم نگار ہیں، ناظم صاحب نے اپنے ترانہ کی اشاعت کی اجازت دی، لیکن علی گڑھ کے خط کی نقل کے سلسلے میں حضرت والا (مہتمم صاحب) سے رائے لینا ضروری سمجھا چنانچہ ناظم تعلیمات کے ہمراہ احقر نے حضرت والا (مہتمم صاحب) کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا، حضرت والا (مہتمم صاحب) نے فرمایا کہ اس میں دارالعلوم دیوبند کی شہرت ہے اور اس کی طباعت میں نہ صرف یہ کہ اجازت مرحمت فرمائی بلکہ دارالعلوم کا تصویری بلاک، اور مونوگرام کا بلاک (از خود، بغیر احقر کی طلب کے) ناظم محافظ خانہ سے دلوایا، اس طرح یہ ان لینڈ لیٹر طبع ہوا، جس کا ایک نمونہ ہمرشتۂ ہٰذا ہے (جواب داخل کرتے ہوئے نمونہ کے طور پر منسلک کر دیا گیا تھا) اس میں طبع شدہ دارالعلوم دیوبند کے فوٹو سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ حضرت والا (مہتمم صاحب) کی اجازت کے بعد ہی محافظ خانہ سے احقر کو دیا گیا تھا"۔

جناب والا! سوال نمبر: ۲، کے جواب پر جب حضرت مہتمم صاحب سے گفتگو ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ یہ سب تو آپ ہی کی اجازت و تائید سے ہوا ہے۔ تو اس پر

فرمایا تھا کہ ہاں، ہاں! مجھے یاد تو آتا ہے، مگر میں کیا کروں، مگر میں کیا کروں۔ حالاں کہ کرنا کیا تھا، کم از کم اس ایک سوال ہی کو کم کر دیتے، مگر نہیں، بس ''مگر میں کیا کروں'' ہی کہتے رہے اور اپنی بے بسی کا اس طرح اظہار کرتے رہے۔

جب کہ یہ سب کو معلوم ہے مقدمہ میں کمزوری کا فائدہ ہمیشہ مدعا علیہ کو دیا جاتا ہے، مگر یہاں....؟

سوال (۳): تیسرا سوال یہ تھا کہ: ''آپ اطراف ملک میں چندہ کرتے ہیں''

جواب ''عرض ہے کہ احقر چندہ نہیں کرتا۔ البتہ بعض اہم کتب کی طباعت واشاعت کے لیے کبھی کسی کی جانب سے کوئی رقم پیش کی گئی تو اس کتاب کی طباعت واشاعت میں وہ رقم ضرور قبول کی گئی، مگر یوں ہی نہیں بلکہ رقم دینے والے کی فرمائش کے مطابق اس کے عوض اتنے ہی نسخے ان کی حسب ہدایت ارسال کر دیے گئے اور کبھی یہیں سے تقسیم کر دیے گئے، مثال کے طور پر اسی مذکورہ کتاب کو حسب ہدایت طابع وناشر چار سو نسخے مکتبۃ الشیخ دیوبند (اس وقت یہ مکتبہ نیا نیا حضرت مولانا طلحہ صاحب کاندھلوی مدظلہ کا دیوبند میں قائم ہوا تھا، جو کچھ ہی دنوں بعد بند ہوگیا) کو دیے گئے، اسی طرح مولانا بدرالدین صاحب قاسمی بمبئی (جو موجودہ رکن شوری ہیں) کی ہدایت کے موافق آسام روانہ کیے گئے، اسی طرح ۱۴۰۰ھ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہ العالی رکن شوریٰ نے بمبئی سے تین ہزار روپے اس ہدایت کے ساتھ ارسال فرمایا تھا کہ اتنے روپیوں کی کتاب (النفحة العنبريه شرح المقدمة الجزرية) نصف مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور اور نصف بمبئی بھیج دی جائیں، حضرت مولانا کی ہدایت کے موافق کتابیں اسی وقت ارسال کر دی گئیں، نیز مولانا موصوف نے بھی مسئول عنہا کتاب کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس فرما کر پیشگی رقم ایک ہزار روپے عنایت فرمایا تھا، بعد طباعت اتنے روپے کی کتابیں آپ کے مدرسہ میں پہنچادی گئیں، اسی طرح ایک صاحب خیر درسگاہ کے خراب وخستہ فرش کو دیکھ کر ازخود

سہارنپور سے فرش خرید کر اس وقت کے ناظم تعلیمات صاحب کے علم واجازت سے درسگاہ میں بچھوادیا، احقر کا درمیان میں کوئی واسطہ بھی نہیں تھا، (فرش کے معاملہ کو بھی اس وقت پہاڑ کے برابر مسئلہ بنانے کی کوشش کی گئی تھی)

الغرض اسی طرح کا تعاون احقر کو ملتا رہا ہے اور احقر نے لیا بھی ہے اور اسے شرعاً جائز سمجھ کر اشاعت دین اور فن تجوید وقراءت کی خدمت کی نیت سے بامید اجر وثواب کیا ہے، والعلم عند اللہ!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

احقر ابوالحسن اعظمی

خادم تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۷ھ

یہ تھے وہ تین سوالات اور ان کے جوابات:

سوال نمبر:۱: کے تحت ایک عبارت اور بھی ہے، ''گویا آپ اس کے مصنف ہیں'' کے بعد ہے...''اور اسے ایک عرب عالم کے سامنے پیش کیا، جس نے ان کے اس اقدام پر اعتراض کیا'' بحیثیت مدرس دارالعلوم ان کے اس فعل سے دارالعلوم کا وقار مجروح ہوا''۔

اس کی حقیقت بھی آج عرض کردوں، اگرچہ اب تک خاموش رہا، جب احقر نے ان سے کہا کہ اس کتاب کا صرف میں ہی ناشر نہیں ہوں بلکہ المکتبۃ الامدادیہ مکہ معظمہ کے شرکت سے یہ کتاب طبع ہوئی اور اس کا نگراں کوئی اور تھا جس کی طرف سے یہ صورت پیش آئی۔

آپ کو خوب معلوم ہے کہ اہل عرب آج بھی اس خوبی سے متصف ہیں کہ ان کا دل جلد ہی صاف ہوجاتا ہے، چنانچہ وہ شامی عالم بھی میری بات سے مطمئن ہوا بلکہ

اس نے باصرار فرمائش کر کے مجھ سے سند واجازت بھی لی۔ اسے تو باقاعدہ سازش کے ساتھ کچھ لوگوں نے اتفاقاً مسئلہ بنا کر اور فرضی خط لکھ کر یہاں تک پہنچایا، میں جب سفر حج میں مکہ معظمہ میں تھا تو ایک روز کچھ دوستوں کے اصرار پر جدہ جانا ہوا اور وہاں اتفاقاً اس کا تذکرہ چل پڑا تو معلوم ہوا کہ یہ سب کارروائی تو یہاں سے ہی ہوئی تھی اور شامی عالم کی طرف سے فرضی خط لکھ کر یہیں سے سب کچھ کیا گیا تھا اور فلاں صاحب نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ شامی عالم یہیں رہتے ہیں، انہیں خبر بھی نہیں ہے، آپ چلئے ان سے ہم ملاتے ہیں اور مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا، میں نے کہا، جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا اور میں اس پر صبر بھی کر چکا ہوں، اور اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہ الخ پڑھ چکا ہوں۔ جو قیامت مجھ پر گذرنی تھی گذر گئی، اب مجھے کچھ نہیں چاہیے، البتہ ان شامی عالم کو واقعہ بتا کر یہ کہہ دیجئے کہ یہ سب کچھ آپ کے حوالے سے ہوا ہے۔ جدہ میں دوستوں نے بہت چاہا، مگر میں نے انکار کیا اور مکہ معظمہ چلا آیا۔

بہر حال مذکورہ بالا جوابات پر کیا ہوا، معلوم تو آنجناب کو بھی ہوگا مگر میں یہاں پھر درج کردوں۔

کارروائی ۲۱/۲۲/۲۳ رشعبان تجویز :۹ ایجنڈے کی دفعہ :۹، کے تحت، درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ''قاری ابوالحسن صاحب صدر شعبۂ تجوید کا مسئلہ زیر بحث آیا، مجلس ان کے جوابات سے مطمئن نہیں ہے اور ان پر الزام ثابت ہیں'' پھر ظاہر ہے کہ سزا بھی ہونی چاہیے، لہٰذا آگے درج ہے!

''لیکن چوں کہ ان کا معافی نامہ آ گیا ہے''۔

اس معافی نامے کی حقیقت بھی عجیب وغریب ہے جسے اس وقت میں یہاں قلم انداز ہی کرتا ہوں، بہر حال ''معافی نامہ'' کے عنوان پر ملازمت باقی رکھتے ہوئے شعبہ کی صدارت کو ختم کر دیا گیا، اور بہت کچھ ہدایات بھی درج ہیں۔

جناب والا! احقر اپنا تبصرہ تو بہر حال محفوظ رکھتا ہے، لیکن اس کے بعد جن جن

لوگوں نے سنا اور جواب دیکھا اور اس کے بعد کی کارروائی ملاحظہ کی، سر تھام کر رہ گئے، حتیٰ کہ ایک رکن مجلس نے جو اس کارروائی کے وقت نہیں تھے، یہاں تک کہا کہ ''اس جواب کے بعد کیا بات باقی رہ گئی تھی، الزام اگر ثابت تھے تو اس کے ثبوت میں کیا پیش کئے گئے، صرف اتنا کہہ دینا کہ الزام ثابت ہیں اور اسی پر اتنا بڑا اقدام۔ اگر آپ اپنے مسئلے کو پھر سے پیش کریں تو دیکھیں کیا ہوتا ہے''۔

میں نے وہی جواب دیا کہ اوّلاً کچھ ہوتا نہیں، ثانیاً مجھے اس کی قطعاً ضرورت نہیں، مجھ سے آپ نے سوال و جواب دیکھنے کو مانگا، میں نے دکھا دیا، باقی اس کے آگے کچھ نہیں۔

جناب والا! بات تو اگرچہ بہت پرانی ہو چکی اور بقول شاعر ؏

اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا!

زخم لگتا ہے، بھر جاتا ہے مگر اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے، جب اس نشان پر نظر پڑتی ہے تو زخم کی ساری تکلیف اور اس کی ٹیس کا منظر نگاہوں میں پھر کر ساری یاد تازہ کر دیتا ہے اور کم از کم ایک آہ سرد تو نکل ہی جاتی ہے۔

مجھے ایک انسان سمجھتے ہوئے اور کم از کم اس انسانی رشتے سے ایک دفعہ سوال و جواب اور اس کے بعد کی کارروائی، کو ضرور ملاحظہ فرما لیجئے۔

مدرسہ نے منصب اور اسکے الاؤنس کو تو ختم کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے غالباً میرے اس صبر کی ایک معمولی سی صورت پر بہت کچھ مناصب اور مادی فوائد سے نواز دیا۔ اور اس کے بعد سے اس میں اضافہ ہے، فللہ الحمد والشکر!

دارالعلوم سے باہر ہندوستان ایک بڑا وسیع و عریض ملک ہے اور اس ملک میں خدمات کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہے اللہ تعالیٰ نے کہاں کہاں اور کس کس طرح سے خدمات کی توفیق دی اسے یہاں کیا بیان کروں۔ اللہ تعالیٰ نے تالیف و تصنیف اور طباعت و نشر کے ذریعے ملک ہی میں نہیں، ملک سے باہر بھی خدمات کا دائرہ بڑھا دیا، اس کے مقابلے میں

دارالعلوم میں محض تعلیمی وتدریسی خدمت، بہت محدود ہے، اور اب تو محدود ترین کہنا چاہیے، حسب فرمانِ الٰہی "عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ الخ" ؎

عدو شرے برانگیزد کہ خیرے مادراں باشد!

جناب والا! مجھے بخوبی احساس ہے کہ اگر آپ اس کج مج تحریر کو دیکھ رہے ہوں گے تو یقیناً آپ کے قیمتی اوقات کی بربادی ہے مگر اس کے باوجود کہ احقر کی جانب سے آنجناب کو کافی بدگمان کیا گیا ہے اور بدگمان کرنے والوں نے اگرچہ کچھ نہ کچھ کامیابی بھی حاصل کرلی ہے اور آپ کو بہت سی تکلیفیں بھی ہوں گی۔ آپ نے ان سب باتوں کے باوجود میری بعض فرمائشوں اور گذارشوں کو پورا کیا ہے۔ اسی لیے عرض کرتا ہوں کہ یہ تحریر جو خالص نجی ہے، ضرور ایک بار دیکھ لیں۔ ظاہر ہے کہ اس پر کچھ کرنا دھرنا تو ہے نہیں صرف دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔

❁❁❁

اب ذرا: ۱۴۰۶ھ-۱۴۰۷ھ سے ۱۴۱۵-۱۴۱۶ھ اور ۱۴۲۰ھ میں آجایئے!

تعلیمات کی جانب سے سالانہ امتحان میں قراءت کے تحریری امتحان کا پرچہ احقر سے بنوایا جاتا تھا، اور احقر ہی پرچے جانچتا بھی تھا۔

احقر خدا کو حاضر وناظر سمجھتے ہوئے جن نمبرات کا جو طالب علم مستحق ہوتا تھا، اسے وہ نمبرات دیدیتا تھا یہی ہوا اور ۱۴۱۵ھ کے طلبہ جن نمبرات کے مستحق سمجھے گئے وہ نمبرات انہیں دیئے گئے۔

اب اسے کیا کہئے کہ اس امتحان میں فیل کی تعداد پاس سے بڑھ گئی، اور جن جن لوگوں سے متعلق وہ طلبہ تھے انہوں نے آسمان سر پر اٹھالیا، اور ممبرانِ شوریٰ اور ان سے اُن سے مل کر میرے خلاف ایک طوفان کھڑا کردیا۔

دوبارہ جانچ کی فرمائش پر دوبارہ جانچ ہوئی اور دوبارہ جانچ میں کیا نتائج سامنے آئے، افسوس صد افسوس کہ رپورٹ، نتائج کے بالکل برخلاف دی گئی اور احقر

کو اتنے سخت الفاظ سے سرزنش کی گئی کہ اگر شوریٰ کی تاریخ میں دیکھا جائے تو کسی مدرس کے لیے اتنے سخت اور توہین آمیز الفاظ نہیں ملیں گے۔

احقر کے لیے اس سے زیادہ سخت الفاظ بھی کچھ نہ ہوتے اگر نتائج بھی اس کا ساتھ دیتے، مگر صد حیف! کہ نتائج کچھ اور رپورٹ کچھ!! شاید تفصیل سے آنجناب واقف نہ ہوں گے، اس لیے آگے پیش ہے، ضرور ملاحظہ فرمالیں!

من وعن اہتمام کی تحریر اور اس کا جواب درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.... القاب وآداب کے بعد ـــــ مؤدبانہ گذارش ہے کہ ۷ر ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ کو حضرت والا (مہتمم صاحب) کی جانب سے شعبۂ تعلیمات کی معرفت جواب طلبی کی تحریر موصول ہوئی یہ تحریر پانچ اجزاء پر مشتمل ہے:

سوال (۱) "قاری ابوالحسن صاحب نے سبعہ کے کل طلبہ کا امتحان لیا تھا"

جواب: عرض ہے کہ قراءت میں دو طرح کے امتحان ہوتے ہیں ایک تحریری اور دوسرا تقریری ـــــ دونوں یکساں اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، احقر نے صرف تحریری امتحان لیا تھا، جس میں جواب کی کاپی میں طالب علم کا نام و پتہ اور کوئی نشان نہیں ہوتا تاکہ جانچ میں کسی امتیاز اور جانب داری کی گنجائش نہ رہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ قراءت کے طلبہ کا کمرۂ امتحان (مسجد تحتانی) اور تھا اور احقر کی نگرانی کا کمرہ (مسجد فوقانی) اور تھا نیز ان ایام میں احقر اکثر دیگر مدارس کے امتحانات کے عنوان پر یہاں تھا بھی نہیں جن سے کسی پہچان وامتیاز کی گنجائش ہی نہیں۔

دوسرا تقریری امتحان، قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری اور قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری سے متعلق طلبہ کا - جناب قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری کے سپرد تھا، اور یہ احقر ہی نے سپرد کیا تھا، جب کہ خود لے سکتا تھا۔ اس تقریری امتحان میں (جو چار اجزاء پر مشتمل ہوتے ہیں اور چاروں کا امتحان

ہوتا ہے۔(۱) جمع وقفی (۲) جمع عطفی (۳) جمع حرفی (۴) مشق فی الاختلاف) جس میں جان پہچان، امتیاز اور جانبداری کی گنجائش ہوتی ہے، احقر نے کسی ''سازش'' ''خیانت'' ''ظلم'' اور ''ان دونوں قاری صاحبان کی حیثیت کو مجروح کرنے سے'' خود کو بچانے ہی کے لیے اس تقریری امتحان سے خود کو بچایا تھا۔ جب کہ یہ امتحان بھی احقر ہی کو لینا تھا۔

احقر نے کل طلبہ کے ایک حصے کا امتحان لیا تھا، اور دوسرے حصے کا امتحان قاری عبدالرؤف صاحب نے لیا تھا۔

سوال (۲) ''موصوف نے قاری عبدالرؤف صاحب اور قاری شفیق الرحمٰن صاحب سے متعلق طلبہ کو پرچہ جات میں استحقاقی نمبرات سے کم نمبرات دیکر فیل کر دیا ہے'' الخ۔

جواب: ''عرض ہے کہ احقر نے ہدایت نامہ امتحان کے مطابق پوری دیانت داری کے ساتھ، اپنے اور غیر کے طلبہ کی پہچان اور کسی جانبداری کے بغیر وہی نمبرات دیے جن کے وہ مستحق سمجھے گئے، احقر کو اپنے دیے گئے نمبرات پر مکمل اطمینان ہے، اس لیے اس جزو کا آخری حصہ جو زیر خط ہے تحقیق طلب ہے، احقر درخواست کرے گا کہ جواب کی کاپیاں احقر کو بھی دی جائیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ احقر سے کہاں غلطی ہوئی ہے۔

قاری شفیق الرحمٰن صاحب کے ایک طالب علم جو ایام امتحان میں غیر حاضر تھے، بعد میں انہیں سابقہ امتحان کے سوالات میں سے صرف دو سوال دیے گئے، انہیں دونوں سوالوں پر پندرہ، پندرہ کے حساب سے تیس نمبرات دیے گئے، جو ضابطے میں ساڑھے بائیس، ساڑھے بائیس قرار دیتے ہوئے پینتالیس نمبرات ہو جاتے ہیں، ان نمبرات کی وضاحت درج کیے جانے کی تھی جو نہیں کی گئی۔ اس لیے فیل کیے جانے کی بات بھی تحقیق طلب ہے، سوال نمبر دو کے زیر خط جملے کو دیکھئے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سب کو فیل نہیں کیا گیا ہے۔

یہاں ایک وضاحت یہ بھی شاید نامناسب نہ ہو، جواب کی کاپیوں میں ایک

صاحب کی تین کاپیاں یعنی پرچوں کے جواب ایسے بھی ہیں جن میں انہوں نے جواب کے بعد باقاعدہ اپنا نام و پتہ درج کیا ہے جو ضابطہ امتحان کے خلاف ہے، (یہ ضابطہ امتحان کی کاپیوں کے ساتھ مطبوعہ شکل میں منسلک رہتا ہے) اس خلاف ورزی پر نمبرات وضع ہوتے ہیں۔ اور وضع کیے بھی گئے، اور نمبرات کے فارم کے خانہ کیفیت میں اس امر کی پوری صراحت بھی کردی گئی ہے، کیا اس سے فرق نہ پڑے گا، اس کی بھی تحقیق کرلی جائے۔

سوال ''اور موصوف نے اپنے سے متعلق کل طلبہ کو پاس کیا ہے''

جواب ''عرض ہے کہ یہ بھی خلاف تحقیق ہے، (جس طرح جزء ۲ کی تحریر زیر خط کے برعکس دو طلبہ ان دونوں حضرات کے احقر کے قلم سے پاس اور کامیاب ہیں مگر رپورٹ میں مطلق لکھ دیا گیا ہے کہ فیل کردیا ہے، اسی طرح رپورٹ میں یہاں بھی خلاف تحقیق درج کردیا گیا ہے کہ ''اپنے سے متعلق کل طلبہ کو پاس کیا'' ایسا نہیں ہے، بلکہ دو طالب علم احقر کے بھی احقر ہی کے قلم سے فیل ہیں (خدا جانے رپورٹ لکھتے وقت، لکھنے والے صاحب نے کیا ذہن میں طے کر رکھا تھا)

پھر یہ کہ جانچ کے لیے جواب کی کاپیاں کوڈ نمبر کے ساتھ بھیجی جاتی ہیں، اس میں اپنے اور غیر کے امتیاز اور کسی جانبداری اور ''سازش'' کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اوپر تفصیل کے ساتھ اس کی صراحت کردی گئی ہے، کاش دفتر تعلیمات سے اس کی تحقیق کرلی گئی ہوتی۔

(ان دونوں قراء حضرات یا مرتب رپورٹ کو شاید یہ احساس مضطرب کیے ہوئے تھا کہ فیل اور پاس کا یہ چکر اسی سال کا ہے، حالاں کہ تحقیق کرلینے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ سلسلہ تو پہلے سے ہے، اس سے پہلے ہی والے سال کے نتائج دیکھ لیے گئے ہوتے دو طالب علم ناکام اور فیل ملتے، مگر رپورٹ کو سخت سے سخت تر بنانے کے لیے یہ انداز اختیار کیا گیا اور بغیر تحقیق کے جو چاہا لکھ دیا گیا، فیا اسفی ویا للعجب !!)

سوال (۴) ارکانِ شوریٰ اس صورتِ حال پر دکھ اور افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ- قاری ابوالحسن صاحب نے قاری عبدالروف صاحب اور قاری شفیق الرحمٰن صاحب سے متعلق طلبہ کے امتحانات میں دانستہ طور پر ''صریح خیانت'' اور طلبہ کے ساتھ ظلم کا ارتکاب کیا ہے،

(۵) ''نیز یہ کہ ہر دو قاری صاحبان کی حیثیت کو مجروح کرنے کی سازش بھی محسوس ہوتی ہے''

جواب (۴): اس سلسلے میں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

ان دونوں قاری صاحبان کی تعلیم قراءت اور پھر دارالعلوم میں ان کے تقرر کا پس منظر یہ ہے کہ:

(۱) حضرت والا-! یہ قاری شفیق الرحمٰن صاحب ہیں جن کا قراءت میں داخلہ ہی خالص احقر کی رعایت اور خصوصی سفارش سے ہوا۔

(۲) جس سال یہ قراءت سبعہ کے طالب علم تھے اسی سال ان کی معین مدرسی کی بات بھی آئی مگر چوں کہ ضابطے میں یہ ابھی زیر تعلیم تھے اس لیے احقر نے سفارش کی انہیں معین مدرس بنالیا جائے، رہی ان کی تعلیم تو احقر انہیں خالی اوقات میں خارج میں پڑھا دے گا، اسی طرح احقر نے انہیں پڑھایا اور احقر ہی کی سفارش پر انہیں قراءۃ سبعہ کے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔

یہاں سے پڑھنے کے بعد موصوف آگرہ مدرس ہو کر چلے گئے، کچھ دنوں بعد وہاں سے دارالعلوم میں ملازمت کے لیے ان کی درخواست آئی، درخواست دہندہ ایک اور صاحب بھی تھے، آنجناب (مہتمم صاحب) نے اس وقت کے ناظم تعلیمات سے فرمایا کہ ابوالحسن سے معلوم کریں، وہ ان دونوں میں سے جس کی تائید کرے گا، اسے رکھا جائے گا، احقر نے جناب قاری شفیق الرحمٰن صاحب کی تائید وسفارش کی، اس طرح قاری صاحب موصوف- درجات عربیہ کے طلبہ کی مشق کے لیے-

مقرر کیے گئے۔

(۳) جناب قاری عبدالرؤف صاحب کو بھی احقر نے ہی دو سال تک سبعہ وعشرہ پڑھایا، اور دورانِ تعلیم ان کے ساتھ بھی بعینہٖ وہی صورت پیش آئی جو قاری شفیق الرحمٰن صاحب کے ساتھ پیش آئی تھی۔

(۴) احقر شروع سے اب تک موقعہ بموقعہ ان دونوں حضرات کو آگے بڑھانے اور ان کی ترقیات کے لیے مختلف انداز پر تقریراً تحریراً سعی کرتا رہا جس کے یہ حضرات معترف بھی رہے ہیں ـــــ

(۵) ـــــ اس لیے ''ان دونوں حضرات کی حیثیت مجروح کرنے کی سازش'' کی بات اور اس کے لیے یہ الفاظ (سخت ترین) جو احقر کے لیے استعمال فرمائے گئے اس پر احقر سوائے حیرت اور تعجب کے کچھ نہیں کہہ سکتا، (وقت وقت کی بات ہے، اِنَّمَا اَشْكُوْبَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ)

ذہنوں میں یہ سوال آتا ہوگا کہ ان دونوں صاحبان اور احقر کے طلبہ میں اتنا بین فرق کیوں کر ہوا؟

(اوّلاً اسے جتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا حقیقتاً اتنا شدید مسئلہ نہیں تھا، دولڑکے میرے قلم سے ان کے پاس ہیں، اور خود میرے کفیل ہیں) نیز اس بارے میں اگر پہلے ہی تحقیق کر لی گئی ہوتی تو اس تحریر اور سوال وجواب کی شاید نوبت ہی نہ آتی، بہر حال اس کی وضاحت ضروری ہے، اس لیے ـــــ

ـــــ (۱) عرض ہے کہ ان دونوں قاری صاحبان کا تقرر جس کام کے لیے ہوا تھا اس میں یہ حضرات بیشک درست تھے معلوم ہونا چاہیے کہ علم تجوید الگ فن ہے اور علم القراءت بالکل ہی دوسرا فن، علم القراءت گویا ایک سمندر ہے اور علم تجوید اس کی چھوٹی سی نہر ہے ـــــ ایک شخص اگر بہترین مجود اور اس کا عمدہ معلم ہو تو اس سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ وہ کامیاب مقری اور معلم قراءت بھی ہوسکتا ہے ـــــ (ہاں

کچھ دنوں برابر تدریس سے اس کا اہل ہو جاتا ہے، یہ بعد کی بات ہے) یہاں بھی مغالطہ اور دھوکہ ہوا ہے، ان دونوں حضرات کے تقرر میں تو احقر سے رائے لی گئی مگر آگے سبعہ وعشرہ پڑھانے کے لیے یہ حضرات کیا طریقہ کار اختیار کریں اس سلسلے میں نہ ان حضرات نے رائے لی اور نہ وہ طریقہ اختیار کیا جو اس کے لیے ضروری ہے۔

ــــ (۲) جب کہ احقر بتیس سال سے (بوقت تحریر) برابر قراءت سبعہ وعشرہ پڑھا رہا ہے، التیسیر اور شاطبیہ جیسی ادق اور پیچیدہ کتاب کے حل اور نشیب وفراز سے واقفیت کے لیے اتنا طویل تجربہ ساتھ میں ہے۔

ــــ (۳) اسی طویل تجربہ کی روشنی میں احقر برسہا برس سے التیسیر کے اہم مقامات اور شاطبیہ اصول تک اور رسم الخط سے متعلق مضامین چالیس سوالات اور ان کے جوابات زبانی یاد کراتا ہے، بغیر حفظ پڑھانا بے سود ہے، زبانی ہی پڑھانا احقر کا معمول ہے۔

ــــ (۴) ان حضرات نے یہ کتابیں اس طرح نہیں پڑھائیں جیسا کہ ان کا حق ہے۔

(۵) احقر کے ــــ اور ان حضرات کے طریقۂ تعلیم میں اتنا تفاوت، اور پرچہ امتحان تمام طلبہ کے لیے ایک۔

(۶) ــــ ایک مشہور سوال ''سبعہ احرف کے مباحث'' پر (جیسا کہ اس پرچہ کی شام میں معلوم ہوا) ان دونوں حضرات نے بطور خاص محنت کرائی تھی اور وہ سوال آیا نہیں۔ وغیرہ وغیرہ ــــ لہٰذا اس بین فرق کا ہونا ناگزیر تھا۔

حضرت والا (مہتمم صاحب) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ جانچ کے لیے پورا وقت نہیں مل سکا (نیز جانچ کمیٹی کا احترام صحیح صورت حال کی وضاحت سے مانع ہے) ورنہ یہ رپورٹ ایسی نہ ہوتی جس میں محترم اراکین شوریٰ کو دکھ اور افسوس کا اظہار کرنا پڑا اور احقر کو ــــ ''دانستہ طور پر صریح خیانت'' ــــ ''طلبہ کے ساتھ ظلم کا ارتکاب'' ــــ اور ــــ ''قاری صاحبان کی حیثیت کو مجروح کرنے کی سازش''

کا ملزم ٹھہرایا گیا۔

اسی کے ساتھ نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ اگر غلطی کا الزام ایک دوسوال یا کسی ایک پرچے کے بارے میں ہوتا تو احقر اس کو بھول چوک پر محمول کرتا ـــــ تمام پرچوں کے بارے میں اس طرح کا الزام احقر کی سمجھ سے بالاتر ہے، احقر خدا کو حاضر و ناظر جان کر مطمئن ہے کہ خیانت و سازش وغیرہ کا تصور بھی احقر کے لیے مشکل ہے، آخرت پر احقر بھی یقین رکھتا ہے۔

حضرت والا! کیا ایسا ممکن ہے کہ احقر کو اپنے دیے ہوئے نمبرات کے بارے میں یہ موقع دیا جائے کہ وہ ان کی وجہ بتا سکے اور مدلل کر سکے، نیز خیانت و سازش جیسے الفاظ کی شرمندگی سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر سکے۔

حضرت والا! احقر نے اپنے صفائی میں مختصر معروضات پیش کر دی ہیں۔ احقر کو یقین ہے کہ تحقیق کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ یہ معروضات اطمینان بخش ہوں گی۔

والسلام

احقر ابوالحسن اعظمی

١٤ ربیع الاوّل ١٤١٦ھ

نوٹ: مؤدبانہ عرض یہ ہے کہ دوبارہ جانچ کے نتائج کی اطلاع، بیان صفائی پیش کر دینے کے بعد ہوئی، اس لیے دوبارہ جانچ کی سرسری صورت حال پیش کر دینا نامناسب نہ ہوگا (تاکہ دوبارہ جانچ کا حال اور رپورٹ کا انداز سمجھنے اور موازنہ کرنے میں آسانی ہو)

حضرت والا! دوبارہ جانچ میں استحقاقی نمبرات کے باعث کامیابی ہی کی بناء پر رپورٹ میں درج ہے کہ ".... یہ طلبہ کامیاب اور پاس ہیں" نیز رپورٹ میں آگے چل کر یہ الفاظ ہیں کہ "ان دونوں قاری صاحبان سے متعلق طلبہ کو فیل کر دیا ہے" خط

کشیدہ الفاظ سے کس قدر غلط تاثر پیدا ہوتا ہے، مگر ذرا ان کی حقیقت ملاحظہ فرمالیں۔

ان دونوں قاری صاحبان کے کل مجموعی سات طلبہ میں سے دو طالب علم تو خود احقر ہی کے پاس کردہ ہیں، دوبارہ جانچ میں پانچ طلبہ کا معاملہ آیا، (جب کہ دو طالب علم اور تھے ان کا کہیں ذکر نہیں، ان میں سے ایک نے بعد میں امسال آکر دوبارہ امتحان دیا) ان پانچ میں سے تین کے نمبرات دوبارہ جانچ میں بھی کیا ہیں؟ دیکھئے!۔

(۱) ارشاد احمد ـــــ متعلقہ قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری، کتاب رائیہ میں ۲۳، نمبر (فیل)

(۲) رفیق احمد ـــــ متعلقہ قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری کتاب التیسیر میں ۲۱ نمبر (فیل)

(۳) محمد حنیف ـــــ متعلقہ قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری، کتاب شاطبیہ میں ۲۸ رنمبر (فیل)

یہ دوبارہ جانچ کے وہ نمبرات ہیں جنہیں استحقاقی اور کامیاب کہا جارہا ہے، جس کے رو سے بھی تین لڑکے ایک ایک کتاب میں فیل ہیں۔ (بقیہ کتابوں کے نمبرات بھی اگر ملاحظہ فرمائیں گے تو صاف طور پر پائیں گے کہ صرف کھینچ تان کر انہیں بس پاس کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور واضح ہوتا ہے کہ یہ ان نمبرات کے مستحق حقیقتاً تھے نہیں)

رپورٹ میں آگے یہ الفاظ بھی درج ہیں ''...اور ان میں بعض طلبہ کے نمبرات معیاری ہیں''۔

حضرت والا! ـــــ یہ معیاری طالب علم وہی ہے جسے خود احقر ساڑھے بائیس، ساڑھے بائیس کے حساب سے پینتالیس نمبرات دے چکا ہے جس کی وضاحت بیان صفائی کے جز (۲) میں ہو چکی ہے۔

رہی مفصل صورت حال تو یہ جواب کی کاپیاں دیکھنے کے بعد ہی سامنے آسکے گی۔

والسلام   احقر ابوالحسن اعظمی

جناب والا! ـــــ اس دوران تقریباً ملک بھر میں اور ملک سے باہر بھی احقر کے مدرسہ سے الگ کردیے جانے کی خوب خوب پیشگی تشہیر کی گئی، زبانی اور تحریری طور پر لوگوں نے سوالات کرکے ناک میں دم کردیا، یہ دو جملے بطور خاص کہے گئے "بس دیکھ لیجئے شعبان کی شوریٰ میں ان کا پتہ صاف ہوجائے گا" "شعبان کی شوریٰ میں بستر گول سمجھئے" وغیرہ وغیرہ۔

جناب والا! ـــــ بیان صفائی کے مندرجات پر کیا ہونا چاہیے تھا؟ ـــــ؟ جب احقر سالانہ امتحان کے زمانے میں ملک کے متعدد علاقے میں امتحان کے لیے گیا، اور ہر جگہ ان حضرات کے تشہیری الفاظ سے متاثر ہوکر لوگوں نے سوالات شروع کیے تو بجائے جواب دینے کے احقر نے سوال و جواب اور اس کے نتیجے کو دکھادیا، دیکھ کر لوگوں نے کیا" تاثرات قائم کیے کیا عرض کروں شرم آتی ہے انہیں لکھتے ہوئے۔

احقر نے متعدد جگہ بیان صفائی میں تحقیق کا لفظ لکھا ہے، اور اب چیلنج کرتا ہے کہ کسی غیر جانب دار صاحب فن کے سامنے یہ کاپیاں پیش کی جائیں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سارا سامنے آجائے گا۔

بیان صفائی کے بعد جناب مولانا نصیر احمد خاں صاحب کے قلم سے جو تحریر موصول ہوئی اس پر بجائے تعجب کے احقر کے پھیپھڑوں سے زبردست قہقہہ برآمد ہوا، آس پاس کے بعض اساتذہ نے (یہ تحریر سالانہ امتحان کے موقع پر امتحان گاہ میں دی گئی تھی) پوچھا کہ کس خوشخبری پر آخر اتنا زوردار قہقہہ لگارہے ہو؟ میں نے انہیں وہ تحریر دیدی کہ لیجئے، دیکھ لیجئے، مولانا! واقعہ یہ ہے کہ سوالات وجوابات اور پھر یہ تحریر جن جن لوگوں نے دیکھی سر تھام کر رہ گئے، احقر نے جیسا کہ لکھا ہے کہ شرم آتی ہے انہیں نقل کرتے ہوئے فی الحال احقر اپنا تبصرہ محفوظ رکھتا ہے۔

ایک بار سوال و جواب کی تفصیل اور خاص طور پر آخری نوٹ کے مندرجات کو مختصر طور پر ذہن میں رکھ کر یہ آخری تحریر جو حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب کے

دخط سے موصول ہوئی ـــــ ملاحظہ فرمایئے!

مکرمی جناب قاری ابوالحسن صاحب، استاذ شعبہ تجوید دارالعلوم دیوبند،

سلام مسنون!

بتوسط شعبہ تعلیمات:........

تجویز ۵

ایجنڈے کی دفعہ ۵ کے تحت قاری ابوالحسن صاحب کی جوابی تحریر (تجویز شوریٰ کے بموجب جوان سے جواب طلب کیا گیا تھا) پڑھ کر سنائی گئی، جواب کے اجزاء اور حقائق کا موازنہ کیا گیا، موازنہ کرنے کے بعد مجلس اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہے، اور یہ ہدایت دیتی ہے کہ آئندہ ان سے نہ کوئی امتحان متعلق کیا جائے اور نہ انٹرویو لینے میں شریک کیا جائے...، الخ۔

آگے آخر میں جناب مولانا نصیر احمد خاں صاحب کا دستخط ہے۔

۲۵؍رجب ۱۴۱۶ھ

جناب والا! احقر نے دفتر تعلیمات سے جب خط کشیدہ جملہ (۱) ''حقائق کا موازنہ'' کی بات کی اور دریافت کیا کہ کیا تحقیق ہوئی، تو جواب ملا، کوئی تحقیق نہیں، اور کوئی موازنہ نہیں۔

جملہ زیر خط (۲) پر بجائے حیرت کے ہنسی آئی کیوں کہ یہ جملہ تو بہت پرانا ہو چکا ہے، اسی کے متوقع بھی تھے، ''وضاحت سے مجلس مطمئن نہیں ہے'' یہ کہہ دینا کتنا آسان ہے۔

رہی آخری زیر خط عبارت میں ہدایت تو غالباً بطور سزا کے ارقام ہوئی ـــــ۔ تو جناب والا بڑی صفائی سے عرض کردوں کہ اس پر بھی ہنسی آئی اور اس لیے کہ احقر امتحان لینے اور انٹرویو وغیرہ کی شرکت کو دارالعلوم میں قطعی طور پر کسی خرخشے اور ذہنی کوفت سے کم نہیں سمجھتا، احقر تو اس پر ممنون ہے کہ اس جھنجھٹ سے فرصت ملی، اور یہ

بھی آپ سے عرض کردوں کہ احقر کو اب اس سے منع کیا جارہا ہے جب کہ ایک سال پہلے سے امتحان وغیرہ سے دور رکھتے ہوئے شروع سال کے امتحانِ داخلہ سے بھی باوجود ممتحنین کی فہرست میں نام ہونے کے ــــــ خود کو بچائے رکھا، دور رکھا، یہ سزا نہیں، کرم ہے۔

❀❀❀

سال گذشتہ ناظم تعلیمات کے حکم پر شعبہ تجوید وقراءت کی کارکردگی سے متعلق ایک تحریر پیش کی گئی تھی، جس سے شعبہ کے سرسری حالات سامنے آجاتے ہیں، جی چاہتا ہے کہ من وعن وہی تحریر آنجناب کی نظر سے بھی گذر جائے، بعد القاب کے..
عرض یہ ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ احقر بھی دارالعلوم دیوبند کا ایک فرد اور خوشہ چیں ہے اس لیے ہر اچھی صورت حال سے مسرت ہوتی ہے اور اسی طرح خدانخواستہ کوئی بات اپنی سمجھ سے ایسی نہیں ہوتی تو اسے اسی تعلق کی بناء پر تکلیف بھی ہوتی ہے اور ادارہ سے تعلق ہی کی بناء پر گذارش کردینے کا خیال آتا ہے، چنانچہ مؤدبانہ اور مخلصانہ کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

حضرت والا! دارالعلوم میں شعبہ تجوید کی دو حیثیت ہے، ایک تجوید عام۔ دوسری <u>تجوید خاص</u>۔

تجوید عام میں درجات عربیہ کے طلبہ (عربی سال اوّل سے دورۂ حدیث شریف تک) خارج اور داخل اوقات میں اپنی فرصت کے مطابق سال بھر میں فوائد مکیہ اور مشق پارہ عم کرتے ہیں۔ یہ تمام طلبہ درجات عربیہ کے لیے لازمی ہے۔ ان تمام طلبہ کے لیے حال میں مستقل طور پر اصلاً تقرر دو حضرات کا ہوا تھا۔ عربی اوّل سے دورۂ حدیث شریف تک کے طلبہ کی تعداد کے پیش نظر ان دو حضرات کے تقرر کو سامنے رکھتے ہوئے تجزیہ آسان ہوگا۔ نیز اساتذہ کی کمی کے باعث یہ طلبہ دیگر تین اساتذہ کے پاس ضمناً رہتے ہیں۔

دوسری حیثیت تجوید خاص کی ہے۔
اس میں دارالعلوم کے مجوزہ اور مطبوعہ نصاب کے مطابق دوسالہ کورس ہے اس میں مجموعی طور پر پانچ کتابیں، مشق وتمرین ترتیلا وتدویراً۔اور پورے قرآن پاک کی خواندگی حدراً دوسالوں میں تقسیم ہے۔
اس کی تعلیم وتدریس کے لیے مستقل طور پر تین اساتذہ ہیں یہ اساتذہ درجہ تجوید میں داخل دوسالوں کے طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے کم ہیں چنانچہ اس نمایاں کمی کے باعث اراکین مجلس شوریٰ نے کئی سال پہلے تین آسامیاں منظور کررکھی ہیں جو تاحال پر نہیں ہوسکی ہیں، یہی تین اساتذہ تجوید خاص کے کل طلبہ کو بھی پڑھاتے ہیں اور تجوید عام میں بھی چوں کہ استاذ کی زبردست کمی ہے تو وہ طلبہ بھی ان کے پاس ضمناً رہتے ہیں۔
ایک تیسری حیثیت شعبہ قراءت کی ہے اس میں روایت حفص ؒ عربی کے ساتھ، قراءت سبعہ وعشرہ کی تعلیم ہوتی ہے، یہ تعلیم دارالعلوم میں یوم تقرر سے تقریبا ۱۲ر بارہ، یا تیرہ سال ہورہے ہیں احقر کے پاس ہوتی رہی ہے۔اور حسب گنجائش روایت حفص ؒ اردو کے طلبہ بھی رہا کیے ہیں۔
اب سال گذشتہ دو تبدیلیاں ہوئیں ـــــ ایک یہ کہ تجوید عام کے دونوں استاذوں کو مزید تجوید خاص کے طلبہ بھی دیے گئے، نیز ان میں سے ایک صاحب کو جن کا تقرر ابھی حال ہی کا ہے مزید برآں قراءت سبعہ کے طلبہ بھی سپرد ہوئے، اسی طرح تجوید خاص کے ایک استاذ کو جو پہلے ہی طلبہ کی زیادتی کے باعث (مجموعی تعداد پچاس سے زائد) گرانبار تھے انہیں بھی قراءت سبعہ کے طلبہ دیے گئے۔اور احقر کے پاس بھی رہے ـــــ ان اساتذہ کے پاس تعلیمی وقت تو وہی محدود اور کام تقریبا دوگنا بڑھ گیا ـــــ نتیجہ کیا نکلا یہ تو جائزہ ہی سے معلوم ہوسکے گا، ـــــ نمایاں چیز جو سامنے آئی وہ یہ کہ ـــــ درجات عربیہ کے طلبہ کی مشق وتجوید کے لیے پہلے ہی وقت نہ ہونے کے برابر تھا اب رہا سہا بھی گھٹ گیا، چوں کہ نئی چیز پہلی مرتبہ ان اساتذہ

کے پاس آگئی تھی، ساری اپنی جیسی توجہ ادھر صرف ہونے سے تجوید خاص اور تجوید عام دونوں کی تعلیم اور مشق کم ہوگئی۔

قراءتِ سبعہ کے طلبہ پر یومیہ کم از کم تین گھنٹے صرف ہوتے ہیں، مشق وتمرین کے طلبہ تشنہ رہ گئے ان کے لیے وقت نہیں نکل سکا دریافت کیا گیا کہ حفص اردو کے طلبہ کی مشق اب بایں صورت کس طرح ہوتی ہے؟ تو پتہ چلا کہ پانچ پانچ جماعتیں ان کی بنادی گئیں ہیں اور پانچویں روز استاذ سے مشق کرنے کی نوبت آتی ہے۔ پس حفص" اردو کے طلبہ کی مشق یوں متاثر ہوئی اور ناتجربہ کاری کے نتیجے میں قراءتِ سبعہ کی تعلیم کا معیار بھی بہت گھٹ گیا۔

تین جگہ تقسیم کرنے کے لیے ضابطے میں کوٹے سے زیادہ طلبہ کا داخلہ لیا گیا، ان میں سے بھی بعد میں کم ہوگئے یہ واضح رہے کہ قراءتِ سبعہ میں طالب علم ایک رہے یا دس یا بیس ان کی تعلیم پر وقت یکساں صرف ہوتا ہے، اس طرح جس تعلیم پر یومیہ تین گھنٹے صرف ہوتے، نو گھنٹے ان پر صرف ہوئے ـــــ پھر دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس تقسیم سے کیا نتائج برآمد ہوئے اور آئندہ کیا نتائج نکلیں گے۔

اس امر پر خاص توجہ مبذول کرانی ضروری سمجھتے ہوئے یہ عرض بھی ضروری ہے کہ جناب قاری جہانگیر صاحب جنہیں معین التجوید کے طور پر رکھا گیا تھا، ان کی دو سالہ مدت پوری ہوجانے کے بعد کسی رپورٹ کے بغیر انہیں تجوید عام کے لیے استاذ بنالیا گیا اور یہی نہیں بلکہ اس گذرے ہوئے سال میں مزید برآں حفص اردو سال اوّل کے طلبہ بھی دیدیے گئے۔

(چوں کہ شعبہ تجوید وقراءت کسی نگراں اور صدر سے خالی ہے، رپورٹ اور صورت حال کی وضاحت کرے تو کون کرے، اس عجیب وغریب صورتِ حال کے باعث شعبے میں جو کچھ ہورہا ہے اس کی وضاحت کے لیے ایک مستقل وقت چاہیے!)

قاری جہانگیر صاحب کے ساتھ ایک المیہ یہ ہے کہ یہ صرف حافظ اور مجود ہیں،

عالم نہیں ہیں، عالم نہ ہونے کی بناء پر تدریس میں نوع بہ نوع کی جو پریشانی لاحق ہوسکتی تھی وہ ہوئی، ان سے پڑھنے والے طلبہ تو عالم اور عالم ہونے کے قریب، تجوید میں کتابوں کی مصطلحات عربی الفاظ پر مشتمل ـــــ اور ادھر قاری صاحب موصوف عربیت سے ناواقف، چنانچہ حق تدریس کی ادائیگی سے قاصر رہے، طلبہ کی عام شکایت یہ ہے کہ کچھ سمجھنے کے لیے سوال کے جواب میں ایک ہی بات ـــــ ''کیا یہ مسئلہ کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہے، کتاب میں دیکھو'' ـــــ

شعبۂ تجوید عام ہو یا خاص بہر حال اس کا مدرس اگر بہت زیادہ قابل اور ذی استعداد نہ سہی لیکن کم از کم عالم تو بہر حال ہو ایسا نہ ہونے کی صورت میں صورت حال عجیب سی مضحکہ خیز بن جاتی ہے، اور دار العلوم جیسے علمی اور مرکزی ادارے کے لیے تو یہ شایان شان بھی نہیں۔

اس امر کی جانب اگر مناسب خیال فرمائیں تو اول مرحلہ میں توجہ مبذول فرمائیں، ابھی صرف ابتداء ہے، بہت زیادہ دن نہیں گذرے ہیں۔

❁❁❁

احقر اپنے بارے میں بھی کچھ وضاحتیں کر دینی ضروری سمجھتا ہے!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے احقر بیالیس سال سے جہاں بھی رہا ہے مدرس اوّل کی حیثیت سے رہا ہے اور تجوید و قراءت کی ساری ہی منتہی اور فنی کتب، حفص عربی، سبعہ اور عشرہ صغیر و کبیر کی مکمل کتابیں پڑھاتا آرہا ہے، بحمد اللہ اس طویل عرصہ میں سب ہی کچھ پڑھا چکا ہے اس لیے اس کی قطعاً ہوس نہیں ہے کہ اسے سبعہ عشرہ پڑھانے کو دیا جائے (یہ الگ معاملہ ہے کہ ماہرین تعلیم یہی لکھتے ہیں کہ جس استاذ کو جس فن کی زیادہ مہارت ہو اسے اسی فن کی کتابیں اور تدریس و تعلیم سپرد کی جائیں، جیسا کہ ۱۴۱۵ھ کے کل ہند اجتماع مدارس عربیہ کے مجوزہ نصاب تعلیم کے جزء ثالث، نمبر تین کے ملاحظہ سے واضح ہے)

لیکن اسی کے ساتھ ایک خیر خواہانہ اور مخلصانہ مشورہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ حفص عربی، قراءت سبعہ عشرہ صغیر و کبیر کی تعلیم و تدریس کے لیے جہاں ایک ذی استعداد اور باصلاحیت عالم ہونا ضروری ہے وہیں دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی ادارے میں (علمی صلاحیتوں کے ساتھ) طویل و وسیع تجربہ کا حامل ہونا بھی ضروری ہے، اور یہی چیز اس ادارے کو ممتاز بھی کرنے والی ہو سکتی ہے، ورنہ پڑھنے پڑھانے والے تو ہر جگہ مل جائیں گے۔

قراءت سبعہ کی تقسیم کسی طرح مناسب نہیں، تقسیم سے متعدد نقائص پیدا ہوں گے، اس درجہ کی تعلیم کسی ایک کے پاس رہنی چاہیے، ارباب انتظام چاہے جسے دیدیں مگر رہے ایک ہی جگہ!

مکرر عرض ہے کہ اس عرض و معروض سے یہ خیال نہ پیدا ہو کہ اس میں احقر کی کوئی ذاتی غرض ہے احقر کو اس کی بالکل بھی حاجت نہیں، احقر نے روز اول ہی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی سے عرض کیا تھا کہ نہ تو تنخواہ مقصود ہے اور نہ ہی کوئی منصب، بس اگر اوّل و آخر کوئی خواہش اور تمنا ہے تو صرف اور صرف قرآن کریم کے ساتھ اشتغال اور خدمت، خواہ بشکل ناظرہ ہو یا حفظ، اور خواہ بصورت تجوید ہو یا قراءۃ، احقر کے لیے سب یکساں ہے" اس جذبے سے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے متاثر ہو کر احقر کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ماشاء اللہ کاش یہی جذبات سب کے ہو جائیں" پس جو ذہن اور سوچ اس وقت تھی بحمد اللہ آج بھی بالکل وہی ہے، جیسا کہ عرض کیا، چالیس سال سے یہی سب کچھ پڑھاتا آ رہا ہے، ایسے کسی شوق کا تو سوال ہی نہیں، شوق تو وہ کرے جس کے لیے کوئی نئی چیز ہو"۔

جناب والا! شعبہ کی ضروریات، اس میں سدھار اور نکھار پیدا کرنے کی کیا صورتیں ہیں اس پر تفصیلی اظہار خیال کی نہ اس وقت ضرورت اور موقعہ ہے اور نہ ہی احقر کا یہ منصب ہے! دو یا تین سال پہلے، آنجناب کو یاد ہوگا احقر نے مکان پر آپ

سے وقت لے کر دارالعلوم کی بعض صورت حال کے بارے میں اپنے احساسات کو پیش کیا تھا، اور عرض کیا تھا کہ بمہربانی جتنا کچھ ممکن ہو آپ دریغ نہ فرمائیں، مگر آنجناب نے جواباً اپنے جن احساسات کا مختصراً اظہار فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی بہت دکھ ہوا ــــ اس وقت جو کچھ عرض کیا تھا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کچھ پھر عرض کردوں، اس وقت کی بات اور تھی مگر موجودہ تبدیلی میں یہ گذارش نامناسب نہ ہوگی۔

(۱) اساتذہ حسب خواہش تاخیر اور بہت ہی تاخیر سے درسگاہ میں آتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک ایک گھنٹہ بھی تاخیر ہو جاتی ہے۔

(۲) کوئی باز پرس کرنے والا نہیں اس لیے جتنا اور جس طرح چاہتے ہیں پڑھاتے ہیں۔

(۳) ادارہ کی جانب سے مطبوعہ نصاب تعلیم کی کھلی ہوئی خلاف ورزی عرصہ سے جاری ہے، کوئی پوچھنے والا نہیں۔

(۴) مقدار خواندگی کی تکمیل بھی کم ہی ہوتی ہے۔

(۵) تجوید خاص کی تین درسگاہوں میں نصاب کے خلاف تین الگ الگ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ امتحان میں اس سے جو دقت پیش آتی ہے وہ ظاہر ہے۔

(۶) تین سال سے ایک استاذ علانیہ مدرسہ کے وقت میں ٹیوشن پڑھانے مدرسہ سے باہر جاتے ہیں یہ حال بوقت تحریر کا ہے۔

(۷) بعض اساتذہ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ بغیر کسی نگراں ہی کے ٹھیک ہے '' کچھ بھی کرتے رہو، کوئی پوچھنے والا نہیں یہ اور اس طرح کی اور بھی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں، سب کی تفصیل کہاں تک تحریر کی جائے؟

جناب والا! نمبر (۵) و (۶) سے متعلق دفتر تعلیمات کے ذمہ دار کو ایک سے زائد بار واقف کرایا گیا، جواباً سننے کو یہ ملا کہ کیا کیا جائے، ان حضرات میں سے سب نے کسی نہ کسی کو پکڑ رکھا ہے، کچھ کہا سنا جائے تو کس طرح؟

اس طرح کی باتیں تو اور بھی ہیں مگر وہی بات کہ احقر کو اپنی حیثیت معلوم ہے، اتنی باتیں تو بادلِ ناخواستہ عرض کی گئیں توقع ہے کہ پوری بصیرت کے ساتھ مکمل، غیر جانبدارانہ جائزہ لیکر شعبہ تجوید وقراءت کی تعلیم وترقی کا انسب نظم فرمائیں گے۔ خدا کرے! اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه!

ایک بات اور عرض کردوں شاید نامناسب نہ ہو!

جیسا کہ ماسبق میں عرض کیا ہے، ـــــ سال بھر احقر کے خلاف ان تمام جگہوں پر اور ان سب لوگوں سے شکایات کی بھرمار کی گئی جن سے احقر کا تعلق ہے اور آمد و رفت ہے، اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ احقر کی کردار کشی کی ایک مہم پوری شدت سے چلائی جارہی ہے، احقر سے زبانی اور تحریری، لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ سب کیا ہورہا ہے، میرے پاس اس وقت پچاس سے زائد تحریریں ایسی ہیں جن میں لوگوں نے مطلع کیا ہے کہ اس طرح کی باتیں پھیلائی جارہی ہیں، اور احقر بقول شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ! ؎

کس نیاموخت علمِ تیر از من! ❁ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد!!

کا مصداق بنا ہوا ہے۔

آنجناب کے وقتِ عزیز کو بہت زیادہ نہ خراب کرتے ہوئے یہاں صرف دو نمونے ایک زبانی اور ایک تحریری پیش کررہا ہوں!

(۱) قاری....صاحب جنہیں ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہ ہوئے اور احقر ہی کے ذریعہ تعلیماً وتدریساً یہاں تک پہنچے مگر ان کی زبان بھی قابو سے باہر ہے، ـــــ قاری عبدالقیوم صاحب مظفر نگری مدرس مدرسہ ماٹلی والا بھروچ سے ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ میں یہیں اپنی درسگاہ میں فرماتے ہیں کہ ہم نے تو انہیں (احقر کو) دارالعلوم میں صدام حسین بنا کر رکھ دیا ہے تمام اساتذۂ تجوید وقراءت پر ''پرتی بندھ'' (پابندی) لگادی ہے، کوئی ان سے ملتا نہیں، الگ تھلگ ہوکر رہ گئے ہیں'' قاری عبدالقیوم صاحب نے کہا، ارے زیاں کار! تیری ساری تعلیم وتربیت میرے سامنے ہوئی، تجھے سب کچھ

بنانے والے وہی ہیں، آج تو یہ سب بکواسیں کر رہا ہے، جواب میں فرمایا! کیسا استاذ، کیسا شاگرد، اب مجھے ان سے کیا لینا دینا، میرا کام تو پورا ہو گیا، ان سے اب کیا واسطہ! پھر ـــــ ایک مثل بیان کرتے ہوئے اپنے باطن کا اظہار کیا، ''کھکل بیاہ مور کرے کا'' (یعنی میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے)

(۲) جناب قاری...صاحب نے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احقر کی کردار کشی کو اپنا سب سے بڑا فرضِ منصبی قرار دے لیا ہے، متعدد جگہوں پر آپ نے میرے خلاف خطوط لکھے، کہیں اقداماً، کہیں جواباً، انکی اس طرح کی نگارشات اور ملفوظات کے نمونے اس وقت سامنے بکھرے ہوئے ہیں، ان سب پر کبھی موقع ہوا تو بعد میں سوچوں گا، فی الحال آنجناب کی خدمت میں ازاں جملہ صرف ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے، ـــــ قاری... صاحب ایک خط کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں !(احقر ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کردے کہ اس طرح کی تحریروں سے بیحد اذیت ہوئی اور مجبور ہو کر اس ایک تحریر کا جواب قاری صاحب موصوف کو یہاں پہلے دیا اور پھر اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی مع تفصیلی جواب کے...بھی بھیج دیا آنجناب کی خدمت میں بھی من وعن فوٹو کاپی ہی پیش کر رہا ہوں)

❀❀❀

بخدمت جناب قاری صاحب..... ؎

اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت ❁ دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ!
شہرت کی بلندی بھی پل بھر کا تماشہ ہے ❁ جس ڈال پہ بیٹھے ہو وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے!

جناب کے گرامی نامے کی نقل..... سے آئی ہے جو نظر نواز ہے۔

آنجناب نے جو تحریری گل بوٹے کھلائے ہیں ان سب پر کچھ لکھنا خواہ مخواہ کا ضیاعِ وقت ہے البتہ بعض خوش فہمیوں (جو غلط فہمیوں کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں) کے بارے میں اگر ذرا سا اشارہ کر دیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں!

آنجناب ارقام فرماتے ہیں: "۔۔۔ دوبارہ جانچ کے بعد سب لڑکے پاس ہو گئے، اس پر شوریٰ نے ناظم تعلیمات کو بھی سخت وست کہا"۔

واضح رہے کہ شوریٰ کے سامنے ۔۔۔ دوبارہ جانچ کے نمبرات اور نتائج کے بغیر ۔۔۔ رپورٹ پیش کی گئی، اگر نمبرات اور نتائج کی روشنی میں رپورٹ پیش کی جاتی تو اس کے تانے بانے کچھ اور ہوتے اور صورت حال بھی دوسری ہی ہوتی، ۔۔۔ اور ناظم صاحب کو بقول آنجناب کے سخت وست نہ کہا جاتا، ۔۔۔ افسوس صد افسوس کہ دوبارہ جانچ کے نتائج کچھ ہیں، اور رپورٹ کچھ اور ہی ہے، ۔۔۔

جناب والا! اگر آپ کے تحریری نقش ونگار کا تفصیلی جائزہ اور پوسٹ مارٹم آپ کو پیش کر دیا جائے تو کم از کم ہفتہ بھر کے لیے گوشہ گیر ہو جائیں گے، تفصیلی جائزہ جنہیں پیش کرنا تھا کیا گیا، آپ اس کے محل نہیں ہیں۔

دوبارہ جانچ کی ایک جھلک ذرا سنبھل کر دیکھ لیجئے۔ (واضح رہے کل سات طلبہ تھے دو تو احقر ہی کے پاس کردہ ہیں، معاملہ پانچ کا ہے)

ارشاد احمد ۔۔۔ متعلقہ آنجناب ۔۔۔ رائیہ میں تیئیس (۲۳) نمبر (آپ کے نزدیک یہ نمبر پاس ہوگا)

رفیق احمد ـــــ متعلقہ آنجناب ـــــ التیسیر میں اکیس نمبر (آپ کے نزدیک یہ نمبر بھی پاس ہوگا)

محمد حنیف ـــــ متعلقہ مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب ـــــ شاطبیہ میں اٹھائیس نمبر (آپ کے نزدیک یہ نمبر بھی پاس ہی ہوگا)

ارشاد احمد کا نمبر التیسیر میں دوبارہ جانچ میں یقیناً استحقاقی نمبر زیادہ دیا گیا ہوگا کیا دیا گیا تمیں۔

رفیق احمد کا نمبر شاطبیہ میں بڑھ کر ملا تو کیا ملا، چونتیس، رائیہ میں بھی تمیں اور دوبارہ جانچ میں بھی تمیں۔

یہی وہ طلبہ ہیں جن کے بارے میں رقم طراز ہیں "ہم لوگوں نے سبعہ محنت سے پڑھائی مگر ذہین لڑکے فیل کردیے گئے، اور دوبارہ جانچ میں "سب" پاس ہوگئے"۔

اب آپ کو آپ کی حق پرستی اور غیر جانبداری کا تھوڑا سا آئینہ دکھا دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہو!

ارشاد احمد اور رفیق احمد چوں کہ آپ کے طلبہ تھے، اجراء میں آنجناب نے ان دونوں کو چیالیس، چیالیس نمبرات دیے،

مگر محمد حنیف اور شکیل احمد آپ سے متعلق نہیں تھے تو آپ نے اپنی سخاوت کا دریا بہاتے ہوئے بالترتیب تمیں اکتیس نمبرات سے نوازش فرمائی سبحان اللہ ذہین طلبہ کے ساتھ کیا ہی غیر جانبداری کا ثبوت دیا گیا ہے!

آگے آنجناب میرے ساتھ کرمہائے بے پایاں فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں!

"ـــــ آں موصوف کے تین شاگرد یہاں مدرس ہیں، تینوں سخت نالاں ہیں، کیا بات ہے؟" پھر خود جواب عنایت فرماتے ہیں!

"ـــــ بات یہ ہے کہ وہ ہم کو شاگرد نہیں اپنا حریف تصور کرتے ہیں"۔ آگے ملفوظات کا گلستاں اور بوستاں کھلایا ہے...

"ـــــ ان کی صحبت کی برکت یقیناً یہی اثر دکھاتی ہے اللہ حفاظت فرمائے آمین"۔

مقدم الذکر دونوں سطروں کا جواب اور تجزیہ میں وقت اور زمانہ کے حوالہ کرتا ہوں، یقیناً اس کا تجزیہ حقیقی تجزیہ ہوگا۔ آخری اقتباس پر ذرا سا اشارہ کردوں!

آسمانِ غرور و کبر پر اُڑنے والے! ذرا دیر کو حقیقت کی سرزمین پر اتر کر اپنی حقیقت کا جائزہ لے لیجئے، ابھی کتنے دن گذرے، اتنی جلدی تو کتا بھی جو اذل الخلائق ہے اپنے محسن کے احسان کو فراموش نہیں کرتا، شاطبیہ شعر ۹۰ر دیکھ لیجئے۔

اگر احقر کی صحبت میسر نہ آتی تو" ـــــ اِیکڑ میں ٹھکو پھوڑتے ہوتے یہ جملہ درجنوں بار خود آپ کی ہی زبان سے نکلا ہوا ہے۔ آج دار العلوم کی بلندیوں میں خود کو دیکھ رہے ہیں یہ کس کی صحبتوں کا ثمرہ ہے، کیا اس کا اعتراف سیکڑوں بار خود نہیں کر چکے ہیں، ذرہ ذرہ اعتراف کی صداؤں کا شاہد ہے۔

رہے دوسرے صاحب! تو وہ آگرہ میں تھے، احقر ہی کی سفارش اور تائید پر یہاں نظر آرہے ہیں، یہ بھی سب جانتے ہیں کم از کم یہ دوسرے صاحب آپ جیسے تو نہیں ہیں، مگر آپ، آپ کے تو زمین آسمان ہی نرالے ہیں۔ جس برتن میں کھایا اسی میں سوراخ کردیا، اسے کیا کہیں گے؟

اب رہے تیسرے صاحب! تو ان کی علمی صلاحیت اور حیثیت کیا تھی، کیا ہے، سب کو خوب معلوم ہے، مگر یہ جو آج ان کی زبان بھی بے قابو ہے، اور قینچی کی طرح بے تکان چل رہی ہے، یہ کس کی صحبتوں کا اثر ہے، کہ دار العلوم جیسی مرکزی درسگاہ میں استاذ بنے ہوئے ہیں، ان کی علمی حقیقت اور حیثیت سے متعلق ماضی قریب میں خود آپ ہی جو کچھ ارشاد فرما چکے ہیں، بہت ہے، میرا کچھ کہنا قطعی فضول ہے کیا کہوں ـــــ

جہانِ رنگ و بو میں تجھ کو کوئی جانتا بھی تھا
خوشا جوشِ جنوں جس سے بتادی داستاں ہم نے!

گریبانِ غیرت کی اگر کوئی دھجی باقی رہ گئی ہو اور اس میں منہ ڈال کر تھوڑی دیر بھی غور

کریں گے تو رُواں رُواں چیخ چیخ کر کہے گا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل ❁ نسیمِ صبح تیری مہربانی!!

مگر ضد اور ہٹ دھرمی بھلا غور کرنے ہی کیوں دے، آپ اپنی تلون مزاجی (اور بقول آپ کے آج کے رفقاء کار خود غرضی) کا چار سالہ جائزہ لے لیجئے، جب جب غرض اور ضرورت پیش آئی تو کس طرح مل گئے (صرف...... کے مسودہ اور اس کی تسوید کے زمانے کو یاد کر لیجئے، جو ابھی حال کی تازہ ترین چیز ہے، اس کا ایک ایک صفحہ بلکہ اس کی سطر سطر پکارے گی) اور پھر مطلب اور غرض پوری ہوتے ہی کس طرح بدل گئے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد کس قدر صحیح اور سچ ہے "وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖ... الی ... اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ")

ذیل کی آیت کے تحت ایک واقعہ بھی پیش کر دوں!

ارشادِ الٰہی ہے: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ.

ایک صحابیہؓ اپنے بچپن کا واقعہ بیان فرماتی ہیں ـــــ "میں چھوٹی سی تھی میرے والد اور چچا دونوں اہل کتاب تھے، اور دونوں اس کے جید عالم تھے، توراۃ میں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے احوال اور تعارف کھول کھول کر بیان کیے گئے ہیں، ایک روز چچا نے والد سے کہا، بھائی صاحب! یہ (محمد ﷺ) ہیں تو وہی؟ (پیغمبر برحق) والد نے کہا، اس میں کیا شک ہے، وہ تو ہیں ہی، چچا نے پھر کہا، پھر تو مان لینا چاہیے! والد نے کہا۔ ہرگز نہیں، قیامت تک نہیں مانیں گے، جب تک جئیں گے مخالفت کریں گے" صحابیہؓ فرماتی ہیں! خوب سمجھتے تھے کہ حق و ناحق کیا ہے، مگر ضد اور ہٹ دھرمی نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور دلوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔

حالات نے عناد اور دشمنی کی گرد اڑا رکھی ہے، لیکن یہ گرد و غبار جب چھٹیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ کس کی صحبت کا کیا اثر ہے ـــــ

فسوف تری اذا انکشف الغبار ❁ افرسٌ تحتَ رجلك ام حمارٌ!!

"____ چوں کہ آپ نے اپنے ساتھ اپنے دونوں رفقاء کار کا بھی ذکر کیا ہے، اس لیے آپ ہی کے ساتھ اس تحریر کی فوٹو اسٹیٹ ان دونوں حضرات کے پاس بھی بھیج دی گئی ہے!____"

جناب والا!! بات بہت لمبی ہوگئی، باتیں تو اور بھی بہت تھیں کہاں تک سمع خراشی کی جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احقر نے دارالعلوم میں جب اپنی تدریس کا آغاز کیا تھا تو کچھ خواب تھے، دارالعلوم کا شعبۂ تجوید وقراءت بےحد کمزور ہو چکا تھا، اسے شعبۂ تفریح کہا جانے لگا تھا، احقر نے اپنے ٹوٹے پھوٹے تجربے کی روشنی میں کام شروع کیا الحمد اللہ فالحمد اللہ آج دارالعلوم میں اور دیگر بڑے مدارس میں قابل ذکر افراد احقر ہی کے پڑھائے ہوئے کام کررہے ہیں، زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں آپ ناواقف نہیں ہیں ____ مگر وائے افسوس! حالات تابڑتوڑ ایسے مجھ پر ڈالے گئے کہ طبیعت اچاٹ ہوچکی ہے، دل برداشتہ ہوکر امسال قطعی طور پر علیحدگی کا فیصلہ کرلیا تھا، اور ملک میں اپنے بڑے چھوٹے سب کے سامنے اپنی دل برداشتگی بیان کی، اور مشورہ چاہا ____ مگر کیا عرض کروں سب ہی نے شدید مخالفت کی ____ میں کہتا رہا ____ آخر جب صورت حال یہ ہے کہ آج نہیں تو کل بہر حال مجھے الگ کر دیا جائے گا تو کیوں نہ خود ہی الگ ہوجاؤں ____ جواب ہر جگہ سے یہی ملا کہ نہیں ہرگز نہیں، خود نہ علیحدگی اختیار کرو، انتظامیہ الگ کردے، الگ ہوجاؤ اور یہ بالکل نہ سوچو کہ اس میں تمہاری بےعزتی ہوگی، تم پر کوئی داغ لگے گا نہیں ہرگز نہیں!!

اس لیے مولانا! خود تو الگ نہیں ہورہا ہوں، جب تک آب ودانہ ہوگا رہوں گا، اور بقول رکن شوریٰ مولانا بدرالدین صاحب "علیحدگی کو تو سوچو مت، جو کچھ پڑھانے کو مل جائے اسے پڑھاؤ!

پس جناب والا! جو کچھ عرض کرنا تھا اختصار کے ساتھ عرض کردیا، نہ کوئی طلب

ہے نہ کوئی مطالبہ، دنیا میں مناصب، ترقیات میں بڑی رکاوٹ بنتے ہیں، اس کا تجربہ اب جا کر ہوا، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ فرمائے، اصل چیز ہے استعداد، صلاحیت اور قابلیت، مناصب کا سایہ تو بادل کے سایے کی طرح ہے، آدمی کو ایسا ہونا چاہیے کہ مناصب اسے سلام کریں، اس سے لگ کر منصب خود اپنی عزت بڑھائے، نہ کہ منصب سے آدمی اپنی عزت میں اضافے کا خواہش مند رہے۔

آدمی اگر باصلاحیت ہے تو اسے کسی جگہ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ جہاں کہیں رہے گا، خدمت کے مواقع مل جائیں گے۔

جنگل کے مور کو کبھی باغ و چمن کی جستجو نہیں ہوتی اس کا چمن اس کی بغل میں رہتا ہے ـــــ وہ جہاں کہیں اپنے پر کھول دے گا ایک چمنستان بوقلموں کھل جائے گا۔

آخر میں ایک بار پھر عرض کر دوں ـــــ

یہ تحریر صرف احوال واقعی کے بیان کے لیے پیش خدمت کی گئی ہے، اور بالکل نجی ہے، اس پر کسی کارروائی، کسی مدد کی ہرگز طلب نہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا، نہ کچھ ممکن ہے ـــــ اور نہ ہی احقر کو کسی کارروائی کی ضرورت ہے۔

ملک میں ایک صاحب کی خواہش تھی کہ وہ میرے بارے میں کچھ لکھنا چاہتے ہیں، میرے ذاتی احوال سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے معلومات اکٹھی کر رہے ہیں، مجھ سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، جب بہت اصرار بڑھا، تو کچھ لکھ کر دیا، اسی دوران خیال گذرا کہ ذرا اس دوسرے رخ کے بارے میں آنجناب کو بھی مطلع کر دوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام داخلی خارجی شر ور و فتن سے محفوظ رکھے۔

اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین!

مع خراشی اور اوقات عزیز کو خراب کرنے کی معافی چاہتے ہوئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوالحسن اعظمی، ۱۵ر شوال ۱۴۱۶ھ

۱۴۰۲ھ سے تاحال ۱۴۲۵ھ تک

دارالعلوم میں تلامذہ کی تعداد

اختصار کی غرض سے صرف ان خاص تلامذہ کے نام کے ساتھ مختصر اشارہ کیا جائے گا جو خاص طور پر کسی ادارہ میں اس علم کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔ بقیہ تمام تلامذہ کی سن وار صرف تعداد پیش کی جائے گی۔

ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ تا شوال ۱۴۰۳ھ

۱: قراءات عشرہ میں ایک: جناب مولانا قاری عبدالجلیل صاحب منی پوری، آپ دارالعلوم دیوبند میں استاذ تجوید رہے، اس کے بعد گجرات اور پھر گجرات سے اب لندن میں علم تجوید کے فروغ واشاعت میں مشغول ہیں۔

۲: قراءت سبعہ میں ایک: جناب مولانا قاری محمد یعقوب صاحب گجراتی، آپ دارالعلوم سے فراغت کے بعد گجرات کے مشہور مدرسہ دارالعلوم ماٹلی والا میں تدریس قراءت انجام دینے کے بعد لندن میں مدرسہ قائم کرکے علم قراءت کے فروغ واشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کے تفصیلی حالت حسن المحاضرات، ج:۲، ص:۴۶۰۔ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

روایت حفص اردو میں مستقلاً پندرہ حضرات نے پڑھا۔ اور ضمناً چوبیس حضرات نے پڑھا۔ اس سال کی کل تعداد اکتالیس (۴۱) ہے۔

شوال ۱۴۰۳ھ تا شعبان ۱۴۰۴ھ

قراءت عشرہ میں (۱) ایک: اس سال قراءت عشرہ میں ایک طالب علم جناب

قاری عبدالقادر آسامی سابق استاذ قراءت دارالعلوم بانسکنڈی آسام اور سابق صدر شعبہ قراءت جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، آپ ایک باصلاحیت قاری ہیں، تجوید وقراءت پر ایک کتاب بھی لکھی، نہایت نیک نفس، خاموش طبع اور یکسو ذہن کے مالک ہیں، آپ کے تفصیلی حالات، حسن المحاضرات: ج:۲، ص:۲۷۷۔ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

قراءت سبعہ میں چار: سال گذشتہ جونشاۃ ثانیہ کا پہلا سال تھا، جس میں عشرہ میں ایک اور سبعہ میں بھی ایک تھے، مگر صاحب سوانح کے طرز تدریس اور اس موضوع کے ساتھ آپ کا انہماک ایک سال کے اندر ظاہر ہو چکا تھا، اس لیے قراءت کی طرف رجوع بڑھا، اور چار طالب علموں نے داخلہ لیا، اور یہ چاروں ماشاء اللہ کام کے نکلے خاص طور پر قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری اور قاری محمد ابراہیم صاحب رنگونی، اوّل الذکر دارالعلوم دیوبند میں استاذ ہیں اور ثانی الذکر ایک جید الاستعداد استاذ ہیں اور اولاً باندہ میں اور اب لندن میں مقیم ہیں اور علم وفن کی آبیاری میں مشغول ہیں۔

باقی دو جناب قاری محمد اقبال صاحب اکل کوادھولیا مہاراشٹر میں اور جناب قاری غلام اللہ صاحب گجرات میں مشغول درس وتدریس ہیں۔

روایت حفص میں چونتیس طلبہ نے پڑھا۔ اس سال کی تعداد انتالیس ہے۔
مجموعی تعداد: ۸۰/ یعنی دونوں سالوں کی کل تعداد: ۸۰/ ہوئی۔

شوال ۱۴۰۴ھ تا شعبان ۱۴۰۵ھ

قراءت عشرہ میں ایک (۱): جناب قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری جنھوں نے سال گذشتہ قراءت سبعہ کی تکمیل کی، اور دارالعلوم میں استاذ قراءت ہیں۔

قراءت سبعہ میں (۱۰): جن میں سے مولانا احسان اللہ صاحب بلند شہری الملیا پوسٹ خاص بلند شہر، آپ عربی کے جید الاستعداد مدرس ہیں۔ مصطفیٰ آباد دہلی میں ایک مدرسہ کے نظم ونسق کے ساتھ تدریس کے اہم فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دیگر سبعہ کے

متعلمین بھی ملک اور بیرون ملک میں مشغول تدریس ہیں، ان میں خاص طور پر مولانا محمد ساجد بریلوی (ککلتوی) مصنف ''تفہیم القرآن میں احادیث شریف سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد'' ماشاء اللہ بڑی گوناگوں صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

روایت حفص میں اکتیس تھے۔ ضمناً پندرہ تھے۔ کل چھیالیس۔

روایت حفص اردو کے طلبہ میں چند حضرات بڑے نمایاں ہوئے (۱) قاری عبدالقیوم صاحب مظفرنگری، آپ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم ماٹلی والا گجرات تشریف لے گئے اور وہاں صرف تین سال کی مدت میں بڑی قابل قدر خدمت انجام دی، متعدد کام کے افراد تیار کیے، بعدہ دارالعلوم دیوبند کی طلب پر یہاں آگئے، اور ۱۴۱۸ھ میں یہاں تقرر ہوا۔ آج کل مظفرنگر کے ایک مدرسہ تیوڑا میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۲) جناب قاری محمد زبیر صاحب مظفرنگری، آپ اِن دنوں کانٹھ ضلع مرادآباد میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۳) جناب نصیراحمد صاحب دہرہ دونی آپ دہلی میں مدرسہ حسین بخش میں تجوید کی خدمت پر مامور ہیں اور شاہی مسجد ٹاؤن ہال چاندنی چوک میں امام اور خطیب بھی۔

(۴) قاری محمد قربان ہریدواری، آپ نے متعدد مدارس میں گراں قدر خدمت انجام دینے کے بعد اب بجھولی (منگلور اور روڑکی درمیان) ضلع ہریدوار میں ایک مدرسہ ''دارالعلوم زکریا'' قائم کیا ہے، آپ سے بڑی توقعات ہیں۔

(۵) جناب قاری محمد اکرام صاحب ٹلہیڑہ آپ نے ۱۴۰۷ھ میں سبعہ کی تکمیل کی ٹلہیڑہ انت پور ضلع ہریدوار، (اقبال پور سے قریب) آپ نے فراغت کے بعد نجیب آباد میں تدریس وامامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے اب خود اپنی بستی ٹلہیڑہ میں ۱۴۱۳ھ میں ایک مدرسہ قائم کرکے قرآن کریم کی مثالی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مذکورہ پانچوں حضرات کے تفصیلی حالات حسن المحاضرات: ج:۲، میں مذکور ہیں۔

اس سال کی کل تعداد ستاون ہے۔ اور اب تک کی مجموعی تعداد ایک سو تیرہ ہے۔

شوال ۱۴۰۵ھ تا شعبان ۱۴۰۶ھ

قراءت عشرہ میں (۳) قراءت سبعہ میں (۱۱) حفص عربی میں (۹)

حفص عربی کے نو طلبہ میں سے کسی کے حالات کا علم نہیں، صرف مولوی قاری شمس الحق قریشی (آپ نے اگلے سال سبعہ عشرہ کی بھی تکمیل کی) اُود گیر لاتور مہاراشٹر، کا حال معلوم ہوا ہے، آپ اپنے والد حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ (خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کے قائم کردہ مدرسہ میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے حالات حسن المحاضرات: ج:۲، ص:۴۷۶۔ میں مذکور ہیں۔

قراءت سبعہ میں سے جناب مولانا قاری شبیر احمد صاحب جوگواڑی، بلسار گجرات نے سبعہ وعشرہ کی تکمیل کے بعد تدریس کا آغاز کناڈا سے کیا، آپ کناڈا ہی میں مصروف خدمات ہیں آپ کا ذکر بھی حسن المحاضرات ج:۲، میں ہے۔

حفص اردو میں (۱۲) جن میں سے حافظ قاری ریاست علی ڈھانسری ضلع مظفر نگر ان دنوں دارالعلوم کے درجہ تحفیظ القرآن سے متعلق ہیں۔ اور جناب مولانا قاری محمد لقمان صاحب کچھاڑی آسام آپ نے سبعہ بھی اگلے سال پڑھا آپ ماشاءاللہ ایک ذہین اور جید الاستعداد استاذ حدیث ہیں اور دارالعلوم بانسکنڈی آسام میں یہاں سے فراغت کے بعد ہی حدیث وغیرہ کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ امسال کے کل طلبہ کی تعداد چونتیس ہے۔

اور اب تک کی مجموعی تعداد ایک سو سینتالیس (۱۴۷)

شوال ۱۴۰۶ھ تا شعبان ۱۴۰۷ھ

قراءت عشرہ میں (۱): قراءت سبعہ میں باضابطہ طور پر پندرہ اور سبعہ خارج میں پانچ۔ اس طرح سبعہ میں بیس تھے۔ روایت حفص عربی میں چار۔ روایت حفص اردو

میں مستقل بارہ۔ اور ضمناً آٹھ۔

اس سال کی کل تعداد پینتالیس اب تک کی مجموعی تعداد: ۱۹۲۔

امسال ۱۴۰۷ھ میں پڑھنے والوں میں چند حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱) قاری محمد عیسیٰ سکٹہ، فیروز پور، گوڑ گاؤں ہریانہ۔ آپ نے محنت اور کامل تواضع وانکساری سے تعلیم حاصل کی، اسی کا نتیجہ ہے کہ فراغت کے بعد ہی سے آپ کی تدریس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی ہے جو کم نظر آتی ہے، لیل ونہار کی انہی ساعتوں میں اتنی کثیر تعداد میں طلبہ کو ناظرہ وحفظ وتجوید پڑھا دیتے ہیں کہ جاننے والوں کو حیرت ہوتی ہے، آپ کا تذکرہ حسن المحاضرات: ج:۲، ص: ۴۸۵ پر ہے۔

(۲) جناب مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلند شہری آپ فراغت کے بعد قراءت سبعہ کی تعلیم کے دوران حضرت الاستاذ کی سفارش پر دار العلوم میں معین مدرس تجوید رہے۔ پھر ۱۴۰۹ھ میں افضل العلوم آگرہ میں تجوید کے ساتھ عربی کے استاذ رہے، اس کے بعد ۱۴۱۱ھ سے دار العلوم دیوبند میں استاذ تجوید وقراءت ہیں۔

(۳) قاری محمد زکریا گونڈوی آپ دار العلوم دیوبند میں اولاً معین مدرس تجوید رہے، اسی دوران میں باضابطہ عشرہ کی تکمیل کی، بعدہ جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعدہ جامعہ اسلامیہ میں صدر شعبہ رہے، اب کرلہ بمبئی میں مقیم ہیں، آپ کا مفصل تذکرہ حسن المحاضرات، ج:۲، ص: ۴۳۸۔ میں ہے۔

(۴) قاری محمد یونس پالولی گجراتی - آپ ۱۹۸۸ء سے (فراغت کے بعد) تجوید وقراءت کی خدمت کا آغاز مدرسہ اشرفیہ راندیر گجرات سے کیا اور تا حال ماشاء اللہ یہیں ہیں (حسن المحاضرات: ج:۲، ص: ۴۶۷)

(۵) قاری زاہد الرحمٰن صاحب کشن گنج پورنیہ بہار: آپ حیدر آباد اور اس کے نواحی میں مصروف خدمت ہیں۔

(٦) قاری عبد الرحمٰن صاحب جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور میں

حفظ وتجویداور قراءات کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شوال ۱۴۰۷ھ تا شعبان ۱۴۰۸ھ

قراءت عشرہ میں ایک: قراءت سبعہ میں سات: روایت حفص عربی میں چھ: حفص اردو میں سات: مجموعی تعداد اکیس: اب تک کی کل تعداد ۲۱۳۔

(۱) اس سال کے طلباء میں جناب قاری قمر الحق صاحب دربھنگوی (ایک نمایاں طالب علم رہے، خوش گلو اور خوش لہجہ۔

(۲) جناب مولانا قاری شمشاد احمد بن محمد حنیف صاحب ساکن بلائی ضلع بجنور: آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، دار العلوم سے فراغت کے بعد اولاً دار العلوم نے اپنے شعبہ مطالعات میں ردّ قادیانیت پر تحقیقی مطالعہ کی دعوت دی، ایک سال تک اس شعبہ میں رہتے ہوئے تحقیقی مقالات لکھے، یہ مقالات معیاری رسائل میں مطبوع ہو کر مقبول ہوئے۔ ایک سال بعد بجنور کے قصبہ مانیاوالا کے مدرسہ اشاعت العلوم میں رہے، یہاں تجوید کے ساتھ فارسی و عربی پڑھائی۔

۱۴۱۱ھ میں قاسم العلوم نہٹور میں رہ کر اگلے سال ۱۴۱۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں باقاعدہ تجوید وقراءت کی عمدہ تعلیم دی اس کے بعد ۱۴۱۳ھ سے آپ ریاض سعودیہ عربیہ کے "جماعة الامیر سلطان ابن عبدالعزیز الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم للقوّات المسلحة الریاض المملکة العربیة السعودیة" میں انتہائی گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے تفصیلی حالات حسن المحاضرات: ج:۲، ص:۲۰۳ رمیں دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۳) قاری ثناء اللہ نیپالی بھی اچھی صلاحیت کے حامل اور کلکتہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شوال ۱۴۰۸ھ تا شعبان ۱۴۰۹ھ

قراءت عشرہ ایک: قراءت سبعہ عشرہ تکمیل نو: حفص عربی تین: روایت حفص

اردو گیارہ۔ اس سال کے فارغین تجوید وقراءت کے احوال کی تفصیل نہیں مل سکی۔ مجموعی تعداد چوبیس۔

(۱) قاری محبوب عالم دیوبندی، دارالعلوم کے شعبہ حفظ میں استاذ ہیں۔

اب تک کی کل تعداد ۲۳۷ ردوسو سینتیس۔

شوال ۱۴۰۹ھ تا شعبان ۱۴۱۰ھ

قراءت عشرہ میں ایک۔ قراءت سبعہ میں دس۔ روایت حفص عربی میں پانچ۔ حفص اردو میں تیرہ۔ کل انتیس۔ اب تک کی مجموعی تعداد: ۲۶۶ ردوسو چھیاسٹھ۔

(۱) ۱۴۱۰ھ کے طلبہ میں سے قاری محمد انیس صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں استاذ ہیں۔

(۲) قاری بلال احمد صاحب سنبھلی (صاحب سوانح کے داماد بھی ہیں) پہلے اکلا خانپور میں استاذ اور ناظم مدرسہ رہے، اس کے بعد اب سنبھل میں ایک مدرسہ کے روح رواں ہیں اور اچھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۳) مولانا قاری امتیاز احمد صاحب ویلور مدراس، آپ نے ماشاء اللہ قراءت سبعہ عشرہ کے ساتھ قراءات شاذہ بھی پڑھی اور اب اپنے وطن میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شوال ۱۴۱۰ھ تا شعبان ۱۴۱۱ھ

عشرہ کبیر میں دو۔ سبعہ عشرہ صغیر میں چھ۔ حفص عربی میں چار۔ حفص اردو میں چودہ۔ کل چھبیس۔ اب تک کی مجموعی تعداد ۲۹۲، دوسو بانوے۔

(۱) امسال کے عشرہ کبیر کی تکمیل کرنے والے جناب قاری راغب حسن صاحب بھینسانی مظفرنگر نے عشرہ کے ساتھ قراءت شاذہ بھی پڑھی، ماشاء اللہ اچھے عالم ہیں، آنکھوں سے معذوری کے باوجود بڑی محنت سے پڑھا، ظاہر ہے کہ سارا مدار

حفظ پر ہے۔فراغت کے بعد ہی سے دلی مدرسہ باب العلوم میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔(حسن المحاضرات:ج:۲،ص:۱۲۲)

(۲)محمد علی حسن مغربی بنگال کے موضع قر ونہار ضلع بیر بھوم کے رہنے والے ہیں، یہاں سے پڑھنے کے بعد بنگال ہی کے قصبہ جلال ہی میں آپ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

شوال ۱۴۱۱ھ تا شعبان ۱۴۱۲ھ

قراءت سبعہ وعشرہ میں انتیس۔حفص عربی میں چار۔روایت حفص اردو میں تین۔کل چھتیس۔اب تک کی مجموعی تعداد:۳۲۸۔تین سواٹھائیس۔

امسال کے قراءت سے فارغین میں(۱) قاری قیصر عالم کشن گنج بہار فراغت کے بعد مرادآباد کے مشہور مدرسہ حیات العلوم میں روایت حفص اور قراءات کی تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۲) قاری الٰہی بخش دیوگھر بہار آپ پانڈولی سہارنپور کے مدرسہ میں استاذ تجوید ہیں۔

(۳) جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب کا ذکر ۱۴۰۷ھ میں گذرا۔

(۴) جناب مولانا قاری امجد صاحب بجھیڑی مظفرنگر کے رہنے والے ہیں۔ ماشاءاللہ جید عالم ہیں مرادآباد مدرسہ جامع الہدیٰ میں اونچی اور اہم کتابیں پڑھاتے ہیں۔

(۵) مولانا قاری امجد صاحب بجھیڑی مظفرنگری، آپ مولانا امجد مظفرنگری کے چھوٹے بھائی ہیں، ماشاءاللہ ایک ذہین اور صالح اور جید عالم ہیں۔آپ افریقہ میں علم وفن کی گرانبہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۶) مولانا محمد سلیم صاحب سہارنپوری، آپ روڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں خدمات تدریس وافتاء انجام دے رہے ہیں۔

(۷) مولانا قاری مفتی احمد سعد صاحب ابن مبلغ اعظم دارالعلوم مولانا ارشاد احمد صاحبؒ آپ نے فراغت کے بعد نکوجہ مہاراشٹر میں بخاری شریف اور دیگر اعلیٰ کتابوں

کے ساتھ تجوید وقراءت کی تعلیم دی بعدہٗ قطر ایک سال کے لیے گئے، وہاں تدریس کے ساتھ ایک اہم مسجد میں امام اور خطیب رہے۔ بعدہٗ بستی جامعہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے، بعدہٗ مدرسہ محمودیہ سروٹ میں، اس کے بعد اب دیوبند میں ایک مدرسہ بنام "المعہد العالی الاسلامی" کی داغ بیل ڈالی، اوراس میں تدریس کے ساتھ اس کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے ہیں۔ (حسن المحاضرات: ج۲،ص:۴۲۷)۔

(۸) مولانا قاری عبدالمعبود صاحب گونڈوی، آپ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں علم وفن کی ترویج واشاعت کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۹) مولانا منیر الزماں، آپ بنگلہ دیشی ہیں، دارالعلوم دیوبند میں دورانِ تعلیم مسجد قدیم کے خوشنوا مؤذن رہے، جانے کے بعد اپنے وطن ڈھاکہ میں تجوید وقراءت کی تدریس میں مشغول ہیں۔

شوال ۱۴۱۲ھ تا شعبان ۱۴۱۳ھ

قراءت سبعہ وعشرہ میں چھیاسٹھ۔ حفص عربی آٹھ۔ (بعد مغرب اور بعد فجر) عشرۂ کبیر چھ۔ حفص اردو پانچ۔

کل پچاسی۔ اب تک کی مجموعی تعداد: ۴۱۳۔ (چار سو تیرہ)

صاحب سوانح کے اندازِ درس کے باعث (کم از کم وقت میں مختصر اگر جامع نصاب کے تحت قراءت کی تدریس) طلبہ درجات عربیہ کا رجوع قراءت سبعہ وعشرہ کی جانب بطور خاص ہوا۔

(۱) اس سال کے فارغین میں مولانا مفتی کوکب عالم صاحب ابن مولانا ریاض احمد صاحب اواس دکاس کالونی ہاپوڑ، بلند شہر روڈ۔ نے محنت سے پڑھا قرآن کریم کی پوری عظمت کے ساتھ، آپ ماشاء اللہ اس وقت الجامعۃ المحمودیہ نوگزہ میرٹھ میں اہم کتابوں کی تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۲) مولانا قاری محمد ابراہیم بن غلام محمد سورتی مانگرول سورت گجرات آپ دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات میں قابل قدر خدمت قراءت انجام دے رہے ہیں۔

(۳) مولانا رفاقت حسین قصبہ ڈھکہ حسن پور مرادآباد، آپ ماشاء اللہ بہت باصلاحیت عالم ومفتی ہیں۔

(۴) مولانا قاری حسین احمد ابن مولانا جلال الدین چودھری کریم گنجی، آپ جامعہ مدنیہ دم دم کلکتہ میں تجوید وقراءت کی تدریس میں منہمک ہیں۔

شوال ۱۴۱۳ھ تا شعبان ۱۴۱۴ھ

عشرہ کبیر (۲) سبعہ عشرہ صغیر تینتیس۔ حفص عربی چار۔ حفص اردو سات۔
کل تعداد چھیالیس۔ اب تک کی کل تعداد: ۴۵۹۔ (چار سو انسٹھ)

امسال کے عشرہ کبیر کے دونوں حضرات (۱) قاری عبدالسلام ابن مولانا شکیل احمد ساکن مادھوپور پوسٹ روڑکی ہریدوار۔ (۲) مولانا محمد مستقیم ابن دہنی میاں ساکن مکھوناپوسٹ نرائن پور، بھاگلپور۔ بہار۔

یہ دونوں حضرات اچھے اور باصلاحیت ہیں۔ مقدم الذکر دہرہ دون میں کسی مدرسہ میں مصروف خدمت ہیں۔ قاری مستقیم صاحب اس وقت مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ میں پڑھارہے ہیں۔

(۳) مولانا قاری محمد قربان جمیل بھارہ پور، ہریدوار۔ آپ کو ماشاء اللہ بڑی صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں۔ ماضی میں مدرسہ شاہی اور پھر جامعۃ القرآن الکریم بجنور میں بڑی قابل قدر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ آپ کا ذکر ۱۴۰۵ھ میں ہو چکا ہے۔

(حسن المحاضرات: ج:۲، ص:۴۱۳)

(۴) قاری عبدالحکیم بستوی ابن نور ضیف اللہ خاں ساکن چھپیا معافی ضلع بستی اور (۵) مولانا قاری حسین احمد ابن مولانا صدیق کڑی والے مہوا ضلع بھاؤنگر گجرات،

(۴و۵) ماشاءاللہ بہترین طالب علم رہے اور محنت سے پڑھا۔ بستوی صاحب جامعہ اسلامیہ بستی میں اور گجراتی صاحب بھاؤنگر میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۶) مولانا قاری محمد یوسف ابن حافظ محمد عاشق صاحب نلہیڑہ غازی، بلیا کھیڑی، سہارنپور، آپ ماشاءاللہ پہلے پانڈولی سہارنپور میں اور اب دارالعلوم دیوبند میں تجوید کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ (حسن المحاضرات فی رجال القراءات:ج:۲)

(۷) قاری شمیم احمد ابن قاری شریف احمد قاضی والا بجنور۔ آپ روایت حفص پڑھ کر بڑی قابل قدر خدمت، خاص طور پر حفظ مع التجوید کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۸) قاری افضال احمد صاحب ابن محمد اقبال صاحب ساکن جوگی رمپورہ پوسٹ خاص بجنور، آپ تدریس کا کام سالہا سال کرنے کے بعد پھر سے دارالعلوم دیوبند تشریف لاکر پڑھا، اور چندن والا بجنور میں دارالقرآن مدرسہ ابن مسعودؓ قائم کر کے گراں بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۹) محمد ابن محمد ہاشم انصاری پچھم طرف جلال پور ضلع فیض آباد۔ آپ اس وقت الور راجستھان میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۱۰) مولانا قاری جعفر عالم صاحب موضع قاضی ہاٹ پوسٹ سید پور ضلع نیلپھاماری بنگلہ دیش، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی ذہانت اور گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، جید عالم ہیں، اس وقت بنگلہ دیش سے باہر کسی ملک غالباً فیجی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۱۱) مولانا امداد اللہ صاحب ہوڑوی، آپ دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس رہے اور اب وطن کے قریب پڑھا رہے ہیں، آپ ایک ذہین باصلاحیت عالم ہیں۔

(۱۲) مولانا قاری مفتی مزمل حسین صاحب مظفرنگری آپ ماشاءاللہ دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی کے باصلاحیت اور عمدہ استاذ ہیں۔

(۱۳) مولانا ابوجندل مظفرنگری، آپ بھی قابل اور عمدہ استاذ ہیں، ٹانڈہ بادلی رامپور میں استاذ ہیں۔

شوال ۱۴۱۴ھ تا شعبان ۱۴۱۵ھ

حفص اردو میں: ۹۔ قراءت سبعہ وعشرہ میں: ۸۔ صرف قراءت سبعہ: ۱۲۔ کل: ۲۹۔ اب تک کی مجموعی تعداد: ۲۸۸۔

حفص اردو پڑھے ہوئے طلبہ میں سے دو کے احوال معلوم ہوئے۔

(۱) قاری عبدالرحیم صاحب موضع سکنیہ، پوسٹ فیروز پور، گوڑگاؤں، ہریانہ۔ (۲) قاری انعام اللہ صاحب ابن نور ضیف اللہ خاں چھپیا معافی، ضلع بستی، اولذکر نوح میں اور ثانی الذکر جامعہ مدنیہ، میرٹھ میں درجۂ حفظ مع التجوید میں قابل رشک کارکردگی انجام دے رہے ہیں۔

قراءت سبعہ وعشرہ کے فارغین میں (۱) مولانا قاری محمد ارشد ابن مولانا قاری محمد اصغر صاحب ہاپوڑ، آپ اس وقت ریاض سعودیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۲) مولانا قاری محمد عدنان صاحب ابن مولانا ریاست علی صاحب بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند: آپ فراغت کے بعد دو سال تک دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس تجوید رہے، دو سال بعد ۱۴۱۷ھ میں مدرسہ اصغریہ دیوبند کے شعبہ تجوید میں آپ کا تقرر ہوا۔ اس کے بعد آپ شکاگو امریکہ چلے گئے، تا حال آپ وہیں علم وفن کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

امسال کے قراءت سبعہ سے فارغین میں قاری جان محمد ضلع باڑمیر راجستھان، قاری عبدالخالق سیتامڑھی، بہار، محمد عارف ضلع جھنجھنوں راجستھان، اور قاری محمد صغیر ٹانڈہ بادلی رامپور اپنے اپنے مقام پر خدمات تدریس میں مصروف ہیں۔

شوال ۱۴۱۵ھ تا شعبان ۱۴۱۶ھ

قراءت سبعہ میں: ۳۴۔ حفص عربی میں: ۱۔ حفص اردو میں: ۳۔

کل: ۴۰۔اب تک کی مجموعی تعداد: ۵۲۶۔

(۱) قراءت سبعہ میں جناب قاری سرتاج احمد بن ظریف احمد ناؤلہ تحصیل جانسٹھ مظفرنگر یوپی۔آپ نے اوّل روز سے مدرسہ مرادیہ شہر مظفرنگر سے تدریسی انتساب رکھا، آپ مدرسہ کے معتمدترین استاد ہیں،قرآن کی عمدہ تجویدی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۲) حفص اردو کے طلبہ میں قاری محمد طارق بن لعل الدین سوہلی، سانبہ، پوسٹ کھڑا امڈانا۔ جموں کشمیر۔آپ نے یہاں سے جانے کے بعد مدرسہ تعلیم القرآن، تالاب کھٹیکاں جامع مسجد جموں سے قرآن کریم کی خدمت حفظ وتجوید کا آغاز کیا۔اور تاحال یہیں ہیں۔

(۳) قاری محمد مسرور بن برکت اللہ، عثمان پور، جلال پور، فیض آباد، یوپی۔ آپ نے تدریسی خدمت کا آغاز شہر نکوجہ مہاراشٹر سے کیا۔تاحال یہیں ہیں۔

(۴) قاری سراج احمد بن مولانا غلام محمد محلہ مفتی ڈابھیل بلساڑ گجرات، آپ غالباً اکل کوا میں مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کے مدرسہ میں پڑھارہے ہیں۔

شوال ۱۴۱۶ھ تا شعبان ۱۴۱۷ھ

قراءت عشرہ کبیر میں: ۲۔قراءت سبعہ: ۲۱۔حفص عربی: ۱۔حفص اردو: ۸۔

کل تعداد: ۳۲۔اب تک مجموئی تعداد: ۵۵۸۔

حفص اردو سے پڑھ کر جانے والوں میں سے دو کے حالات معلوم ہوئے۔

(۱) قاری عبدالحفیظ ابن عبدالقیوم گنائی، آر،او) پوسٹ کاستی گڑھ ضلع ڈوڈہ جموں کشمیر۔آپ ڈوڈہ کے مدرسہ تحفیظ القرآن میں پڑھارہے ہیں۔

(۲) قاری انوار احمد صاحب ابن عبدالرزاق صاحب جمال پورہ، مالیرکوٹلہ، سنگرور پنجاب،آپ پہلے جموں وکشمیر میں رہےاب غالباً مالیرکوٹلہ میں پڑھارہے ہیں۔

(۳) قراءت سبعہ میں قاری صدرالحق صاحب دربھنگوی، مرادآباد میں

تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔اور (۴) قاری محمد سہیل دیوبندی ابن جناب مولانا قاری محمد اسرار صاحب دیوبندیؒ۔آپ اپنے والد مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ سلم مدراس میں پڑھا رہے ہیں۔

(۵) قراءتِ عشرہ کے پڑھے ہوئے باقاعدہ بڑی محنت سے اس کی تکمیل کیے ہوئے ہیں جناب مولانا قاری محمد ارشاد صاحب ابن مولانا عبدالواحد صاحب مقام وپوسٹ مظفرہ، ضلع غازی آباد: آپ عشرہ کے باصلاحیت قاری اور استاذ ہیں۔مدرسہ خادم العلوم باغوں والی میں بڑے ذوق وشوق اور محنت ولگن سے قراءات وتجوید کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۶) قاری محمد صابر صاحب ابن ڈاکٹر محمد انتظار صاحب موضع بونٹہ پوسٹ، تھانہ مظفرنگر۔آپ کھاری ضلع بجنور کے مدرسہ میں پڑھا رہے ہیں۔

شوال ۱۴۱۷ھ تا شعبان ۱۴۱۸ھ

حفص اردو میں: ۱۴۔حفص عربی میں: ۴۔قراءتِ سبعہ میں بعد فجر: ۳۵۔ ایک گھنٹہ مشق وجمال القرآن پڑھنے والے عربی دوم کے طلبہ: ۱۲۔کل: ۶۵۔اب تک کی مجموعی تعداد: ۶۲۳۔

حفص اردو کی تکمیل کرنے والوں میں قاری محمد ارشد تھانوی، (۲) قاری محمد سلیم رائی نگلہ مظفرنگر۔(۳) قاری محمد نعمان، اوّل الذکر اوّلاً ٹہیرہ پھر جامعۃ القرآن الکریم بجنور اور اب سونتا رسول پور ضلع مظفرنگر میں پڑھا رہے ہیں۔

ثانی الذکر جامعۃ القرآن الکریم بجنور میں پڑھا رہے ہیں۔اور مؤخر الذکر مدرسہ خادم العلوم باغوں والی میں پڑھا رہے ہیں۔

قراءتِ سبعہ والوں میں سے (۴) قاری محمد یزداد ابن مجاہد علی۔۱۰ میلفیلڈس روڈ مقام کلیپٹن لندن، آپ اب لندن ہی میں پڑھا رہے ہیں۔

شوال ۱۴۱۸ھ تا شعبان ۱۴۱۹ھ

حفص اردو میں: ۷۔ قراءت سبعہ میں: ۲۶۔
کل ۳۳۔ اب تک کی مجموعی تعداد: ۶۵۶۔

حفص اردو سے فارغین میں سے قاری محمد قربان ابن محمد عباس سونتا رسولپور مظفر نگر۔ آپ موضع مساوی متصل تھانہ بھون، میں پڑھا رہے ہیں۔ (۲) قاری انصار محسن سندیلہ ہردوئی، آپ اس وقت مالیرکوٹلہ میں پڑھا رہے ہیں۔

شوال ۱۴۱۹ھ تا شعبان ۱۴۲۰ھ

روایت حفص عربی میں: ۴۔ روایت حفص اردو میں: ۶۔ قراءت سبعہ وثلثہ میں: ۲۶۔ کل ۴۰۔ اب تک کی مجموعی تعداد: ۶۹۶۔

حفص عربی کے فارغین میں سے (۱) مولانا قاری احسان الحق سہرساوی ابن ماسٹر انصار الحق کھردبرا، مراد پور سہرسا بہار۔ آپ جگادھری میں اور (۲) قاری عبدالستار صاحب ابن ماسٹر محمد نذیر محلہ جمال پور مالیرکوٹلہ پنجاب۔ مالیرکوٹلہ میں۔ اور مولانا قاری محمد عمر ابن دین محمد، موضع منڈیار، پھولپور، اعظم گڑھ، آپ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حفص اردو سے فارغین میں قاری محمد مرتضیٰ صاحب ابن محمد یوسف لنڈھورہ ہریدوار، لنڈھورہ میں پڑھا رہے ہیں۔

قراءت سبعہ پڑھے ہوئے میں مولانا قاری مفتی محمد علی صاحب راجستھانی، آپ سے مستقبل میں بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ آپ ایک جید الاستعداد عالم اور مفتی ہیں۔

قراءت عشرہ کبیر پڑھنے والوں میں قاری عبدالرب ابن عبدالرشید صاحب موضع دنکو پور، ضلع بلرام پور۔ آپ فراغت کے بعد سے ہاپوڑ مدرسہ خادم الاسلام میں

شعبہ، تجوید و قراءت کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح قاری فضل الرحمٰن ابن محمد شریف، قاضی واڑہ، اپرکوٹ، بلند شہر، آپ علی گڑھ میں پڑھا رہے ہیں۔ قاری اخلاق احمد سہارنپوری آپ جامعہ اسلامیہ بستی میں قراءت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ قاری فرید احمد صاحب آپ جامع مسجد باپوڑ کے پاس رہتے ہیں، کچھ دنوں پڑھایا اور اب کہیں افتاء کر رہے ہیں۔

شوال ۱۴۲۰ھ تا شعبان ۱۴۲۱ھ

روایت حفص اردو میں: ۵۔ روایت حفص عربی میں: ۲۔ عشرہ کبیر خاص: ۱۔ سبعہ وثلاثہ میں: ۱۶۔ کل: ۲۴۔ اب تک مجموعی تعداد: ۷۳۰۔

۱۴۲۱ھ کے فارغین میں روایت حفص سے جناب قاری ظفر احمد ابن امانت حسین موضع رَوانہ شکار پور بجنور، آپ نہٹور کے مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھا رہے ہیں۔

(۲) عشرہ کبیر سے جناب مولانا قاری محمد اُویس صاحب ابن ابراہیم التوطن لسٹر لندن۔ آپ لندن میں پڑھا رہے ہیں۔

(۳) قراءت سبعہ وثلثہ میں جناب مولانا قاری فہیم الدین صاحب ابن امام الدین صاحب رَوانہ شکار پور بجنور۔ سب سے ممتاز رہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس رہے، اب بنگلور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۴) قاری رئیس الدین راجستھانی (نابینا) ایک عمدہ مشاق اور باصلاحیت قاری ہیں۔ آپ جامعۃ الہدایہ جے پور میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

شوال ۱۴۲۱ھ تا شعبان ۱۴۲۲ھ

روایت حفص اردو: ۱۰۔ حفص عربی: ۴۔ قراءتِ سبعہ وثلاثہ: ۱۵۔ کل: ۲۹۔ اب تک کی مجموعی تعداد: ۷۳۹۔

روایت حفص اردو سے فارغ ہونے والوں میں سے قاری حافظ دلشاد احمد سلمہ ابن حافظ محمد طیب صاحب ساکن نگلہ رائی مظفر نگر ماشاء اللہ بہترین حافظ، عمدہ مجود ادائیگی پر قابو یاب اور خوش لہجہ قاری ہیں۔ آپ نے اسی سال دہلی کے بین الاقوامی مقابلہ حفظ مع التجوید میں اوّل نمبر سے کامیابی حاصل کی اور وقیع سند سے شرف یاب ہوئے۔ مستقبل میں آپ سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔

آپ کا سلسلۂ تعلیم ہنوز جاری ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ صحت وعافیت سے نوازے آمین۔

(۲) حفص عربی سے فارغ جناب مولانا قاری عبدالودود صاحب ابن سفیان احمد صاحب موضع کھنڈواری، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، آپ یہاں سے فارغ ہوکر مدرسہ شرعیہ فیض العلوم سرائے میر میں تدریسی خدمت انجام دے چکے ہیں۔

قراءت سبعہ سے فارغ ہونے والوں کے احوال معلوم نہیں۔

شوال ۱۴۲۲ھ تا شعبان ۱۴۲۳ھ

روایت حفص میں پندرہ۔ حفص عربی مستقل وبعد فجر سات۔ قراءت سبعہ میں بعد فجر: سترہ۔ کل: ۳۹۔ اب تک کی مجموعی تعداد: ۷۸۸۔

(۱) روایت حفص سے فارغین میں قاری محمد اکرام ابن اسلام الدین موضع ہرگن پور، بجنور، (۲) اور قاری محمد احتشام ابن محمد مرسلین پوسٹ اقبال پور، موضع لاٹھر دیوہ، ہریدوار۔ اور (۳) قاری آفتاب عالم ابن ماسٹر غلام قادر صاحب مقام کناہ بونجواہ ضلع ڈوڈہ، جموں کشمیر۔ آپنے ۳؍سال تجوید پڑھی اور عمدہ ادائیگی کے ساتھ خوش لہجہ ہیں ماشاء اللہ مقامی طور پر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حفص عربی سے قاری محمد شکیل پرتاپ گڑھی۔ قراءت سبعہ سے (۵) قاری اظہار عالم ابن جناب اسلام الدین صاحب چھوٹا پٹنہ۔ پوسٹ کھریا ضلع اتر دیناجپور، اور

مولانا قاری امتیاز الحق صاحب ابن احسان الحق صاحب قصبہ زید پور محلہ چھوٹا بازار بارہ بنکی۔ یہ سب حضرات ماشاء اللہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شوال ۱۴۲۳ھ تا شعبان ۱۴۲۴ھ

روایت حفص اردو میں: ۹۔ حفص عربی میں: ۷۔ قراءت سبعہ فجر میں: ۵۔
کل: ۲۱۔ اب تک مجموعی تعداد: ۸۰۹
اسال کے قارئین تجوید وقراءت ابھی زیر تعلیم ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے کلام عزیز کی خدمات کے لیے قبول فرمائے۔

شوال ۱۴۲۴ھ تا شعبان ۱۴۲۵ھ

روایت حفص اردو: ۱۳۔ حفص عربی مستقل اور خارج: ۱۳۔ قراءت سبعہ خارج: ۲۔ کل: ۲۸۔ اب تک کی مجموعہ تعداد: ۸۳۷۔

اس سال کے سبھی طلبۂ عزیز کا سلسلۂ تعلیم ہنوز جاری ہے، ان سب میں حفص اردو کے طلبہ میں سے قاری بلال احمد بن حافظ محمد طیب صاحب ساکن نگلہ رائی، مظفر نگر اور حافظ قاری حسین احمد مظفر نگری، یہ دونوں حضرات ماشاء اللہ عمدہ ادائیگی اور عمدہ لہجے کے مالک ہیں۔

مستقبل میں اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں بڑی توقعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام عزیز کی خدمت سے نوازے، اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

بنگلہ دیش میں خدمات

حضرت محی السنہ مولانا الشاہ السید ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم کی

بنگلہ دیش تشریف بری.......... سے وہاں کی علمی و عملی فضا ہی بدل گئی لوگ خوب جانتے ہیں کہ حضرت والا کو قرآن کریم کو سنت کے مطابق تلاوت اور اس کے لیے تصحیح کا فکر کس قدر ہے، اس راہ سے بھی آنجناب کی خدمات عظیم ہیں، حضرت والا کی تحریک سے پورے بنگلہ دیش میں تصحیح قرآن کریم کی بہترین ہوا چل گئی اور اس ملک کے ہر خطے میں اس کا نظام قائم ہوا۔ اسی تحریک اور نظام کا ایک زبردست حصہ رمضان المبارک میں قرآن کریم کی مشق و تمرین ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کے مشہور خلیفہ و مجاز حضرت مولانا محمد اللہ صاحب المعروف بہ "حافظ جی حضور" (م:۱۹۸۷ء) کا ڈھاکہ میں قائم کردہ مدرسہ جامعہ نوریہ ہے جس کے آپ کی وفات کے بعد سے آپ کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا احمد اللہ اشرف صاحب مہتمم ہیں۔

مولانا احمد اللہ اشرف صاحب نے اسی قرآنی تعلیم کی تحریک کے تحت رمضان ۱۴۱۹ھ میں صاحب سوانح کو مدعو فرمایا۔ اس ماہ رمضان میں تقریباً پچاس حضرات نے مشق و تمرین کے ساتھ تجویدی رسالہ "قواعد التجوید" کی خواندگی مکمل کی۔

رمضان المبارک کے اس نظام میں ڈھاکہ کے معلمین مدارس، ائمہ مساجد، اور ڈھاکہ سے باہر دور دراز علاقوں سے بھی خاصی تعداد شریک ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ تا حال باقی ہے۔ شعبان کے آخر میں روانگی ہوتی ہے اور رمضان کی ۲۵/ ۲۷ تاریخ تک قیام رہتا ہے۔ ذیل میں تفصیلی تذکرے کے بجائے اختصاراً صرف تعداد درج کر دی جاتی ہے۔

پہلے سال ۱۴۱۹ھ میں: ۵۵۔ ۱۴۲۰ھ میں: ۳۶۔ ۱۴۲۱ھ میں: ۷۲۔ ۱۴۲۲ھ میں: ۵۶۔ ۱۴۲۳ھ میں: ۲۸۷۔ ۱۴۲۴ھ میں: ۵۳۔

مجموعی تعداد پانچ سو انسٹھ: ۵۵۹۔

❀❀❀

صاحبِ سوانح

''تصانیف کے آئینے میں''

بھلا سکیں گے نہ اہلِ زمانہ صدیوں تک
تری وفاؤں کے اور تیرے فکر و فن کے نقوش

صاحبِ تذکرہ اپنی تصانیف کے آئینے میں

یَلُوْحُ الْخَطُّ فِی الْقِرْطَاسِ دَهْراً ❁ وَكَاتِبُهٗ رَمِيْمٌ فِی التُّرَابِ

کسی بھی علم وفن کی بقاء اور تحفظ کے بطور خلاصہ دو ہی طریقے ہیں:

(۱) درس وتدریس (۲) تصنیف وتالیف

ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ تمام اسلامی مواد، ذخیرۂ تفسیر و حدیث، فقہ وفتاویٰ اور علوم نقلیہ وعقلیہ کی تمام ہی اصناف الفاظ کی قید وبند کے ذریعہ تصنیف وتالیف کی شکل میں محفوظ ومصون ہونا مسلم ہے۔

درس وتدریس سے اگر افراد سازی ہوتی ہے تو تصنیف وتالیف کے ذریعہ کتابوں کی شکل میں علوم وفنون محفوظ ہوکر آنے والی نسلوں تک بہ احتیاط تمام ان علوم کی ترسیل ہوتی ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ درس وتدریس کے ذریعہ افراد سازی کا کمال اسی تصنیف وتالیف میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین نے ہر زمانہ اور ہر دور ودائرے میں کبھی اس سے صرف نظر نہیں کیا، ہمیشہ پوری کدوکاوش کے ساتھ تمام تر اسلامی علوم وفنون کی حفاظت وصیانت کا پورا سامان مہیا فرماتے رہے۔

صاحبِ تذکرہ کی جانب جب نگاہ اٹھتی ہے تو ہر طرف قلم وقرطاس کے نظارے نگاہوں کو نضارت بخشتے ہیں، آپ کے آغاز تصنیف اور قلمی کاموں کی ابتداء پر جب نظر پڑتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ جوہر عنفوانِ حیات ہی سے جلوہ گر تھے۔ بزمانہ تدریس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڈھ لکھنے اور رسائل میں چھپنے لگے تھے، سب سے پہلا مضمون اپنے استاذ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب مئوی پر ''ہفت روزہ اعظمی ٹائمس اعظم گڈھ'' میں چھپا، اس کے بعد مضامین کا سلسلہ ماہنامہ ''البلاغ

ممبئی'' وغیرہ میں نظر آتا ہے۔ باقاعدہ کتابی شکل میں تصنیفی سلسلہ مدرسہ اصغریہ دیوبند میں تدریس کے زمانے سے شروع ہوا۔

۱ علم قراءت اور قراء سبعہ: ۱۳۹۸ھ

میں آپ کی باقاعدہ پہلی کتاب ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' ہے۔ اس اولین کتاب کی شکل کس طرح بنی اس سلسلے میں آپ کی ڈائری میں درج ذیل الفاظ ہیں:

''مدرسہ اصغریہ کے طلبہ تجوید وقراءت کی معلومات کے لیے اولاً قراء سبعہ کے تعارف میں ایک چاٹ تیار کرنے کا خیال آیا، اور اختصار کے ساتھ الگ الگ گتوں پر ایک ایک صفحہ لگا کر درسگاہ میں آویزاں کر دیا گیا''۔

لیکن پانچویں امام قرات حضرت امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ پر مضمون کا سلسلہ ذرا تفصیلی ہوگیا یہ رسالہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں چھپ گیا، اسی کے ساتھ سرزمین کوفہ کی علمی اہمیت کے پیش نظر ایک مضمون بہ عنوان ''مرکز علم کوفہ کا علمی امتیاز'' رسالہ مذکور میں جگہ پا گیا، پھر اس کی پسندیدگی کے خطوط بھی آنے لگے، بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اول وآخر متعلقہ ضروری مضامین شامل کر کے ایک کتاب تیار کر دی جائے، چناں چہ ایسا ہی کر دینے کی ایک کوشش بنام ''علم قراءت اور قراء سبعہ'' ہے۔

اس کتاب میں قراء اور علماء کی اہم تقریظات اور گراں قدر آراء نظر آتی ہیں، جن میں فخر القراء حضرت المقری محب الدین الہ آبادیؒ کی تقریظ میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں:

''میں نے اس کتاب میں جو کچھ دیکھا اس سے میری خوشی کی انتہا نہیں''

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

''یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی یہ سعی کامیاب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کتاب نہایت لطیف، مفید اور جامع مطالب ہے۔ ان شاء اللہ دار العلوم کے حسنات میں اضافہ کا موجب ہوگی''

اس کتاب میں عمدۃ القراء جناب مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ کا بیش بہا مقدمہ ہے، کتاب کی اہمیت اور زینت کو بڑھاتا نظر آتا ہے، حضرت قاری صاحب موصوف مقدمہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

''کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بیان مسائل میں نہ ایجاز ہے نہ اطناب وتطویل بلکہ میانہ روی کو اختیار کیا گیا ہے، اور زبان سادہ اور سلیس ہے، اس فن کی علمی تاریخ بھی اس کتاب میں بیان کی گئی ہے جو بہت کارآمد اور نافع ہے''۔

اس میں خطیب شہیر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کی تقریظ کے درج ذیل الفاظ کے گل بوٹوں کی خوشبوئیں مشام جان کو معطر کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں:

''ضرورت تھی کہ ان مسائل اور معارف کو خوبی ودلکشی، جاذبیت وشگفتگی کے ساتھ کوئی تازہ وارد قلم یکجا کرے۔ مجھے نہ صرف مسرت ہے بلکہ فخر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے اس ضرورت کی تکمیل فرما کر دارالعلوم کی حسین تاریخ میں ایک پرشکوہ اضافہ کیا ہے، اور یہ اضافہ بجائے خود اس قدر خوشگوار اور مثالی ہے کہ ان شاء اللہ دارالعلوم کی رفیع المرتبت تاریخ سرمایۂ نازش باور کرے گی۔

خاکسار نے جستہ جستہ مباحث کا مطالعہ کیا، تحریر کی شگفتگی، مباحث کا اختصار، عنوانات کا تنوع وتعدد، عصری تقاضوں کے مطابق ذیلی نوٹس سرمہ بصر بلکہ در نجف ہیں، اور محسوس ہوتا ہے کہ نوجوان قلم نے ان تمام توقعات کو پورا کیا ہے جو ایک مثالی ولولہ سے وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ ان شاء اللہ یہ تالیف فن قراءت میں شاداب وسدابہار چمن کی طرح دعوت نظارہ دیتی رہے گی''۔

حضرت شاہ صاحب آخر میں کتاب کی مقبولیت کے لیے دعائیہ کلمات میں فرماتے ہیں:

''خدائے تعالیٰ اس تالیف کو اس قبولیت سے سرفراز فرمائے جو خود مصنف کی آرزوؤں سے بہت زیادہ ہو''۔

ماشاء اللہ اس اولیں کتاب کو اللہ رب العزت نے بہت مقبولیت عطا فرمائی، یوم تالیف سے اب تک اس کے متعدد ایڈیشن ہندو پاک سے طبع ہو چکے ہیں۔

اس کتاب میں علم قراءت اور حدیث ''نزول قرآن علی سبعۃ احرف'' سے متعلق مباحث کا بیان ہے، پھر قرآن اور قراءت کے خدام کا ذکر ہے اس سلسلے میں ائمہ سبعہ اور ان کے مشہور رواۃ کا تذکرہ خصوصیت اور قدرے تفصیل کے ساتھ ہے، اس کے بعد اصول وقواعد کا بیان ہے جو مشہور اور کثیر الدَّور ہیں۔ آخر میں فن قراءت پر تصانیف کا صدی وار علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ قواعد التجوید: ۱۳۹۹ھ صاحب تذکرہ کا جب مدرسہ اصغریہ میں تقرر ہوا اور آپ نے وہاں اپنے تجربات کی روشنی میں مخصوص انداز میں کام کا آغاز کیا تو طلبہ کے لیے حفظ قواعد کے لیے ایک بڑا چارٹ تیار کیا، جس میں تجوید سال اول کے طلبہ کی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے ایک خاص ترتیب کے ساتھ مضامین اکٹھا کیا، طلبہ روزانہ اگلے روز کے سبق کے لیے اس سے اخذ کر کے تیاری کرتے، مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب دامت برکاتہم کو اس جامع اور خوبصورت چارٹ اور نقشہ کا علم ہوا تو آپ نے اسے کتابی شکل میں شائع فرمانے کا ارادہ فرمایا، اس طرح یہ مفید ترین اور جامع مضامین تجوید پر مشتمل رسالہ ابتداءً مدرسہ ہذا کے شعبۂ تصنیفات علمیہ سے طبع ہوتا رہا۔ بعد میں جب اس کی مقبولیت اور طلب میں روز افزوں اضافہ ہوا تو مصنف نے خود اپنے مکتبہ ''صوت القرآن'' سے شائع کیا۔

اس رسالہ کی خصوصیت اور اس کے ذریعہ مصنف کی خصوصیت خاصہ یہ نظر آئی کہ اب تک ہندوستان و پاکستان میں جتنے رسائل اس موضوع پر مطبوع ہوئے، سب

میں تجوید کے مسائل کہیں اختصار کہیں تفصیل کے ساتھ ہوتے لیکن اس کتاب میں ایک ایسی جدت اور جامعیت نظر آئی جس سے عموماً رسائل تجوید خالی تھے۔ (سوائے استاذ الاساتذہ کی عجیب وغریب کتاب ''خلاصۃ التجوید'' کے)

ایک اہم مسئلہ اور سنت جو عام طور پر متروک چلی آرہی تھی وہ سورۂ والضحیٰ سے سورہ ناس تک تکبیر کی سنت تھی، اسی طرح ختم قرآن کا مسنون طریقہ جسے ''اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ'' کہتے ہیں، اس کے ذکر وبیان سے رسائل خالی تھے، صاحب تذکرہ نے اپنے استاذ الاساتذہ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے یہ دونوں عنوان خاص طور پر بڑھائے، جس میں لکھا کہ تکبیر کسے کہتے ہیں، اس کا شان نزول کیا ہے، اس کے الفاظ کیا ہیں، اس کی حیثیت کیا ہے، اس کے پڑھنے کے طریقے کیا ہیں۔

اللہ رب العزت نے اس رسالہ کو عظیم مقبولیت سے نوازا، اس وقت جب کہ یہ سطریں قلم بند کی جارہی ہیں اس کتاب کے بیس سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں، ایک ایک ایڈیشن ۲-۲ ہزار سے زائد کی تعداد میں اور ایک ہزار سے کم کا تو کوئی ایڈیشن نہیں۔

نیز اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی مثلاً عربی ایڈیشن ابوظہبی سے، مدراسی، بنگالی، انگریزی افریقہ سے اور مالدیپی ایڈیشن مالدیپ سے طبع ہونے کی اطلاعات ہیں۔

اس کتاب کے بعد اس علم سے تعلق رکھنے والوں نے بہت سے رسائل لکھے مگر مضامین کے اچھوتے انداز اور لفظ لفظ میں اہم تجویدی نکتے اور سہل وآسان طرز کے اعتبار سے کوئی بھی اس جیسا نہیں۔ بلاشبہ ''ذلك فضل الله يوتيه من يشاء''۔

﴿۳﴾ النفحة العنبرية شرح المقدمة الجزرية: ۱۴۰۰ھ

۱۴۰۰ھ میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن طبع ہوا، یہ سال اجلاس صد سالہ کا تھا، اس موقع پر اس کتاب کا خوب اشتہار ہوا، اس کا اثر یہ ہوا کہ باوجود ضخیم ہونے کے بہت جلد دوسرے ایڈیشن کی طباعت عمل میں آگئی، تین سو چھتیس صفحات پر مشتمل اس

کتاب کا یہ ساتواں رواں ایڈیشن ہے۔

تجوید پر یہ مختصر منظومہ ''المقدمة الجزرية'' کے ساتھ محقق العلامہ ابن الجزریؒ کا دلکش نام لگا ہوا ہے جس نے ان کی ہر کتاب کی طرح اس کو بھی عظیم اور مقبول بنا دیا، تجوید وقرأت کے تمام ہی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اس منظومہ کے شارح، کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''اسی (تشریحی کام کے) دوران میں، وقت کے کامل الفن المقری محمد کامل صاحب شیخ القراء جامعہ قاسمیہ مرادآباد اور فخر القراء الشیخ المقری ابن ضیاء محب الدین احمد صاحب الہ آبادی (رحمہما اللہ) کے پاس حاضری ہوئی اور اس کام کا ذکر آیا، ہر دو حضرات نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ ضخامت اور صفحات کی زیادتی کی پرواہ کیے بغیر اس بات کا لحاظ رکھو گے کہ یہ محض ''مقدمہ'' کی شرح بن کر نہ رہ جائے، کوشش کرو گے کہ پورا فن تجوید اس کے اندر آجائے''۔

اس اہم ترین شرح کے ابتدائی صفحات پر بہ عنوان تقریظات جن نامی گرامی اہل علم اور ماہرین علم قراءت نے اپنے خیالات کے گل بوٹے کھلائے ہیں، مناسب ہے کہ چند کلمات درج کر دیے جائیں، اس سے اس شرح کی اہمیت کا اندازہ ہو جائیگا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند رقمطراز ہیں:

''اس قصیدہ پر شرح و بیان کا کام یوں تو ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے اور اپنے ملک میں بھی اس کی شرحیں لکھی گئیں لیکن جس طرح کے کام کی ضرورت تھی ویسا نہیں ہوا تھا، محترم قاری ابوالحسن صاحب اعظمی اہل علم کی جانب سے شکریہ اور ستائش کے مستحق ہیں کہ آپ نے وقت کی ایک بڑی ضرورت کی طرف توجہ دے کر ایک بڑی کمی کو پورا کیا''۔

حضرت ابن ضیاء الشیخ محب الدین احمد صاحب ارقام فرماتے ہیں:

''میں نے اس شرح جزریہ کے بعض خصوصی مقام کو دیکھا، دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی، مولانا ابوالحسن صاحب اعظمی نے اس خدمت کو انجام دے کر کار نمایاں انجام دیا ہے اور میری ایک دیرینہ تمنا کی تکمیل کی ہے''۔

المقری مولانا قاری محمد کامل صاحب فرماتے ہیں:

''پیش نظر کتاب ''النفحة العنبرية'' کو میں نے مختلف جگہوں سے دیکھا، کتاب حسن ترتیب اور اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے انفرادی خوبیوں کی حامل ہے، مسائل کے حل کا جو ڈھنگ اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل اچھوتا ہے، معانی، حقائق اور مطالب کے جو گل بوٹے اس کتاب میں نظر آرہے ہیں وہ مؤلف موصوف کی ذہانت، عرق ریزی اور جانفشانی کی واضح دلیل ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آج تک ایسی مفصل اور جامع کتاب فن تجوید میں نظر سے نہیں گذری''۔

المقری الشیخ عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ سابق شیخ القراء دارالعلوم دیوبند ارشاد فرماتے ہیں:

''اس اردو شرح سے پہلے اردو زبان میں شرحیں لکھی گئیں مگر اس کا رنگ ان سے مختلف ہے اور ان شاء اللہ مفید بھی ہے، تاریخ فن کے ساتھ، متن کتاب، کی تشریحات بھی نہایت مستند انداز میں کی گئیں ہیں اور شرح کو اپنے مشتملات کے اعتبار سے ایسا کر دیا کہ ان شاء اللہ مطالعہ کرنے والا مطمئن ہوگا، جناب قاری ابوالحسن اعظمی صاحب اپنی اس مبارک سعی میں تعریف اور دعا کے مستحق ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان سے مزید خدمت قرآن لے اور قبولیت سے نوازے''۔

مولانا المقری رضوان نسیم صاحب مدظلہ شیخ القراء مظاہر علوم سہارن پور لکھتے ہیں:

''پیش نظر کتاب ''النفحة العنبرية'' بھی اس (مقدمہ) کی بہترین شرح، صرف شرح ہی نہیں بلکہ فن کے متعلق بہت سی وہ ضروری باتیں بھی اس میں

آ گئی ہیں جن سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بہت سی کتابیں کھنگالنے کی ضرورت ہوتی تھی، بڑی عق ریزی اور محنت کر کے یہ کتاب لکھی ہے"۔

مولانا المقری احمد ضیاءؒ ازہری لکھتے ہیں:

"مقدمۃ الجزریۃ" جیسی مہتم بالشان کتاب ہے آج تک اس کی ایسی مفصل اور معول شرح ہندوستان میں نہیں لکھی گئی، اس میں شرح کے ضمن میں بے شمار کار آمد باتیں جمع کی گئی ہیں، کتاب کا مقدمہ بیش قیمت مضامین پر مشتمل ہے، جس کے لیے مصنف علام قابل مبارک باد ہیں"۔

حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ صدر المدرسین دار العلوم ارقام فرماتے ہیں:

"زیر نظر شرح اس قصیدہ کی مفصل اور عمدہ شرح ہے، جو بڑی محنت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے، مصنف کا ذوق وانہماک اس فن میں معلوم ومتعارف ہے، مستحق مبارک باد ہیں کہ اس طلب اور کمی کو پورا کر دیا"۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

"قاری صاحب اس سے پہلے بھی قراءت وتجوید پر دو کتابوں "علم قراءت اور قراء سبعہ" اور "قواعد التجوید" میں اپنی گہری نظر کا مظاہرہ کر چکے ہیں ان کا تیسرا کارنامہ علامہ جزری کے اس طویل فنی قصیدہ پر شرح وتشریح کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ خاکسار نے اس تشریحی رسالہ کو پڑھا تو سرمۂ نظر افروز وجلوۂ صد رنگ کا اس میں انداز کھلتا ہوا پایا"۔

حضرت مولانا سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنے شایان شان اجر وثواب عطا فرمائے ہمارے دوست جناب قاری ابو الحسن اعظمی کو انھوں نے واقعی محنت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے"۔

میں عرصہ سے قاری صاحب سے گذارش کرتا تھا کہ وہ مقدمہ جزریہ کی شرح لکھ دیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس فن میں اچھا درک عطا فرمایا ہے،

اور کئی ایک کتابیں ان کے قلم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں، آج مجھے بے حد مسرت ہے کہ قاری صاحب موصوف نے میری یہ دیرینہ آرزو پوری فرمائی، اور اب ان شاءاللہ مقدمہ جزریہ کی ایک ایسی سہل، جامع اور دلچسپ شرح طلبہ کرام کے ہاتھوں میں ہوگی کہ وہ بھی ان شاءاللہ دعائیں دیں گے"۔

صاحبِ تذکرہ نے اِس اہم اور گراں قدر شرح جزری میں جن اہم مأخذ اور مراجع سے اخذ واستفادہ کرتے ہوئے جو کچھ درج کیا ہے وہ **"النشر للمحقق ابن الجزری"** **"المنح الفکریہ"** **"شرح المقدمۃ"** اور **"نہایۃالقول المفید"** بطورِ خاص ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ان کتابوں کے صرف حوالے اور ان کے ترجمے پر اکتفانہ کرتے ہوئے معتد بہ مقدار میں ان مراجع کے اصل الفاظ بھی پیش کر دیئے گئے ہیں تا کہ شائقین اور قدر دان فن کے لیے یہ پیش نظر شرح ان اہم کتب کی کسی حد تک جھلک پیش کر سکے اس سے ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ یہ کتاب اب خود ایک اہم مرجع اور معتبر ماخذ بن گئی، چناں چہ بہت سے لوگوں کی متعدد کتابوں میں اس کتاب کے مباحث اور اس کے اندر پیش کردہ عبارات کا حوالہ نظر آتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ اور کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ کتاب "النفحۃ العنبریۃ" اسم بامسمّی بن کر علمی خوشبوؤں سے قدر دان علم تجوید کے مشام جان کو معطر کرنے کا سامان ہوگئی۔

﴿۴﴾ النفحات القاسمیۃ: ۱۴۰۱ھ

النفحات القاسمیہ شرح القصیدة الشاطبیہ.

چھٹی صدی ہجری اندلس کے لیے باعث صد افتخار ہے، یوں تو اندلس اپنے دامن میں ایک سے بڑھ کر ایک عباقرۂ وقت کو سمیٹے ہوئے ہے اس کے چمن زاروں میں ایک سے ایک گلہائے رنگارنگ اپنی خوشبوؤں سے ایک عالم کو بھر دیا ہے، مگر اس صدی میں اندلس کے مقام شاطبہ میں ایک نابینا بچہ پیدا ہوا، تھا تو وہ خود نابینا مگر دنیا کو اپنے مبصرانہ علوم ومعارف سے گرانبار کر دیا۔ وہ تھا محمد ابوالقاسم ابن فیرُّہ الشاطبی

الاندلسی۔(ولادت:۵۳۸ھ وفات۵۹۰ھ)

علامہ شاطبیؒ صاحبِ تذکرہ کے لیے ابتداء ہی سے نہایت پر کشش رہے، علامہ کی سوانح جو صاحبِ تذکرہ کے قلم سے بعنوان ”غنیۃ الطالبی فی تذکرۃ الامام الشاطبی“ نکل چکی ہے (جس کا تذکرہ حسبِ ترتیب اپنے مقام پر آئے گا) اس کی سطر سطر سے والہانہ پن اور شیفتگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ کا عدیم النظیر کارنامہ علم القراءت میں وہ بے مثال قصیدہ ہے جو شاطبیہ لامیہ کے نام سے معروف ومشہور ہے، صاحبِ تذکرہ اس قصیدہ کی تعلیم کے زمانہ ہی سے اس کی گوناگوں خصوصیات کے باعث متوجہ رہے، مدرسہ اصغریہ میں تدریس کے زمانہ میں اس قصیدہ کی شرح وبیان کی تقریب کس طرح ہوئی، العنایات کے طبع ششم کے دیباچہ میں مصنف کے الفاظ ملاحظہ کریں:

> ”۱۳۹۹ھ میں فخر القراء الشیخ ابن ضیاء محب الدین احمد صاحب الہ آبادیؒ نے راقم الحروف سے ایک گفتگو کے دوران میں بڑی حسرت سے فرمایا: ”قصیدہ شاطبیہ“ کی کوئی مناسب اردو شرح اپنے ملک میں نظر نہیں آتی ہے جس سے طلباء کو بڑی دقتیں پیش آتی ہیں میں ضعف وپیرانہ سالی سے معذور ہورہا ہوں، اگر بالاختصار صرف حلِ اشعار اور بیان مسائل کی حد تک یہ کام آپ کردیتے تو بڑا کام ہوجاتا“۔

حضرت کے یہ جملے دل کو لگ گئے اور اس کا عزم کرلیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی پہلی طباعت ۱۴۰۱ھ میں ہوئی، اس وقت اس کتاب کا چھٹا عکسی ایڈیشن سامنے ہے، اس کے اندر کہنا چاہیے کہ شاطبیہ کی عظیم الشان اور بے نظیر شرح عنایات رحمانی (۳رجلدوں میں) کا جوہری خلاصہ آگیا ہے۔

یہ وہی شرح شاطبیہ ہے جس کے بارے میں حضرت ابن ضیاء محب الدین احمد صاحبؒ نے صاحبِ تذکرہ سے درج ذیل جملے فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں، صاحبِ

تذکرہ اپنی اہم اور نفیس ترین کتاب ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات'' میں حضرت الہ آبادیؒ کے ذیل میں یوں بیان فرمارہے ہیں:

''جب اللمحات القاسمیہ شرح الشاطبیہ'' چھپی اور اسے سب سے پہلے، لکھنؤ جاکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو اس وقت حضرت لیٹے ہوئے تھے، متعدد تکلیفوں سے دوچار تھے کتاب کو بڑی محبت سے ہاتھوں میں لیا، اپنے سینے اور آنکھ سے لگایا اور یہ جملے ارشاد فرمائے:

''قاری صاحب! یہ کام تو میرا تھا، آپ نے میرا کام کیا ہے، میں اس وقت بیان نہیں کرسکتا کہ میرے دل میں آپ کی کتنی محبت ہے، یہ میرا لڑکا احمد ضیاء (مولانا المقری احمد ضیا صاحب ازہری مرحوم) میرے سامنے کھڑا ہے، میں اس وقت بتا نہیں سکتا کہ میرے دل میں اس کی محبت زیادہ ہے یا آپ کی''۔ (ج۲،ص:۲۹۸)

علامہ شاطبیؒ کے قصیدہ لامیہ کی یہ اردو شرح ہندوستان میں تقریباً ایک صدی کی نایابی کے بعد پہلی مطبوعہ شرح ہے، یہ نہیں کہ اس کی شرحیں لکھی نہیں گئیں، لکھی گئیں تو۔ متعدد شرحیں، لیکن طبع ہوکر منظر عام پر نہ آسکیں، شاطبیہ کو حل کرنا اس کی گوناگوں مشکلات اور دشواریوں سے عہدہ برآ ہونا اساتذہ کے لیے حد درجہ دشوار تھا، اس اردو شرح کے طبع ہونے سے بیحد آسانی ہوگئی، اس تناظر میں آپ کا یہ بڑا ہی قابل قدر کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے مزید درمزید نفع رسانیوں کے لیے قبول فرمائے، اور شارح کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین!!

﴿۵﴾ التحفة الجميله شرح قصيدة العقيلة: (رائیہ) ۱۴۰۲ھ

حضرت علامہ شاطبیؒ کے قصائد میں جس طرح شاطبیہ لامیہ شہرۂ آفاق ہے، جس طرح اس کے مضامین علامہ دانیؒ کی التیسیر فی السبعہ سے ماخوذ ہیں، اس نثری کتاب کو نظم کا جامہ پہنایا، اسی طرح علامہ دانیؒ ہی کی رسم الخط میں المقنع کے مضامین کو منظوم فرمایا جس کا پورا نام ''عقيلة اتراب القصائد فى اسنى المقاصد'' ہے۔

مگر العقیلۃ کے مختصر اور حرف ''د'' پر ختم ہونے سے ''رائیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

علماءِ فن نے شاطبیہ لامیہ کی تشریح و بیان کی طرح اس اہم قصیدہ کو سہل و آسان کرنے کی جانب بھی توجہ مبذول کی، اردو میں اس وقت کوئی شرح دستیاب نہ ہونے کے باعث اس قصیدہ کو حل کرنے اور اسے سمجھنے و سمجھانے میں جو دقتیں پیش آتی تھیں اسے اس فن سے تعلق رکھنے والے ہی سمجھ سکتے تھے۔ ضرورت تھی کہ کوئی سہل و مختصر شرح اس کی لکھ کر طبع کرائی جائے، چنانچہ اسی ضرورت کے تحت صاحبِ تذکرہ نے اپنے قیام مراد آباد کے زمانے میں طلبہ کو اس کی تعلیم کے دوران قلم بند کرنا بھی شروع کر دیا تھا اور پھر اگلے سال ۱۴۰۲ھ کے آخر اور ۱۴۰۳ھ کے آغاز میں جب آپ دار العلوم دیو بند آگئے تھے، اسے طبع کرایا۔

اس مختصر شرح کو جب آپ نے حضرت مولانا المقری امیر علی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں مدرسہ حیات العلوم مراد آباد روانہ فرمایا تو حضرت قاری صاحب مرحوم نے آپ کو اس کی رسید کی اطلاع دیتے ہوئے ذیل کی تحریر ارسال فرمائی:

> ''التحفة الجميله شرح عقيله'' کا تحفۂ علمی موصول ہوا، اور مفید ہے، ایسے دور میں جب کہ طلبہ غیر مستعد اور بدشوق ہوں، مدارس میں اس فن سے بے توجہی ہو، آپ نے اس طرف توجہ فرما کر اپنی تصنیفات کے ذریعہ عوام اور خواص سب کے لیے ایک مواد تیار فرما دیا، حق تعالیٰ شانہ آپ کی اس سعی کو قبول فرمائے اور نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنائے۔ آمین!!''

﴿۶﴾ التبشیر شرح التیسیر: ۱۴۰۳ھ

''التیسیر'' قراءاتِ سبعہ میں وہ مقبول ترین اور بابرکت کتاب ہے جسے علامہ دانیؒ (م:۴۴۴ھ) نے تصنیف فرمائی، التیسیر کے علاوہ بھی قراءتِ سبعہ پر اہم کتابیں تصنیف ہوئیں جیسے ''الهادی فی السبعة'' از: ابو عبداللہ محمد بن سفیان المقرئ وانی (م:۴۱۵ھ) ''المجتبیٰ فی السبعة'' از: ابن عمر طرسوی

(م:۴۳۰ھ) ''التبصرہ'' از: مکی بن ابی طالب (م:۴۳۷ھ) ''الهدایة فی السبعة'' اور التیسیر ثانی' از: ابوالعباس احمد بن عمار مہدوی (م:۴۳۰ھ)

مگر ''ذٰلک فضل الله یؤتیه من یشاء'' یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا، اسی صدی اور دور کی شخصیت دانیؒ کی ہے، آپ کی کتاب مذکور کو اللہ رب العزت نے جو مقبولیت عطا فرمائی وہ اور کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔

اس کتاب کو مزید سہل اور آسان بنانے کے لیے اُصول تک (حسب ضرورت) اس کی شرح بنام ''التبشیر'' صاحب تذکرہ کا ایک زمانہ دراز کے بعد کام بجائے خود بڑا قابل قدر ہے، مگر اسی کے ساتھ خود اصل کتاب کی طباعت کا سامان قدر دانِ علم وفن پر زبردست احسان ہے، اس کتابت کی اہمیت اور ضرورت، پھر اسی کے ساتھ ایک طویل زمانہ سے اس کی نایابی کہ اس کا پڑھنا اور پڑھانا متروک ہو جائے، اس تناظر میں جب اس کی طباعت کو دیکھا جائے گا تو صحیح قدر دانی ہو سکے گی مناسب ہے کہ یہاں اس کتاب کے تازہ جدید ایڈیشن کے پیش لفظ سے اقتباس درج کر دیا جائے، اس سے اس کتاب کی ضرورت اور طباعت پر خاصی روشنی پڑے گی۔

شارح لکھتے ہیں:

> ''دنیائے قراءت کا ہر فرد علامہ ابوالقاسم الشاطبی الاندلسیؒ (م:۵۹۰ھ) کے نام اور کام سے بخوبی واقف ہے، آپ کے شہرۂ آفاق قصیدہ شاطبیہ لامیہ کی عربی اور اردو شروحات اور حواشی کی تعداد سو سے متجاوز ہے،... مگر... یہ کیسی عجیب بات ہے کہ فنِ قراءت میں جو کتاب اصل الاصول کا درجہ رکھتی ہے، جسے خود علامہ شاطبیؒ نے اپنے اس قصیدہ کے لیے اصل واساس ٹھہرایا یعنی.... زیر نظر کتاب ''التیسیر للدانی'' خود ہی نایاب ہے''۔

ہندوستان میں غالباً پہلی بار حیدر آباد دکن سے ۱۳۱۶ھ میں طبع ہوئی، دوسری بار مجتبائی پریس میں چھپی، جس کے خال خال نسخے قدیم کتب خانے میں نظر آتے

ہیں، افسوس کی بات ہے کہ جو کتاب مدار قراءت ہو، نایابی کے باعث اس کا پڑھنا پڑھانا متروک ہو جائے۔ (از: دیباچہ طبع اول)

"راقم الحروف کا جب دارالعلوم دیوبند (ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ میں تقرر ہوا تو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ اس مرکزی ادارہ کے شعبۂ قراءت میں قصیدہ شاطبیہ تو داخل نصاب ہے مگر التیسیر نہیں، جب کہ سابق تمام اساتذہ قراءت کی سندوں میں یہ کتاب نظر آتی ہے"۔

علامہ شاطبیؒ نے "التیسیر لِلدّانیؒ" پر اعتماد کر کے بعض اہم ضروری اور بنیادی مباحث چھوڑ دیے ہیں، اس لیے قصیدہ شاطبیہ سے پہلے اس کتاب کی خواندگی دیگر متعدد خصوصیات کے باعث ضروری ہے۔

درجۂ قراءت کے مطبوعہ نصاب پر نظر ڈالنے کے بعد متعدد کمیاں نظر آئیں جو اس مرکزی ادارہ کے بہر حال شایان شان نہیں تھیں، اس لیے اولاً نصاب پر توجہ دی گئی اور ضروری کتابیں جو مفید تھیں ان پر مشتمل غور وفکر اور تعلیمی کمیٹی کے مقرر کردہ حضرات اراکین کے مشورہ اور تائید کے بعد ایک جدید نصاب منظور کرایا۔

اس کے بعد التیسیر کی طباعت کا مرحلہ پیش آیا، ایک طویل مدت کی نایابی کے باعث اس کے مطبوعہ نسخوں کی زیارت مشکل ہو رہی تھی۔ راقم نے اپنے قلمی نسخے پر اعتماد کر کے جہاں کہیں مرور ایام اور نقل در نقل کے باعث عبارت کچھ سے کچھ ہو گئی تھی، اہل علم سے تحقیق کے بعد اس کی طباعت ۱۴۰۳ھ میں تقریباً تہتر سال کے بعد پہلی بار دیوبند سے لیتھو پر کرایا اس کے بعد متعدد ایڈیشن نکلے۔

اس کے بعد ۱۴۲۳ھ میں پانچ جدید وقدیم مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھ کر کمپیوٹر کی صاف ستھری کتابت کے ساتھ نہایت اہتمام کے ساتھ جدید ایڈیشن مطبوع ہوا اور یہ انشاء اللہ اب تک کے تمام نسخوں کے مقابلہ میں صحیح تر ایڈیشن ہوگا"۔

﴿۷﴾ الفوائد الدریہ ترجمہ المقدمۃ الجزریہ: ۱۴۰۴ھ

محقق ابن الجزری کا مشہور قصیدہ فی التجوید، مقدمۃ الجزریہ کا صرف ترجمہ، اس قصیدہ کی مفصل شرح کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے، اس کا صرف ترجمہ کر کے شائع کرنے کی جانب استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے متوجہ فرمایا، یہ ترجمہ ماشاء اللہ خوب مقبول ہوا، متعدد ایڈیشن شائع ہو کر مقبول ہوئے۔

﴿۸﴾ اتحاف البررة بالمتون العشرة : ۱۴۰۴ھ

یہ کتاب اگر چہ آپ کی تصنیف نہیں ہے مگر اس کی تصحیح کے مرحلے سے گذر کر ایک طویل عرصہ کی نایابی کے بعد ایشیا میں پہلی بار شائع کرنے کا سہرا آپ کو حاصل ہے، اب تک متعدد بار طبع ہو چکی ہے آپ کے ذریعہ ان گراں قدر دس متون کی حصول یابی آسان ہو گئی، یہ معمولی احسان نہیں، بلاشبہ آپ علم وفن سے دلچسپی رکھنے والوں کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔ فجزاك الله تعالیٰ احسن الجزاء.

﴿۹﴾ تسهيل البيان فی رسم خط القرآن: ۱۴۰۵ھ

رسم خط عثمانی پر جناب المقری نذر محمد صاحب امیٰ امروہوی کا رسالہ، مصحفِ عثمانی کی رسم وکتابت پر یہ ایک نایاب رسالہ تھا، اس میں اغلاط بہت تھیں، صاحب تذکرہ نے اس پر بڑی توجہ سے تصحیحی نظر ڈالی، ابتداء میں ایک مقدمہ کے ساتھ مصنف کے مختصر حالات شامل کر کے اسے شائع کیا۔

﴿۱۰﴾ تیسیر القراءت فی السبع المتواترات: ۱۴۰۶ھ

حضرت مولانا تھانویؒ نے قراءت سبعہ کے اجراء کی سہولت وآسانی کے لیے ایک مختصر کتاب تنشیط الطبع فی اجراء السبع تصنیف فرمائی تھی، جس میں حضرت نے رواۃ سبعہ کے مشہور اصول وقواعد درج فرماتے ہوئے پاؤ پارے کا جمع

عطفی میں اجراء فرمایا تھا، جو حضرت کا نادر کارنامہ تھا، اگر یہ اجراء اس انداز پر نہ کردیا گیا ہوتا تو کیا کچھ دقتیں پیش آتیں ظاہر ہے، حضرت کے زمانے میں صلاحیتیں مضبوط تھیں، بلاشبہ اتنا اجراء کافی وافی تھا، ارباب فن اسی سے کام چلاتے رہے۔

صاحب تذکرہ جب دارالعلوم دیوبند آئے اور شعبہ قراءت میں ذمہ دارانہ خدمات میسر ہوئیں تو طلبہ کی روز افزوں کمزور ہوتی ہوئی صلاحیتوں پر غور کرتے رہے۔ ۱۴۰۵ھ میں آپ نے ایک پاؤ اجراء جمع عطفی پر اکتفانہ کرتے ہوئے اس سال نصف پارہ اجراء کرایا اور اسے قلم بند کرادیا، قلم بند ہوجانے سے آسانی ہوئی تو اس نصف پارے کے ساتھ قراءت سبعہ کے مکمل اصول وفرش یعنی ہر ہر راوی کے مکمل اصول راویوں کی روایت کے نمونے کے ساتھ، ایک گراں قدر مقدمہ منسلک کیا جس میں ائمہ قراءت ان کے رُوات کے مختصر حالات، اس علم کی اصطلاحات کا بیان ہے۔

یہ کتاب ۱۴۰۶ھ سے مقبولیت کے ساتھ طبع ہوتی رہی، مگر اسی کے ساتھ قدر دان فن کی جانب سے دعاؤں کے ساتھ مزید اضافہ کی خواہش وفرمائش ہوتی رہی۔

ہر ایڈیشن پر قراء، اساتذہ اور طلبہ قراءت کی جانب سے ایک پارہ، جزء الم تک اجراء کی فرمائش ہوتی رہی، مگر اشتغال کی کثرت نے ادھر توجہ دینے کی فرصت نہ دی۔

جب اس کتاب کی طبع ششم کا وقت آیا تو بالآخر وقت نکال کر نصف پارہ سے بڑھا کر الم کو مکمل کردیا، الگ الگ روایتوں میں اصول وقواعد پر اگرچہ اور حضرات نے کام کیا ہے، خاص طور پر شیخ القراء جناب مولانا المقری رحیم بخش (م۱۴۰۲ھ) کا کام بیش قیمت ہے، مگر یہ کتاب متعلقات کی جامعیت کے اعتبار سے ایک بالکل منفرد کتاب بن گئی ہے۔

۱۱ قراءات عشرہ کا حامل قرآن کریم: (بطریق شاطبیہ والدرۃ) ۱۴۰۶ھ

صاحب تذکرہ نے اس قرآن کریم کے آغاز میں جو پیش لفظ تحریر فرمایا ہے،

مناسب ہے کہ اسے یہاں نقل کردیا جائے، آپ لکھتے ہیں:

''ایسے زمانہ میں جب کہ ایک روایت مشہور ہو گئی ہو اور دیگر قراءت وروایات متروک ہو رہی ہوں، تو بایں صورت پڑھنا، پڑھانا، لکھنا اور شائع کرنا نہایت ضروری ہے، چناں چہ اپنے دور کے اصحاب فن نے ہمیشہ اس اہم ضرورت کا احساس کیا ہے۔

آج سے ترانوے سال قبل (اور اب ۱۱۲ سال قبل) ۱۳۱۳ھ میں حضرت قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتیؒ (م۱۳۱۴ھ) کے فرزند قاری عبدالعلیم صاحب کے زیرِ اہتمام مطبع فیض عام سے ایک قرآن کریم شائع ہوا جس کے حاشیہ پر قراءت سبعہ درج ہے اسی طرح اکہتر سال قبل (اور اب نوے سال قبل) ۱۳۳۵ھ میں المقری عنایت اللہ اعظمی (م۱۳۶۵ھ) نے قراء سبعہ کے اختلاف پر مشتمل قرآن کریم کے حواشی تحریر فرمائے، یہ نسخہ ساڈھورہ ضلع انبالہ سے ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ میں باہتمام قاری محمود الحسن طبع ہوا، بین السطور میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ترجمہ ہے، اس قرآن کریم کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ اس نسخہ کے ساتھ قراءت سبعہ کے اصولی اختلافات سے متعلق رسالہ بھی منسلک تھا، جس پر حضرت عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کی تقریظ درج تھی، مگر غالباً بعد کے ناشرین قرآن نے اس رسالہ کو حذف کردیا، کیوں کہ جو نسخہ راقم کے پاس ہے، اس میں وہ مذکورہ رسالہ اور تقریظ نہیں ہے۔

اب اس قسم کے قرآن کریم (مطبوعہ) بالکل نایاب ہیں ضرورت تھی کہ کوئی صاحب فن اس جانب توجہ کرتا اور نہ صرف قراءت سبعہ بلکہ قراءت عشرہ متواترہ کے اصولی اور فروعی اختلافات کے ساتھ قرآن کریم کی طباعت کا انتظام ہوتا''۔

ہائے افسوس! آج مدارس عربیہ کے پاس علوم وفنون وہ خواہ عالیہ ہوں یا آلیہ، سب

کے لیے روپیوں کی کمی نہیں ہے، دن رات علوم کی تجدید وتشریح پر غور وفکر ہوتا ہے، روپے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں، مگر نہیں توجہ دیتے تو افضل العلوم اور اقدم العلوم علم تجوید وقراءت کی جانب جس کا تعلق براہ راست الفاظ ومعانی قرآن سے ہے، نہیں روپے ہیں تو اس اہم علم کے لیے، ذرا ایک نظر ڈال لی جائے، اس علم کے خدام کی طرف کہ اگر کسی عربی مدرسہ میں کوئی استاذ تجوید وقراءت ہے بھی تو اسے کس طبقہ، گریڈ اور اسکیل میں رکھا جاتا ہے، اسے کیا تنخواہ دی جاتی ہے۔ انھیں مجرمانہ بے اعتنائیوں کے نتیجے میں آج تعلم وتعلیم کے لیے اساتذہ اور طلبہ کمیاب ہوتے جا رہے ہیں۔

دور کیوں جائیں، خود صاحب سوانح اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"١٤٣٢ھ میں جب مدرسہ فلاح دارین ترکیسر حاضر ہوئی۔ قراءت سبعہ، قراءت ثلثہ، قراءت عشرہ کے مجموعی طلبہ جن کے ختم کی تقریب سبعہ میں شرکت ہوئی، جہاں ایک طرف اس علم کی خدمت اور اس میں اساتذہ اور طلبہ کے انہماک اور محنت وتوجہ سے چونسٹھ طلبہ کی تعداد سامنے آنے سے قلبی مسرت حاصل ہوئی، وہیں خود دار العلوم دیوبند جوام المدارس کہلاتا ہے، ہر ہر جماعت میں طلبہ کی ایک کثیر جماعت ہوتی ہے، ایک ایک جماعت کی متعدد ترتیبیں ہوتی ہیں مگر قراءت سبعہ وعشرہ میں تعداد کیا ہے، سبعہ میں کل داخلہ دس، عشرہ میں کسی سال ایک، اور کسی سال میں ایک بھی نہیں، اس پر کیا تبصرہ کیا جائے، اس صورت حال پر بے حد غم بھی ہوا، ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے"۔

مذکورہ بالا اندوہناک صورت حال میں کہاں سے ایسا صاحب فن ہمت کر کے ایسے قرآن کریم کی طباعت کے لیے سامنے آتا۔

بالآخر اس دور میں بھی یہ سعادت آپ کے نصیب میں آئی۔

بلاشبہ

ایں سعادت بزور بازو نیست ❁ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

آگے آپ لکھتے ہیں:

''عرصہ سے راقم منتظر رہا مگر صدائے برنخواست، بالآخر احباب کے مشورہ کے بعد اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود، اس کام کو جمادی (۱) ۱۴۰۶ھ میں بنام خدا اسی کی مدد سے شروع کیا اور تعلیمی و تدریسی مشغولیات کے ساتھ اس میں لگا رہا، بحمد اللہ تعالیٰ دو ماہ کے عرصہ میں پورا ہو گیا''۔

قراءات عشرہ کے حامل اس قرآن کریم کے آغاز میں صفحہ ۶، سے صفحہ پچیس تک ایک گراں قدر مقدمہ ہے جس کے تحت درج ذیل عنوانات نظر آتے ہیں:

کتب سماوی اور قرآن ـــــ تاریخ نزولِ قرآن ـــــ حفاظت قرآن ـــــ عہد بہ عہد ـــــ علم تجوید اور اس کی تاریخی حیثیت ـــــ اس عنوان کے ذیل میں:

تجوید کی تعریف ـــــ حروف اصلیہ و عربیہ کے مخارج، ان کی صفات لازمہ و عارضہ ـــــ اور وقوف کے ضروری قواعد کا بیان ـــــ

علم قراءت اور اس کے مبادی ـــــ اس عنوان کے تحت، علم قراءت کی تعریف، موضوع، غرض و غایت وغیرہ کا بیان، قراءۃ عشرہ اور ان کے رواۃ و طرق کا بیان، اہم اور ضروری اصطلاحات ـــــ اجراء اور اس کی قسمیں اور ـــــ نزول قرآن علی سبعۃ احرف پر کلام ـــــ چند اصطلاحات جن کا استعمال فروعی اختلاف میں ہوا ہے ـــــ رموز جو اس فن میں مستعمل ہوتے ہیں۔

مقدمہ کے بعد مستقل طور پر قراءت عشرہ بطریق شاطبیہ والدرہ کے مکمل اصول وقواعد بیان کیے ہیں۔ اور ۱۴۱۸ھ کے ایڈیشن میں اختلاف تعداد آیات قرآنی سے متعلق ایک رسالہ ''نثر المرجان فی تعداد آیات القرآن'' بھی مطبوع ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قرآن کریم کے ساتھ شروع میں ایک ایسا رسالہ منسلک ہے جسے ہاتھ میں لینے کے بعد علم تجوید، علم وقوف، علم تعداد آیات قرآنی، اور علم قراءت عشرہ

کے ضروری مسائل سے متعلق معلومات کے لیے کسی بھی کتاب کی حاجت نہ رہے گی۔

اس کے بعد قرآن کریم شروع کرتے وقت ہر صفحہ کے حاشیہ پر اس صفحہ کے فروعی مسائل وفرشی اختلافات کا بیان ہے، ساتھ ہی ہر صفحہ کے کلمات ممال اور مدغم مذکور ہوئے ہیں۔

سورۂ بقرہ تک کلمات ممال کا تفصیلی بیان ہے، اس کے بعد اجمالی کیوں کہ پھر تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی، اسی طرح کلمات مدغم میں ادغام صغیر کا ذکر تفصیلی ہے، اور چوں کہ یہ مشہور ہے کہ حسب اختیار شاطبیؒ، صاحب ادغام کبیر سوسیؒ ہی ہیں، اس لیے صرف ادغام کبیر کے کلمات ذکر کردیے گئے ہیں، اس فن سے اشتغال رکھنے والوں کے لیے یہ بدیہی چیز ہے۔

قراءت عشرہ کا حامل قرآن کریم ـــــ بلاشبہ یہ آپ کا مجددانہ کارنامہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید محمد صدیق صاحب باندویؒ نے مکہ معظمہ میں جوار حرم میں اپنی قیام گاہ پر اپنے ایک خاص مرید سے فرمایا تھا۔

''یہ شخص علم قراءت کا مجدد ہے''۔

حضرت باندوی کا یہ ارشاد خالی از مبالغہ ہے ؎

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

اس عظیم کارنامہ کو دیکھ کر بعد میں اسی کی نقل اتاری گئی اور ممالک عرب میں بعض قرآن کریم ۱۴۱۲ھ میں اور اس کے بعد بالکل اسی طرح کے مطبوع ہوئے۔

﴿۱۲﴾ دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید وقراءات: ۱۴۰۶ھ

اس کتاب میں درج ذیل عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے:

(۱) دارالعلوم کی مختلف النوع خدمت (۲) شعبۂ تجوید وقراءت (۳) دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ (۴) اس فن کی علمی اور تصنیفی خدمات (۵) دور ماضی کے

اساتذۂ تجوید وقراءت-(٦) موجودہ اساتذۂ تجوید وقراءت-اس عنوان کے تحت دار العلوم کے (اس رسالہ کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کے وقت) موجودہ اساتذہ تجوید وقراءت کا تعارف ہے۔

مصنف پیش لفظ کے تیسرے عنوان کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''دار العلوم دیوبند: جہاں حدیث، تفسیر، فقہ وفتاوی، عربی زبان، طب وحکمت، منطق وفلسفہ، تالیف وتصنیف، ترجمہ وتشریح، دعوت وتبلیغ، سلوک ومعرفت، اصلاح وتزکیہ اور مناظرے ومباحثے کے میدانوں میں محیر العقول کارنے انجام دیے۔ مثالی افراد تیار کیے۔ اقدم العلوم تجوید وقراءت جیسے اہم لطیف اور عظیم الشان علم پر خصوصی توجہ دی، اس مقدس علم کو برصغیر کی تاریخ میں پہلی بار اور کہیں زیادہ بارآور بنانے کے لیے، مربوط، منظم، اور مرتب انداز اختیار کیا، باصلاحیت، مخلص اور ماہر اساتذۂ فن کی خدمات حاصل کیں اور ایسے رجال تیار کیے جن کے دم سے آج بزم تجوید وقراءت کی رونق قائم ہے''۔

''زیر نظر رسالہ میں دار العلوم دیوبند کے اس شعبۂ تجوید وقراءت کی تاریخ، پس منظر اور خدمات وکارناموں پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے''۔

دالعلوم کے موٴقر استاذ حدیث حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ العالی اس رسالہ پر اپنی گراں قدر تقریظ میں یوں رقم طراز ہیں:

''فرزندان دار العلوم نے مختلف علوم وفنون سے متعلق جو لاکھوں سے متجاوز کتابیں اسلامی کتب خانہ کو دی ہیں، اگر ان کی صرف فہرست تیار کی جائے، تو وہ خود ایک ضخیم تالیف سے کم نہ ہوگی، اس مختصر تحریر میں جناب مولانا قاری ابوالحسن اعظمی صاحب صدر شعبہ تجوید وقراءت دار العلوم دیوبند نے فرزندان دار العلوم کے ان کارناموں میں صرف فن تجوید وقراءت کے سلسلے میں ایک مختصر اور جامع تعارف قلم بند فرمایا ہے، اس کے لیے ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا

جائے کم ہے، جب کہ اس فن کی تدریسی اور تصنیفی خدمت کے سلسلے میں تاریخ خودمولانا قاری ابوالحسن اعظمی کا نام بھی جلی حروف میں لکھ رہی ہے، کہ موصوف کی قلمی خدمت کا محور یہی فن ہے اور وہ اب تک اس موضوع پر پچاس سے زائد کتابیں اسلامی کتب خانوں کو مرحمت فرما چکے ہیں، اور اس فن کی قدر وقیمت جاننے والوں نے موصوف کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ"۔

صاحب سوانح تجوید وقراءت کے علاوہ سیرت وسوانح اور فقہ وغیرہ پر بھی اردو میں تقریباً اٹھارہ کتابیں لکھیں ہیں تعارف حسب ترتیب اپنے موقع پر آئے گا۔

﴿۱۳﴾ الفوائد البهية شرح الدُّرَّة المضية: ۱۴۰۷ھ

محقق ابن الجزریؒ کو شعر وشاعری سے فطری ذوق تھا، اس ملکہ سے آپ نے قرآن وحدیث کی بڑی خدمات انجام دیں، نثری محققانہ کتب کی طرح منظوم کتابیں اور علمی وفنی متعدد قصائد بھی آپ کی یادگار ہیں جن میں تجوید وقراءت کے اصول وضوابط منضبط کیے، ان قصائد میں آپ کا قصیدہ "الدُّرَّةُ الْمُضِيَّةُ" کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ جن کے اشعار کی تعداد دوسو چالیس ہے۔ یہ قصیدہ بھی اپنی خصوصیات کے باعث اہل فن کی توجہات کا مرکز رہا ہے، اس کی شرحیں لکھی گئیں اردو زبان میں کسی شرح کی اطلاع ہندوستان میں نہیں تھی، اس کی بڑی شدید ضرورت تھی۔

آپ کے شاگرد رشید مولانا قاری محمد ابراہیم صاحب رنگونی جنھیں بطور خاص حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت سبعہ وعشرہ پڑھنے کے لیے یہاں بھیجا تھا، انھوں نے خاص طور پر اس کی مختصر تشریح کی فرمائش کی، موصوف کی خواہش وفرمائش پر آپ نے اس کی تشریح کا کام کیا۔

﴿۱۴﴾ خلاصة الترتيل: ۱۴۰۸ھ

علم تجوید کی اہمیت اور ضرورت مسلمات دین میں سے ہے، حروف

قرآنیہ کا صحیح تلفظ اور ادائیگی کَمَا اُنْزِلَ اسی علم پر موقوف ہے۔

حد سے بڑھی ہوئی مصروفیت کا یہ دور، اپنے موضوع پر ایک ایسے مختصر اور جامع مطالب رسالہ کا مقتضی ہے جو کم سے کم وقت میں سہل الحصول ہو۔ یہ رسالہ ''خلاصۃ الترتیل'' اسی تقاضے کی تکمیل کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔

صرف چار صفحات میں مخارج وصفات لازمہ وعارضہ، چار صفحات میں وقوف اور اس کے متعلقات، ایک صفحہ میں متفرقات، ایک صفحہ میں ''قرآن عزیز کے متعلق مفید اعداد و شمار''، ڈیڑھ صفحہ میں ''ہدایات برائے درجہ حفظ، اور نصف صفحہ میں ''ائمہ قراءت عشرہ متواترہ اور ان کے رواۃ کا بیان ہے۔ کل سولہ صفحات میں ترتیل کا خلاصہ اور عطر آ گیا ہے۔

﴿۱۵﴾ روح القراءت: ۱۴۰۹ھ

اردو زبان میں قراءت کے اصول پر نہایت مفید کتاب ہے، اس کتاب کے یاد کر لینے کے بعد قراءت کی متداول کتاب التیسیر للدانی اور شاطبیہ کی تعلیم نہایت آسان ہو جاتی ہے۔ آپ کی اس موضوع پر مکمل اور جامع کتاب ''تیسیر القراء ت فی السبع المتواترات'' مطبوع ہے، روح القراءت اور تیسیر القراءت سے اردو داں حضرات کے لیے قراءت سبعہ کی تعلیم آسان ہوگئی ہے۔

﴿۱۶﴾ ایضاح العشر فی حل طیبۃ النشر للجزریؒ: ۱۴۱۰ھ

علامہ شمس الدین ابوالخیر محمد بن الجزری، الامام فی القراءۃ المحقق (م۸۳۳) کی عبقری شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی تمام تصانیف میں ''النشر فی القراء ت العشر'' معروف بہ ''نشر کبیر'' کی زبردست اہمیت ہے، اس کتاب میں آپ نے کمال ہی کر دیا ہے، مسائل مختلفہ میں ایسی تحقیق اور چھان بین کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نثر کی طرح نظم میں بھی یدطولیٰ عطا فرمایا تھا، دونوں پر قدرت یکساں تھی، آپ نے اپنے اس ملکہ سے بڑی عظیم خدمات انجام دیں، جب ''نشر کبیر'' کے اندر پھیلے ہوئے محققانہ مسائل قراءت کو نظم کے قالب میں ڈھالنا چاہا اور اس ضخیم کتاب کی تلخیص اور اس کے اصل مقصد یعنی قراءت عشرہ اور اس کے مسائل کا عطر نکالنے پر آئے تو مصنف کی مہارت اور غیر معمولی کمال دیکھئے کہ صرف ایک ہزار (اور پندرہ) اشعار میں منظوم فرمادیا، اسی موقع کے لیے جگر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

داستان شوق جب پھیلی تو لامحدود تھی ❁ اور جب سمٹی تو تیرا نام بن کر رہ گئی

جیسا کہ معلوم ہے کہ نثر کے مقابلہ میں نظم مشکل ہوتی ہے، نظم میں ردیف اور قافیہ کی پابندی کے باعث محذوفات اور کنایات واشارات سے کام لینا ناگزیر ہوتا ہے پھر یہ کہ اس قصیدہ میں جابجا مختلف قسم کے رموز کا استعمال بھی ہوا ہے جس سے نظم ایک چیستاں بن گئی ہے، اس لیے اسے سہل وآسان کرنے کے لیے اس کی شرحیں لکھی گئیں۔

صاحب سوانح کے پاس محققؒ کا یہ اہم قصیدہ عرصہ سے زیر درس رہا، بڑوں اور بزرگوں کے حکم پر اس کی مختصر تشریح کا ارادہ کرلیا اور تقریباً ایک سال میں اس کی تشریح وتسہیل کا کام پورا ہوا۔

اس شرح میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا، مگر جہاں ضرورت سمجھی گئی تفصیل بھی کی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں اس علم سے متعلق ایک مفید مقدمہ بھی ہے جس سے تمام ضروری امور پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۷ حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ۱۴۱۰ھ

ٹائٹل اور سرورق پر جو تحریر دعوت نظارہ دیتی ہوئی نگاہ کو یہیں روک لیتی ہے وہ ہے ــــ ''اخلاص کے استحضار ــــ زندگی میں صالح انقلاب ــــ اور ــــ تقریر میں دلچسپی کے لیے حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات''۔

اس کے بعد ورق الٹنے کے بعد آنکھوں کو نور کا سامان ملتا ہے، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ کے تخریج کردہ لوح تاریخ کے جملوں سے، یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ کتاب کے لیے تاریخ کی تخریج ۱۴۰۹ھ کے حساب سے ہے، کتاب آخری شکل میں مطبوع ہوئی ۱۴۱۰ھ میں۔

ذیل کے تاریخی الفاظ اسی روشنی میں دیکھے جائیں:

لَوحِ مَوْسُوْم بتَاریخ

۱۴۰۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الغَنِی الحَسِیب الرحمٰنِ الرَّحِیم.

۱۹۸۹ء

نَحْمَدُ الْملك المحصی الحکیم ونُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِه الکَرِیْم

۱۴۰۹ھ

ہادی ہند حضرت تھانویؒ کے: پسندیدہ واقعات خاصہ

۱۹۸۹ء ۱۴۰۹ھ

تذکرۃ العفاف لاولی الابصار. الایا ایها الساقی لاولی الابصار تذکرۃ

۱۹۸۹ء ۱۹۸۹ء

مرتب گنج نایاب ابوالحسن الاعظمی

۱۴۰۹ء

قطعہ تاریخ اجود

۱۴۰۹ھ

حکایات قصص ہیں یادگار اسلاف کی اپنے ❁ عزیز اخلاف جن کو زندہ و پائندہ کرتے ہیں
حکایات گذشتہ نے مسائل حل کیے کتنے ❁ بہت سی منزل گم گشتہ کو یابندہ کرتے ہیں
مضامین خشک کو دل چسپ یہ قصے بناتے ہیں ❁ بہت سی گتھیاں اُلجھی ہوئی رخشندہ کرتے ہیں
کیا ہے جمع قاری بوالحسن نے واقعات خوب ❁ نصیحت، موعظت، حکمت کو جو تابندہ کرتے ہیں

عیاں سال طباعت شعر زریں سے جمال افروز ❁ سنہ ہجری کو بھی اصحاب معنی زندہ کرتے ہیں

1989ء : 1409ھ

اس کتاب کے تعارف کے طور پر حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی کے تقریظی کلمات درج کیے جانے زیادہ مناسب ہیں، تقریظ کے تیسرے صفحہ پر یہ پیراگراف نظر آتا ہے:

''اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے بیان کی جو قوت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (م ۱۳۶۲ھ) کو عطا فرمائی تھی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، آپ کے سیکڑوں مواعظ آج مطبوعہ شکل میں موجود ہیں،...... جن لوگوں کو ان وعظوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ بتاتے ہیں کہ مجمع ہمہ تن گوش رہتا تھا، کسی کو ذرا اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی، اس میں حضرت قدس سرہ کی شخصیت کا بھی اثر تھا مگر زیادہ دلچسپی لوگوں کو انداز بیان کی وجہ سے ہوتی تھی، آپ دقیق سے دقیق مضامین تمثیلات، قصص و حکایات اور چیدہ اشعار و امثال کے ذریعہ سمجھاتے تھے اس لیے لوگ خوب محظوظ ہوتے تھے، اور دامن مراد بھر کر لوٹتے تھے، الغرض حضرت قدس سرہ کے مواعظ میں حکایات برائے حکایات اور برائے درازنفسی نہیں ہوتی تھیں بلکہ وہ ایک انوکھا انداز خطابت تھا جو لوگوں کے لیے نہایت مرغوب تھا۔

میری عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی جواں ہمت بیڑہ اٹھاتا اور حضرت تھانویؒ قدس سرہ کے مواعظ کے ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی حکایات کو جمع کرتا تاکہ دیندار لوگوں کے لیے اور پند و موعظت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے وہ حکایتیں خوان یغما ثابت ہوتیں اور مقررین ان سے استفادہ کرتے۔

مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ میرے دوست مکرم و محترم جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی زیدمجدہم استاذ شعبہ قراءت دارالعلوم دیوبند نے ہمت کی اور

میری دیرینہ آرزو پوری کی، انھوں نے حضرت تھانوی کے مواعظ کا وسیع مطالعہ کیا اور ان میں سے عام دلچسپی کی حکایات کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

قاری صاحب موصوف نے ہر حکایت پر ایک نہایت دلچسپ عنوان بھی قائم کیا ہے جس سے اس حکایت سے حاصل ہونے والا سبق بھی بیک نظر سامنے آ جاتا ہے''۔

اس میں شک نہیں کہ موضوع کو سامعین کے ذہن نشین کرانے میں واقعات وحکایات کو ایک خاص اور اہم مقام حاصل ہے، چناں چہ قرآن کریم میں پھیلے ہوئے واقعات وقصص اور بکھری ہوئی حکایات وتمثیلات سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، ارشاد باری ہے: "وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَاۤءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ. (ھود آیت/ ۱۲۰) ترجمہ: اور پیغمبروں کے قصوں میں ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں (ایک فائدہ بیان قصص کا یہ ہوا) اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست (اور قطعی ہے) اور مسلمانوں کے لیے (برے کاموں سے روکنے کے لیے) نصیحت ہے (اور اچھے کام کرنے کے لیے) یاددہانی ہے (یہ دوسرا فائدہ بیان قصص کا ہوا، ایک فائدہ نبی کے لیے اور دوسرا فائدہ امتی کے) (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔

بہر حال وعظ وتقریر میں واقعات اور قصص اور حکایات وتمثیلات کی جو اہمیت اور افادیت ہے وہ واعظین ومقررین پر واضح ہے، مجمع کو جمائے رکھنے، دلچسپی اور دلبستگی پیدا کرنے اور اپنی بات حاضرین اور سامعین کے ذہنوں میں بٹھانے اور اپنی تقریر کو مقبول عام بنانے کے لیے واقعات وقصص کا باموقع استعمال بھی بہترین نسخہ ہے۔

مرتب کتاب نے یہ عمدہ نسخہ پیش کر کے اس طبقہ کی جانب سے لائق صد شکریہ کارنامہ

انجام دیا ہے، اور سب سے پہلا واقعہ بہ عنوان ـــــ "جَزَاکَ اللّٰہ کہ چشم بازی کردی! کے ذریعہ بیان کرکے پوری کتاب کو چشم کشا بنادیا ہے۔

۱۸ اِظْھَارُ النِّعَمْ ترجمہ اختصار القول علیٰ کَلَّا وبَلٰی وَنعَمْ ۱۴۱۲ھ

علم وقف کسی طرح تجوید سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے، اسی بناء پر ائمہ متأخرین نے یہ شرط لگادی ہے کہ وقوف وابتداء میں معرفت ومہارت حاصل کیے بغیر کسی کو معلم بننے کی اجازت نہ دی جائے۔

غیرعربی داں، مواقع وقف، ابتداء اور اعادہ سے ناواقفیت کے باعث، وقف ابتداء یا اعادہ ایسے بے موقع اور بے محل کرتے ہیں کہ واقف کار حضرات کو سخت تکدر ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں بعض کلمات ایسے ہیں کہ اگر کسی جگہ ان پر وقف حسن ہے تو اسی کلمہ پر بعض جگہ وقف مکروہ بھی ہے، یہی حال ابتداء اور اعادہ کا بھی ہے، انھیں کلمات میں ''کَلَّا'' ـــــ ''بَلٰی'' ـــــ اور ''نَعَمْ''بھی ہیں۔

ان پر وقف وابتداء سے متعلق تقریباً ایک ہزار سال پہلے علامہ ابومحمد مکی ابن ابی طالب القیسی دانی الاندلسی (م ۴۳۷ھ) نے ایک مستقل تصنیف فرمائی ہے جس کا نام تھا "شرح علیٰ، کَلَّا وبلیٰ و نَعَمْ".

موصوف نے پھر خود ہی اس کتاب کی تلخیص کی۔ جو موسوم ہے "اختصار القول فی الوقف علیٰ ''کَلَّا'' و ''بَلٰی'' و ''نَعَمْ'' کے ساتھ۔

یہ کتاب عربی زبان میں تھی اس لیے اردو میں منتقل کیا جانا نہایت ضروری تھا، اسی اہم کام کو صاحب سوانح نے "اظہار النعم" الخ کے نام سے انجام دیا ہے۔

۱۹ اجازۃ القرآن الکریم: ۱۴۱۲ھ

علم تجوید وقراءت علوم نقلیہ میں سے ایک علم ہے، اس کی تعلیم وتعلم کے لیے مہبط وحی وسرچشمۂ علوم، پیغمبر علیہ السلام کی ذات اقدس کے ساتھ استناد ضروری ہے، جس علم نقلی کی سند آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ ہوا اس کا دین میں

کوئی اعتبار نہیں، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے "لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء".

اسی اہمیت کے پیش نظر اہتمام کے ساتھ اسے بیش از بیش مفید بنا کر طبع کرایا گیا ہے، جس میں روایۃً ودرایۃً مفصل اور مکمل سلسلہ اسناد پیغمبر علیہ السلام تک پہنچایا گیا ہے۔ ساتھ ہی ''احباب اور مقرئین کی خدمت میں ضروری گذارشات'' کے عنوان سے اہم وصیت بھی ہے۔ اس کے بعد ''متعلّم اور معلم کے آداب'' پر ایک مضمون ہے۔ آخر میں صاحب سوانح سے متعلق ایک مضمون ''ایک مثالی شخصیت'' ایک مختصر سوانحی خاکہ زیب کتاب ہے۔

۲۰ جواہر القراءات: ۱۴۱۳ھ | قراءات عشرہ بطریق شاطبیہ ودرہ کے مکمل اصول، مع یاءات اضافت ویاءات زوائد۔

۲۱ قرآنی املاء اور رسم الخط: ۱۴۱۳ھ | ۱۷؍ مارچ ۱۹۹۰ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں نظامت سنی دینیات کے زیر اہتمام دو روزہ کل ہند قراءت قرآن کانفرنس کا انعقاد ہوا، جس میں تھائی لینڈ، ملیشیا، افغانستان، اور اپنے ملک کے قراء اور اسلامی علوم کے ماہرین نے شرکت کی، اس کانفرنس کے لیے قراءت کے جن اہم موضوعات پر مقالات لکھوائے گئے ان میں ایک موضوع ''قرآنی املا اور رسم الخط'' بھی تھا۔ یہ موضوع صاحب سوانح سے متعلق کیا گیا یہ اہم موضوع ابتداءً متعدد حضرات کے حوالہ کیا گیا، مگر سب نے معذرت کی، صاحب سوانح کے ذمہ بھی دوسرا ہی موضوع دیا گیا، مگر بدلتا رہا، اور پھر آخر میں حکم ہوا کہ اسی مذکورہ موضوع پر قلم اٹھایئے۔

آپ نے اسے لکھا اور خوب لکھا، جب بعد میں لوگوں کی فرمائش پر یہ طبع کیا جانے لگا، تو اس پر حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے اپنی تقریظ میں فرمایا:

’’جناب مولانا قاری ابو الحسن صاحب زید مجدہم استاذ دارالعلوم دیوبند کو پرودگار عالم نے قرآن کریم کی خدمت کے لیے کیا کیا توفیق عطا فرمائی ہے، فن تجوید (وقراءت) کی تعلیم تو ان کا شب وروز کا مشغلہ ہے اور اس کے ساتھ قلم کی ذریعہ انھوں نے اس فن کی اتنی خدمت کی ہے کہ اپنے تمام معاصرین میں ان کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔

اس وقت احقر کے سامنے موصوف کا وہ رسالہ ہے جو مسلم یونیورسیٹی میں منعقد کی گئی ’’کل ہند قراءت قرآن کانفرنس‘‘ کے موقع پر ایک مقالہ کی صورت میں تحریر کیا گیا تھا، جس کا عنوان تھا ’’قرآنی املاء اور رسم الخط‘‘۔

موضوع چوں کہ قرآن کریم کے متعلق تھا اس لیے موصوف محترم نے خوب خوب داد تحقیق دی ہے۔ فن کتابت کی تاریخ، خطوط کے اقسام، ان اقسام کے موجدین، کتابت قرآن کے ادوار، قرآن کریم کے توقیفی ہونے پر اجماع اور اس کے فوائد، مصاحف عثمانی کی تعداد اور ان میں سے محفوظ نسخوں کی موجودہ نوعیت، قرآن کریم کے مختلف کلمات کے رسم الخط کی وضاحت، قرآن کریم کی تعریب وتنقیط کی تاریخ اور دوسرے کتنے ہی عنوانات پر مقالہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم سے متعلق اس موضوع پر اردو میں بہت کم تحریریں مرتب ہوئی ہیں، اس لیے امید ہے کہ قاری صاحب کی یہ کاوش اہل علم سے خراج تحسین وصول کرے گی انشاءاللہ‘‘۔

٢٢ التصمیم الجدید فی علم التجوید (نقشہ تجوید): ١٤١٣ھ

میں جب صاحب سوانح کا ١٤١٢ھ میں سفر حج وزیارت ہوا تو وہاں مدینہ طیبہ کے مشہور مکتبہ ’’مکتبۃ الایمان‘‘ میں ایک مدور تجویدی نقشہ آپ کو ایک عمدہ موٹے کاغذ پر رنگین طباعت کا نظر آیا۔ لیکن وہ مکمل نہیں تھا، آپ اسے یہاں

لائے اور اسے اس طرح مکمل کیا، کہ صفات عارضہ کے نقشہ کو باقی رکھتے ہوئے اسے اردو میں لکھوایا۔ ساتھ ہی اوپر نیچے جگہ نکال کر اوپری حصہ میں مخارج اور صفات لازمہ اور نیچے کے حصہ میں وقوف کے متعلقات کو فٹ کیا اور اسی کے ساتھ حلق اور زبان اور دانتوں سے متعلق حروف کے مخارج کا نقشہ دیا۔ اوپر آیت کریمہ ''وَرَتِّلِ الْقُرآنَ تَرْتِيلاً'' (مزمل) کو جگہ دی۔ اس طرح یہ نقشہ کے لفظ ترتیل کے مطابق بالکل مکمل ہو گیا۔

﴿۲۳﴾ جمعہ وعیدین کے فضائل ومسائل مع خطبات: ۱۴۱۳ھ

صاحب سوانح کا ابتداء سے یہ معمول رہا ہے کہ آپ اپنے سے متعلق طلبہ کو جمعہ اور عیدین کے خطبے بھی یاد کراتے ہیں، چناں چہ اسی ضرورت کے مطابق متعدد خطبات بھی درج کیے، ایک خطبہ علم سے متعلق اور ایک خطبہ علم تجوید کی اہمیت اور ضرورت سے متعلق، اور ایک ایک خطبہ عیدین سے متعلق، نیز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کا مشہور خطبہ اس کتاب کی زینت ہے، یہ کتاب بھی آپ کی بہت مقبول ہوئی۔

﴿۲۴﴾ ارکان اسلام: ۱۴۱۳ھ

شعبان ۱۴۱۱ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں تعلیمات کی رپورٹ کے ضمن میں ایک تجویز منظور کی گئی وہ یہ ہے کہ:

''حفص اردو میں دینیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے، تاکہ طلبہ امامت وغیرہ کے ضروری مسائل سے واقف ہو سکیں''۔

اس تجویز کے تحت ۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ میں حسب فرمان ناظم تعلیمات راقم الحروف کی دعوت پر، زیر سرپرستی حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ غور وفکر کے لیے شعبۂ تجوید کے اساتذہ کی ایک مجلس منعقد کی گئی، مجلس میں درجۂ اردو حفص

کے دوسالہ نصاب میں دینیات کی تعلیم کے لیے درج ذیل امور طے پائے۔

"(۱) درجہ حفص اردو کے طلبہ کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے دو حصوں میں تقریباً چالیس چالیس صفحات پر مشتمل ضروری مسائل مرتب کئے جائیں"

مسائل درجِ ذیل عنوانات پر مشتمل ہوں۔

(۱) طہارت کے مسائل اس کے تحت ذیلی عنوانات پانی، وضو، غسل، تیمم، موزوں پر مسح، جبیرہ پر مسح، معذور کے احکام۔

(۲) نماز کے مسائل اس کے تحت اوقات نماز، شرائط، ارکان، واجبات، سنن، مستحبات، جمعہ وعیدین، تراویح کے مسائل، جنازہ کے احکام۔

(۴) مساجد کے احکام۔

(۵) زکوٰۃ کے مسائل (۶) روزے کے احکام (۷) حج کے اہم مسائل۔

(۸) نکاح کے بنیادی مسائل، خطبۂ نکاح، نکاح پڑھانے کا طریقہ

(۹) طلاق کے بنیادی مسائل، عدت کے احکام۔

(۱۰) جائز اور ناجائز کا بیان، (۱۱) عقائد کا بیان، ایمان اور کفر کی باتیں، (۱۲) بدعات کا بیان (۱۳) رسوم کا بیان۔

کتاب کی ترتیب کے لیے مجلس میں حضرت مولانا پالنپوری کا نام طے کیا گیا، لیکن موصوف نے اپنی اہم اور گوناگوں مصروفیات کے باعث صاحب سوانح کو مامور فرمایا۔

مولانا کے حکم کے مطابق رسالہ تیار کیا گیا ـــــ جس میں طرز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر عنوان سے متعلق آیات قرآنی، اور احادیث نبوی مع متن وترجمہ اور عنوان کی اہمیت اور فضیلت کا بھی مختصر انداز میں بیان، اس کے بعد متعلقہ مسائل کا بیان ہے۔

حصہ اول میں طہارت سے ـــــ مساجد کے احکام تک ـــــ اور حصہ دوم میں زکوٰۃ سے رسوم تک۔

اٹھارہ آیات قرآنی اور باسٹھ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حوالے کے ساتھ

درج کی گئی ہیں۔

مضامین کتاب سے متعلق فضائل ومسائل پر مذکورہ احادیث یاد کرادی جائیں تو حفظ حدیث کی فضیلت اور ثواب نور علی نور ہوگا۔

کتاب کا طرز ایک جامع طرز قرار دیا گیا، اور بہت سارے مدارس نے اسے طبع کرانے اور اپنے مدارس میں داخل نصاب کرنے کی خواہش وفرمائش کی۔

دارالعلوم دیوبند میں تو یہ کتاب ''ایک مخصوص طبیعت ومزاج'' .....کے باعث داخل نصاب نہ ہوسکی۔ لیکن ماشاءاللہ باہر یہ کتاب توقع سے زیادہ پسند کی گئی۔ متعدد مدارس میں داخل نصاب ہے۔

﴿۲۵﴾ سوانح امام ابوعبید القاسم ابن سلامؒ: ۱۴۱۳ھ

امام ابوعبید القاسم ابن سلامؒ ان افراد امت میں سے ہیں جن پر امت مسلمہ کے خواص ناز کرتے ہیں۔ بقول ابراہیم ابن اسحٰق الحربی البغدادی:

''تین حضرات ایسے ہیں جن کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی، عورتیں ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں ان میں سے میں نے ابوعبید القاسم بن سلام کو دیکھا۔ میرے پاس ان کے لیے اس کے سوا کوئی مثال نہیں کہ وہ ایک پہاڑ تھے جس میں روح پھونک دی گئی ہو''۔ (تاریخ بغداد جلد: ۱۲، ص: ۴۱۴)

یہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے قراءت پر سب سے پہلے (بقول محقق ابن الجزریؒ) کتاب ''کتاب القراءت'' لکھی، بہرحال ضرورت تھی کہ اردو زبان میں بھی آپ کی سوانح لکھی جاتی۔

صاحب سوانح نے آپ کی سوانح لکھ کر بلاشبہ ایک قرض اتارا جو کم از کم اردو دنیا کے قراء پر چلا آرہا تھا مختصر ہوتے ہوئے بڑی البیلی کتاب ہے۔

﴿۲۶﴾ رسم المصحف اور اس کے مصادر: ۱۴۱۴ھ

قرآنیت کے ارکان ثلاثہ میں سے ایک رکن ''رسم خط عثمانی کی موافقت'' بھی ہے، اس لیے مصاحف کی رسم کا عنوان بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ہندوستان میں ابتک کوئی ایسی کتاب یا ایسا مضمون کم از کم اردو زبان میں نہیں لکھا گیا، جس میں اکٹھے اتنے ماخذ کا تعارف یا ان کی نشاندہی کی گئی ہو۔

صاحب سوانح نے اولا بشکل مضمون رسالہ دارالعلوم دیوبند میں شائع کرایا، مضمون پڑھ کر قدر دان فن اور تحقیقی ذوق ومزاج رکھنے والے اربابِ علم کی جانب سے حوصلہ افزا خطوط موصول ہوئے ساتھ ہی اس کے کتابی صورت میں طباعت کی فرمائش بھی ہوئی چنانچہ یہ رسالہ شائع ہوا اور اللہ تعالی نے اسے بھی بڑی مقبولیت بخشی۔

﴿۲۷﴾ نفحة الريحان في بيان قوله تعالى آٰلْـٰٔنَ: ۱۴۱۴ھ

قرآن کریم کا لفظ آٰلْـٰٔنَ (سورۂ یونس ع:۵، ع:۹) اپنے اندر بڑی پیچیدہ اور مشکل ترین بحثیں رکھتا ہے۔ حضرت امام نافع مدنیؒ (م:۱۶۹ھ) کے دوسری راوی حضرت ورشؒ (م:۱۹۷ھ) کی روایت (بطریق ازرق) میں اس کلمہ کی وجوہ ومسائل میں اغلاق واشکال اور دِقت وپیچیدگی کے باعث ہر زمانہ میں علماءِ فن نے اس کی تسہیل وتشریح کی جانب خصوصی توجہ فرمائی ہے۔

ورشؒ کے لیے لفظ آٰلْـٰٔنَ میں وصلاً ووقفاً پائی جانے والی وجوہ جائزہ کو پڑھنا اور پڑھانا آسان نہیں، عموماً قاری بالا ہی بالا گذر جاتا ہے، اس لفظ کی گوناگوں حالتوں کی وجہ سے اس کی تمام وجوہات ذہن میں ٹھہر نہیں پاتیں، ان کا یاد رکھنا بیحد دشوار ہے، ''اس میں بڑے بڑے علماء ثابت قدم نہ رہے، چہ جائے کہ دوسرے لوگ'' (سید علی نوریؒ)

اس رسالہ میں اولاً۔ تمام ہی قراء کے لیے اس لفظ میں نکلنے والی وجہوں کو

حسب ترتیب رجال نمبر وار نقشوں کے ذریعہ سمجھانے کی سعی کی گئی ہے۔ اس طرح ساری وجہیں سامنے آجاتی ہیں۔

ثانیاً: علامہ شمس الدین التوائیؒ کی نظم "نظم قوله تعالىٰ آلْـٰٔنَ" کا ترجمہ اور تشریح پیش کی گئی ہے۔

ثالثاً: صاحب "البُدُور الزّاهره" کی گیارہ اشعار پر مشتمل نظم مع ترجمہ درج کی گئی ہے۔

رابعاً: علامہ شمس الدین التوائیؒ کے نظم میں وارد کتب اور ان کے مصنفین کا مختصر تذکرہ ہے۔

رسالہ کے آغاز میں مورخ شہیر جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ ہے، موصوف آخر میں فرماتے ہیں:

> ''ان کے سلسلہ زریں کی ایک تازہ کڑی ''نفحة الريحان فى بيان قوله تعالى آلْـٰٔنَ '' ہے، جس میں موصوف نے اس کی قراءت کے تمام مالہ وما علیہ کو نہایت خوبی کے ساتھ جمع کیا ہے''۔

علم قراءت سے جنھیں حقیقی ذوق ومناسبت ہے وہ اس رسالہ کی قدر ومنزلت کو سمجھ سکیں گے، صاحب سوانح نے نقشہ کی زبانی اس لفظ کی قراءت کو بیان کرکے قدر دان فن پر احسان فرمایا ہے۔

﴿۲۸﴾ کاتبین وحی: ۱۴۱۴ھ

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی حفاظت کے سلسلے میں حفظ اور کتابت کے دوہرے وسائل سے کام لیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے قرآن کریم کی کتابت کے سلسلے میں ایک مستقل اور باقاعدہ شعبہ قائم فرمادیا تھا، جس میں جلیل القدر صحابۂ کرام کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے جو ''کاتبانِ وحی'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے اپنے لکھنے والوں کی اعلیٰ خصوصیات کو بھی ظاہر کیا ہے ان کی

صحت کی ضمانت بھی دی ہے، ارشادالٰہی ہے:

بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ، کِرَامٍ بَرَرَۃٍ یعنی جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو مکرم اور نیک ہیں۔ (سورہ عبس)

مصنفین عموماً ۴ سے ۱۲ حضرات تک کے نام گناتے ہیں لیکن تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے ان کاتبین وحی کی پانچوں اقسام کو ملانے سے چھپن صحابہ کرام کے اسماء گرامی نظر آتے ہیں۔

اس اہم ترین کتاب میں مصنف نے تاریخی کتابوں کے حوالوں سے اس تعداد کو اکٹھا کیا ہے، اور ان حضرات صحابہؓ کے مقدس حالات کا ایک حسین وجمیل گلدستہ پیش کیا ہے۔

۲۹ دربار رسالت ﷺ کے مستند قراء: ۱۴۱۴ھ

احادیث اور کتب سیر وتاریخ میں جن گرامی قدر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی بار بار دعوت نظارہ دیتے ہیں، جن حضرات کی خدمات اور شغف واشتغال بالقرآن اور خصوصی تعلق اور مہارت کے سلسلے میں اقوال وارشادات ملتے ہیں وہ مہاجرین وانصار میں سے نو شخصیات ہیں جن سے کتابوں کے اوراق روشن ہیں، شائقین حضرات کی فرمائش پر ان مبارک شخصیات کا تذکرہ الگ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

۳۰ کلمات اذان میں مد کی تحقیق: ۱۴۱۴ھ

شوال ۱۴۱۳ھ میں محی السنۃ حضرت مولانا شاہ سید ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم کی دیوبند تشریف آوری ہوئی ایک جگہ اذان ہو رہی تھی، حضرت مولانا کو وہ اذان مسموع ہوئی تو اس کی جانب توجہ دلائی، اور کلمات اذان میں بے موقع اور بے جا کھینچ تان اور افراط وتفریط کی تحقیق چاہی۔

صاحب سوانح نے حسب الحکم جو تحریر پیش کی اسی کو اس نام سے شائع کیا گیا۔

اس کتاب کے سلسلے میں مولانا ریاست علی صاحب زید مجدہم نے تقریظ لکھی جس کا ایک ٹکڑا درج ذیل ہے:

''کلمات اذان میں مد کا مسئلہ بھی فقہ سے زیادہ تجوید سے متعلق ہے، اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے اکابر میں حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس غلطی کی اصلاح کے لیے بڑی جدوجہد فرمائی ہے اور فرماتے ہیں حضرت مولانا کے موقف کو مدلل طور پر ثابت کرنے کے لیے محترم قاری صاحب زید مجدہم نے قلم اٹھایا ہے اور وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہیں''۔

اس مضمون کی تائید میں آخر میں دارالعلوم کے مفتیان کرام کی تائیدی تحریرات بھی درج ہیں، نیز حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مفتی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ اور حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مفتی مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد کی بھی تائید ہے، کتاب کے بالکل آغاز میں ''متبرک کلمات'' کے عنوان سے حضرت مولانا ہردوئی صاحب دامت برکاتہم کی تحریر گرامی درج ہے:

''مکرمی جناب قاری ابوالحسن صاحب زید لطفہ السامی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اکابر کی تحریرات گرامی کے بعد اس ناکارہ کی تقریظ کی حاجت نہ تھی مگر آپ کی خواہش کی تکمیل کے لیے سطور ذیل مسطور ہیں:

''اذان کے سلسلہ میں مرتب کردہ رسالہ دیکھا۔ ماشاء اللہ خوب تحقیق کی ہے، جزاک اللہ جی خوش ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمادیں اور لوگوں کو نفع اٹھانے کی توفیق بخشیں۔ والسلام''۔

اس رسالہ کو اللہ تعالیٰ نے بیحد مقبولیت بخشی، ہندوستان میں تو اس کے ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے ہی ہیں۔ بنگلہ دیش میں بنگلہ زبان میں، پاکستان میں اردو میں، اور سعودیہ عربیہ میں عربی زبان میں کثیر تعداد میں مطبوع ہوئی۔

﴿۳۱﴾ اذان واقامت کے فضائل ومسائل مع ضمیمہ کلمات

اذان میں مد کی تحقیق: ۱۴۱۴ھ

نماز کے بعد اذان کی بڑی اہمیت ہے، یہ نماز کا دیباچہ ہے، جب تک اذان سے فضائل اور مسائل کی مکمل واقفیت اور علم نہ ہو اس کی حقیقی عظمت کا احساس نہیں ہو سکتا، فقہاء نے امام کی طرح مؤذن کے اوصاف بھی بیان کیے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مؤذن کے لیے بھی عالم اور متقی ہونا بہتر ہے تا کہ اذان سنت کے مطابق صحیح طریقہ پر دی جاسکے۔ اور اس کے صحیح نتائج واثرات مرتب ہوں۔

اس کتاب میں صاحب سوانح نے قدرے اختصار کے ساتھ اذان واقامت کے فضائل ومسائل احادیث کی روشنی میں پیش کیا ہے، ساتھ ہی اہم ترین رسالہ ''کلمات اذان میں مد کی تحقیق'' کو ضمیمہ کے طور پر منسلک کیا گیا ہے یہ رسالہ بھی بہت مقبول ہوا ہے۔

﴿۳۲﴾ قراءات شاذہ: ۱۴۱۵ھ

ہندوستان میں اردو زبان میں قراءات شاذہ پر کوئی کتاب نہیں مطبوع ہے، قراءات صحیحہ پر کتابیں ماشاء اللہ مطبوع ہیں۔ ضرورت تھی کہ شاذ قراءات سے واقفیت باقی رہے، تا کہ تعلیم وتعلم کی حد تک اس کا سلسلہ باقی رہے، چناں چہ صاحب سوانح نے اس جانب بھی رخ کیا۔

اس کتاب میں قراءات کی قسمیں بہ اعتبار سند کے۔ ضابطہ قراءت ائمہ قراءات اور ان کے رواۃ اور طرق کا تذکرہ، ان عنوانات کے بعد اصول اور پھر فروش کا بیان ہے یہ کتاب بھی سابق کتب کی طرح مقبول ہوئی اور اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہوئے۔

{۳۳} نعم الورود فی احکام المدود : ۱۴۱۵ھ

علم تجوید وقراءت میں ''مد وقصر'' کا باب مستقل ایک حیثیت واہمیت کا حامل ہے، پیغمبر علیہ السلام کی جانب سے باقاعدہ اس سلسلے میں ہدایت ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علم تجوید وقراءت پر لکھتے ہوئے تمام ہی مصنفین مستقلاً یہ باب ذکر کرتے ہیں۔ ''مد وقصر'' سے متعلق بعض صورتیں مشکلات اور پیچیدگیاں بھی رکھتی ہیں۔

اس کتاب میں اس عنوان کے تحت ساری ضروری تفصیلات مع مکمل نقشوں کے دی گئی ہیں۔

{۳۴} تحفة الحسنات بمتون القراء ات : ۱۴۱۶ھ

قاری اور مقری کے واسطے پانچ علوم کا جاننا ضروری ہے، علم تجوید، علم وقوف، علم قراءۃ، علم رسم عثانی، اور علم اعداد آیات قرآنی - ان علوم خمسہ پر مشتمل متقدمین اور متاخرین کے سات اہم متون منثور اور منظوم - یعنی (۱) المقدمة الجزریہ (۲) قصیدہ شاطبیہ (۳) العقیلہ (۴) الوجوہ المسفرہ (۵) الدرۃ المضیہ (۶) طیبة النشر (۷) ناظمة الزهر۔ یہ سات کتابیں، اس طرح شائع کی گئی ہیں تاکہ کم سے کم جگہ لیں اور سہل الحصول ہوں مرتب نے بعض کتاب کی مستقل کتابت کرائی، اور بعض کی اس طرح تراش خراش کی کہ مختصر جگہ میں سما سکے۔

{۳۵} دلچسپ وحیرت انگیز : ۱۴۱۶ھ

علامہ دمیریؒ (م ۸۰۸ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب ''حیوۃ الحیوان''

اپنے موضوع پر اسلامی اور علمی کتب خانہ کی وہ عجیب وغریب حیرت انگیز اور مقبول ترین انسائیکلوپیڈیا ہے جس کی جانب ہر زمانہ میں خصوصی توجہات مبذول کی گئی ہیں۔

صاحب سوانح نے اس کتاب کا غائرانہ مطالعہ کرتے ہوئے اس کے دلچسپ

وتاریخی واقعات وحکایات پر نشانات لگاتے گئے، خاتمہ کے بعد اچھا خاصا معلوماتی ذخیرہ جمع ہوگیا۔

اس مجموعہ میں ـــــ واقعات وحکایات کی ایک ایسی مجلس ترتیب دی گئی ہے جس میں ایک طرف اگر انبیاء ورسل علیہم السلام، ان کے اصحاب، خلفاء اور امراء، ائمہ مجتہدین اساطین ملت اور اکابرین امت نے اپنے ایمان افروز اور محیر العقول کارناموں کے ساتھ اپنی اپنی صفوں میں جلوہ فگن ہیں ـــــ تو دوسری طرف ـــــ کائنات انسانی کے قریب ترین پڑوسی حیوانات بھی اپنی تمام تر دلچسپ اور حیرت انگیز حکایات اور خصوصیات کے ساتھ دست بستہ حاضر مجلس ہیں ـــــ۔

اس مجموعہ میں حکایات وقصص کا ایسا لذیذ دستر خوان سجایا گیا ہے ـــــ جس پر دنیا کے تمام اقسام کے کھانے لذت کام ودہن کا پورا سامان لیے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس مجموعہ میں صاحب سوانح نے علامہ دمیریؒ کی ـــــ گلستاں حیوۃ الحیوان سے خوش رنگ اور مشام جان کو معطر کردینے والے ـــــ تاریخی، علمی، ادبی، شعری، حکایاتی اور واقعاتی پھول چن کر ایک سدا بہار گلدستہ تیار کیا ہے۔ یہ کتاب بے حد مقبول کتابوں میں سے ہے، متعدد ایڈیشن سے اس کی مقبولیت کا ثبوت ملتا ہے۔

﴿۳۶﴾ مقدمہ علم قراءات سفارشات وگذارشات: ۱۴۱۶ھ

''انجمن خدام القرآن'' وانم باڑی مدراس-جنوبی ہند کی ایک فعال انجمن ہے اس کے کارکن وقتاً فوقتاً اہم علمی عنوانات پر مفید اجلاس منعقد کرتے رہتے ہیں۔

چناں چہ حسب سابق خدام انجمن نے ۲۹/۳۰ صفر اور یکم ربیع الاول ۱۴۱۶ھ کو سہ روزہ معلوماتی نظام ''برائے اساتذۂ حفظ وتجوید مدراس'' کے عنوان سے ایک اجلاس کی تجویز رکھی، اس میں شرکت کی دعوت صاحب سوانح کو بھی دی گئی، آپ کو جو اہم موضوع دیا گیا آپ نے اس پر ایک مقالہ پیش کیا۔

اس مقالے کی اہمیت اور افادیت سے متعلق فاضل گرامی مولانا محمد اقبال قاسمی صاحب مدراس کے وہ الفاظ پیش کیے جاتے ہیں جو آپ نے اس کتاب کی تقریظ کے لیے لکھے ہیں:

''اس معلوماتی کیمپ کی اہمیت، افادیت اور جاذبیت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا جب حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی متعنا اللہ بعلومھم و کثر امثالھم نے انجمن کی باصرار دعوت پر شرکت کی منظوری عنایت فرمائی، پہلے دن کی نشست میں حفظ و تجوید اور تیسرے دن تجوید کے عنوان پر دو قسطوں پر آپ نے اپنا وقیع اور تحقیقی مقالہ پیش فرمایا۔ جو طباعت کے بعد ایک حسین کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جن علماء قراء اور حفاظ نے اس مقالہ کی پہلی قسط سنی اور وہ ایک ہی دن کے ارادے سے آئے تھے، وہ دوسری قسط سننے کے اشتیاق میں یا تو رک گئے یا جا کر پھر تیسرے دن واپس آ گئے، یہ مقالہ کی افادیت اور مقبولیت کی دلیل ہے۔

اس اجلاس میں بارہ اہم تجاویز منظور ہوئیں جو اکثر مقالہ کی روشنی میں مرتب کی گئی تھیں''۔

اس اجلاس میں حضرت عارف باللہ مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ بھی مدعو تھے، مگر کسی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے تھے، آپ کو کسی ذریعہ سے اس مقالہ کی اطلاع ہوئی تو باندہ سے ایک آدمی کو دیو بند بھیج کر صاحب سوانح کو بلایا اور باقاعدہ مدرسہ میں ایک نشست منعقد کر کے پورا مقالہ سنا اور اس کی طباعت کا اصرار فرمایا۔

۳۷ کشکولِ حسن: ۱۴۱۷ھ

صاحبِ سوانح کے مطالعہ کتب کا طریقہ اپنے اکابر کی صحبتوں کی برکت سے سرسری طور پر مطالعہ کے بجائے، غائرانہ رہا، زیرِ مطالعہ مضمون یا کتاب کا جو حصہ کسی بھی اعتبار سے خصوصیت کا حامل رہا اسے ڈائری میں نوٹ کرلیا، آپ کی ڈائری کیا ہے رنگ

برنگ کے پھولوں کا حسین گلدستہ بلکہ چمن ہے۔

اپنے عزیز اور قدر رداں طلبہ کی فرمائش وخواہش پر نظر ثانی کے بعد اس چمن سے خوشبودار اور حسین پھولوں کا انتخاب کر کے نشانات لگا کر کاتب کے حوالے کیا۔

اس کتاب کے تعارف میں دار العلوم دیو بند کے گرامی قدر استاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم کے الفاظ نقل کر دینا مناسب ہے فرماتے ہیں:

''صدیق محترم جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب زید مجدہم کے حقیقت نگار قلم نے تجوید کے موضوع پر اردو زبان کے سرمایہ میں قابل قدر اضافہ کیا ہے اور پروردگار عالم نے ان کی تصنیفات کو قبول عام کی دولت سے نوازا ہے۔ کثر اللہ امثالہم۔

......اور خدا نے ان کے اوقات میں برکت عطا فرمائی ہے کہ وہ اوقات مدرسہ کے بھی پابند ہیں اور مدرسہ کے مقررہ اوقات کے علاوہ فجر کے بعد اور مغرب کے بعد بھی درسگاہ میں پابندی کے ساتھ مصروف رہتے ہیں، اسفار کے معاملہ میں بھی سست نہیں ہیں اور ان تمام مصروفیات کے باوجود قلم کی گردش کا یہ عالم ہے کہ ہر سال کوئی نہ کوئی تازہ تخلیق یا کاوش سامنے آجاتی ہے۔

......زیر نظر کتاب کا نام ہی کتاب کے لیے کافی ہے ''کشکول'' کے معنی ہیں کاسۂ گدائی اور ''حسن'' مؤلف محترم کے نام کا جز ہے، یعنی مؤلف محترم نے سیکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے دوران جو خزانہ اپنے لیے جمع کیا تھا وہ اب ان کی فیاض طبیعت افادۂ عام کی غرض سے ہدیہ ناظرین کرنے پر مجبور ہے اور عرصۂ دراز تک علمی سرمایہ داروں کی دولت سرا سے گداگری کر کے جمع کیا ہوا سرمایہ سلطان بن کر لٹایا جا رہا ہے۔ ؎

بن کر گدائے شوق گئے تھے زہے نصیب
سلطان بن کے لوٹے ہیں دولت سرا سے ہم

''کشکول حسن'' مؤلف محترم کی بیاض کا ایک حصہ ہے۔

حضرت نانوتوی ؒ کی بعض عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیاض، نظر ثانی کے بغیر زیادہ افادیت کی حامل نہیں ہوتی، غالبًا مولف محترم نے اسی بنیاد پر نظر ثانی کی ضرورت سمجھی۔

اب یہ بیاض نادر مضامین، علمی حقائق، نکات تصوف، ادبی لطائف اور تاریخ کے عبرت انگیز واقعات کا قابل قدر نمونہ ہے، جس میں مؤلف محترم نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی طرح عنوان کے ذریعہ اپنی رائے کو ظاہر کیا ہے۔ اور اب ''کشکول'' کاسۂ گدائی نہیں، انمول یواقیت وجواہر کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے علماء اور عوام سب کے لیے معلومات کا خزانہ بن گئی ہے''۔

یہ تیس سالہ مطالعہ کا نادر انتخاب جس میں ایک طرف علمی تحقیقی، ادبی، تاریخی اور ثقافتی مضامین کے سنجیدہ عناوین کی گلستان اور بوستاں مشام جان کو معطر کرتی ہوئی نظر آتی ہے تو انھیں کے پہلو بہ پہلو متنوع مضامین کی قوس وقزح تھکے ہوئے دماغوں کے لیے سامان سکون وراحت مہیا کرتی ہے۔

﴿٣٨﴾ حسن الاقتداء فی الوقف والابتداء: ١٤١٨ھ

قرآن کریم کی تلاوت میں اصل یہ ہے کہ مسلسل تلاوت کی جائے، مگر ظاہر ہے کہ دوران تلاوت وقف کرنا اور سانس لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے، اگر وقف کا محل صحیح نہ رہا، اسی طرح وقف کے بعد ابتداء یا اعادہ کا محل غلط ہوگیا تو کبھی معنی نہایت فاسد ہوجاتا ہے، اس لیے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں کے لیے اس کا محل اور اس کی کیفیت کا جاننا ضروری ہے، اس رسالے میں وقوف اور ابتداء سے متعلق ضروری معلومات درج کی گئی ہیں، ساتھ ہی سکتہ، سکوت اور قطع کے متعلقات بھی درج ہیں۔

﴿٣٩﴾ آدابِ تلاوۃ القرآن: ١٤١٨ھ

قرآن کریم کی تلاوت کو عِبَادَةٌ مِنْ اَعْظَمِ الْعِبَادَاتِ،

قُرْبَةٌ مِنْ اَعْظَمِ الْقُرُبَاتِ اور حَسَنَةٌ مِنْ جَمِيعِ الْحَسَنَاتِ فرمایا گیا ہے،
ارشاد رسالت ﷺ ہے:

"اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِیْ تِلَاوَۃُ الْقُرْآنِ یعنی میری امت کی بہترین عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔

جس عمل کی جتنی اہمیت ہوتی ہے اس کے آداب بھی اتنی ہی اہم ہوتے ہیں، ان کا معلوم کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، تا کہ یہ عبادت کامل ہو، درست اور صحیح ہو، اور حسنات کا ثبوت ہو سکے آداب کی رعایت کے بغیر طاعت معصیت بن سکتی ہے۔

اس رسالے میں تلاوت قرآن کریم کے بارہ آداب درج کیے گئے ہیں۔

﴿۴۰﴾ نثر المرجان فی تعداد آیات القرآن: ۱۴۱۸ھ

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے آیات قرآنی کو شمار کرنے اور انھیں یاد کرنے میں عظیم کوششیں کی ہیں، اور پھر اسلاف کرام کی ان مساعی کو علماء اور ماہرین نے کتابوں میں جمع کر دیا اور آیات کی شناخت کے لیے قواعد کلیہ بھی لکھے، اور آیات کے سرے اور فواصل ذاتی رائے سے نہیں بلکہ پیغمبر علیہ السلام کی ہدایات پر مشتمل ہے، اور وجوہ قراءات کی طرح اس کا مدار بھی نقل و روایت پر ہے۔

علم الفواصل کے بڑے فوائد ہیں: (۱) نماز کی صحت کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے (۲) نماز میں ایک معین مقدار اور تعداد کے موافق تلاوت ضروری ہوتی ہے (۳) آیات قرآنیہ کی مخصوص تعداد کی تعلیم و تعلم پر اجر و ثواب موعود ہے، نیز سونے سے پہلے کچھ مخصوص تعداد کی تلاوت پر اجر کا وعدہ ہے (۴) نماز میں ضم سورت کے سلسلے میں کم سے کم بڑی ایک آیت اور چھوٹی تین آیات ضروری ہیں (۵) خطبۂ جمعہ کی صحت کے لیے بھی کم سے کم ایک مکمل آیت کی تلاوت واجب ہے (۶) یہ معلوم ہے کہ آیات پر

وقف اَحب مستحب، اور مسنون ہے پس وقف مسنونہ کی معرفت اسی علم پر موقوف ہے۔

(۷) امام ورشؒ اور اما ابوعمرو بصریؒ کے لیے مخصوص گیارہ سورتوں کی رُؤسِ آیات پر بلا خلاف یا بالخلف تقلیل ہوتی ہے، پس اگر قاری کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ کہاں مدنی اوّل اور بصری کے نزدیک راس آیت ہے اور کہاں نہیں ہے، تو کس طرح تقلیل بالخلف یا بلا خلاف پر عمل ممکن ہوگا پس باب امالہ میں بھی اس علم کا حددرجہ اعتبار ہے۔

پورے قرآن پاک کی تمام سورتوں کی آیات کا مکمل اختلاف واتفاق کا بیان اس کتاب میں ہے، ساتھ میں دو مفید مضامین اور بھی ہیں۔

﴿۴۱﴾ معرب ومترجم خلاصۃ البیان: ۱۴۱۹ھ | امام القراءۃ حضرت مولانا المقری

ضیاء الدین احمد صاحب الٰہ آبادی (م ۱۳۷۱ھ) دنیائے قراءت میں شہرۂ آفاق شخصیت ہیں، آپ کا کراماتی رسالہ علم تجوید میں بزبان عربی ''خلاصۃ البیان'' اپنی مخصوص ترتیب وبیان کے اعتبار سے ایک بے مثال کتاب ہے، ہندوستان وپاکستان میں داخل نصاب تجوید اور مدار سند ہے، صاحب سوانح نے اپنے ایک عزیز شاگرد کی خواہش وفرمائش پر اس کا ترجمہ مع اعراب کے تیار کرکے اغلاط کی تصحیح کے ساتھ طبع کرایا، ماشاء اللہ رسالہ اعراب اور ترجمہ کے باعث بے حد سہل وآسان ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا فرمائی۔

﴿۴۲﴾ مدرسہ تجوید القرآن دہلی تعارف اور خدمات: ۱۴۱۹ھ

حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی مدظلہ العالی تعارفی تقریظ میں رقم طراز ہیں:

> ''قاری صاحب —— کی اس —— فن کی نوک پلک درست کرنے والی چالیس (بلکہ پچاس) سے زائد تالیفات نے اس فن عظیم کو جس طرح

امت کے ہاتھوں میں پہنچایا ہے امت اس کی ہمیشہ شکرگذار رہے گی، آپ کی کتاب حسن المحاضرات کا ایک حصہ مدرسہ تجوید القرآن دہلی کی خدمات کا تعارف ہے، تاحال ایسا کوئی رسالہ یا تحریر سامنے نہیں آئی تھی ضرورت تھی کہ مدرسہ ہذا کی عظیم خدمات معرض تحریر میں لائی جائیں، اس لیے قاری صاحب کی یہ خدمت بجا طور پر قابل قدر ہے۔

قاری صاحب اس مدرسہ کے ممتحن ہیں اس لیے قاری صاحب کے ان تأثرات کو عام تأثرات کی طرح مبالغہ آرائی پر محمول نہ کیا جائے، اس تعارفی کتاب میں، بانی مدرسہ حضرت المقری مولانا قاری محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح، آپ کی محنت اور خدمات، مدرسہ کے گذشتہ اور موجودہ اساتذہ کا تعارف، مدرسہ کا نظام تعلیم، تعلیم کا انداز، اور پھر آخر میں اکابر امت کے بیش قیمت تأثرات درج ہیں۔

﴿۴۳﴾ حسن المحاضرات فی رجال القراءات: ۱۴۲۰ھ

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ سے عہد حاضر تک ہر صدی کے منتخب قراء کرام کے تذکرے اور حالات کا حسین اور مؤقر ترین گلدستہ، دو جلدوں میں:

ہندوستان میں سلاطین اور امراء کی تاریخیں لکھی گئی شاعروں، خطیبوں اور حتی کے گویوں کے تذکرے تالیف ہوئے مگر قراءت اور قراء کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، اور خدام کلام الٰہی کا کسی نے نام بھی نہیں لیا۔

مرزا کرنل بسم اللہ بیگ حیدر آباد نے ہندوستان کی حد تک قراء کے حالات جمع کر کے شائع کئے مگر دور اول سے عہد حاضر تک کے تذکرے سے اردو زبان خالی تھی، مذکورہ بالا تلخ حقیقت نے صاحب سوانح کو بے قرار کیا، دور تعلیم و تدریس کی تھکا دینے والی مصروفیات کے ساتھ تھوڑے تھوڑے حالات جمع کر کے دو جلدوں پر مشتمل ۱۲ر سو صفحات تیار کر دیئے۔

چوں کہ اس اہم ترین کتاب پر بعض دیگر حضرات نے قابل قدر مضامین لکھے ہیں، اس لیے یہاں صرف سرسری تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ آگے اپنے مقام پر مستقل طور پر اس کتاب کا مفصل تعارف آرہا ہے۔

﴿۴۴﴾ ذکر ابرار: ۱۴۲۰ھ

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

آج امت کی اصلاح و رہنمائی کا عظیم کام بلا مبالغہ جس ذات گرامی سے بفضل خداوندی لیا جارہا ہے، وہ بلا مبالغہ حضرت مولانا سید ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم کی ذات ہے۔ "ذکر ابرار" حضرت ہردوئی دامت برکاتہم کی مختصر سوانح ہے۔ یہ ایک ایسا تذکرہ ہے جس کے مطالعہ سے حقوق قرآنی کی ادائیگی کا جذبہ، اتباع سنت کی فکر، دین و شریعت کی پاسداری اور حیات دنیوی کو آخرت کی کامیابی کے لیے وقف کرنے کا شوق پیدا ہوگا۔

﴿۴۵﴾ یہ تھے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ: ۱۴۲۰ھ

مصنف اس کتاب کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"زیر نظر کتاب میں اولاً حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کی جانب مختصر اشارات کیے گئے ہیں، آپ کی حیات میں اصل چیز آپ کے احوال و خصائل ہیں اور ان میں سب سے اہم اور قابل اقتدا و اتباع آپ کی عادت عفو و درگذر، بڑے سے بڑے دشمن کو نہ صرف انتقامی کارروائی سے گریز کرتے ہوئے حقیقتاً معاف کر دینا بلکہ وقت پڑنے پر سب کچھ فراموش کر کے اس کے ہر طرح کام آنا ہے"۔

سوانح اور حالات زندگی کے مطالعہ کا مقصد وقتی تاثر نہیں ہے بلکہ صاحب سوانح کی صفات کے ساتھ خود کو متصف کرنے کی کوشش کرنا ہے، مصنف کہتے ہیں:

"حضرت مدنیؒ کے حالات زندگی اور سوانح ایک آئینہ ہے، کسی بھی درجے

میں ان سے تعلق رکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس آئینے میں خود کو دیکھیں اور اپنے حالات، اعمال اور اخلاق کا موازانہ کریں، ان اوراق کی طباعت کا مقصد وحید یہی ہے''۔

دور حاضر میں حضرت تھانوی اور حضرت مدنی کے درمیان دوری پیدا کرنے کے کچھ سطحی اغراض رکھنے والوں اور ناعاقبت اندیشوں کی جانب سے مذموم کوشش کی گئی ہے، ان کے متوسلین کو ایسے دو گروپ میں تقسیم کر دیا گیا ہے گویا یہ دو الگ فرقے ہیں یعنی ''تھانوی گروپ، مدنی گروپ''۔

اس کتاب میں اس رخ کا جائزہ لیتے ہوئے ایسے واقعات پیش کیے گئے ہیں جن سے ان دونوں بزرگوں کے مابین مخلصانہ اور مودت بھرے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں۔ نامور شاعر اقبال اور حضرت مدنی کے متعلق بھی ایک مضمون ہے جس سے ایک بڑے ناپسندیدہ عنوان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، ساتھ میں اور بھی کچھ!!

۴۶ اساطین علم قراءات: ۱۴۲۰ھ

چوتھی اور پانچویں صدی، چھٹی اور آٹھویں اور نویں صدی کے تین عباقرۂ زمانہ یعنی علامہ دانیؒ (م۴۴۴ھ) علامہ شاطبیؒ (م۵۹۰ھ) اور محقق ابن الجزریؒ (م۸۳۳ھ) یہ تینوں علم وفن کے ایسے عظیم رجال ہیں جن پر آج علم قراءت کی عمارت ایستادہ ہے۔

یہ کتاب انھیں تینوں عظیم شخصیات کے حالات پر لکھی گئی ہے، بلاشبہ یہ ایک روح پرور حالات کا دلآویز مرقع ہے۔

۴۷ حواشی حسنیہ فوائد مکیہ پر حاشیہ: ۱۴۲۱ھ

فوائد مکیہ از علامہ عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی علم تجوید کی بڑی بابرکت کتاب ہے یوم تصنیف سے خوب مطبوع ہوئی، خوب پڑھی پڑھائی گئی، مرور ایام اور کتابت در کتابت سے جابجا کتابت کی

غلطیاں بھی در آئیں، کہیں مضمون بھی ادھر ادھر ہو گیا، ضرورت تھی کہ اصل متن پر نگاہ ڈالی جائے، محشی نے اس جانب توجہ کرکے، بے ترتیب مضمون کو مرتب کیا، اور جا بجا جزوی تصحیح بھی کی، اور نہایت گراں قدر حواشی لکھے۔

''اجتماع مدود اور اس کے احکام، کے تحت مد میں پیدا ہونے والی وجوہ کے لیے نقشے دیے گئے، دو اہم مضمون جن سے عموماً کتابیں خالی ہوتی ہیں، یعنی ''باب التکبیر'' اور ''الحال المرتحل'' انھیں تکملۂ مفیدہ کے عنوان کے تحت بڑھایا گیا، نیز وسط کلمہ میں ہمزہ وصلی کے حذف سے متعلق ''قاعدۂ کلیہ'' کے عنوان سے ایسے تمام ضروری کلمات پارہ اور رکوع کی تعیین کے ساتھ درج کیے گئے ہیں اس طرح بلاشبہ اس کتاب کی افادیت بے حد بڑھ گئی۔''

﴿۴۸﴾ حاشیہ ایضاح الوقف جامع الوقف پر حواشی: ۱۴۲۲ھ

حضرت المقری بن ضیاء محب الدین احمد صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ الولد سر لابیہ کے صحیح مصداق اور حضرت العلامہ المقری الامام ضیاء الدین احمد آبادی رحمہ اللہ الہادی کے حقیقی جانشیں اور علم تجوید کے مجدد تھے۔

علم وقف جو ترتیل کا اہم ترین جزو ہے، اس پر حضرت ابن ضیاء المرحوم نے رسالہ ارقام فرمایا، یہ رسالہ بلاشبہ علم وقف کے تمام ضروری مسائل اور اس کے جملہ متعلقات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ''دریا بکوزہ'' کا مصداق ہے، ایک تو زبان اردو اور دوسرے سادہ زبان میں لکھا گیا یہ رسالہ، اس پر کسی تحشیہ کی چنداں ضرورت نہ تھی، مسائل کو مزید تشریحی انداز پر بیان کرنے کے لیے جناب مولانا قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی صدر شعبہ قرأت دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات کی اس رسالہ پر تشریحی کتاب ''توضیح الوقف'' بہت کافی تھی، اگر حاشیہ ہو تو حاشیہ کے بقدر۔ مگر اس میں بھی تفریط نظر آئی اور جیسا کہ تحقیق سے پتہ چلا کہ بعض لوگوں نے حاشیہ

بنام شرح کچھ لکھا تو اسے بھی نہایت، بچکانہ انداز میں غیر محقق، اس لیے دارالعلوم ہی کے بعض لوگوں کی خواہش واصرار پر نہایت مختصر مگر صحیح، محقق اور جامع حاشیہ لکھنے کے لیے محشی صاحب کو قلم اٹھانا پڑا، مگر جو چیز خاصے کی ہے اور اسے دیگر تمام حواشی سے ممتاز کرتی اور نہایت بیش قیمت بنادیتی ہے وہ ہے اس کا مقدمہ جو صرف ۱۲ صفحات پر مشتمل ہوتے ہوئے بھی جواہرات سے بھرپور ہے اور علم وقف کے طالب علم کے لیے ازحد ضروری چیز ہے۔

﴿۴۹﴾ اَلْمُستَبْشِرَۃ فی القراء ات الثلاث: ۱۴۲۳ھ

قراءات پر اردو زبان میں بھی کتابیں مطبوع ہوئیں مگر سات کے بعد والی تین قراءات پر اردو زبان میں کوئی رسالہ نہ ہونے کی وجہ سے اردو داں طبقہ اور شائقین کے لیے بھی دس قراءات کی تحصیل وتکمیل مختصر طرق کے ساتھ مشکل ہو رہی تھی، بہر حال یہ ایک ضرورت تھی کہ "الوُجوہ المُسفِرَۃ" کے طرز پر اردو زباں میں قراءات ثلثہ پر مختصر رسالہ مطبوع ہو۔ فالحمدللہ آپ نے اس ضرورت کی تکمیل میں یہ کتاب لکھی، اور اردو داں حضرات کے لیے سہولت کا بڑا سامان کردیا۔

﴿۵۰﴾ ضیاء النجوم حواشی معرفۃ الرسوم: ۱۴۲۳ھ

اس کتاب ''حواشی ضیاء النجوم'' کے پیش لفظ میں آپ لکھتے ہیں:

''جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ کتاب ''معرفۃ الرسوم'' اردو زبان میں ہے، ضرورت نہیں تھی کہ کسی شرح وتحشیہ سے بوجھل کی جائے، لیکن چند سال پہلے اس پر ایک تحشیہ کی اطلاع ملی، راقم اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث اس پر نظر نہ ڈال سکا، بعض لوگوں نے اس تحشیہ کی بابت بعض باتوں کی اطلاع دی اور کچھ لکھنے کی باصرار فرمائش کی — تو ایک نظر ڈالتے ہی سخت حیرت ہوئی

——مختصر سی کتاب میں سات (آٹھ) مقامات میں مصنف (فخر القراء حضرت ابن ضیاء محب الدین صاحب الہ آبادی) کا "تسامح" قرار دیا گیا ہے"۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ حضرت الہ آبادی اپنے تمام علمی وتحقیقی اوصاف وکمالات کے باوصف، صاحب "ضیاء النجوم" کے شیخ اور استاذ بھی ہیں، کسی بھی غیرت مند شاگرد کے لیے نا قابل برداشت بات ہے، ضروری ہوجاتی ہے کہ استاذ کے صاف وشفاف دامن علم پر اچھالے ہوئے کیچڑ کو صاف کیا جائے، اسی جذبے نے آپ کو مجبور کیا "معرفة الوسوم" پر صاف ستھرا، صحیح حاشیہ کے ساتھ صحیح نسخہ طلبہ عزیز کے ہاتھوں میں آئے۔

﴿۵۱﴾ بیان العرفان حواشی جمال القرآن: ۱۴۲۳ھ

حکیم الامت کے تجدیدی کارناموں سے دنیائے علم وفضل خوب واقف ہے، انھیں میں سے آپ کا عجالہ نافعہ "جمال القرآن" بھی ہے جو یوم تصنیف سے شائقین علم تجوید کے لیے سرمہ بصر بنا ہوا ہے۔

مگر طباعتی اعتبار سے اُسے بیش قیمت اور متبرک رسالہ کو وہ اہتمام نہیں دیا گیا جس کا یہ مستحق ہے، محشی لکھتے ہیں:

"ایک عرصہ سے اِسے صاف ستھرے انداز پر کمپیوٹر کی کتابت سے خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ طباعت کا خیال رہا، اب اس کا وقت آیا ہے"۔

بعض مقامات جو توجہ طلب تھے ان کی جانب تصحیحی توجہ دی گئی، اسی کے ساتھ اس خیال سے کہ اس مقبول کتاب (کے توسط سے) اس کے مصنفؒ کے ساتھ پیوند لگ کر انتساب کا شرف حاصل ہوجائے، چند سطور حواشی کے نام سے لگادیئے گئے، اگرچہ یہ "ریشم میں ٹاٹ کا پیوند" کا مصداق ہے: مگر ؎

شنیدم کہ در روز امید وبیم ❁ بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم"

حواشی پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوگا کہ مختصر لفظوں میں بڑی قیمتی باتوں کی طرف

اشارات آگئے ہیں۔

﴿۵۲﴾ غنية الطالبؔ فی تذكرة الامام الشاطبيؔ: ۱۴۲۳ھ

چھٹی صدی ہجری کی فرید دہر شخصیت علامہ شاطبی کے بارے میں سارے ہی مؤرخین رطب اللسان ہیں، یہاں آپ کے بارے میں صرف ایک مؤرخ صلاح الدین الصفدی کے الفاظ کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

''شاطبی، امام، علامہ، شریف، محقق، اور ذہین تھے۔ وسیع یادداشت کے مالک تھے، بہت سے علوم وفنون کے جامع تھے، علم قراءات اوران کی وجوہ کے عالم اوران سے زبردست اعتناء اور دلچسپی رکھتے تھے، عربیت کے مستند اور معتبر عالم، قرآن اس کی قراءت وتفسیر کے عالم تھے، حدیث میں فائق الاقران تھے، جب ان کے سامنے بخاری، مسلم اور موطاً امام مالک پڑھی جاتیں تو ان کی یادداشت کی مدد سے نسخوں کی تصحیح کی جاتی (بخاری ومسلم کے زبردست حافظ تھے) ضروری مقامات پر موطا میں نکتے بھی بیان کرتے، نحو اور لغت میں یکتائے روزگار تھے، حسن تعبیر کے ماہر تھے، ان کے مقاصد بہت نیک تھے، اور وہ اپنے ہر قول وفعل میں مخلص تھے (نکت الهميان فی نکت العميان: ص:۲۲۸)

علامہ شاطبی کتنے بڑے اور عظیم شاعر تھے، اپنی شاعری کے ذریعہ علم وفن کی کتنی گراں قدر خدمت انجام دی، علم قراءت میں آپ کے قصائد کی کیا حیثیت تھی، علی الخصوص قراءت سبعہ میں علامہ دانیؒ کی مشہور تصنیف ''التیسیر'' کو جس کا نام قصیدہ ''شاطبیہ'' ہے اس کی کیا قدر ومنزلت ہے، اس سلسلے میں بھی صرف ایک اقتباس المحقق ابن الجزریؒ کا پیش کیا جاتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اللہ تعالیٰ نے علامہ شاطبیؒ کو اس فن میں جو مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے اس کا علم اسی کو ہوسکتا ہے جو ان کے دونوں قصائد (شاطبیہ لامیہ اور رائیہ) سے

واقف ہو، بالخصوص قصیدہ لامیہ، کہ آپ کے بعد اس قصیدہ کے مقابلے میں بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء نے برملا اپنے عجز کا اعتراف واظہار کیا، یہ عدیم النظیر قصیدہ اپنے طرز بیان اور زور کلام کی باعث اس بلند مقام پر ہے کہ اسے ہر کس وناکس سمجھ نہیں سکتا۔ اس کی حقیقت کا عرفان اسی کو ہوگا جو ان کے طرز وانداز پر لکھنے کا ارادہ کرے اور پھر مقابلہ کر کے دیکھے۔ بارگاہ الٰہی سے جو شرف، شہرت اور مقبولیت اس قصیدہ کو عطا ہوئی میرے علم میں کسی اور کتاب کو نہیں مل سکی، نہ صرف اس فن قراءت میں بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کے علاوہ کسی اور فن کے قصیدہ کو یہ مقام اور مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ میرے خیال میں کوئی اسلامی شہر اس قصیدے سے خالی نہ ہوگا بلکہ میرا گمان یہاں تک ہے کہ کسی طالب علم کا گھر شاید ہی اس سے خالی ہو۔ اس قصیدے کے نسخے میں لوگوں میں بے حد رغبت اور تنافس رہا ہے، میرے پاس قصیدہ لامیہ اور رائیہ دونوں ایک ساتھ مجلد تھے جو حافظ سخاوی (تلمیذ خاص علامہ شاطبیؒ) کے شاگرد عزیز کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے انھیں مجھ سے حاصل کرنے کے لیے ان کے وزن کے برابر چاندی کی پیش کش ہوئی، جو میں نے نامنظور کر دی"۔

ایک تو علامہ شاطبیؒ جیسا عبقری زمانہ شخص ـــــ دوسرے آپکا یہ عدیم النظیر اور عجیب وغریب قصیدہ، تیسرے مصنف کا اس قصیدے کے ساتھ اتنا طویل لگاؤ اور تعلق ـــــ آپ نے شاطبی کی یہ سوانح لکھی تو آپ کو لکھنا ہی چاہیے تھا، جی چاہتا ہے کہ اس کتاب کے طویل مگر البیلے مقدمے کے آخر سے وہ تحریر نقل کر دی جائے جس سے اس قصیدہ اور صاحب قصیدہ سے انتہائی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔ مصنف "الحاصل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"شہر علم ودانش مرکز علم قراءت اندلس کے علمی امتیاز کے لیے مناسب سمجھا گیا کہ اس کی علمی تاریخی اور صدی وار ایک مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے کہ

صاحب تذکرہ کا یہ ملک ہے اوراس ملک کی اپنی عظیم تاریخ ہے"۔

علامہ شاطبیؒ سے ربط اور تعلق کا بہر حال یہ تقاضہ تھا کہ صدی وار جائزے کے رخ سے اس ملک کے گلستانوں اور بوستانوں کے گلہائے خوش رنگ اور معطر پھولوں کی خوشبوؤں کو زیادہ سے زیادہ بکھیرا جائے۔

مصنف آگے لکھتے ہیں:

"یہ قصیدہ تعلیم کے اول روز سے میری زندگی سے ایسا جڑا اور میرے دل ودماغ سے کچھ اس طرح چپک گیا کہ وہ دن اور آج کا دن چالیس سال کی مدت پوری ہوری ہے، یہ مبارک قصیدہ نہ مجھ سے الگ ہوا اور نہ میں خود کو اس سے الگ کرسکا۔

یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے، یہ منظومہ کسی ایسے ویسے موضوع پر اور کسی ایسی ویسی شخصیت کی محض دماغی کاوش اور ذہن رسا کا کوئی افسانوی مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ قصیدہ، یہ منظومہ، احکم الحاکمین، خالق کائنات، رب العالمین کے کلام، قرآن عزیز کی قراءات کو اپنے شعری قالب میں سمیٹے ہوئے ہے۔

یہ قصیدہ محض الرحمٰن، الرحیم کے فضل وکرم سے ایسی شخصیت کے دماغ اور ذہن کی کاوش کا خوشگوار نتیجہ ہے کہ جس کے بارے میں اسے دیکھنے والوں اوراس کی خدمت میں اپنی عمریں بسر کردینے والوں کی یہ شہادت ہے کہ صاحب قصیدہ کو صغیرہ گناہ کا وہم بھی نہ آیا ہوگا، اس موضوع سے اورایسی برگزیدہ شخصیت سے نسبت رکھنے والے، اس قصیدہ کو پڑھانے اور پڑھنے والے اگر کما حقہ اِسے بکمالِ ذوق وشوق پڑھائیں اور پڑھیں تو بلاشبہ وہی ربط وتعلق ہوگا جو ہونا چاہئے۔

جامعہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڈھ کے زمانۂ تدریس (۱۳۸۸ھ) میں سب سے پہلے صاحب قصیدہ پر ایک مختصر مضمون لکھا جو —— ماہنامہ "البلاغ بمبئی" میں چھپا، یہ میرا پہلا باقاعدہ مضمون تھا، دوسری بار دارالعلوم

دیوبند ۱۳۹۷ھ میں یہی مضمون مزید تراش خراش کے بعد ماہنامہ ''المشعل'' میں عربی میں مطبوع ہوا۔

تیسری بار مزید اضافے کے ساتھ، حوالہ جات سے مزین کر کے رسالہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۹۸ھ میں شائع کرایا۔

چوتھی بار کچھ اور اضافہ کے ساتھ اپنی تالیف ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات'' میں شامل کیا۔

پانچویں بار اسے ''اساطین علم قراءات'' کی زینت بنایا اتنی بار طباعت کے بعد یک گونہ یہ احساس برابر رہا کہ ابھی کچھ باقی ہے-ابھی کچھ باقی ہے اسی احساس نے مستقل طور پر برانگیختہ کیا اور آج بحمدللہ یہ چند اوراق ایک رسالہ (چھیانوے صفحات پر مشتمل) کی شکل میں حضرت الامام الشاطبی کی روح مبارک کے لیے بطور ایک ہدیہ تشکر اور نذرانہ تعلق کے پیش خدمت ہے۔ گر قبول افتد زہے عزوشرف!''

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ علامہ شاطبیؒ پر اردو زبان میں کوئی مفصل تذکرہ یا سوانحی کتاب نہیں تھی، آپ نے یہ لکھ کر بلاشبہ قابل قدر نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

۵۳ مسائل تجوید اور وقوف: ۱۴۲۳ھ

بہت مختصر رسالہ تجوید اور وقوف سے متعلق جو بمبئی کے مشہور تاجر بابو بھائی کی فرمائش پر لکھا گیا، یہ مختصر ہونے کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اور بھی جگہوں سے طبع ہوا۔

۵۴ تاریخ علم قراءت، حدیث سبعۃ احرف کی تخریج وتشریح ۱۴۲۳ھ

پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام جس طرح نبی آخر الزماں ہیں اسی طرح خاتم النبیین بھی آپ کی نبوت سارے عالم کے لیے ہے، بالکل اسی طرح قرآن کریم بھی آخری کتاب ہے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ میں ہر قسم کے لوگ ہیں مرد، عورت، غلام، باندی، بچے، بوڑھے اور ایسے بھی جنھوں نے کبھی ایک حرف بھی نہیں پڑھا۔ بالکل ان پڑھ۔

نزول قرآن کے وقت پیغمبر علیہ السلام نے امت پر شفقت فرماتے ہوئے اللہ رب العزت سے درخواست کی:

"اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تُطِیْقُ ذَالِكَ"۔ یعنی میری امت ایک حرف پر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی چناں چہ آپ کی بار بار درخواست پر اللہ تعالیٰ نے آسانی فرماتے ہوئے "سبعة احرف" پر پڑھنے کی اجازت دے دی، اس سلسلے کی روایت بخاری شریف میں متواتر اور نمایاں انداز میں سامنے آتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنْهُ"

قراءت صحیحہ متواترہ کے پڑھنے پڑھانے اور اس پر تصانیف کا سلسلہ تیسری صدی سے آج تک برابر رہا ہے اس موضوع پر پانچ سو سے زائد کتابیں نظر آتی ہیں۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مُنَزَّل مِنَ اللّٰهِ قراءات اور وجوہ قرآنی میں سے کسی ایک وجہ کے ختم کرنے یا منسوخ کرنے کا اختیار خود پیغمبر علیہ السلام کو بھی نہ تھا۔ چہ جائے کہ کسی صحابی یا جمیع صحابہ کو۔

مگر یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ ایک طرف اگر ہر زمانہ اور ہر جہت سے دنیا کے عباقرہ وقت نے اس علم کے گیسو سنوارے اور اس کے رخ روشن سے اغیار واعداء کی جانب سے شکوک وشبہات کی اڑائی ہوئی گرد صاف کرتے رہے تو —— دوسری طرف مستشرقین اور اہل مغرب بھی اس کے خلاف ریب وشک پیدا کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارتے رہے —— یہ تعجب اس وقت اور بڑھ جاتا ہے جب وقتاً فوقتاً اسلام کا دامن تھامنے والے اہل علم کی جانب سے قلت تدبر وتفکر کے باعث واہی اور لچر اور نہایت بودی باتیں سامنے آتی ہیں، مثلاً: ——

"یہ کہ قراءت سبعہ متواترہ کا وجود نہیں ہے، اور دور عثمانی میں باجماع

صحابہؓ ایک قراءت کو چھوڑ کر باقی ساری قراءات منسوخ اور ختم کردی گئیں"۔—
دورِ عثمانی میں باجماعِ صحابہؓ کس نوع قرآنی کی خدمت تھی، اس کا تعلق کس چیز سے تھا، مگر لاعلمی کے باعث کس چیز سے جوڑ دیا گیا، سوچنا چاہیے۔

مصنف اس کتاب کے مقدمہ کے آخر میں سبب تالیف کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

"چند ماہ پہلے دورانِ سفر ہمارے ایک دوست —— نے یہ وحشت ناک اطلاع دی کہ ایک مرکزی درسگاہ کے درجہ علیا پر فائز ایک استاذِ حدیث کچھ اسی طرح کے غلط خیالات ظاہر کرتے ہیں، اس خبرِ وحشت اثر سے شدید بے چینی ہوئی، قلب و دماغ کے ایک ایک تار ہل گئے، ان دنوں اسفار کا سلسلہ بھی رہا اور نوع بہ نوع کے اشغال بھی —— لیکن موضوع کی اہمیت اور مذکورہ نہایت لغو خیالات کی خطرناکی نے شب و روز کے اطمینان و سکون درہم برہم کردیے، بالآخر ساری مشغولیات کو مؤخر کر کے اس عنوان اور موضوع کا از سرِ نو جائزہ اور کچھ لکھنے کا ارادہ کرلیا"۔

موضوع کی اہمیت اور صورت حال کی ضرورت کا تقاضا تھا کہ اہل علم قراء اور حدیث سے شغف رکھنے والے علماء اور فقہاء کی تائیدی تحریر بھی اس کتاب کے ساتھ منسلک کی جائے، چناں چہ اس کے شروع میں محقق علماء، فقہاء اور قراء کی تحریرات کتاب کو مؤید کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، سب سے پہلے جو تحریر دعوت نظارہ دیتی ہے وہ جامع العلوم والفنون فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم بانی و مہتمم "مرکز الفکر الاسلامی" بشوندرا، ڈھاکہ بنگلہ دیش، خلیفہ و مجاز حضرت ہردوئی کی تقریظ ہے۔ موصوف اپنی مفصل تقریظ کے آخر میں ارقام فرماتے ہیں:

"اس صورت حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے محترم المقام حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی زیدہ مجدہ صدر القراء دارالعلوم دیوبند بھارت نے "انزل القرآن علی سبعۃ احرف" کا ہر رخ اور ہر انداز سے بھرپور جائزہ

لیتے ہوئے ایک کتاب مرتب کی ہے، میں نے اس کے مختلف مقامات کا مطالعہ کیا، یہ کتاب اپنے موضوع کا پورے طور پر احاطہ کرتی ہے، ان شاء اللہ اہل علم کو اس کتاب سے استفادہ کا اچھا موقع ملے گا۔

مجھے بہت خوشی ہے کہ جناب قاری صاحب موصوف نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور ایسا قابل فخر ولائق تحسین کارنامہ انجام دیا ہے جو اہل علم حضرات کی جانب سے مبارک باد کا مستحق ہے، اور بلا شبہ آپ کی یہ خدمت ان کی دوسری علمی اور تصنیفی خدمات کی طرح عالمی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کی عظمت اور ان کی شان علمی کے اندر اضافہ کا باعث ہے''۔

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ارقام فرماتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند کے بڑے قاری مولانا قاری ابوالحسن صاحب زیدمجدہ نے قراءات صحیحہ اور شاذہ کا حکم اور حدیث سبعہ احرف کی تخریج وتشریح لکھی ہے، میں نے ایک نظر اس کو دیکھا ہے، قاری صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائیں —— یہ حدیث نہایت صحیح بلکہ درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے اس لیے اس کا ثبوت تو قطعی ہے البتہ اس کی تشریح میں بہت اختلاف ہوا ہے —— حضرت قاری صاحب نے قول راجح کی نشان دہی کی ہے جو خاصے کی چیز ہے، اور قراءت صحیحہ اور شاذہ کا شرعی حکم جاننا بھی ہر قاری کے لیے ضروری ہے، کیوں کہ یہ شرعی مسئلہ ہے، قاری صاحب نے اس کی بھی خوب وضاحت کردی ہے، دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائیں اور مفید بنائیں۔ آمین''۔

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی محدث ونگراں شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

"اس حدیث (سبعۃ احرف) اوراس کے متعلقات پر علماء اور علوم قرآن سے خاص شغف رکھنے والے حضرات مصنفین نے بڑی شافی بحثیں کی ہیں اور قراءات متواترہ سے تعلق رکھنے والی تمام پیچیدگیوں کو دور کردیا ہے، ضرورت ہے کہ ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

جب کبھی بھی قراءات متواترہ کے خلاف کسی گوشے سے کوئی آواز اٹھی ہے تو اہل علم وتحقیق کی جانب سے اس کا نوٹس لیا گیا۔ یہ معلوم ہوکر بے حد افسوس ہوا کہ اب بھی ایسی آواز کہیں نہ کہیں سے اٹھ رہی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا شافی جواب سامنے لایا جائے۔

مقام مسرت ہے کہ اس لغو آواز کا نوٹس لیتے ہوئے جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی صدر شعبہ تجوید وقراءات دارالعلوم دیوبند نے سبعۃ احرف کی احادیث کا مکمل طور پر غائرانہ جائزہ لیا اور کافی وشافی مواد تیار کیا، اس تحریر کا مطالعہ کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ سارے مباحث بے غبار ہوجائیں گے، اپنے مطالعہ کے رو سے کہتا ہوں کہ ایسی کتاب جو تمام متعلقات کا احاطہ کیے ہوئے ہو، بزبان اردو اب تک نظر سے نہیں گذری۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر یہ ایک مکمل کتاب ہے جو ہر طبقے کے لیے سہل الحصول ہے"۔

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہ استاذ حدیث وادب ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند رقم طراز ہیں:

"——— دور حاضر کے علمی حوادث میں یہ ایک حادثہ ہی ہے کہ پڑھے لکھے کہلانے والے بعض حضرات ذوق مطالعہ کے فقدان کے باعث کبھی کبھی بڑے لچر اور واہی خیال ظاہر کرنے لگتے ہیں، قراءات، علوم القرآن کا ایک خاص اور اہم موضوع ہے، عربی زبان میں اس موضوع پر بہت لکھا گیا ہے، مگر اردو زبان میں اس موضوع پر پورے بسط وتفصیل کے ساتھ موضوع کا مکمل

طور پر احاطہ کرنے والی تحریر اب تک سامنے نہیں آئی ——— زیر نظر کتاب میں اس اہم ضرورت کی بطریق احسن تکمیل ہے۔

مقام شکر و مسرت ہے کہ مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی صدر القراء دارالعلوم دیوبند نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا، آپ پورے طور پر اس کے اہل ہیں۔ اس موضوع پر آپ کا وسیع اور گہرا مطالعہ بھی ہے اور اس پر چالیس سالہ طویل خدمات کا تجربہ بھی ہے بیس سال (تیس سال) سے آپ دارالعلوم دیوبند میں اسی خدمت سے متعلق ہیں۔

بلاشبہ یہ حق آپ ہی کا تھا اور بلا تردد یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ہر طرح سے یہ حق ادا کیا ہے، موضوع سے متعلق بھرپور جائزہ اس کتاب کے سامنے آئے گا"۔

مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی، ظلہ فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی صدر القرآء دارالعلوم دیوبند کی تازہ تحقیقی تصنیف ——— اس ناچیز کے پیش نظر ہے۔

محترم قاری صاحب نے اپنی سابقہ تصانیف کے مطابق اس روایت اور اس کے متعلق مباحث و مضامین کی تحقیق و تنقید کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے، آپ نے پیش نظر کتاب میں مذکورہ حدیث کی توثیق و تحقیق میں بڑی کاوش کی ہے۔

حضرت قاری صاحب نے اختلاف قراءات کی مصلحتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑا عمدہ تبصرہ کیا ہے، آخر میں موصوف نے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی تشریح نقل کی ہے، جو بہت جامع ہے اور حروف و قراءات کے درمیان حد فارق ہے، اس تشریح سے وہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے"۔

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی استاذ فقہ و ادب دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

"استاذ القراء جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی زید مجدہ نے اس

فن کی کتابی دنیا میں ایک انسائیکلو پیڈیا تیار کر دیا ہے، ماضی قریب میں جس کی مثال نہیں ملتی، ان کے تاج عظمت کو دیکھنے میں لوگوں کی ٹوپیاں سر سے گرنے لگتی ہیں۔

آں موصوف نے اپنے گلدستہ تصانیف میں ایک اہم، پر رونق اور نہایت خوشبودار گل کا اور اضافہ کیا ہے کہ سبعہ احرف پر یکجا مواد جمع کر دیا ہے، دلائل کی روشنی میں اس کی ایسی عمدہ تشریح فرمائی کہ دیدۂ بصیرت روشن ہوگئی اور اس سلسلے میں تحقیقی بات کھل کر سامنے آگئی کہ قراءت عشرہ بھی تواتر سے ثابت ہے۔ محترم قاری صاحب کی دیدہ ریزی کا اندازہ اس کتاب کے ماخذ سے ہوتا ہے کہ کہاں کہاں سے منتشر دانے چن کر کیسا بیش بہا خرمن تیار کر دیا ہے"۔

شیخ القراء المقری محمد صدیق صاحب صدر شعبۂ قراءت دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات فرماتے ہیں:

"—— عناوین کی فہرست دیکھنے معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کے اہم مباحث اس میں آگئے اور وقت کی ایک اہم ضرورت اس سے انشاء اللہ پوری ہوگئی اور بہت سے انصاف پسند لوگوں کے لیے یہ مجموعہ مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اور قراءت سبعہ کے سلسلہ میں منسوخ ہونے کی جو غلط فہمی ہو رہی ہے یا پھیلائی جا رہی ہے اس شبہ کے دفعیہ کے لیے قاری صاحب موصوف نے یہ جو مبسوط کتاب تحریر فرمائی ہے اس سوال کے ہر پہلو کے شافی جواب پر حاوی ہے"۔

شیخ القراء حضرت مولانا قاری رضوان نسیم صاحب صدر شعبۂ قراءت مظاہر علوم سہارنپور فرماتے ہیں:

"—— سبعہ احرف کی بحث ایک طویل بحث ہے جس پر تفصیل ووضاحت سے لکھنے کی ضرورت تھی اور اس پر کسی محقق عالم ہی کو قلم اٹھانے کا حق تھا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مخدوم ومکرم جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب

اعظمی استاذ المقری دارالعلوم دیوبند کو کہ انھوں نے اس ضرورت کو محسوس فرما کر خداداد صلاحیت سے اس کا بھرپور جائزہ لیا اور سیر حاصل بحث فرمائی، اور معاندین اسلام کو جو اس قسم کی چیزوں سے فائدہ اٹھا کر قرآن اور اسلام پر اشکالات واعتراضات کا موقع ملتا ہے اس کا سد باب کیا"۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں۔

"ان کے ممتاز کارناموں میں زیرنظر کتاب بھی ہے جس میں علم قراءت کی تاریخ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ معتبر اور مستند ماخذ سے مرتب فرمائی ہے۔ حدیث سبعۃ احرف کے مفہوم کو خوب اچھی طرح واضح کیا ہے، قراءت سبعہ وعشرہ کے قراءات صحیح ہونے پر مضبوط دلائل پیش کیے ہیں —— یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مفید، نفع بخش اور کارآمد ہے"۔

المؤید: محمد ظفیر الدین، کفیل الرحمٰن نشاط

مفتیان دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا قاری ڈاکٹر صبغت اللہ صاحب صدیقی صدر شعبہ قراءت ومہتمم مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ فرماتے ہیں:

"ہمارے محترم حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ کو اللہ رب العزت بخیر وعافیت رکھے بلاشبہ آپ تمام اہل علم کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہیں آپ نے موضوع سے متعلق بہت کچھ جمع فرمادیا ہے، عدم معلومات اور قلت مطالعہ کے باعث ناواقف لوگوں کے شکوک اور شبہات کے ازالے کے لیے وافر مواد اکٹھا کردیا ہے۔

میں نے زیرنظر کتاب کے مشتملات دیکھے، دل سے بے ساختہ دعائیں نکلیں اردو زبان میں علم قراءت کی تاریخ اور "سبعۃ احرف" کے متعلق احادیث کا جائزہ ایسے جامع انداز میں اب تک نہیں سامنے آیا"۔

ششماہی مجلہ علوم القرآن علی گڑھ کے مدیر معاون جناب مولانا ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

"ماشاءاللہ اس موضوع پر فاضل مصنف کی علمی خدمات بدستور جاری ہیں زیر تعارف کتاب اس کا ایک مظہر ہے جو علم قراءت کے ایک اہم مسئلہ سے تعلق رکھتی ہے۔

اس کتاب میں حدیث "سبعۃ احرف" پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے اس حدیث کے تمام طرق ورواۃ کا جائزہ لیتے ہوئے مصنف نے نہ صرف ان تمام اقوال کو جمع کر دیا ہے جو اس کی تشریح وتوضیح میں ماہرین قرآنیات اور علماء حدیث سے منقول ہیں بلکہ ان کا محاکمہ بھی کیا ہے اور جو قول ان کے نزدیک قوی وراجح ہے اس کی تائید میں متعدد دلائل وشواہد بھی پیش کیے ہیں، "سبعۃ احرف" کے معنی ومفہوم کی تعیین کے علاوہ صاحب کتاب نے طرق قراءت کے اختلافات کی حکمت اور اس کے فوائد بھی بیان کیے ہیں، اور اس کی وجہ سے بعض آیات سے فقہی مسائل کے استنباط میں فقہاء میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اسے بھی مثالوں کے ذریعہ واضح کر دیا ہے، مختصر یہ کہ کتاب میں زیر بحث مسئلہ کا ہر پہلو سے جائزہ لیا گیا ہے اور بحث کے دوران سنجیدہ اور علمی انداز اختیار کیا گیا ہے پوری کتاب حوالوں وحواشی سے بھرپور ہے مراجع کی فہرست میں عربی واردو کی ۸۹ر کتابوں کا ذکر ہے اس سے اس کتاب کا پایۂ استناد اور بڑھ جاتا ہے"۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کہ موضوع کی اہمیت کے باعث مذکورہ چند تائیدی تحریریں اس لیے پیش کی گئیں کہ اس موضوع سے رواروی کی ساتھ نہ گذر جائے، نیز امت میں کسی بڑی شخصیت کی جانب سے اگر کوئی قول معارض نظر آئے تو اس کی حیثیت سمجھ لی جائے، یہ کتاب اہل علم، طلبہ اور قراء سب کے لیے اہم، ضروری اور نہایت

مفید کتاب ہے۔اس موضوع کا احاطہ کرنے کے لیے اکٹھا کہیں اتنا مواد نہیں ہے، دانہ دانہ اکٹھا کر کے بڑا بیش بہا خرمن تیار کیا ہے، تنکے تنکے چن کر ایک نشیمن بنایا ہے۔

﴿۵۵﴾ دینی تعلیم اور مدارس ایک تاریخی جائزہ: ۱۴۲۴ھ

ابتداءِ اسلام سے اب تک دینی تعلیم کے مراکز اور مدارس ہی اسلامی مہم اور اسلام کے قلعے رہے ہیں، جہاں سے قرآن وحدیث کی تعلیمات کے ذریعے جس میں اسلام کے شریانوں اور رگوں میں حیات افروز خون اور طاقت پہنچانے کا سامان ہوتا ہے۔

ہندوستان میں خاص طور پر ابھی ماضی کی چند سالہ حکومت کی جانب سے مدارس کے خلاف جو ریشہ دوانیوں اور طرح طرح کی سازشوں کے جال بنے جارہے ہیں اس سے نبرد آزما ہونے اور مدارس کو ان کی فتنہ سامانیوں سے محفوظ کرنے کے لیے دردمندان ملت نے دہلی میں ایک تحفظ مدارس کنونشن (۲۰۰۳ء) کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔

حضرت مولانا مفتی ظفر الدین احمد صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء صوبہ دہلی ومہتمم مدرسہ باب العلوم جعفرآباد دہلی، نے مصنف سے اس کنونش کے لیے ایک مقالہ کی فرمائش کی، یہ کتاب آپ کی اسی فرمائش کا خوشگوار نتیجہ ہے۔

﴿۵۶﴾ روح پرور حالات اور حیرت انگیز معلومات: ۱۴۲۵ھ

قراء کرام اور علماء امت علم وفن میں کمال ومہارت کے ساتھ اپنی زندگیاں کامل طور پر علم وفن کی خدمت واشاعت کے لیے وقف کرتے ہوئے اپنے لیل ونہار اور اوقات حیات اسی نہج وانداز پر گذار گئے جس طرح اپنے اسلاف کو دیکھا اور سنا تھا۔

زیر نظر کتاب میں ایسے ہی حضرات کے حیرت انگیز، ایمان افروز، روح پرور اور عملی جدوجہد سے بھرپور حالات وواقعات ذکر کیے گئے ہیں، جن کے مطالعہ سے ایک بیداری اور زندگی میں کچھ کرگذرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اپنے موضوع پر ایک

بھرپور اور خوبصورت کتاب ہے۔

یہ کتاب صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور اسلافِ امت کے برگزیدہ حالات وواقعات اور دینی، علمی وادبی معلومات کا گراں بہا مرقع اور نفیس ترین گلدستہ ہے۔

﴿۵۷﴾ الفیض العمیم فی اجراء جزء الٓمّ: ۱۴۲۵ھ

علم القراءت کے متعلقہ اصول وقواعد کے حفظ وتحصیل کے بعد ان اصول کے مطابق قرآن کریم کا اجراء ہوتا ہے، طریقہ اجراء کی مشکل ترین قسم ''جمع عطفی'' ہے، ایک زمانہ میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانویؒ کا اس جمع عطفی میں ربع پارہ الٓمّ کا اجراء مطبوع ہوا تھا جو نہایت اہم کارنامہ تھا، اور اسی سے کام چلایا جارہا تھا، مگر روز افزوں کمزور ہوتی ہوئی صلاحیتوں کی وجہ سے شدید تقاضوں کے بعد مصنف نے اولاً نصف پارہ تک اور پھر اب پورے پارۂ الٓمّ کا اجراء کردیا ہے۔ یہ اجرائی حصہ اصلاً آپ کی کتاب ''تیسیر القراء ات فی السبع المتواترات'' کا حصہ تھا، مگر سہولت کی غرض سے یہ حصہ الگ سے بھی شائع کردیا جو خود ایک سو چھہتر صفحات کا حامل ہے۔

﴿۵۸﴾ اکابر علماءِ امت کا اعتناء فی القراءت

(دورِ اوّل سے دورِ حاضر تک): ۱۴۲۵ھ

حضراتِ خیر القرون نے علم القراءۃ کی عظمت اور اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی جانب کما حقہ تعلیماً وتدریساً، تصنیفاً وتالیفاً زبردست اشتغال واعتناء کیا۔

بعد کے حضراتِ علماء اور قراء نے اس کے ساتھ ہمہ جہتی توجہات مبذول رکھیں، لیکن دورِ حاضر میں کچھ سطحی قسم کے مولوی عدمِ مطالعہ کے باعث اس علم کو معمولی سمجھنے لگے ہیں۔

اس کتاب میں جائزہ لیتے ہوئے ایسے ہی حضرات روشنی میں لائے گئے ہیں، جو محض قاری اور مقری نہ تھے بلکہ اپنے زمانے کے اونچے درجے کے مفسر، محدث، نحوی، لغوی اور مؤرخ وغیرہ علوم وفنون کے بڑے ماہرین تھے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے علم قراءۃ کی فضیلت وشرف کو پیش نظر رکھا اور اپنی زندگیاں اس علم وفن کے گیسو سنوارنے میں بسر کردیں۔

﴿۵۹﴾ حدیث سبعۃ احرف اور علامہ ابن جریر طبریؒ: ۱۴۲۵ھ

نزولِ قرآن علیٰ سبعۃ اَحرف کی حدیث متواتر ہے، امام بخاریؒ سے لے کر امام حاکمؒ تک اٹھارہ کبار محدثین نے اپنی کتابوں میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ صحابہؓ میں اس حدیث کے رُواۃ بیس (یا بائیس) ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں علماءِ کبار کے اقوال بہت مختلف ہیں، جن میں امام ابن جریر طبریؒ کا قول ایک اعجوبہ ہے۔ جس سے زبردست شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔
اس رسالہ میں مسئلہ کی حقیقت اور صحیح صورت کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

﴿۶۰﴾ خزائن العرش فی روایۃ قالونؒ وورشؒ: ۱۴۲۵ھ

بقراءۃ امام نافع مدنیؒ بروایت قالونؒ وورشؒ مکمل اصول وفروش کے ساتھ، ایک سہل اور بیش قیمت کتاب۔

﴿۶۱﴾ روبرو گفتگو، ایک انٹرویو: ۱۴۲۵ھ

اس کتاب میں پچیس اہم علمی، تعلیمی اور مدارس کے حالات سے متعلق سلگتے ہوئے سوالات کے مفصل جوابات۔

﴿۶۲﴾ حرکات الحروف فی نطق المجهول والمعروف: ۱۴۲۵ھ

(یعنی حرکات زیر، زبر، پیش کی معروف اور صحیح ادائیگی پر اکابر کی محققانہ تحریر)

(۱) تحفة العرفان فی اوقاف القرآن: (غیر مطبوعہ) قرآن کریم کی ہر ہر آیت کا اوقافی اجراء، یعنی کس لفظ پر محل تام ہے، کہاں کافی ہے اور کہاں حسن ہے، اس کتاب سے اردوداں حضرات بھی اوقاف کی غلطیوں سے محفوظ رہیں گے۔

(۲) الاقتصاد فی تحقیق الظاء والضاد: (غیر مطبوعہ)

(۳) علم قراءت کے مراکز مدارس: (غیر مطبوعہ)

(۴) تحصیل الاجر فی القراءات العشر: (عربی میں): (غیر مطبوعہ)

(۵) تلخیص معارف القرآن: (غیر مطبوعہ)

مذکورہ بالا تصنیفی خدمات کے پہلو بہ پہلو آپ کے ذمہ دارالعلوم میں جو مضامین درس اور اس کے اوقات رہے ہیں اس کی طرف ذیل میں-دفتر تعلیمات میں پیش کردہ نظام الاوقات پر مشتمل ایک تحریر پیش کی جاتی ہے، جس سے آپ کے کام اور اوقات کار کا ایک اندازہ ہوتا ہے، یہ تحریر محرم ۱۴۱۷ھ کی ہے۔

[۱] درجۂ تجوید: حفص اردو:

(۱) مشق وتمرین ایک گھنٹہ۔

(۲) نصابی کتاب کی تعلیم دو کتابیں حفظ پڑھائی جاتی ہیں، سبق اور آموختہ روزانہ سننا، ایک گھنٹہ۔

(۳) دو ماہ بعد تدویراً تعلیم ومشق، ایک گھنٹہ، بعدہ ایک منزل حدراً۔

(۴) سال دوم والوں کی مشق وتمرین ایک گھنٹہ اور ان کی حدراً پورے قرآن کی شنوائی، ایک گھنٹہ۔

(۵) سال دوم والوں کی کتابی تعلیم دو کتابیں۔
(۶) سال اوّل والوں کی تعلیم الاسلام مکمل۔
(۷) سال دوم والوں کی مالا بد منہ اردو، ۵/ تا ۷، کے لیے ایک گھنٹہ۔

[۲] درجہ تجوید حفص عربی حفص اردو ہی کی طرح سوا اس کے کہ ان کی کتابیں الگ بزبان عربی ہیں، ایک گھنٹہ۔

[۳] درجہ قراءت سبعہ ایک سال تین کتابیں (التیسیر ،شاطبیہ تا اصول حفظ، رائیہ مقدمہ تک حفظ ایک گھنٹہ۔ (۲) اجراء انفراداً۔ وجمعاً (جمع وقفی وعطفی میں) مکمل قرآن جمع حرفی میں ایک گھنٹہ۔

[۴] درجہ قراءت عشرہ اولاً ثلثہ بعد سبعہ دو کتابیں، (۱) الوجوہ المسفرہ۔ (۲) الدُّرّہ۔ بعدہٗ کتاب طیبۃ النشر فی القراءات العشر ایک گھنٹہ، اجراء قرآن مکمل ایک گھنٹہ۔

مذکورہ صراحت سے گیارہ گھنٹے ہوتے ہیں، مدرسہ کی جانب سے پانچ گھنٹے (کیوں کہ ایک گھنٹہ تمام ہی متعلق طلبہ کو خوش خطی میں جانا ضروری ہے)

اسی کے ساتھ آغاز تدریس ہی کے بعد نماز فجر درجات عربیہ کے طلبہ کو ایک گھنٹہ قراءت سبعہ کی تعلیم کا سلسلہ رہا ہے اور بحمد اللہ تا حال جاری ہے۔

اب یہاں آپ کے شب وروز کے اوقات کا جائزہ لیتے ہوئے تعجب خیز سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ:

(۱) آپ اوقات مدرسہ میں مکمل طور پر پوری پابندی کے ساتھ (واضح رہے کہ وقت کی پوری پابندی کے ساتھ درس گاہ میں پہنچنا، مکمل اوقات میں بیٹھنا، اس سلسلے میں آپ کا کوئی یہاں ثانی نہیں) تدریس وتعلیم میں منہمک نظر آتے ہیں۔

(۲) بعد مغرب عشاء تک پوری پابندی کے ساتھ درس گاہ میں طلبہ کی نگرانی میں

مشغول رہتے ہیں۔

(۳) بعد فجر مدرسہ کے وقت تک خارجی طلبہ کو قراءت سبعہ کا درس دیتے ہیں (ناشتہ گھر سے آتا ہے اور یہیں درسگاہ میں ناشتہ کرتے ہیں، مگر اب ادھر چند سالوں سے بعد فجر کا سلسلہ مکان پر رہنے لگا ہے، مگر درس جاری ہے)

(۴) ایام تعطیل میں ملک اور بیرون ملک کے اور اکثر جمعرات اور جمعہ میں اسفار بھی کرتے ہیں ـــــ بایں ہمہ مصروفیات ومشاغل آپ تصنیفی وتالیفی کام کب کرتے ہیں جب کہ اس کے لیے مطالعہ کتب بھی ضروری ہے؟؟

ذہن کے پردے پر ابھرتے ہوئے اس سوال کے جواب میں اولاً دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ کے الفاظ پیش ہیں:

''آپ توفیق یافتہ انسان ہیں''

''خدا نے آپ کے اوقات میں برکت عطا فرمائی ہے'' (کشکول حسن)

اتنی برکت کیوں کر حاصل ہوئی؟

اس کا جواب ہمیں مصنف ہی کی ایک تحریر سے ملتا ہے، جو آپ نے اپنے جلیل القدر استاذ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی کی تصانیف کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> ''حضرات متقدمین کی تصانیف کی لمبی چوڑی فہرست دیکھ کر دنیا حیرت زدہ ہے ابھی ماضی قریب کی شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے تصنیفی کارنامے کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے مگر ان کے شب وروز کے نظام الاوقات اور اس پر منٹوں کے حساب سے مضبوطی کے ساتھ پابندی پر نظر ڈالنے سے یہ حیرت واستعجاب دور ہوجاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اوقات کا مکمل انضباط اور تقوائی زندگی یہی وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نیک بندوں کی زندگی اور ان کے

ایک ایک منٹ میں ایسی برکت عطا ہوتی ہے کہ ایک ایک منٹ پورے ایک ایک دن ان کے ایک دن ہفتوں اور مہینوں پر بھاری ہو جاتے ہیں، اور وہ اس حیاتِ مستعار میں ایسے محیر العقول کارنامے انجام دے جاتے ہیں کہ دنیا اسے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ وقت جیسی عظیم اور بے مثال قیمتی متاع کی دورِ حاضر میں جتنی ناقدری ہوئی ہے اتنی کبھی نہیں ہوئی وقت کے قدر ناشناسوں کی سمجھ میں اسی لیے نہیں آتا، مگر توفیق یافتہ بندگانِ خدا نے اس کلید کی حقیقت کو جانا، سمجھا اور اسے استعمال کیا تو علم وحکمت تعلیم وتعلّم ذکر وتذکیر وعظ ونصیحت اور تصنیف وتالیف کے سارے دروازے، ان کے لیے کھلتے چلے گئے، حال کی دو شخصیات کے نام اور کام ہمارے سامنے ہیں، ایک جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ پاکستان میں اور دوسری شخصیت زیرِ تذکرہ استاذی حضرت مولانا پالنپوری صاحب مدظلہ... سفر وحضر میں جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ؎

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

پر عمل کرتے ہوئے موصوف کس طرح وقت کی کلائی کو مروڑ کر اپنے موافق کرتے ہیں۔ جس طرح حضر میں لکھنے پڑھنے کے اوقات کا انضباط رہتا ہے، سفر میں بھی اسی طرح سامان نوشت وخواند کے ساتھ یہ لکھنا پڑھنا جاری رہتا ہے، کوئی وقت ضائع نہیں ہونے پاتا۔

یہ اسی انضباطِ وقت اور تقوائی زندگی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ ہمیں تصانیف اور تالیفات کا ایک طویل اور گراں قدر سلسلہ نظر آتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصنف موصوف کے اوقات میں مزید برکت عطا فرمائے، صحت وعافیت کے ساتھ آپ کا سایہ دراز فرمائے، اور آپ کی قلمی خدمات سے ہمیں بیش از بیش انتفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حسن المحاضرات ایک شاہکار تصنیف

اردو زبان میں رجال قراءات پر پہلی مکمل کتاب

تاریخ: تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ:

''فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں، اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، ان دونوں کے مجموعوں کا نام ''تاریخ'' ہے''۔

ایک اور مصنف نے یہ تعریف کی ہے کہ:

''ان واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانے سے کیوں کر بہ طور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے''۔

یعنی چوں کہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن ہے، معاشرہ، خیالات اور مذاہب موجود ہیں سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہیں، جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہیے تھے، اس لیے ان گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ ہر موجود واقعہ گذشتہ واقعات سے کیوں کر پیدا ہوا ——— اسی کا نام تاریخ ہے۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء جب عرب میں تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں، اسلام سے بہت پہلے شاہ حیرہ نے تاریخی واقعات قلم بند کرائے، اور وہ مدتوں محفوظ رہے۔

عہد اسلامی میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی میں پیدا ہو گیا تھا، تصنیف و تالیف کا سلسلہ ایک مدت کے بعد قائم ہوا اس لیے کوئی خاص کتاب اس فن پر نہیں لکھی گئی، جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے جو کتاب لکھی گئی وہ تاریخ کے فن میں تھی۔

حضرت امیر معاویہؓ (م ٦٠ ھ) نے اولاً عبید بن شربہ سے تاریخی واقعات اور

معر کے املاء کرائے، اس کی کتابوں میں ''الملوک واخبار الماضین'' ہے غالبًا یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ حضرت امیر معاویہؓ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔

یہ معلوم ہے کہ تاریخ اقوام وملل ان کے مستقبل کے لیے آئینہ ہوتی ہے، اسی طرح بزرگانِ دین، علماء کرام، اور قراء عظام کی سوانح علمی نسلوں کے لیے مشعل راہ اور ترقی کا زینہ ثابت ہوتے ہیں۔

تاریخی خدمت کی بدولت آنے والوں کو جانے والوں کی محنتوں کا اندازہ ہوتا ہے، اپنے ذوق میں بالیدگی پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے، اور متقدمین کی محنتوں سے استفادہ کی راہ آسان ہوتی ہے۔

علم تجوید وقراءت پر تصنیفی وتالیفی خدمات کے جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ تیسری صدی سے — موجودہ رواں صدی تک تقریبا پانچ سو تصانیف کا سراغ ملتا ہے۔

قرآن اور وجوہ قراءت کے مراکز

۳۵ھ تک قراءت کے سب سے بڑے مصدر اور منبع پیغمبرﷺ اور حرم خدا مکہ معظمہ تھے۔

اس کے بعد —— سیدنا حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کوفہ اور بصرہ تھے۔

پھر —— بنو امیہ کے دور میں یہ اعزاز دمشق کو ملا۔

دوسری صدی ہجری میں —— بغداد کے سر پر یہ تاج رکھا گیا۔

چوتھی صدی ہجری میں —— مصر —— اور پانچویں صدی میں اندلس مرکز بنا۔

چھٹی صدی تک —— محققانہ تصنیفی کارناموں کا مرکز علماء بغداد، مصر دانیہ اور شاطبہ رہے۔

مگر —— اس کے بعد زوال آشنا دور شروع ہوا اور جہاں جو کچھ تھا تباہ و برباد ہو گیا، اور یہ علم وفن سمٹ کر حجاز، دمشق اور مصر میں رہ گیا۔

دیگر علوم وفنون پر عربی زبان میں تاریخی کتابیں لکھی گئیں۔

اور خود ہندوستان میں کیا کچھ نہیں لکھا گیا —— سلاطین اور امراء کی تاریخیں لکھی گئیں، شاعروں اور خطیبوں کے تذکرے قلم بند ہوئے، حتی کے گویوں اور موسیقاروں کو تاریخ کی کتابوں میں جگہ دی گئی، انھیں نوازا گیا، مگر —— ہندوستان نے قراءت اور قراء کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، خدام کلام اللہ کا نام بھی کسی نے نہیں لیا۔ (ابو محمد محی الاسلام پانی پتیؒ)

''یہ واضح حقیقت ہے کہ امت کا پہلا قافلہ صحابہ کرامؓ کا ہے ان حضرات نے قرآن کریم کی ہمہ جہتی محنت کی ہے، پھر قرون مابعد میں تجوید قرآن اور قراءت پر محنت دن بدن بڑھتی گئی، بڑے بڑے قراء کرام پیدا ہوئے، اور انھوں ہر جہت سے خدمات کے ان مٹ نقوش چھوڑے، محیر العقول کارنامے انجام دیے۔

یہ خیار امت اس بات کے سب سے زیادہ حق دار تھے کہ ان کی خدمات کو روشن کیا جائے، عربی زبان میں تو اس موضوع پر کافی مواد تھا، مگر اردو زبان اس سے تہی دامن تھی، چند کتابیں تھیں مگر وہ قاریان ہند کے کارناموں تک محدود تھیں، ضرورت اس بات کی تھی کہ تمام قراء کے احوال سے امت کو واقف کیا جائے''۔ (حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری)

مذکورہ بالا پانی پتی الرحوم کے حوالہ سے غم ناک حقیقت اور مولانا پالن پوری کی واضح کردہ اہم ترین ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے ——۔

چناں چہ دل میں چبھ جانے والے یہی وہ کلمات تھے جنھوں نے مرزا کرنل بسم اللہ بیگ حیدر آبادی (۱۹۷۵ء) کو ہندوستان کی حد تک قراء کے حالات جمع کرنے کے سلسلے میں زمین کا گز بننے پر مجبور کیا۔

مگر —— دورِ صحابہؓ سے —— دورِ حاضر تک —— علم القراءات کی تعلیمی وتدریسی اور علمی وتصنیفی خدمات پر مستقلاً ایسی کوئی کتاب برصغیر کی اہم ترین اور سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان اردو میں نظر نہیں آئی، جس میں کم از کم ہر صدی

کی ایسی مرکزی شخصیات کے حالات اور تذکرے روشنی میں آئے ہوں، جنھوں نے اپنی تدریس و تعلیم سے کم از کم نصف صدی کے لیے ایک ماحول بنایا ہو، یا تصنیفی و تالیفی خدمات سے ایک دور اور دائرے کو متاثر کیا ہو۔

یہی وہ صورت حال تھی جس نے ایک ایسی کتاب، ایک ایسا تذکرہ اور قراء عظام کی ایک تاریخ اور سوانح مرتب کرنے اور اسے طبع کرا کر منظر عام پر لانے کے لیے اس شخص کو برانگیختہ کیا جسے آج علم و فن کی دنیا ''قاری محبوب'' کے مختصر نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

مذکورہ اندوہ ناک صورت حال کی غم ناکی آپ کی ایک تحریر سے مترشح ہوتی ہے، اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''—— خدا کی کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی —— اور کوئی شام ایسی نہیں گذری کہ علم تجوید و قراءت کی جانب سے روز افزوں بے اعتنائیوں کے زخم پر زخم قلب و دماغ پر نہ لگے ہوں اور ان زخموں کی ٹیس اور کرب سے بستر رنج و الم پر اضطراب و بے قراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں! ؎

اف رے یہ دشتِ غم کا سناٹا ❁ کوئی آواز دور دور نہیں ——''

اس تاریخی کتاب کے مقدمہ میں مصنف رقم طراز ہیں:

''یہ کام اگر راقم الحروف کے علاوہ کوئی اور صاحب کرتے تو یقیناً بہتر ہوتا، راقم کو اپنی علمی بے مائیگی اور اپنے کج مج قلم کی بے چارگی کا پورا احساس ہے''۔(ص ۳۳)

حقیقت یہ ہے کہ جو صاحبانِ علم و قلم علمی استعداد اور قلمی صلاحیت رکھتے ہیں، انھیں اس علم تجوید و قراءت سے دلچسپی نہیں اور جو اس فن سے تعلق اور دلچسپی رکھتے ہیں، وہ قلمی صلاحیت سے محروم ہیں، اور جو ان دونوں اوصاف کے حامل ہوتے ہیں وہ کوہ کنی، پتھروں سے سر ٹکرانے، زمین کا گز بننے اور دن و رات ایک کر دینے کے جوش جنون سے عاری اور کچھ کر گزرنے کے جذبہ بیکراں، امنگوں اور ولولوں سے خالی ہوتے ہیں۔ کہیں گریبان ہے تو دستِ جنون نہیں، اور اگر دستِ جنوں ہے تو گریباں نہیں۔

ایسی محنت اور جد و جہد وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں رسمی نہیں، اپنے مقصد و موضوع سے حقیقی لگن ہو، مقصد سے عاشقانہ لگاؤ ہو، جنوں کی حد تک موضوع دل و دماغ پر چھایا ہوا ہو، اس کا جاگنا اور سونا اسی فکر و غم میں ہو، علم و فن اس کا اوڑھنا بچھونا ہو اور وہ اس شعر کا مصداق ہو:

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں ❁ ہماری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا

بقول مصنف، ہر طرف نگاہ اٹھائی، کسی طرف سے آواز نہ آئی۔ اللہ رے سناٹا، آواز نہیں آتی!

تو پھر بنام خدا، تعلیم و تدریس اور دیگر مشاغل کے ساتھ حالات جمع کرنے شروع کیے، دانے، دانے چن چن کر خرمن تیار کیا۔ علم و تحقیق کی سنگلاخ وادیوں میں پھرنے والوں اور اس بحر کے شناوروں ہی کو معلوم ہو سکتا ہے کہ تراجم و طبقات پر کام کتنا مشکل اور دشوار گذار ہوتا ہے، اس میدان میں عموماً مواد کی بڑی کمی ہوتی ہے قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔

ابتداءً زیادہ سے زیادہ چار سو صفحات کا اندازہ کر کے کام کا آغاز کیا، مگر جوں جوں آگے بڑھتے گئے راہیں کھلتی گئیں، متقدمین کے مراجع و مصادر پر نظر پڑتی گئی اور صفحات بڑھتے گئے۔

یہاں ہم جناب ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب اصلاحی معاون مدیر ششماہی علوم القرآن وریڈر شعبہ اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک تحریر کا سہارا لیتے ہیں، موصوف اس اہم ترین کتاب کا تعارف کراتے ہوئے خود لکھتے ہیں:

''اس کتاب کے مؤلف قاری ابوالحسن اعظمی استاذ کبیر شعبۂ قراءت و تجوید دارالعلوم دیوبند خود اس فن کے ماہر ہیں اور برصغیر کے قراء میں امتیازی مقام رکھتے ہیں، تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی اس علم کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں، علم قراءت کے موضوع پر وہ —— پچاس سے زائد کتب و رسائل کے مصنف ہیں، اور ان کی (یہ) موجودہ کاوش

بھی اس علم میں گہری دلچسپی کا ایک بہترین مظہر ہے۔

دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب تقریباً بارہ سو (اٹھارہ) صفحات میں پھیلی ہوئی ہے، پہلی جلد میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد مسعود سے دورِ حاضر تک کے قراء کرام کے حالات زندگی اور قراءت وتجوید کے میدان میں ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ جلد پندرہویں صدی ہجری تک کے ۳۸۲ ماہرین قراءۃ کے تذکرہ سے مزین ہے۔ ہر قاری کی تذکرہ سے پہلے ان کی مختصر سوانح حیات درج ہے، اور پھر علم قراءت کی نسبت سے ان کی مصروفیات وخدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس ضمن میں ان کے اساتذہ وتلامذہ، تدریسی مشاغل اور تصنیفی کارناموں کی تفصیل خاص اہمیت رکھتی ہے، اس سے اہم یہ کہ فاضل مؤلف نے اپنے بیانات کو مستند عربی ماخذ سے مستحکم کیا ہے——۔

دوسری جلد خاص طور سے ہندستان کے قراء اور تعلیمی مراکز کی خدمات سے تعلق رکھتی ہے، اس میں مسلم عہد حکومت میں علم قراءت کی ترویج واشاعت کے مختصر تعارف کے ساتھ عہد وسطی اور جدید ہندوستان کے تمام معروف قراء کا تذکرہ شامل ہے، اس جلد کے مشتملات کا سب سے اہم حصہ علم قراءت کے میدان میں برطانوی دور کی مسلم ریاستوں (ریاست بھوپال، ریاست ٹونک، ریاست حیدرآباد، ریاست رام پور اور جدید ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس اور تعلیمی اداروں کی خدمات کا احاطہ ہے۔ ان مدارس واداروں کے شعبہ جات تجوید وقراءت کے مختصر تعارف کے ساتھ ان قراء حضرات کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی جو ان سے فیض یافتہ ہیں یا ان سے منسلک رہ کر اس علم کی ترویج وترقی میں مصروف ہیں۔ مؤلف موصوف نے جن تعلیمی اداروں کی خدمات کا خصوصی سے تذکرہ کیا ہے وہ یہ ہیں دار العلوم دیو بند، دار العلوم وقف دیو بند، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ، مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر (اعظم گڑھ) جامعہ عربیہ ہتھورا، (باندہ) دار العلوم

مئو، مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی، مدرسہ تجوید القرآن دہلی، مدرسہ باب العلوم دہلی، مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، دار العلوم ماٹلی والا بھروچ، (گجرات) دار العلوم کنتھاریہ بھروچ، جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، (گجرات) مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا (مہاراشٹر)۔

آخر میں بنگلہ دیش میں علم قراءت وتجوید کی نشر واشاعت پر مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں، اس ضمن میں وہاں کے مشہور مدارس کے تعارف کے علاوہ معروف قراء کی حیات وخدمات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کا سب سے آخری حصہ ''ذکر ابرار'' کے نام سے ہے جو حضرت مولانا سید ابرار الحق صاحب حقی ہردوئی دامت برکاتہم کی دینی وعلمی خدمات کے بیان پر مشتمل ہے، اس حصہ میں علم تجوید وقراءت کی ترویج واشاعت میں مولانا کی خدمات جلیلہ کے تذکرہ کے ساتھ مسلم معاشرہ سے بدعات، غیر اسلامی رسوم کے خاتمہ اور مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کے لیے ان کی مساعی جمیلہ کا بھرپور تعارف کرایا ہے، اس ضمن میں مدرسہ اشرف المدارس اور مجلس دعوۃ الحق کی سرگرمیاں خاص طور سے نمایاں کی گئی ہیں۔

مختصر یہ کہ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں، دنیا کے مختلف حصوں میں علم قراءت وتجوید کی اشاعت وترقی کے لیے جو انفرادی واجتماعی خدمات انجام دی گئیں ان کے مطالعہ کے لیے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی، اللہ کرے صاحب کتاب کی قرآنی خدمات کا فیض مزید عام ہو اور ہم سب کو علم قرآن کی خدمت نصیب ہو''۔ (ج:۱۶، شمارہ:۱-۲، رمضان المبارک:۲۱-۲۲ھ)

یہ کتاب تکمیل اور تبییض کے بعد اہل علم حضرات کے پاس ان کی مقتدر رائے حاصل کرنے کے لیے روانہ کی گئی، علماء کرام اور قراء عظام نے اپنی گراں قدر آراء سے نوازا، کتاب کی اہمیت اور اس کی قدر ومنزلت کا ان میں اعتراف کیا گیا ہے،

مصنف کو خراج تحسین اور تبریک پیش کرتے ہوئے دعاؤں سے حوصلہ افزائی کی گئی، ذیل میں چند اہل علم حضرات کی تقریظات درج کی جاتی ہیں۔

کتاب کھولتے ہی سب سے پہلے جو چیز قلب ونگاہ کو سرور ونور کا سامان مہیا کرتی ہے، وہ ص:۲ر پر نہایت حسین وجمیل رسم وکتابت کے ساتھ نصف صفحہ کے سائز پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پیش کیا ہے، اس جملہ کی اہمیت اہل علم پر خوب واضح ہے، ہر مصنف اپنی کتاب کے مضمون کے آغاز میں اس حدیث کی روشنی میں لکھنا ضروری سمجھتا ہے ارشاد رسالت ہے:

"كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ وَاَبْتَرُ"

اس جملہ کی اہمیت کے بارے میں واضح انداز پر اور خوبصورت کتابت کے ساتھ اپنی کتابوں کے آغاز ہی میں، ص:۲ر پر پیش کرنے کا مصنف کا معمول ہے، وافر تعداد میں خوب صورت بسم اللہ جمع کر رکھا ہے، اور انھیں استعمال کرتے ہیں، اس سے مصنف کا ذوق جمال اور فکر سلیم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ص:۳ر سے فہرست مضامین کا آغاز ہوتا ہے، آپ نے فہرست میں جدت پیدا کی ہے، فہرستوں میں عموماً تین خانے ہوا کرتے ہیں، لیکن آپ کی کتاب میں ایک خانہ کا اضافہ ملے گا، یہ جدت نہایت نافع اور مفید ہے، یہ کتاب چوں کہ سوانحی ہے، اس کا موضوع شخصیات ہیں، شخصیت کے بعد کا خانہ، زیر فہرست شخصیت کے سن وفات یا سن ولادت کا ہے، اس جدت کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو صرف سن وفات کی تلاش ہو تو اسے کتاب کے مضمون میں جانے کی ضرورت نہ ہوگی، فہرست ہی میں اس کا مقصود ہاتھ آ جائے گا۔

اس جلد کے چار سو بیاسی ماہرین قراءات کی ۹ر صفحات پر مشتمل فہرست کے بعد، ص:۱۳ر پر جو چیز ذوق جمال کو جلا بخشتی ہے وہ ملک کے مشہور مؤرخ، مادہائے تاریخ کے امام حضرت مولانا محمد عثمان معروفی اعظمی کا پیش کردہ لوح تاریخی ہے، ایک صفحہ پر تاریخی الفاظ کے بکھرے ہوئے گل بوٹے، مناسب ہے کہ آپکی ضیافت طبع کیلئے پیش کردیے جائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسند تاریخی لوح

۱۴۱۹ھ

بمشکین رقم، حسن المحاضرات فی رجال القراء ات

۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۹ء = ۳۴۱۸

بسم اللہ الہادی المعالی الرحمن الرحیم ● نحمدہ الولی الماجد العظیم ونصلی علی النبی الکریم

۱۴۱۹ھ — ۱۹۹۹ء

وجیہ خدمت قرآن

۱۴۱۹ھ

اِنَّ اللّٰہَ جَلَّ یُحِبُّ اَنْ یُقْرَأَ الْقُرْآنُ کَمَا اُنْزِلَ ❁ بعرفان، زَیِّنُوْا القرآن بِاَصْوَاتِکُمْ

۱۴۱۹ھ، ۱۴۱۹ھ،

اَللّٰہُ الصَّمَد انزل علی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنْہُ

۱۴۱۹ھ

مرصع حسن المحاضرات❁ انکشاف رجال القراء ات

۱۹۹۹ء ۱۴۱۹ھ

صف آرا تذکرۂ قراء نیک گو قراء عظام

۱۹۹۹ء ۱۴۱۹ھ

وجیہ قطعہ تاریخ

۱۴۱۹ھ

موضوع پہ اپنے خوب انوکھی لکھی کتاب ❁ قاری ابوالحسن کی ہے جدت کا ایک باب
دور صحابہؓ سے اک قراء کا سلسلہ ہے ❁ تاحال قاریوں کا یہ ہے ذکر باصواب
خدمات کیسی کیسی ہیں قرآں کی دیکھئے ❁ کیا خوب کاوشیں ہیں یہ بے حد و بے حساب
جاوید باد عثماں تاریخ طبع یہ ❁ منبع عجیب ذکر حسن کیسا لاجواب

۱۹۹۹ء ❁ ۱۴۱۹ھ

جادو کلک مولف ابوالحسن اعظمی ☆ مزین قرارت وتجوید مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۹۹۹ء ۱۴۱۹ھ

محمد عثمان معروفی کان الحکیم الواجد لہ ☆ بقلم مداح محمد عثمان اعظمی

۱۹۹۹ء ۱۴۱۹ھ

تقریظات

❁ مولانا قاری رضوان نسیم صاحب شیخ القراء و نائب مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور لکھتے ہیں:

''میرے مکرم و معظم و قابل احترام دوست حضرت مولانا المقری ابوالحسن اعظمی صاحب کبیر اساتذۃ التجوید والقراءۃ دارالعلوم دیوبند، جن کو اللہ تعالیٰ نے اس فن اور اس کے متعلقات کے لیے خصوصی طور پر چنا ہے۔ اور جن کے قلم سے تصحیح و تحقیق کیساتھ نادر و نایاب اور بہت سی جدید اور نفیس کتابیں منظر عام پر آگئی ہیں، اور جن کا قلم ماشاء اللہ بڑی تیزی سے رواں دواں ہے، انھوں نے اس کا بیڑا اٹھایا اور ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات'' تصنیف فرما کر اس کمی کو پورا کیا۔ فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء!

مختلف حضرات کے احوال و کوائف، ولادت، وفات تدریسی و تصنیفی خدمات بلکہ ان کی پوری زندگی پر روشنی ڈالنا بڑا طویل اور سخت کام ہے، جو عرق ریزی، کاوش اور جدوجہد چاہتا ہے۔ مؤلف محترم اس کی تکمیل کے لیے کتنے مراحل سے گذرے ہیں، اور ان کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے ہیں، یہ تو وہی جانتے ہیں یا اس کا اندازہ وہ حضرات کر سکتے ہیں جو اس میدان کے شہ سوار ہیں، اور جن کو اس قسم کے کام سے واسطہ پڑا ہے، لیکن تھوڑا سا راقم الحروف کو بھی ہے کہ ان کو اس کام کے لیے بہت سے اسفار بھی کرنا پڑے ہیں۔

بہر حال موجودہ زمانے میں یہ کام انھیں کو زیب دیتا تھا، جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا، وہ مجودین، مقرئین مؤرخین اور سوانح نگاروں کی پوری برادری کی جانب سے مبارک باد اور شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہمت

وتوفیق سے سرفراز فرمائے، اوران کی سعی مشکور ہو، فقط"۔

❁❁❁

❁ مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی مدظلہ العالی رقم طراز ہیں:

"قاری صاحب نے موجودہ دورِ قحط الرجال میں اس فن اور اصحاب فن کی جو عظیم خدمات انجام دی ہیں ان خدمات نے موصوف کو "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما" کے زمرہ میں شامل کردیا ہے، قاری صاحب کی زیرِ طباعت تصنیف "حسن المحاضرات فی رجال القراءات" نے دورِ اوّل سے لے کر آج تک کے اصحاب فن کے تذکار کو —— اور فن کی نوک پلک درست کرنے والی (پچاس سے زائد) تالیفات نے اس فن عظیم کو جس طرح امت کے ہاتھوں میں پہنچایا ہے امت اس کی ہمیشہ شکر گذار رہے گی۔

کتاب مذکور اپنے موضوع کو مکمل طور پر احاطہ کرنے والی اردو میں اوّلین کتاب ہے، بلاشبہ قاری صاحب نے اپنے فیوض سے دارالعلوم دیوبند کی شہرت کو نہ صرف قائم رکھا ہے بلکہ اسے آگے بڑھایا ہے، یہ استقامت کی بات ہے اور اسلاف کرام کے ساتھ روحانی تعلق کی بات ہے۔

خانہ زادوں کو کہاں قید محبت سے فراغ
ہم وہ بلبل ہیں یہیں خاک گلستاں ہوں گے

❁❁❁

❁ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ارقام فرماتے ہیں:

"......ضرورت اس بات کی تھی کہ تمام قراء کے احوال سے امت کو واقف کیا جائے، مجھے بہت خوشی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، قاری جلیل جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی زیدمجدہ نے اس موضوع

پر قلم اٹھایا ہے، اور قابل فخر، لائق تحسین اور حیرت انگیز کام دو جلدوں میں انجام دیا ہے۔ قاری صاحب کا یہ کام انشاء اللہ قارئین کرام سے خراج تحسین وصول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائیں، اور امت کو اس سے فیض یاب فرمائیں۔ قاری صاحب کی اس سے پہلے متعدد کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں امید ہے کہ یہ کتاب بھی دوسری کتابوں کی طرح فیض رساں ثابت ہوگی''۔

❁❁❁

❁ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند رقم طراز ہیں:

''اس کتاب میں ـــــ حضرت عثمان غنیؓ سے عہد حاضر تک ہر صدی کے منتخب قراء کرام کا استیعاب کیا گیا ہے، اور ان کی زرّیں خدمات بیان کی گئی ہیں، ان میں ممالک اسلامیہ کے قراء بھی شامل ہیں اور ان کے علاوہ اندلس اور مشرق و مغرب کے تمام ممالک کے خدام تجوید و قراءت کے تذکرے قلم بند کیے گئے ہیں، اور عصر حاضر میں جن مدارس میں اس فن کی قابل ذکر خدمات انجام دی جارہی ہیں ان کو تذکرہ میں شریک رکھا گیا ہے۔

اس طرح آٹھ سو کے قریب (اصالۃً ورنہ ضمناً تقریباً دو ہزار) تجوید و قراءت کے نامور خدام کا یہ مبسوط تذکرہ بارہ سو اٹھارہ صفحات پر محیط ہے۔ اور اس کو دو جلدوں میں شائع کیا جارہا ہے۔

جناب قاری ابوالحسن صاحب زید مجدہ تازہ تالیف کی وجہ سے تمام اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ انھوں نے تنہا وہ کام کر دیا جسے عصر حاضر میں ''مجمع علمی'' کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے۔

راقم الحروف صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتا ہے، کہ انھوں نے شب

وروز محنت کر کے اپنے نامہ اعمال کو روشن وتابناک بنایا اور اس فن کے خدام کا مبسوط تذکرہ لکھ کر انھیں حیات دوام سے ہم کنار کر دیا، دعا ہے کہ پروردگار عالم اس خدمت کو بھی ان کی پہلی خدمات کی طرح قبول عام کی دولت سے نوازے اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول عطا کرے۔ آمین"۔

❁❁❁

❁ حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند رقم طراز ہیں:

"......حضرت قاری ابوالحسن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے بڑی عرق ریزی کر کے ان علمائے امت کے تراجم جمع کیے ہیں جنھوں نے ہندوستان اور بیرون ہند اس مبارک فن کی خدمت کی ہے۔

قاری صاحب موصوف کا یہ کام مبارک بادی کا مستحق ہے، راقم الحروف دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اہل قرآن کی اس خدمت کو قاری صاحب کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!!"۔

❁❁❁

❁ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی استاذ حدیث وادب ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند ارقام فرماتے ہیں:

"......تدوین علوم کے دور اوّل سے علم قراءت کی نوع بہ نوع خدمات سے تعلق اور خصوصی توجہ رکھنے والے حضرات علماء کرام کی طویل، عریض لمبی فہرست پر نظر ڈالنے سے ایسے عباقرۂ وقت علماء کی صورتیں نظر آتی ہیں جن کے سامنے ہر دور سے تعلق رکھنے والوں نے ان کی عظیم خدمات کے آگے اعتراف اور اقرار کی گردنیں جھکائی ہیں۔

لیکن جوں جوں خیر القرون سے دوری ہوتی گئی، اس عظیم علم سے بے اعتنائی بڑھتی گئی —— اور یہ بلاشبہ ایک سانحہ اور قابل افسوس صورت حال

ہے۔مگر—— اس افسوس ناک صورت حال میں اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے ہمیں ایک ایسا خادم قرآن وقراءت نظر آتا ہے جس نے اس تاریک ترین دور میں اپنی تعلیمی وتدریسی اور تصنیفی وتالیفی جدوجہد کی ایسی شمعیں روشن کی ہیں جن سے یہ علم گوشۂ خمول سے روشنی میں آگیا۔

علامہ شاطبیؒ نے اپنے شہرۂ آفاق قصیدہ شاطبیہ لامیہ کے مقدمہ میں فرمایا ہے:۔

لَهَا شُهُبٌ عَنْهَا اسْتَنَارَتْ فَنَوَّرَتْ
سَوَادَ الدُّجٰی حَتّٰی تَفَرَّقَ وَانْجَلَا

میری مراد محترم استاذ القراء المقری مولانا ابوالحسن صاحب اعظمی سلمہ کی ذات گرامی ہے، آپ اس شعر کے مصداق ہیں، آپ نے علم القراءۃ کے ہر گوشہ کو اپنی خدمات کا مرکز بنایا۔آپ کے موئے قلم نے تجوید وقراءت اور اس کے جملہ متعلقات کے گیسو سنوارے ہیں۔

مقام صد مسرت ہے کہ آپ کے قلم سے خدام قراءت کی عظیم خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے تذکرہ کا ایک عظیم انتخاب بنام ''حسن المحاضرات فی رجال القراءت'' بارہ سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔

یہ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ کی توفیق وفضل سے اس ضرورت کی بوجہ احسن تکمیل ہوئی۔اس پر جس قدر بھی آپ کو مبارک باد پیش کی جائے کم ہے۔بلاشبہ آپ کی یہ عظیم خدمت، عالمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی عظمت اور اس کی شان علمی کے اندر اضافہ کا باعث ہے۔

دل کی گہرائیوں سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے میں جناب باری میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ شرور وفتن سے محفوظ فرمائے، صحت

وسلامتی کے ساتھ اس علم جلیل کی بیش از بیش خدمات کی توفیق بخشے، اور آپ کی جملہ تصانیف کی طرح اس اہم تصنیف کو بھی قبولیت سے نوازے۔ آمین!۔

اخبار ورسائل کے تحسینی کلمات

''بارہ سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل اتنی ضخیم دو جلدوں میں کتاب کا زیور طبع سے آراستہ ہو جانا، کسی ایسے فرد واحد کی جانب سے یہ بلاشبہ توفیق الٰہی اور فضل خداوندی ہی تھا، جس کا کوئی لمبا چوڑا معاشی واقتصادی سلسلہ اور ذریعہ نہ ہو، مگر بقول مولانا پالن پوری ''آپ نے قابل فخر، لائق تحسین، اور حیرت انگیز کام انجام دیا ہے''۔

اور بقول مولانا ریاست علی صاحب بجنوری

''آپ نے وہ تنہا کام کر دیا ہے جسے عصر حاضر میں ''مجمع علمی'' کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے''۔

اور بقول ایک مفکر کے:

''آپ نے ایک پہاڑ کے پتھر کاٹ کر اس سے جوئے شیر نکالنے کا بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے''۔

اس عظیم الشان نہایت اہم تاریخی کتاب کو مکمل کرنا اور اسے بلا تاخیر طباعت کے مراحل سے بطریق احسن گذر جانا ایک معمولی جسم و جسامت، ایک مشت خاک جسے دیکھ کر یقین بھی نہ آئے یہ محض مقبولیت خداوندی ہی ہے۔ چناں چہ طباعت کے بعد ملک کے مشہور اور اہم اخبارات ورسائل نے نہایت حوصلہ افزاء تعریفی وتوصیفی کلمات لکھے، اختصار کی غرض سے صرف دو تحریریں درج کی جاتی ہیں:

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ترجمان ''مظاہر علوم'' نے لکھا:

''دارالعلوم دیوبند ایک بین الاقوامی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک علمی اور دینی

تحریک ہے، اس کے فضلاء ہر میدان کے شہ سوار نظر آ رہے ہیں۔

ایک نہایت اہم میدان، میدان تصنیف و تالیف بھی ہے، اس میدان کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، ہر علم وفن پر تصانیف کا انبار ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ***** استاذ تجوید و قراءت دارالعلوم دیوبند کی زندہ تالیف ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات'' ہے —— اردو زبان میں اب تک ایسی جامع کوئی کتاب نہ تھی جس میں عہد صحابہ سے اب تک کے مشہور اور منتخب قراء عظام اور ان کی زرّیں خدمات کا مستند تذکرہ ہو، اس میں سات سو اٹھارہ عنوانات ہیں، مؤلف کی طرف سے نہایت بصیرت افروز اور معلوماتی مقدمہ ہے —— '' (اپریل: ۲۰۰۰ء)

کثیر الاشاعت ہفت روزہ ''نئی دنیا'' نے لکھا:

''بین الاقوامی شہرت یافتہ تعلیمی ادارہ دارالعلوم دیوبند نے اپنے یوم تاسیس ہی سے ایسے فضلاء پیدا کرنے میں سخاوت سے کام لیا ہے، جنھوں نے اسلام کی ہر نہج سے خدمت کی ہے، تعلیم و تدریس، وعظ و تبلیغ، تصنیف و تالیف غرضیکہ ہر میدان میں فضلاء دارالعلوم دیوبند شہ سوار ثابت ہوئے ہیں —— یہی وجہ ہے کہ اس کے دینی و علمی اثرات برصغیر ہند کی اسلامی زندگی پر بہت دوررس ہیں۔ اگر فضلاء دارالعلوم کے فیضان عام کا جائزہ لیا جائے تو بقول حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ ہندوستان کا کوئی علمی حلقہ ایسا نظر نہیں آئے گا جہاں دارالعلوم کی ظاہری و معنوی برکات نہ کام کر رہی ہوں، اگر صرف تصانیف کے بیش بہا ذخیرہ کو دیکھا جائے تو علماء دیوبند کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع ہے —— دینی علوم وفنون کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس پر علماء دیوبند نے کتابیں نہ لکھی ہوں اور جن سے ملک وملت نے فائدہ نہ اٹھایا ہو، زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں مصنف نے، علم

تجوید کے ماہرین، اس علم کو تحریر و تدریس کے ذریعے فروغ دینے والے مشائخ، تجوید و قراءت کے مراکز و مدارس کے عظیم کارناموں اور دورِ صحابہ سے عصر حاضر تک کے قراء عظام کے تاریخ ساز کارناموں کو جمع کر کے علم تاریخ کے ایک نئے گوشے کو اجاگر کیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب تجوید و قراءت کے عنوان سے بذاتِ خود ایک کارنامہ بن گئی ہے۔ دوسری جلد میں عہد حاضر کے نامور قراء کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، عصر حاضر میں جن مدارس میں اس فن کی قابلِ ذکر خدمات انجام دی جارہی ہیں دوسری جلد کے اخیر میں ان کے تذکرہ کو بھی شریک کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب ایک جامع دستاویز اور عصر حاضر کی عظیم ترین خدمت بن گئی ہے۔

فن قراءت میں اسماء الرجال کے موضوع پر اردو زبان میں اس کتاب کو اوّلیت کا درجہ دیا جاسکتا ہے"۔ (الجاز ارشد، نئی دہلی: ۹ر سے ۱۵ر نومبر ۱۹۹۹ء)

❀❀❀

حسن المحاضرات فی رجال القراءات

ایک ژرف نگاہ مبصر کے قلم سے

''وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے''

(از: مولانا عبدالرشید صاحب بستوی

گرامی قدر جناب قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کی شخصیت برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے اربابِ علم وفضل کے لیے کسی تعارف وتعریف اور تذکرے کی محتاج نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ عرصے پر پھیلی ہوئی تدریسی خدمات تجوید وقراءات اس طویل مدت کے دوران ان کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنے آپ کے علوم تجوید وقراء ت کے چشمۂ صافی، کافی ووافی سے بقدر ظرف سیرابی اور آپ کے آسمان علم وفضل سے بہ قدر حوصلہ ستارے توڑنے کے بعد سیکڑوں افراد، ملک کی نمایاں اور معروف ومشہور درسگاہوں سے اب بہ ذات خود ایک انجمن اور فیاض چشمۂ فیض بن چکے ہیں، یہ فضیلت اپنی جگہ پر کچھ کم نہیں ہے۔

مگر ستاروں پر کمندیں ڈالنے والی بلکہ ستاروں سے بھی آگے جہان کی تلاش وجستجو میں سرگرداں حوصلے اور ولولے، بھلا اس کائنات ارضی کی صحرا نوردی اور دشت پیمائی پر کب قناعت کرنے دیتے ہیں قاری صاحب کے بھی عزم جواں نے انھیں ہمہ تن اضطراب سے ہم کنار کر کے، سراپا شہید جستجو بنا دیا، بہ قول شاعر فطرت وشہنشاہ تغزل جگر مرادآبادی:۔

ہم سے ادا ہوا ہے جگرؔ! جستجو کا حق ❁ ہر ذرہ کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

قاری صاحب نے دنیائے علم وفضل کو اپنی تصنیفی جولانیوں، تحریری غواصیوں اور زرّیں تالیفی کاوشوں کو چشم دید شاہد عدل بنادیا، خود ہی سوچئے کہ ایک نحیف ونزار بدن، مختصر ترین قد وقامت اور تنگ ترین حدود جسم اور پانچ درجن کے قریب علمی، تحقیقی اور معیاری کتابیں، آپ ہی بتائیں کہ اسے فضل ربی کی موسلا دھار بارش کے علاوہ اور کس عنوان سے تعبیر کیا جائے اس پر بھی رہوار قلم ستانے اور دم لینے کی غرض سے ایک لمحہ کے لیے بھی رکنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ!

قاری صاحب کے گہر بار قلم سے جو آب دار موتی نکلے، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر گراں بہا گنجینہ اور بیش قیمت خزینہ ہے، مقدمۃ الجزری کی دل کش تشریح ''النجم العمریہ'' ہو یا تیسیر کی شرح ''تبشیر'' ہو یا ''علم قراءات اور قراء سبعہ''، ''کاتبین وحی صحابہ کرام''، ہو یا ''حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات'' لیکن کہنے دیجئے کہ ان علمی لآلی وجواہر میں جس موتی کو گوہر آب دار اور در شاہوار اور ان کتابوں پہ جس کتاب کو شاہ کار دستاویز کا مقام حاصل ہے، وہ ہے دوضخیم جلدوں پر محیط عہد صحابہ سے لے کر اب تک کے اساتذہ تجوید وخادمان قراءت علماء وفضلاء کے مستند تذکروں پر مشتمل ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات''۔

اس کتاب میں علم تجوید وقراءت کی زرّیں تاریخ، پس منظر، اساطین علم تجوید کا ایمان افروز تذکرہ وتعارف، اساتذہ فن کی فنائیت فی العلم کی روح پرور داستان حیات، علم تجوید کی تدوین وترتیب کی حسین خدمت انجام دینے والے محسنین فن کے کمالات، زندگی سے نقاب کشائی کا اس علم کو زندہ وتابندہ اور حیات جاوداں بخشنے کی خاطر جاں سوز قربانیوں کی تفصیل، رشک ملائکہ قرائے عالی مقام کے زہد وورع، صلاح وتقویٰ، اور تذکیر وتطہیر، باطن کی بہار آفریں زندگیاں، اس بابرکت وتقدس مآب علم کی پاکیزگی اور لطافت کی جلا اور رونق کی ضمانت، عالمانہ، محققانہ اور فاضلانہ کتابوں اور ان کے صد ہزار بار لائق تبریک وتحسین مصنفین کا ولولہ انگیز تعارف، اس

علم کے عہد بہ عہد ارتقاء کا دقیق تحلیل وتجزیہ، سرزمین بطحا سے نکل کر وادیوں گھاٹیوں سے گزرتے اور سرسبز وشاداب منزلوں پر قیام کرتے ہوئے، کب کس راہ سے اس علم نے غیر منقسم ہندوستان کی زمین کو مشک ریز خوش بو سے معطر کیا، اس کا البیلے واچھوتے انداز میں تذکرہ، ساتھ ہی ان مقدس گزرگاہوں اور مبارک ومسعود قیام گاہوں کا شگفتہ وشستہ تعارف، ہندوستان کے عالی قدر ائمہ فن، اساتذۂ تجوید اور خادمانِ قراءت کا قدرے مختصر مگر جامع ترین ذکر اور سب سے بڑھ کر ''زندہ کشی ومردہ پرستی'' کے اس فرسودہ ماحول میں مردوں کی کرامات وبرکات کے پہلو بہ پہلو زندہ رندانِ مے کدہ کی سرمستی وعشق سودائی اور جاں گدازی کی بھرپور قدردانی کرتے ہوئے ان کی خدمت میں عقیدت ومحبت کے جام لنڈھائے گئے ہیں۔ مردوں اور بڑوں کو تو ہر کوئی خراج تحسین پیش کرتا ہے اور یہ کوئی جرم بھی نہیں بلکہ اپنی جڑ سے الگ ہو کر شاخیں خود اپنا وجود بھی کھو بیٹھتی ہیں، مگر بادہ کشان دیارانِ مے کدہ معاصر واحباب اور خادمانِ جام ومینا خردوں، تلامذہ اور شاگردوں کی خدمات کا اعتراف واقرار اور ان کا تعارف وتذکرہ کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں۔ یہ نیک خدمت بھی اور سوانح نگاری کی دنیا میں یہ انقلاب، قاری صاحب جیسے انقلاب پسند، خاراشگاف اور جوش وجنوں وسرمستیٔ عمل سے سرشار باتوفیق ہی انجام دے سکتے تھے۔

ان ہشت پہلو خصوصیات وامتیازات کو پیش نظر رکھیے اور پھر انصاف کے ساتھ سوچیے کہ قاری صاحب کو یہ کتاب ترتیب دینے میں کیسی جاں کاہی اور کوہ کنی کرنا پڑی ہوگی، کتنی راتوں کو دن بنانا پڑا ہوگا، کتنی حسین شامیں قربان کی ہوں گی کتنی صبح گاہی بادِنسیم سے دامن جھاڑنا پڑا ہوگا، کتنے قدیم خرمنوں سے دانے چننے پڑے ہوں گے، کتنے تلاطم خیز سمندروں میں غوطہ زنی کرنی پڑی ہوگی، کتنی باغی لہروں سے آمادۂ پیکار ہونا پڑا ہوگا، کتنی روح فرسا حوصلہ شکن خارشگافیٔ حیات وستم شعاریٔ احباب کے تلخ گھونٹ، شراب لذیذ سمجھ کر پینے پڑے ہوں گے؟ جذبۂ دل، سوز دروں، شوق

جنوں، جوشِ عمل اور اخلاصِ نیت، یہ وہ متاع بیش بہا بلکہ گنج ہائے گراں مایہ ہیں، جو ہر شہیدِ جستجو کے قلب ونظر کو اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کرتے اور اپنی قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ اس کتاب نے بھی اربابِ دانش اور اصحابِ علم وفضل سے اپنا جائز خراجِ تحسین وصول کیا اور سرفروشانِ علم تجوید طلبہ مدارس کو اس پر پروانہ وار گرنے پر مجبور کیا۔ اس کا جیتا جاگتا ثبوت وہ تقریب سعید ہے، جو تندئ بادِ مخالف کے باوجود تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوئی، نکتہ شناسانِ علم اور عاشقانِ معرفت، کشاں کشاں پہنچے اور اعتراف وقبولیت کے حیرت انگیز مظاہر کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

یہ کتاب ہماری قدردانی کی محتاج نہیں، بلکہ ہم اس کے گنجینۂ علوم ومعارف اور خوانِ علم وفضل کے دریوزہ گر ہیں۔ آیئے ہم بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوں، اس کے نایاب علمی موتیوں سے اپنے دیدہ ودل کو منور کریں اور اپنی علمی تشنگی کو اس کے آبِ حیات سے سیراب اور اپنے خزاں رسیدہ چمن زار قلب کو سبز وشاداب اور باغ وبہار کریں۔

دو جلدوں میں، تقریباً بارہ سو صفحات، خوب صورت کتابت، دیدہ زیب طباعت اور صاف ستھرا کاغذ۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم!
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

❀❀❀

مضامین

مشاہدات ◦ تاثرات

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف...

از: مولانا عبدالرشید صاحب بستوی

استاذ معہد الانور دیوبند

یہ دنیا کس قدر ستم ظریف واقع ہوئی ہے؟ اس کا اندازہ لگانا ہو تو تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنا چاہیے، اس جفا کش عالم کے انداز ہی نرالے ہیں، اس کی ریت اور روش ہی انوکھی ہے، اس کی افتاد طبع ہی کچھ مختلف ہے، اس کے طور طریق ہی اپنی مثال آپ ہیں، اس کی اقدار وروایات ہی کچھ بدلی بدلی سی معلوم ہوتی ہیں، اور اس کے ناز وانداز ہی کچھ اور ہیں۔ یہاں دنیا نے عدل وانصاف کی رسوائی دیکھی، عدالتوں کی بے بسی و بے کسی کا رونا رویا، بازار نفسانیت میں، عدل پسندوں کے دام لگتے اور انہیں کوڑیوں میں بکتا ہوا دیکھا، حق پرستوں کی لاچاری، بے یاری اور شکست سے ہم رکابی دیکھی، ظلم واستبداد کے رعب وداب دیکھے، ظالموں کے عروج اور اقبال مندی کے افسانے پڑھے، ضمیر فروشوں اور نفاق شعاروں کی چمک دمک اور طمطراق دیکھے، وفا کی خاردار راہیں دیکھیں، اور بے وفائی کے دل کش آغاز کی کہانیاں سنیں، احسان شناسی کی کم یابی، بلکہ نایابی پر خون کے آنسو روئے تو احسان فراموشی کی دل خراش داستانیں رقم ہوتی دیکھیں، ایک مخلص ومربی ومعلم کی، تربیت یافتگاں کے ہاتھوں گردن زدنی کے دن دیکھے اور ساحل پر کھڑے اپنوں کا ازراہ ہمدردی آنسو بہانا بھی دیکھا۔ اور یہ سب کچھ دشمنوں کے نہیں، دوستوں کے ذریعے، غیروں کے نہیں، اپنوں کے ہاتھوں، رہزنوں کے حوالے سے نہیں؛ رہبروں کی معرفت بقول شاعر ؎

دشمنوں نے تو دشمنی کی ہے ❁ دوستوں نے بھی کیا کمی کی ہے

مگر سلام ہو ان جیالوں پر، قربان جائیے ان حوصلہ مندوں پر، داد دیجئے ان عالی ظرفوں

کو؛ جوان سب حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات سے اپنا دامن جھاڑ کر آگے نکل گئے۔۔

دامن جھٹک کے منزلِ غم سے گزر گیا ❁ اٹھ اٹھ کے دیکھتی رہی گردِ سفرا سے

اوران بدقماش بندگان سیم وزرکو بہ بانگ دہل یہ سبق دے گئے۔۔

مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے

مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

تاہم دیانت کی قسم کھا کر غور کیجئے کہ دل کے بہلانے کوتو وہ یہ کہہ گئے؛ مگران کے ضمیر پر کیا گزری، جذبات کا کیسا خون ہوا، احساسات کس قدر مرجھائے اور کھلائے اور طبع نازک پر رنج وغم کے کیسے کیسے پہاڑ ٹوٹے ہوں گے؟ ؏

دِوانہ مرگیا آخر تو ویرانوں پہ کیا گزری؟

کچھ ایسی ہی داستان صاحب سوانح کے حصے میں بھی آئی ہے؛ جنہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، قوت گویائی عطا کی؛ جن کی خفتہ صلاحیتوں کو جگا کر پروان چڑھایا، جنہیں گم نامی سے نکال کر رونقِ محفل اور زینتِ انجمن بنایا، جن کے لیے رات کو دن اور دن کو رات بنایا، جن کی خاطر اپنی خودی لہولہان ہوتی ہوئی دیکھی اور جن کی وجہ سے اربابِ انجمن سے آزردہ خاطری مول لی، جب وہی پیروں کے بل چلنے کو آئے، مجلس میں رسائی ملی، شہرت وعظمت کے دریچے واہونے لگے تو اس شجر سایہ دار کے حریف بن گئے، انہوں نے اس کی جڑوں کی آب گرم سے آب یاری کی، انہوں نے ہی شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ایک جفاشعار مار آستین کی مانند ڈس لیا، ان تمام باتوں پر اس نے صرف یہ شعر پڑھ کر یادِ ماضی کے عذاب شیریں سے نجات پانے کی کوشش کی۔

اُعَلِّمه الرِّمایةَ کُلَّ یومٍ ❁ فَلَمَّا اشْتَدَّ سَاعِدَهُ رَمَانِیْ

یاایک اردو شاعر کی زبانی پر یوں گویا ہوا؟

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف ✫ اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

مگر فرزانے کبھی شکست تسلیم نہیں کرتے، اگر تسلیم کرلیں تو فرزانگی کیسی؟ وہ

تو اپنے عزم وحوصلے، اپنے سوز دروں، اپنی تب وتاب زندگی، اپنی زندہ دلی، اپنے جذبۂ عمل اور اپنے جہد مسلسل سے عبارت، تخلیقی کردار سے ایک نئی دنیا بسا لیتے ہیں، ایک نئی انجمن کے صدر نشیں بن جاتے ہیں، اپنے گرد پروانوں کا ایک اور ہالہ تیار کر لیتے ہیں، اپنی صلاحیتوں کے لیے دوسرا میدان تلاش کر لیتے ہیں، اپنی تگ وتاز کی خاطر نئی راہیں تراش لیتے ہیں اور اپنے اشہب فکر کے لیے پہلے سے بہتر، اور خوب تر جولان گاہ تیار کر لیتے ہیں۔ انہیں اپنی صلاحیتوں کے لیے دوسرے کا دست نگر نہیں بننا پڑتا، دوسرا خود دوڑ کر آتا ہے، وہ کسی صدف کے انتظار میں عمر گریزاں صرف نہیں کرتے: بلکہ جس سنگ ریزے کو بھی چھولیں، وہی لعل وگہر بن جاتا ہے۔

رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی مے خانہ ہے

کہتے ہیں کہ طوفان جہاں بہت سوں کے لیے مرگ ناگہانی کا پیغام لے کر آتا ہے، وہیں بہت سی خوابیدہ طبیعتوں کو بیدار اور بہت سی سنگ لاخ زمینوں کو باغ وبہار بنا جاتا ہے۔ ہر مصیبت کسی نہ کسی راحت کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور ہر تخریب کی کوکھ سے کوئی نہ کوئی تعمیر جنم لیتی ہے۔ صاحب سوانح کی تلاطم خیز زندگی پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے، تو سب سے واضح، نمایاں اور سب سے پہلے جو حقیقت آشکارا ہو کر سامنے آئے گی، وہ یہی ہوگی کہ یہ دل دوز اور جگر سوز حالات پیش ہی اس لیے آئے کہ عزائم بلند حوصلے مضبوط، ارادے جواں اور قوت عمل تیز سے تیز تر ہو جائے، اگر یقین نہ ہو تو چشم بینا سے ملاحظہ کرو۔ تجوید وقراءت کے وسیع میدان میں جیسی برق رفتار جست، حالات کے گرداب میں پھنس کر نظر آتی ہے، کیا یہی تیزی پہلے بھی دیکھنے میں آئی؟ جتنے نقوش قلم اس موج حوادث سے دوچار ہونے کے بعد ثبت ہوئے اتنے اس سے پہلے بھی ہوئے تھے؟

ایک بار آور اور کار آمد انسان کی پہچان یہی ہے کہ حالات وواقعات کے ساتھ نہ

تو کسی قسم کی نفاق آمیز مصالحت کرے اور نہ ہی ان سے دل گرفتہ وآزردہ خاطر ہو؛ بلکہ ان سے اپنے قلب ونظر کی بیٹری چارج کرے اور اپنی متاع گراں مایہ بچا کر ان سے آگے نکل جائے۔ اور اپنے ستم شعار دوستوں کو یہ پیغام دے جائے۔

چلا جاتا ہوں ہنستا، کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

اور اپنی عظمتِ کردار سے پریشانیوں کو آواز دے، انھیں گلے لگائے اور ان لفظوں میں اُن کا استقبال کرے۔

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے!

اور پھر وہ بھی کیا سمندر ہے، جس کی موجوں میں اضطراب نہ ہو، جو کسی تلاطم سے آشنا نہ ہو، جس کی لہریں ساحل سے نہ ٹکرائیں؛ وہ بھی کوئی دل ربا ہے، جو لہرائے نہ بل کھائے، جو غمزہ کرے نہ عشوہ، جو روئے نہ شرمائے۔ اسی طرح وہ زندگی بھی کوئی زندگی نہیں، جس میں نشیب وفراز نہ ہوں؛ جو امیری کے طنطنوں اور فقیری کے ہمہموں سے بہرور نہ ہو، جو اپنوں کی جفاؤں اور غیروں کی ستم ظریفیوں سے لطف اندوز نہ ہو، اور جو قبض وبسط کی اٹکھیلیوں سے نغمہ سنج نہ ہو۔

اس لیے جو کچھ پیش آیا اس پر قلبِ حزیں کو رنج تو ضرور ہے، مگر حسرت آمیز شکوہ کیسا؟! کہ۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

❁❁❁

دارالعلوم دیوبند

کی ایک انوکھی شخصیت

از: مولانا مفتی اعجاز ارشد قاسمی
ویب ایڈیٹر دارالعلوم دیوبند

انسانی تاریخ میں بہت سی ایسی شخصیتیں ہیں، جن کے نام مخصوص تحریکات وانقلابات، سماجی تغیرات وتبدلات، نئی اقدار و روایات، جدید تحقیقات وانکشافات اور تصنیفات وتالیفات کے ساتھ منسلک اور وابستہ ہوگئے ہیں۔ عصر حاضر کا دامن بھی اس طرح کی عظیم شخصیتوں سے خالی نہیں ہے۔ آج اگر از ہر ہند دارالعلوم دیوبند دنیا بھر میں اپنا منفرد مقام رکھتا ہے اور اس کی عظمت ورفعت کو پوری دنیا سلام کرتی ہے، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس ادارہ نے ایسی عظیم ہستیوں کو جنم دینے میں فراخ دلی سے کام لیا ہے، جن کی دینی وعلمی اور سیاسی وسماجی خدمات کا دائرہ پوری دنیا میں وسیع ہے اور وہ اپنے ان مخصوص کارناموں کی وجہ سے انفس وآفاق پر چھائی ہوئی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں آج بھی ایسے ماہرین علم وفن کی کمی نہیں ہے، جن کی علمی وفنی صلاحیتوں کا چرچا ہندوپاک کی سرحدوں سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ صرف ایک فن میں ۵۰/ سے زاید کتابوں کی تصنیف فرد واحد کردے، یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اس طرح کی انوکھی اور اہم خدمت انجام دینے کا سہرا دارالعلوم دیوبند کے سر بندھا ہوا ہے۔ اس کی درس گاہ میں آج کے علمی انحطاط کے اس دور میں قرآن کریم کا ایسا خادم بیٹھا ہوا ملے گا، جس کے سامنے ایک خوبصورت سی ڈیسک ہوگی اور اردگرد تجوید وقراءت کے طلبہ کا ہجوم۔ ہزاروں کی

تعداد میں قرائے کرام تیار کرنے کے علاوہ ان کی زندگی کا سب سے اہم اور انوکھا باب ان کی تصنیفات ہیں، جن میں صرف فن تجوید وقراءت پر لکھی جانے والی کتابیں ۵۰؍ سے زاید ہیں۔ آیات قرآنی کو اپنی سریلی آواز سے زینت بخشنے والے اس عظیم مصنف کو تجوید وقراءت کی دنیا میں ''قاری ابوالحسن اعظمی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

آپ کے اوصاف وکمالات اور سیرت وصورت کو اگر الفاظ کا جامہ پہنایا جائے، تو جوش ملیح آبادی سے کچھ الفاظ مستعار لینے ہوں گے۔ خوش وضع، خوش طبع، خوش دماغ، خوش فکر، خوش رو، خوش اخلاق، خوش لباس، خوش گفتار، خوش کردار، خوش تبسم، خوش اوقات، خوش مدارات، اس کے علاوہ وہ سب کچھ جن کے اظہار کے لیے الفاظ کا تعاون نہیں...! آپ اپنی موہنی صورت کی جاذبیت، رنگ کی طلاقت، آنکھوں کی مروّت، تکلم کی موسیقیت، تبسم کی حلاوت، دارالعلوم دیوبند کی وجاہت، دل میں آسمان جیسی وسعت، مزاج کی بے نظیر شرافت، کردار کی عدیم المثال نجابت کی وجہ سے قرائے کرام کا افتخار، اعظم گڑھ کا وقار اور انسانی دنیا کا اعتبار بنے ہوئے ہیں۔ ایسی شخصیت اتنی آسانی سے کہاں نظر آجاتی ہے۔ ؂

مت سہل ہمیں سمجھو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

دارالعلوم کی مشہور عمارت نودرہ کے جانب شمال میں ایک درس گاہ ہے، جس میں ایشیا کی اس عظیم درسگاہ کے صدر القراء، فن تجوید وقراءت کے منتہی، مملکت شرافت کے تاج دار، ایثار وخلوص کے علم بردار اور کاروانِ زہد واتقا کے سالار؛ تشریف فرما ہوتے ہیں۔ نام ''ابوالحسن'' ہے، خود بھی حسین ہیں اور ذوق میں بھی نام کا اثر ہے، طبیعت میں سادگی اور مزاج میں انکساری اتنی، کہ تکلف وتصنع کا زندگی کے قریب سے کبھی گزر نہ ہوا ہو۔ ملنے کا انداز ایسا نرالا کہ پہلی ہی ملاقات میں عشق ہوجائے۔ جذبات میں اتنی پاکیزگی اور فکر میں ایسی بلندی، کہ نو وارد مہمان ایک ہی زیارت میں

متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔غالب کی زبان میں ؎

قیامت ہے اسدؔ اس کی ہر اک بات ٭ عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

ذوق اتنا عمدہ اور طبیعت ایسی لطیف و نظیف کہ میر و غالب کی غزل ان کے خوب صورت ملفوظات کے سامنے شرما جائے۔کوئی خوب صورت چیز نظر آجائے تو قاتلانہ مسکراہٹ سے استقبال، فدایانہ کیفیت کے ساتھ زبان پر مرحبا مرحبا! اور کوئی ناپسندیدہ چیز سامنے سے گذر جائے تو طبیعت میں شدید انقباض اور چہرہ پر پژمردگی کے آثار ہویدا۔نو وارد کے دل میں اس ذوقِ سلیم پر نہ جانے کیسے کیسے شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں؛ لیکن جس کسی نے بھی دل میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی، تو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ؎

خیال صنعت صانع ہے پاک بینوں کو ٭ درود پڑھتے ہیں وہ دیکھ کر حسینوں کو

شاگردوں کے انتخاب میں بھی حسن ذوق کا خاص دخل، بسا اوقات طلبہ کی مجلس کو زعفران زار بنانے کے لیے لطیف مزاح بھی؛ لیکن سبھی شاگردان رشید آپ کے دل کے تقدس اور نظر کی پاکیزگی کی قسم کھانے کے لیے تیار۔گویا آپ کی طبیعت کا جمالیاتی پہلو بے خودی کے عالم کی ایک ایسی تمہید ہے، جس کے ذریعہ دنیاوی محاسن سے لطف اندوز ہو کر فاطر ہستی کا نقشہ دل میں جمایا جاتا ہے۔بقول شاعر ؎

ہماری بے خودی تمہید ہے تیری نمائش کی
مٹا کر نقش اپنا ہم ترا نقشہ جماتے ہیں

مزاج میں شوخی، دل میں جوانی اور طبیعت میں رنگینی ایسی، کہ پہلی ملاقات میں خواہ شناسائی ہو یا نہ ہو؛ مزاحیہ کلمات زبان سے جاری ہونے میں تاخیر نہیں ہوتی ؛لیکن انداز میں ایسی جاذبیت اور گفتگو میں اتنی مقناطیسیت، کہ مجلس خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے ،طبیعت میں اکتاہٹ تو کیا، دل و دماغ میں اک نئی خوش گوار آندھی آجاتی ہے۔ ؎

نہ تخت وتاج میں ، نہ لشکر وسپاہ میں ہے ❁ جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

مخالف ومعاند کو بھی اس باکمال اور صاحب ذوق مرد مومن کی حقیقت کا علم ہے، پھر بھی تنقید کا بازار گرم ہونا اور تقویٰ وطہارت کے اس پیکر مجسم کے حسن ذوق کو مجروح کرنے کی کوششیں؛ آج کی اندھی دنیا میں کوئی عجیب بات نہیں ہے؛ یہ سب حرکتیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں، آپ کی صحت پر بھلا اس کا کیا اثر ہوسکتا ہے۔

ہوا ہے گو تند وتیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

دل کے آئینہ میں اگر بال نہ ہو تو پھر طنز وتنقید کا کیا اثر! اس زندہ دل قلندر کے 'دل' کا یہ حال ہے۔

یہ دل ہے مگر دل میں بسا اور ہی کچھ ہے ❁ دل آئینہ ہے جلوہ نما اور ہی کچھ ہے
آزاد ہوں اور گیسوئے پیچاں میں گرفتار ❁ کہہ دو مجھے کیا تم نے سنا اور ہی کچھ ہے

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس بلند رتبہ شخص کے اندر 'ابوالحسن' جیسے نام کا اثر ہے اور 'حسن' کے فطری مطالبہ کو پورا کرنے کا ذوق ہے تو یہ فطرت سے بغاوت نہیں بلکہ ہم آہنگی ہے؛ کیوں کہ حسن کی دل آویزی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا آزاد کی زبان میں ''حسن آواز میں ہو یا چہرے میں، تاج محل میں ہو یا نشاط باغ میں، حسن ہے اور حسن اپنا فطری مطالبہ رکھتا ہے''۔

اس حسین شخص کی زندگی 'حسن' کے عنوان سے فطرت کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے، تو ساتھ ہی عیش وطرب کے حوالے سے ان کے سامنے مولانا آزاد کا یہ فلسفہ ہے کہ: ''انسان کا اصل عیش، دماغ کا عیش ہے، جسم کا نہیں —— عیش ومسرت کی جن گلشگفتگیوں کو ہم چاروں طرف ڈھونڈتے ہیں اور نہیں پاتے، وہ ہمارے نہاں خانۂ دل کے چمن زاروں میں ہمیشہ کھلتے اور مرجھاتے رہتے ہیں۔ باہر کے ساز وسامان عشرت اگر مجھ سے چھن جاتے ہیں تو چھن جائیں؛ لیکن جب تک یہ نہیں چھنتا، میرے عیش

وطرب کی سرمستیاں کون چھین سکتا ہے"۔

مولانا آزاد عیش وطرب کی سرمستیوں کا کچھ حصہ اپنی زندگی میں ضرور رکھتے ہیں؛ لیکن اس کی حد بندی نہاں خانہ دل کے چمن زاروں تک ہوتی ہے، یہی حال اس صاحب ذوق بزرگ قاری ابوالحسن کا ہے، ان کی طبعیت اور فطرت میں جمالیات کی جو کیفیت پائی جاتی ہے، وہ نوک زبان اور دل ودماغ تک محدود ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی حسن وعشق کے تعلق سے مولانا آزاد کے افکار وخیالات سے متاثر ہے؛ لیکن ان کی طرح ایسا نظریہ بھی نہیں رکھتے ہیں کہ "زندگی" کو زندگی بنائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور کرنی چاہئے"۔ غلطیوں کا صدور فطرت انسانی میں داخل ہے، لیکن اس میں قصد وارادہ نہیں ہونا چاہئے۔

چہرہ دل کا آئینہ ہوا کرتا ہے۔ آپ کے اندر کتنی بزرگی، معرفت الٰہی اور عشق نبوی ہے، اس کا اندازہ آپ کے رخ انور سے لگایا جاسکتا ہے۔ اسے قرآن کریم کی خدمت کا نتیجہ کہا جائے یا دل میں عشق خداوندی اور حب نبوی ﷺ کے بے پایاں جذبات کا اثر؛ کہ چہرہ پر ایسی فرشتوں کی سی معصومیت اور پر کشش نورانیت نظر آتی ہے، جو بہت کم اہل دل بزرگوں پر نمایاں ہوتی ہے۔ آخر کچھ تو وجہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت شاہ ابرار الحق ہردوئی مدظلہ نے اپنی خلافت کی مقدس وبابرکت سند دے رکھی ہے۔ آپ نے حضرت ہردوئی مدظلہ کی نگرانی میں سلوک وطریقت کے ارتقائی منازل نہایت برق رفتاری سے طے کئے ہیں اور عشق الٰہی اور محبت رسول کی گہرائیوں میں ڈوب کر از خود رفتہ ہوگئے ہیں۔ تعلیمی وتصنیفی مصروفیات کے باوجود تلاوت قرآن کریم کے بغیر آپ کے دل کو تسکین کہاں میسر ہوسکتی ہے۔ حضرت ہردوئی جیسے اللہ والوں اور صاحب بصیرت مرد مومن کے فیضان کرم اور خدمت کی برکت نے آپ کے دل میں عشق خداوندی کا ایسا شعلہ پھونک دیا ہے کہ مولانا روم کی زبان میں:

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت　　شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

قرآنی علوم ومعارف میں شب وروز کے انہماک اور " زینوا القرآن باصواتکم " کے جذبۂ بیکراں سے سرشار آپ کی زندگی میں ایسی روحانیت اور ذات باری میں فنائیت پیدا ہوگئی ہے کہ قرآنی تعلیم وتعلم کے لیے آپ کی یہ فکرارباب مدارس کے لیے چیلنج بنی ہوئی ہے کہ قرآن کریم کے خدام کا درجہ دیگر سبھی علوم کے اساتذہ سے زیادہ ہے اور انھیں ان کا حق ملنا چاہئے۔ آپ کی اس فکر کی بنیاد وہ حدیث مبارک ہے جس میں " خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" کے ذریعہ قرآن کریم کے طلبہ واساتذہ کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آج عام مدارس کا جو تعلیمی نظام ہے، اس میں قراءت وحفظ کے اساتذہ کا درجہ دیگر علوم پڑھانے والوں کے مقابلہ میں کم رکھا جاتا ہے۔ اس کے خلاف آپ نے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند جیسے عالم گیرادارہ کے پلیٹ فارم سے آواز بلند کی ہے اور قرآن کریم کی خدمت کرنے والوں کو ان کا حق دینے کی وکالت کی ہے۔ آپ کی یہ کوشش مزاحمتوں کے باوجود متاثر رہی ہے۔ فکرونظر میں اگر پختگی ہو تو تیز وتند بادِ مخالف کے باوجود پایۂ ثبات میں لرزش پیدا نہیں ہوتی۔ آپ کا چوں کہ یہ نظریہ روح اسلامی کے عین مطابق اور اصول اسلامی کی روشنی میں بنا ہے، اس لیے آپ جیسے مرد حق پرست پر نکتہ چینی اور شدت مخالفت کا کیا اثر ہوسکتا ہے! ذاتی مفاد کی خاطر نظریہ تبدیل کرلیں، ایسا بھلا آپ جیسے اصولی انسان کے لیے کیسے ممکن ہے! حفظ وتجوید کے تعلق سے مدارس کا جو نظام ہے، اس کے نقص کی طرف آپ کی نشاندہی اور پھر احتجاج اگر چہ مدارس کے ماحول میں اپنے اندر اجنبیت کا احساس لیے ہوتا ہے! کیوں کہ آپ کی اس جدو جہد کی سمت ہوا کا رخ دیکھ کر متعین نہیں ہوئی ہے، کہ سو فیصد کامیابی مل جائے، ایسا ضروری بھی نہیں؛ لیکن جب سوچ مثبت ہو اور مقصد اصلاح، تو پھر ناکامیوں اور آواز کے ساتھ آواز لگانے والوں

کی کمی، پاؤں میں بیڑیاں کہاں ڈال سکتی ہے! آپ کے جذبات اور احساسات کو غالب کے اس شعر کی روشنی میں زیادہ بہتر انداز میں سمجھا جاسکتا ہے۔ ؎

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج ❁ میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

آپ کی زندگی حرکت وعمل سے مرکب ہے، زندگی کے جملہ لمحات کو کس طرح دونوں جہاں کے لیے کار آمد بنایا جائے، آپ کو یہی فکر ہمہ وقت دامن گیر ہوتی ہے۔ آپ گوشہ نشینی کے قائل نہیں اور نہ ہی زیادہ دیر خلوت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ تدریسی مصروفیات کے علاوہ دوست واحباب اور عقیدت مندوں کے لیے وقت فارغ کرنے میں دریغ سے کام نہیں لیتے۔ اسفار کی کثرت الگ ہوتی ہے؛ اس کے باوجود تصنیفات کا گراف بہت ہی تیزی سے اوپر اٹھ رہا ہے اور خدا کا فضل اتنا، کہ ہر تصنیف یکساں طور پر مقبولیت حاصل کرتی جارہی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ صرف اور صرف زندگی میں کچھ کر گزرنے کے لیے عزم مستحکم کا نتیجہ ہے۔ آپ مولانا آزاد کے اس نظریہ کو شدت سے مسترد کرتے ہیں کہ "زندگی خوشی خوشی گزر جائے یہی بڑی بات ہے"۔ آپ کے نزدیک کامیاب زندگی وہ ہے جو حرکت وعمل سے عبارت ہو اور گزر جانے کے بعد بھی اپنے زریں کارناموں کی وجہ سے وہ انفس اور آفاق پر چھائی رہے۔

جہادِ زندگانی میں مردِ مومن کو جن شمشیروں کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، وہ سب آپ کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمادیا ہے۔ آپ کے پاس عرفان ویقین کی دولت ہے اور سعی مسلسل کا جذبہ بھی، ساتھ ہی عشق الٰہی اور محبت رسول میں سرشاری کے بعد روحانی قوت بھی میسر ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخصیت کو اللہ نے ان اوصاف سے نواز رکھا ہے۔ اس کی خوش بختی اور زندگی کی کامیابی کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ ؏

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

❁❁❁

فن تجوید وقراءت
کے
گوہر نایاب

از: بختیار ثاقب قاسمی

معاون مدیر ترجمان دیوبند

کسی بھی علم وفن سے متعلق گفتگو کرتے وقت تاریخی حقائق وواقعات اور اہل فن کے تاریخ ساز کا ناموں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ہماری بات اس وقت تک مکمل اور پختہ نہیں ہوسکتی جب تک ہم صاحب علم وہنر کی تلاش میں ماضی کے دریچوں میں جھانک کر کچھ حوالہ نہ دے دیں۔ آج ایک عام ذہن بن چکا ہے کہ اصحاب فضل وکمال کی ایک بڑی جماعت تابناک ماضی کی امین ومحافظ بن کر دنیا سے رخصت ہوگئی، اس عام رجحان میں بہت حد تک سچائی بھی ہے، کیوں کہ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ عصر حاضر میں کوئی صاحب فن ہے بھی تو اس کا شور اس کے فن سے زیادہ ہے۔ یعنی فن تھوڑا اور پبلسٹی زیادہ، صلاحیت کم اور بناوٹ زیادہ۔ ایسے میں عصر حاضر کے کسی ایسے صاحب فضل کا تذکرہ جو نہ صرف اپنے فن اور فضل وکمال میں وحید العصر کا درجہ رکھتا ہے بلکہ فن کے حوالے سے ان کی خدمات اس قدر ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے آدمی ماضی کو بھول کر حال پہ رشک کرنے لگتا ہے اور یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ ابھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی فنی لیاقت وبرتری میں اپنی مثال آپ ہیں، لیکن ان کے یہاں کوئی شور، ہنگامہ اور دکھاوا نہیں۔ گرچہ ایسے لوگوں کی فہرست بہت مختصر ہے لیکن مثال میں ہمارے درمیان موجود دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا

قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کا نام پیش کیا جاسکتا ہے، جن کے فن کی خوبی، معنویت، سحرانگیزی اور دقیقہ سنجی اتنی بلند اور ارفع ہے کہ جس کے سامنے پہاڑوں کی رفعتیں سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ ایک ایسا فن جس میں اخلاص کے جذبے کے ساتھ کمال حاصل کرنے والا خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بن جاتا ہے، وہ فن ''فن تجوید وقراءت'' ہے جس کے متعلق خدائی فرمان ہے '' ورتل القرآن ترتیلا'' اور جس کے متعلق ارشاد رسولؐ ہے ''زینوا القرآن باصوالکم'' جناب قاری مولانا ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی خوش بختی ہے کہ وہ فن تجوید وقراءت کے بےلوث خدمت گزار بن کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے محبوب بن گئے اور فن تجوید وقراءت کے حوالے سے تالیفی، تصنیفی اور تدریسی خدمات (جو تقریباً ۴۳ سالوں پر محیط ہیں، تصنیفی وتالیفی مدت تا حال ۲۸ رسال) انجام دے کر تاریخ فن تجوید وقراءت کے عنوان اور سرنامہ بن گئے۔

ولادت اور آغاز تعلیم

آپ کی ولادت ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں مشرقی یوپی کے ضلع اعظم گڈھ کے موضع جگدیش پور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی مختلف اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی اور صرف گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک کا حفظ مکمل کرلیا۔ اس کے بعد عربی وفارسی کی تعلیم کے لیے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخل ہوئے اور پانچ سال تک فارسی کی تکمیل تحصیل کے بعد عربی میں کافیہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مشرقی یوپی کے قدیم مدرسہ دارالعلوم مئو میں داخلہ لیا۔

تعلیم کا دوسرا دور

دارالعلوم مئو میں آپ عربی تعلیم کے ساتھ ساتھ فن تجوید وقراءت کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور وہاں کے دوسالہ قیام کے دوران آپ نے پہلے سال میں اپنے وقت کے مایہ ناز قاری جناب مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحب اعظمیؒ (م ۱۳۹۰ھ) کے پاس اردو وعربی حفص کی تکمیل کی،

اس فن میں آپ کی کامیابی اور ترقی کو دیکھ کر استاذ محترم نے دوسرے سال میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ سبعہ عشرہ کی تکمیل کی تاکید فرمائی، چناں چہ استاذ کے حکم کی تعمیل کی اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں التیسیر ،رائیہ، شاطبیہ، درّہ، الوجوہ المسفرہ اور طیبہ وغیرہ پڑھ کر قراءت سبعہ وعشرہ کی تکمیل کی۔ پھر گھریلو حالات کچھ ایسے بنے کہ درس نظامی کی تکمیل نہ کر سکے، تاہم یہ عزم اپنے سینہ میں برقرار رکھا کہ اگر اللہ نے موقع فراہم کیا تو درس نظامی کی تکمیل ضرور کریں گے۔

تدریس کے بارہ سال

فن تجوید وقراءت سے چوں کہ شروع سے خصوصی لگاؤ تھا اور اس فن کی آپ نے تکمیل بھی کر لی تھی، اس لیے آپ نے درس وتدریس کا آغاز فن تجوید وقراءت سے ہی کیا اور پھر تو اپنے آپ کو اسی فن کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کر دیا، اس فن کے حوالے سے آپ کی تدریسی خدمات کی ابتداء علم وعلماء کی سرزمین پورہ معروف اعظم گڈھ سے ہوئی اور مکمل بارہ سال تک متعدد مدارس اسلامیہ سے وابستہ رہ کر اس امانت کو امت مسلمہ کے خوش نصیب فرزندوں کے سینے میں منتقل کرتے رہے، چودہ سال اس طویل عرصے میں جہاں بھی آپ بیٹھے وہاں کی فضا قرآن کی خوشبوؤں سے مہک اٹھی۔

یہاں مؤرخ شہیر مولانا محمد عثمان معروفیؒ کا ایک تاثر درج کر دینا مناسب ہوگا:

> ''میں دارالعلوم مئو میں قاری کی تلاش کے لیے گیا، حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحب مئوی نے آپ کو پیش کیا۔ میں ایک رکوع سن کر مسحور ومفتون ہوگیا آواز کی دل کشی، روانی اور ادائیگی نے بے خود کر دیا، اور آپ کو مدرسہ معروفیہ میں بحیثیت مدرس لے آیا۔ وہاں ۱۳۸۵ھ تک رہے اور قراءت قرآن کی فضا بدل دی''۔

ایک اور جگہ آپ لکھتے ہیں کہ:

> ''تجوید وقراءت کے ساتھ والہانہ جذبہ اور فطری لگاؤ نے اس شعبہ کو چار

چاند لگادیے"۔

تدریس کے بعد تعلیم

تدریسی دور کے تقریباً تیرہویں سال میں تھے کہ ۱۳۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند آنا ہوا، آپ کی یہاں آمد نہ تعلیم کی غرض سے تھی اور نہ ہی تدریس کی غرض سے، بلکہ ان جدید طلبہ کی رہنمائی کے لیے تھی، جو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے لیے آئے تھے، لیکن مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی؛ دارالعلوم کی علمی فضا نے آپ کے دل ودماغ پر طلب علم کے لیے دوررس اثرات چھوڑے اور نتیجتاً آپ بھی داخلے کی ہماہمی میں شریک ہوگئے؛ باوجودیکہ تعلیمی سال کے انقطاع کو ایک مدت گزر چکی تھی، لیکن توفیق الٰہی اور اپنی ذہانت وفطانت نے داخلے کے مرحلے کو آسان کردیا اور آپ کا بغیر کسی دقت ودشواری کے دارالعلوم میں داخلہ ہوگیا۔

بلاشبہ دارالعلوم میں داخلہ آپ کے لیے مستقبل میں بہترین شاہراہ ثابت ہوا اور علمی منازل طے کرنے کے لیے اچھا موقع فراہم کیا، لیکن ان حالات میں آپ کا تعلیم میں لگنا جب کہ گھریلو حالات جوں کے توں تھے بلکہ اہلیہ سمیت تین بچوں کی کفالت کی وجہ سے ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں، بڑا صبر آزما موقع اور مشقت بھرا امتحان تھا، چوں کہ ذریعہ آمدنی جواب تک مدرسی تھی وہ بھی ختم ہوچکی تھی، ایسے میں آپ کا مسند تدریس سے اتر کر، اپنی تمام معلّمانہ شان بان ختم کرکے زانوئے تلمذ تہہ کرنا سب کے بس کی بات نہیں، لیکن آپ نے سب کچھ سہا اور شوق تعلیم میں کوئی آنچ نہ آنے دی۔ دارالعلوم میں داخلہ کے بعد آپ کی حسن تجوید وقراءت اور اخلاق وکردار کو دیکھ کر انتظامیہ نے دارالعلوم کی مرکزی مسجد میں امامت کے لیے آپ کو منتخب کیا اور اس طرح تھوڑی سی آمدنی کی سبیل نکل آئی (پینتیس روپے ماہوار) پھر درسیات میں اس طرح مشغول ومصروف ہوگئے، اور اتنی محنت کی کہ سالانہ امتحان میں اوّل پوزیشن سے کامیابی حاصل کرکے سب کو حیرت میں ڈال دیا اور اساتذہ کے محبوب بن گئے۔ ۱۳۹۷ھ میں دورۂ حدیث میں داخل ہوئے اور بحسن وخوبی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس طرح ظاہری اسباب ووسائل کے

نقدان کے باوجود مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔

تدریس کا دوسرا دور دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی کے دوران ہی آپ طلبہ کے درمیان فنِ تجوید کے حوالے سے مشہور ہو چکے تھے، اس کی ایک وجہ تو آپ کی امامت تھی، جس سے آپ اپنے فن کا حسنِ قراءت اور عمدہ تجوید کے اعتبار سے ثبوت دیتے تھے، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ کثیر مقدار میں وہ طلبہ تھے جنھوں نے فنِ تجوید وقراءت میں آپ سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ ان سب وجوہات کی بناء پر فراغت کے بعد متعدد اداروں کی طرف سے آپ کو پڑھانے کی پیش کش ہوئی، لیکن آپ نے دیوبند کو ہی ترجیح دی اور دیوبند کی مشہور قدیم درسگاہ مدرسہ اسلامیہ اصغریہ میں مدرس ہو گئے، اس طرح ۱۹۷۷ء سے تدریس کا دوسرا دور شروع ہوا، وہاں آپ نے مسلسل چار سال تک فنِ تجوید وقراءت کے استاذ کی حیثیت سے اس فن کو اس قدر عروج بخشا کہ مدرسہ اصغریہ تجوید وقراءت کے حوالہ سے یاد کیا جانے لگا اور آپ نے جو روح وہاں پھونکی تھی وہ روح آج بھی مدرسہ اسلامیہ اصغریہ میں قائم ہے مدرسہ اصغریہ میں چار سال تک پڑھانے کے بعد ۱۴۰۱ھ میں آپ جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں بحیثیت صدر شعبہ تجوید وقراءت استاذ مقرر ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر ابھی مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں آپ کے تدریسی دور کو صرف ایک سال ہی گزرا تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں مشہور انقلاب عظیم رونما ہوا، جس کے نتیجہ میں شعبہ تجوید سمیت دارالعلوم کے تمام تعلیمی شعبے متأثر ہوئے۔ ایسے حالات میں مادرِ علمی کو ایسے چنیدہ، باصلاحیت اور مخلص افرادکار کی ضرورت تھی، جو ہر اعتبار سے مادرِ علمی کے لائق وفائق اور اس کے معیار کے مطابق ہوں، چناں چہ اس موقع سے تقریباً دارالعلوم کے تمام ہی شعبے میں نئے اساتذہ کا تقرر عمل میں آیا۔ شعبۂ تجوید وقراءت؛ جو مادرِ علمی دارالعلوم کا ایک منفرد شہرت یافتہ تعلیمی وتدریسی شعبہ تھا اور اپنی مستقل شناخت رکھتا

تھا، اس کے لیے انتظامیہ کی نظر آپ پر پڑی اور آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔

دارالعلوم میں تدریس کے ۲۳/سال

دارالعلوم دیوبند میں آپ کی زندگی گویا آپ کی تدریسی زندگی کا ایک نیا باب ہے، جہاں سے آپ کے لیے اس علمی امانت کو دوسروں تک پہنچانے اور ترقی کے اعلی مدارج طے کرنے میں نمایاں کامیابی ملی، دارالعلوم دیوبند میں آپ کی اب تک کی ۲۳/سالہ تدریسی زندگی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو آپ کی شخصیت ایک ہشت پہلو موتی کی طرح روشن نظر آتی ہے، جس کی کرنیں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور ان ضیا بار کرنوں کو ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اپنے اپنے ذہن میں سمیٹ کر روشن وتابناک اور اپنی قسمت پر نازاں وفرحاں ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ یوں ہی نہیں ہوا، بلکہ اس میں آپ کی جہد مسلسل، شبانہ روز کی کدوکاوش اور امروز وفردا کی مشقتیں اور آزمائشیں بھی شامل ہیں، آپ کی اس ۲۳/سالہ تدریسی زندگی کا ایک دن بھی ایسا نظر نہیں آتا، جس میں آپ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی رفعت وعظمت اور قدر ومنزلت کو تدریس وتعلیم، تصنیف وتالیف اور رجال سازی کے حوالے سے بڑھاوا دینے میں کوشاں نہ رہے ہوں۔ اور بلاشبہ آپ اس شعر کے مصداق رہے۔

قدم یوں ہی تو نہیں منزلوں نے تھام لیا ❁ جنوں سے کام یہاں ہم نے گام گام لیا

آپ کی آمد کے بعد جہاں دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تجوید وقراءت کو غیر معمولی ترقی ملی اور طلبہ میں قرآن کریم کو اس کی شان کے مطابق پڑھنے کا جذبہ اور شوق ہوا، وہیں آپ کا اشہب قلم بڑی روانی کے ساتھ تجوید وقراءت کی ان تمام گتھیوں کو سلجھاتا چلا گیا، جو اس راہ کے مسافروں کے لیے مانع اور اضمحلال کا سبب بنتی تھیں۔ میری معلومات میں تجوید وقراءت (خواہ وہ حفص اردو وعربی ہو یا سبعہ عشرہ) کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہو، اس کے علاوہ ان حقائق وواقعات پر بھی آپ نے کامیاب خامہ فرسائی کی ہے، جن حقائق وواقعات کا امت تک آنا ضروری اور سودمند تھا۔

آپ کی تصنیفی کارناموں کی ایک جھلک مستقل طور پر آئے گی، اس مقام پر تو ہمیں یہ بتانا ہے کہ آپ کی آمد کے بعد دارالعلوم میں تجوید وقراءت کی طرف جتنی اچھی پیش رفت ہوئی ہے اور اس فن پر جس قدر کام ہوا، حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کی پوری تاریخ میں اتنا زبردست کام کسی بھی دور میں نہیں ہوا، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ فن تجوید پر دارالعلوم کے شایان شان خدمات آپ کے بعد ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم میں شعبۂ تجوید وقراءت کا قیام ۱۳۵۲ھ میں عمل میں َیا اور اس وقت سے لے کر ۱۴۰۱ھ تک حفص سے فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد عربی حفص میں ۴۷/، سبعہ میں ۲۷/، قراءت عشرہ میں ۶/ تھی، (دفتر تعلیمات کے ریکارڈ کے مطابق یہ تعداد وہ ہے جنھوں نے باضابطہ داخلہ لے کر پورے نصاب کی خواندگی مکمل کی اور امتحان سالانہ دے کر مستحق سند بنے) جب کہ آپ کے آنے کے بعد یعنی ۱۴۰۲ھ سے ۱۴۲۵ھ تک یہ تعداد بڑھ کر مجموعی طور پر ۸۳۷/ تک پہنچ گئی۔ یہ تعداد ان طلبہ کی ہے، جو صرف آپ سے متعلق تھے۔

شعبۂ تجوید وقراءت میں یہ انقلابی پیش رفت اگر ایک طرف مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی غیر معمولی عظمت ورفعت کی علامت ہے تو دوسری طرف طلبہ کے تئیں آپ کی مخلصانہ توجہ اور شعبہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی مسلسل جدوجہد کا عملی ثبوت بھی ہے۔ آپ نے اس فن کو عروج بخشنے کے لیے مختلف زاویے اور پہلو اپنائے، ان میں سے دو بہت ہی اہم اور نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔ آپ کا پہلا کارنامہ انجمن صوت القرآن کا قیام ہے تو دوسرا تجوید وقراءت کے لیے نصاب تعلیم کو مختصر اور جامع بنانا ہے۔ مادر علمی میں انجمن صوت القرآن کے قیام نے طلبہ میں تجوید وقراءت کے لیے حوصلوں، امنگوں اور ولولوں کی ایک دنیا قائم کردی۔ اس انجمن کے قائم ہوتے ہی طلبہ میں فن کو فن کی حیثیت سے سیکھنے کا جذبہ بیدار ہوا، قراءت کی مشق وتمرین کے لیے اس انجمن نے بھرپور رہنمائی کی، نتیجتاً دارالعلوم کے در وبام تلاوت قرآنی سے گونج اٹھے، وہ گونج جو آج سے ۲۳/ سال قبل

شروع ہوئی تھی، وہ آج بھی اسی طرح قائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت قائم رہے گی۔

آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا، اس موضوع کا جملہ جزئیات کے ساتھ حق ادا کر دیا۔ آپ نے ہر اس عنوان کو زیرِ قلم لانے کی عمدہ کوشش کی ہے، جس عنوان پر مواد نہ ہونے کی وجہ سے تجوید کے طلبہ تشنہ بہ لب رہ جاتے تھے، آپ کی تصنیفات سے ان قراء حضرات کو بھی حوصلہ ملا، جو اپنی آواز اور قراءت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، لیکن وہ فن تجوید کی گہرائیوں اور باریکیوں سے ناآشنا تھے، آپ کی تالیفات وتصنیفات کی ضرورت واہمیت کو دیکھتے ہوئے یہ احساس بجا ہے کہ آپ نے تجوید وقراءت کے شائقین کے لیے جتنا کچھ لکھا ہے، وہ بہت پہلے لکھا جانا چاہیے تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جو کام اب تک نہ ہو سکا تھا، اسے آپ نے بحسن وخوبی پورا کیا اور مزید کچھ کرنے کی فکر میں ہیں۔ فن تجوید وقراءت کے حوالے سے جتنی تصانیف ہیں وہ سب بڑی قابل قدر اور مستند کتابیں ہیں۔

آپ کی یہ تحریری کاوشیں آپ کو دو اعتبار سے ممتاز کر دیتی ہیں، اولاً دار العلوم دیوبند کے موجودہ اساتذہ میں سب سے زیادہ تصنیفات آپ کی ہیں، ثانیاً برصغیر کے علماء وقراء میں سے کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی، جن کی فن تجوید وقراءت پر اتنی کثیر تصنیفات پائی جاتی ہوں۔ آپ کے یہ امتیازات وخصوصیات آپ کی شخصیت کو قابل رشک اور باعث تعجب بنا دیتی ہیں، کہ آپ نے یہ سب کچھ کیسے اور کب کر لیا۔ یہیں سے حاسدین کی نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں، اور آپ کی تحریری وتدریسی روانی وجولانی پر قدم بہ قدم مشقتیں اور آزمائشیں کھڑی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن آپ کا اپنا مزاج ہے بقول

مصائب سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے

مقرئ اعظم قاری ابوالحسن اعظمی

از: ڈاکٹر تابش مہدی

جاننے والے یہ بات جانتے ہیں کہ راقم الحروف کی موجودہ عمر کا ایک اچھا حصہ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز خطیب، جید عالم دین، طوطیٔ ہند حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب شاہ جہاں پوریؒ سے وابستہ رہا ہے۔

حضرت مولانا اپنے عہد کے بے مثل اور ہر دل عزیز خطیب تھے، سیرت پاک کے موضوع پر تو انھیں ید طولیٰ حاصل تھا، زبان ایسی صاف، شستہ اور عام فہم کہ آپ بے تکلف کوثر و تسنیم سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ میرے علم کی حد تک ہندوستان کے مقررین میں تنہا مولانا مرحوم ہی تھے جو سال کے بارہ مہینے میں جلسوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔(۱)

ہندوستان کے مسلم الثبوت مجود، ۵۰؍ سے زائد کتب تجوید و قراءت کے مؤلف

(۱) برسہا برس مولانا کا یہ معمول رہا کہ وہ اپنے ہمراہ کسی نہ کسی خوش آواز (اور دیندار) شاعر کو بھی رکھتے تھے۔ یہ سعادت سب سے زیادہ ملک کے نامور شاعر بھائی ساجد صدیقی لکھنوی کے حصے میں آئی۔ جناب نہمی انصاری مرحوم، جناب قمر بناری، جناب حامد بارہ بنکوی اور جناب شیدا گورکھپوری کو عوام و خواص نے حضرت مولانا ابو الوفاء شاہ جہاں پوریؒ ہی کے اسٹیجوں سے جانا اور پہچانا ہے۔

شعر و ادب کی دنیا میں راقم الحروف کو جو تھوڑا بہت تعارف حاصل ہے اس کا بھی کافی حصہ حضرت مولانا ہی کی نوازشوں کا رہین منت ہے۔

حضرت مولانا خود بھی ایک اچھے شاعر تھے، عارف تخلص فرماتے تھے، حضرت ریاض خیر آبادی سے انھیں شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ جوانی میں نظم، غزل، قصیدہ اور نعت سب کچھ کہا کرتے تھے —— لیکن عمر کے آخری حصے میں نعت و منقبت گوئی ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

نعت گوئی میں ہمیشہ انھوں نے اس بات کا التزام رکھا ہے کہ پیارے نبی ﷺ کا ذاتی نام —— حضرت محمد ﷺ —— کبھی نہیں استعمال کیا، ہمیشہ صفاتی اسمائے مبارکہ ہی استعمال کیے ہیں —— آپ ﷺ کو ''تو'' اور ''تم'' کے ساتھ مخاطب کرنے سے بھی پرہیز کیا ہے۔

،استاذِ فن جناب مولانا قاری، مقری ریاض الدین صاحب کا نام سب سے پہلے میں نے حضرت مولانا ابوالوفا عارف شاہ جہاں پوریؒ ہی کی زبانی سنا تھا —— یہ وہ زمانہ تھا جب قاری صاحب ''جوان'' نہیں بلکہ ''نوجوان'' تھے —— اپنی خوش الحانی اور حسن تلاوت کے باوصف عوام وخواص میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے -- اضلاع اعظم گڈھ وجون پور وغیرہ کے دینی جلسوں کی ضرورت سی بنتے جارہے تھے، قرب ومضافات میں حضرت مولاناؒ کا جہاں کہیں بھی پروگرام ہوتا قاری صاحب اس میں کوشش کرکے شریک ہوتے —— مولانا مرحوم جب بھی ان کا تذکرہ فرماتے، یہ ضرور کہتے —— ''تابش میاں کسی جلسے میں تمھیں ملواؤں گا'' —— یہ شاید اس لیے کہ مولانا کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ میں خود بھی فن تجوید کا ایک ادنی شائق رہا ہوں —— اور قراء کرام سے ملنے اور استفاضہ کرنے کا مجھے ہمیشہ اشتیاق رہا ہے۔

یہ ۱۹۷۰ء کے اوائل کی بات ہے -- نہ دن یاد ہے نہ تاریخ اور نہ مہینہ، میں ان دنوں مرکز علوم مدرسہ قرآنیہ جامع الشرق جون پور میں زیر تعلیم تھا —— حضرت مولاناؒ گجرات کے سفر پر تھے —— وہیں سے ایک کارڈ کے ذریعہ مجھے مطلع کیا کہ:

''میں فلاں تاریخ کو جون پور پہنچ رہا ہوں۔ اگلے دن مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے جلسے میں شریک ہونا ہے، تم رفیق سفر رہو گے، میں نے تمھارا نام

☜ صدائے عارف حضرت مولاناؒ کی نعتیہ شاعری کا مقبول ترین مجموعہ ہے، جسے بھائی ساجد صدیقی اور بھائی وآلی آسی نے اپنے مشترکہ اشاعتی ادارہ —— مکتبہ دین وادب —— سے کئی بار شائع کیا۔
کس قدر حسین اور پاکیزہ ہیں ان کے یہ نعتیہ اشعار:

فاراں کی بلندی پر روشن جب شمع رسالت ہوتی ہے
خورشید سے بڑھ کر تابانی ذروں کو عنایت ہوتی ہے

یہ نالۂ پرغم نیم شبی، تسکین کا باعث ہے تو مگر
کہتا ہے جب خاموش رہو اس میں بھی شکایت ہوتی ہے

یا للّٰہ کرم ہے ورنہ یہاں جبریل کے بھی پر جلتے ہیں
مضمون میں نعت سرور کے کھلکی نزاکت ہوتی ہے

ٹھہر جا اے نگاہ شوق گستاخی نہ ہو جائے
نظر کے سامنے ان کی گلی معلوم ہوتی ہے

تجلی طور کی برحق مگر میری نگاہوں میں
تجلی جس کو کہتے ہیں، یہیں معلوم ہوتی ہے

منتظمین جلسہ تک پہنچا دیا ہے۔ یقین ہے کہ سرائے میر کے جلسے میں عزیزم قاری ابوالحسن صاحب ــــ بھی شریک ہوں گے"۔

خط ملتے ہی میں ذہنی طور پر سرائے میر کے جلسے کے لیے تیار ہو گیا اور بڑی بے چینی کے ساتھ جلسے کی تاریخ کا انتظار کرنے لگا ــــ یہ اس لیے بھی کہ اس جلسہ میں قاری ابوالحسن صاحب سے ملاقات کی امید نہیں بلکہ یقین تھا۔

آخر کار جلسے کی تاریخ آ گئی ــــ حضرت مولانا تارات کی کسی ٹرین سے جون پور تشریف لا چکے تھے -- میں اور استاذ محترم مولانا نور الحسن صاحب سلطان پوری (افسوس کہ میرا یہ محسن اب دنیا سے اٹھ چکا ہے) ناظم مرکز علوم قرآنیہ جونپور حضرت مولانا کے ہمراہ سرائے میرے کے لیے روانہ ہوئے، بیت العلوم پہنچ کر پروگرام معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جلسے کی پہلی نشست ختم ہو گئی ــــ اس کا آغاز قاری ابوالحسن صاحب کی تلاوت سے ہوا تھا ــــ دوسری نشست میں مجھے ــــ (راقم الحروف کو) ــــ تلاوت کرنی ہے اور نعت بھی پڑھنی ہے۔

بہر حال میں نے دوسری نشست میں تلاوت بھی کی اور نعتیں بھی پڑھیں ــــ تلاوت و نعت کے بعد ناظم جلسہ نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو دعوت خطابت دی ــــ حضرت قاری صاحبؒ کا نام سنتے ہی ایک خوش پوشاک اور وجیہ و شکیل نوجوان کسی دوسری طرف سے اٹھ کر عین اسٹیج کے سامنے، کچھ اس انداز سے بیٹھے کہ گویا وہ مقرر کی ایک ایک بات کو اپنے قلب و ذہن میں اتارنے کا عزم بالجزم کر چکے ہوں۔

میری یادداشت کا کچھ عجیب معاملہ ہے۔ مجھے پرانی سی پرانی بات یاد رہتی ہے کسی مجلس میں بیٹھوں، یا کسی چھوٹی بڑی شخصیت سے ملاقات کروں، اس کی ایک ایک بات مجھے یاد رہے گی۔ سیکڑوں دوستوں کے پتے مکان نمبر، محلہ، گلی یہاں تک کہ پن کوڈ بھی میرے حافظے میں موجود ہیں ــــ لیکن شکلیں اور راستے مجھے بالکل یاد

نہیں رہتے۔ بعض شخصیتوں کو تو کئی کئی بار دیکھنے اور تفصیلی ملاقاتوں کے باوجود بھی جب کہیں اچانک دیکھا ہے تو پہچاننا مشکل ہو گیا۔ حالاں کہ ان کے تعلق سے بہت ساری تفصیلات ذہن میں محفوظ رہیں —— بسا اوقات اس سلسلے میں بڑی شرمندگی اور ندامت سے دوچار ہونا پڑتا ہے —— لیکن ان صاحب کی شکل وصورت، وضع قطع اور نشست و برخاست کچھ ایسی تھی کہ ان کے نقوش صفحۂ ذہن پر کالحجر ہو گئے۔

مجھے اسی شب میں باراں کلاں ضلع جون پور کے مشاعرے میں شریک ہونا تھا —— میں محترم مولانا اور محترم ناظم مدرسہ سے اجازت لے کر باراں کلاں کے لیے روانہ ہو گیا —— لیکن بزبان شاعر یہ قلق باقی رہا کہ:

ہائے کیا نام ہے اس شخص کا پوچھا بھی نہیں

اس واقعہ کو کئی ماہ گزر گئے میں اپنے کمرے میں ششماہی امتحان کی تیاریوں میں مصروف تھا، کسی طالب علم نے دروازے پر دستک دی اور کہا ناظم صاحب یاد فرما رہے ہیں —— حکم استاذ بھی اور حکم حاکم بھی -- میں فوراً حاضر ہوا —— وہاں محترم نور الحسن صاحب کے علاوہ استاذ محترم مولانا محمد ایوب صاحب صدیقی، مولانا عثمان صاحب مبارک پوری، مولانا محمد مسلم صاحب بھوری اعظمی، مولانا وکیل احمد صاحب فاروقی جون پوری، قاری فیض الحسن صاحب ادروی اور غیجر عین الحسن صاحب بھی موجود تھے —— اور وہی صاحب قران حکیم کی تلاوت میں محو تھے جنھیں میں نے سرائے میر کے جلسے میں دیکھنے کے بعد اپنی یادداشت کے کیمرے میں محفوظ کر لیا تھا۔

اگرچہ آواز میں کوئی خاص گھن گرج نہیں تھی —— لیکن مخارج کی پختگی، صفات کی ادائیگی، لہجہ کی مضبوطی اور فن کا التزام اور رکھ رکھاؤ، یہ سب کچھ ایسا تھا کہ حاضرین وجد وکیف میں ڈوبے ہوئے تھے —— موصوف جب تلاوت کر چکے تو مولانا محمد مسلم صاحب نے جانے کیا ان کے کان میں کہا —— اور وہ صاحب نعت سرا ہو گئے —— جس کا مطلع یہ تھا:

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری ❁ رعشۂ خوف بن گیا رقص بتانِ آذری(۱)

قاری ابوالحسن صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی ـــــ پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ قاری صاحب کا تقرر مجود کی حیثیت سے میری مادر علمی مرکز علوم جون پور میں ہوگیا ـــــ لیکن میں وہاں سے آچکا تھا تاہم کسی نہ کسی بہانے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ہر ملاقات میں ان سے کچھ سننے اور استفادے کا شرف ضرور حاصل رہا ـــــ یہ عجیب اتفاق بلکہ حسن اتفاق ہے کہ جس سال دیوبند وہ تشریف لائے اسی سال میں بھی یہاں آیا ہوں اب تک وہ یہیں مقیم ہیں اور میں بھی ـــــ اس چودہ سالہ مدت میں نہ پوچھیے کہ یہاں کیسے کیسے مدوجزر آئے اور کیسی کیسی اتھل پتھل رہی مگر ـ

بہت حالات نے چاہا خودی کو ختم کر دینا ❁ مگر تیرے جوانوں کی وہی رفتار ہے ساقی

میرے اور قاری صاحب کے درمیان نہ کبھی مسلکی توافق رہا ہے اور نہ جماعتی ہم آہنگی ـــــ لیکن میں جب بھی ان سے ملا ہوں ایک نیاز مند اور خورد کی حیثیت سے ملا ہوں اور فن تجوید کا ایک ادنیٰ شائق کی حیثیت سے ان سے کچھ حاصل کرنے کی نیت سے ملا ہوں ـــــ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی ان کی طرف سے بخل یا بے توجہی کی شکایت پیدا ہوئی ہو۔

قاری ابوالحسن صاحب اعظمی ۱۹۴۱ء میں اپنے آبائی وطن جگدیش پور ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی، حفظ قرآن کریم کی تکمیل اپنے والد ماجد محترم حافظ محمد حنیف صاحب سے کی ـــــ اس کے بعد گیارہ سال کی عمر میں عربی وفارسی کی تعلیم کے لیے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخلہ لیا۔ عربی کی ابتدائی کتابوں کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی غرض سے مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ دارالعلوم مئو میں داخلہ لیا ـــــ وہاں انھیں استاذ القراء

(۱) یہ نعت اس شاعر انقلاب کی ہے جسے عام طور پر نظم وغزل اور رباعی کا شاعر جانا جاتا ہے، یعنی جوش ملیح آبادی جوش کی یہ نعت بڑی مرصع اور محلی ہے، اس کے ساتھ پڑھنے کا اپنا خاص انداز اور طرز، سامعین کا حال دیدنی تھا۔

حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحبؒ (م ۱۳۹۰ھ) کی سرپرستی ورہنمائی میسر آ گئی ——— انھوں نے عربی کی درسیات کے ساتھ ساتھ فن تجوید وقراءت بھی سیکھنا شروع کر دیا اور روایت حفص کے بعد قراءت سبعہ عشرہ میں داخلہ لے لیا ——— اپنی محنت شاقہ اور خداداد ذہانت کی بدولت ایک سال کی مختصر سی مدت میں مکمل اجراء کے ساتھ قراءت سبعہ عشرہ متواترہ کی تکمیل کر لی۔

خانگی حالات مساعد نہ ہونے کی باعث تجوید وقراءت کی تکمیل تو ہو گئی، لیکن درس نظامی کی تکمیل ان کے لیے ممکن نہ رہی۔ مجبوراً تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے انھوں نے تدریس کا کام شروع کر دیا۔ اور مدرسہ معروفیہ پورہ معروف ضلع اعظم گڈھ میں فن تجوید کے مدرس ہو گئے اس کے بعد مدرسہ کرامتیہ جلال پور، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور، مرکز علوم قرآنیہ جون پور اور مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی اور ان تمام ہی مدارس کے تجویدی شعبے کو عروج بخشا۔

۱۹۷۵ء میں قاری صاحب کی قسمت نے یاوری کی انھوں نے تشنہ تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا ——— اور دو سال میں سند فضیلت حاصل کر لی۔ کچھ دنوں دوسرے مدرسوں میں معلمی کے منصب پر کام کرنے کے بعد ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تجوید وقراءت کے ذمہ دار کی حیثیت سے بلا لیے گئے۔

جناب قاری ابوالحسن صاحب قاری ہیں ——— اور ایک اچھے قاری ہیں ——— لیکن یہ کوئی قابل ذکر بات نہیں ہمیشہ اور ہر دور میں اچھے قراء موجود رہے ہیں اور آج بھی آپ کو اسی ملک میں کتنے ہی ایسے قراء مل جائیں گے جو اپنے فن اور حسن قراءت کی وجہ سے ممتاز ونمایاں ہیں ——— قاری ابوالحسن صاحب کو قاریان ہند کی بھیڑ میں سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں کرنے والی جو چیز ہے وہ ہے ان کا اس فن کے ساتھ قلبی اور والہانہ تعلق ——— اور اسے عام کرنے کا جذبۂ صادق۔

فن تجوید وقراءت کی اہمیت ہر عہد میں تسلیم کی گئی ہے اس لیے کہ تجوید وقراءت سے واقفیت کے بغیر قرآن عزیز کی صحیح قراءت ممکن نہیں ——— راقم الحروف ایک دو نہیں بیسوں ایسے ماہرین ومفسرین قرآن سے واقف ہے جو ایک ایک لفظ پر معلومات کے خزانے لٹا دیتے ہیں، ایک ایک آیت میں گھنٹوں اپنے علم وفضل کے کمالات دکھاتے ہیں اور وہ جس مجلس میں قرآنی آیتوں کی تشریح وترجمانی فرماتے ہیں پوری مجلس تاثرات میں ڈوب جاتی ہے ——— لیکن وہی ماہرین ومفسرین قرآن جب قرآن عزیز کی کسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ کسی کو منھ چڑایا جارہا ہے۔

ایک موقع پر مشہور عالم قرآن مولانا جلیل احسن ندویؒ نے بڑے تاسف کے ساتھ بعض اہم علماء اور بڑے مدارس کی تجوید کی طرف سے بے توجہی پر اظہار خیال فرمایا۔ ایک عالم کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ ہندوستان میں قرآنیات کے سب سے بڑے ماہر ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کی سب سے زیادہ غلط اور خراب تلاوت کرنے والے بھی وہی ہیں جب وہ قرآن حکیم کی کوئی آیت پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مبتدی طالب علم اردو کی کسی کتاب کی خواندگی کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی جو ایک زبردست عالم اور مفسر قرآن ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں تفسیر کے موضوع پر ان کے پیروؤں کی تعداد سیکڑوں سے بھی متجاوز ہے۔ انھوں نے ہمیشہ فن تجوید کی طرف سے نہ صرف یہ کہ بے نیازی وبے توجہی کا ثبوت دیا ہے بلکہ ایک موقع پر تو اس کی بے وقعتی ظاہر کرتے ہوئے کہا ——— تجوید سوائے جبڑوں کی ورزش کے اور کچھ نہیں۔

قاری ابوالحسن صاحب کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ مدارس دینیہ کو اس فن کی طرف متوجہ کیا، بلکہ انھیں بہترین، محنتی اور اس فن سے گہری دلچسپی رکھنے والے افراد بھی دیئے۔ اب تک ہزاروں قاری ان سے سند قراءت وتجوید حاصل کرکے ملک وبیرون ملک میں خدمت قرآن انجام دے رہے ہیں۔

قاری ابوالحسن صاحب جہاں اور جس ادارے میں رہے انھوں نے شعبہ تجوید ہی کا مدرس رہنا پسند کیا ہے۔ اور اس شان کے ساتھ کہ کبھی بھی لگے بندھے اوقات کو کافی نہیں سمجھا، اپنے غیر تعلیمی اوقات کا بیشتر حصہ طالبان فن کے لیے وقف کر رکھا۔ میں نے ان سے جون پور کے دوران تدریس بھی ملاقاتیں کی ہیں۔ شاہی مراد آباد اور اصغریہ دیوبند کے دوران تدریس بھی —— اور دارالعلوم میں تو آئے دن ملتا ہی رہتا ہوں —— عصر سے مغرب کے درمیان کو مستثنیٰ کر کے یہ ان کا عظیم بک ڈپو میں نشست اور علمی شخصیتوں سے ملنے کا وقت ہے۔ جب بھی ان سے ملا ہوں انھیں طلبہ کے درمیان گھرا ہی پایا ہے —— کبھی کسی کو مشق ترتیل کرا رہے ہیں تو کبھی ساتوں قراءتوں کے فرق و امتیاز کے ساتھ حدراً اجراء قرآن کریم کی سماعت فرما رہے ہیں اور کبھی متعلقہ فن کی کوئی کتاب طلبہ کو تفہیم کرانے میں مصروف ہیں۔

یہ خصوصیت موجودہ دور میں اپنے علم کے مطابق صرف آپ کی ہی دیکھی ہے، قراءت کی کوئی بھی عربی کتاب ہو درس کے وقت کبھی کتاب آپ کے سامنے نہیں ہوتی۔ ایک بار سوال کے جواب میں فرمایا، بھائی ایسے ہی پڑھا ہے، ایسے ہی استاذ کو پڑھاتے ہوئے پایا ہے، بحمد اللہ سب محفوظ ہے۔

ان کی درسگاہ اور رہائشی کمرے میں داخل ہوتے ہی اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ قاری ابوالحسن صاحب صرف قاری و مجود ہی نہیں بلکہ وہ اپنے فن کے داعی و مبلغ بھی ہیں اور فن تجوید و قراءت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ دیواروں پر سہ رویہ فریموں میں خوشنما اور خوشخط بے شمار کتبے آویزاں ملتے ہیں (تقریباً اسی فریم سے زائد) جن سے ہر آنے والا محظوظ و متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا —— کسی میں تلاوت قرآن کے آداب و احکام درج ہیں تو کسی میں فن تجوید کی اہمیت و فضیلت اور کسی میں فن تجوید سے متعلق اہم شخصیات کی فہرست ملے گی تو کسی میں اس فن سے متعلق اہم کتابوں کا تذکرہ۔

ان سب کے باوصف اب تک تقریباً پچاس سے زائد کتابیں اس فن پر سپرد قلم

فرما چکے ہیں، اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب انھوں نے علم قراءت اور قراء سبعہ کے نام سے لکھی جس میں علم قراءت، اس کی مبادیات، اصول وقواعد، قراء سبعہ اور قراءت کی مرکزی شخصیتوں کے حالات زندگی اور کارنامے کا صدی بصدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب مولانا شمس تبریز خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''علم قراءت ایک ضروری علم ہے مگر اس کی اہمیت کو عام طور پر سمجھا نہیں گیا اور اسے خوش الحانی کا دوسرا نام سمجھ لیا گیا، حالاں کہ اس کی اصل اہمیت صحیح طور پر تلاوت قرآن ہے جو ایک کارثواب ہونے کے ساتھ علم کا ایک ممتاز شعبہ بھی ہے۔

اردو وعربی میں بڑی چھوٹی بہت سی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں مگر ضرورت تھی کہ اردو میں کوئی جامع کتاب سامنے آئے، ہمیں خوشی ہے کہ یہ کتاب اس خلا کو پر کرتی ہے اس میں فاضل مؤلف نے علم قراءت کے تعارف، قرآءت کے اصول وقواعد کے ساتھ قراء سبعہ ان کے طرز قراءت پر داد تحقیق دی ہے پھر اخیر میں قراءت پر لکھی جانے والی کتابوں کا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے، اس طرح یہ کتاب علم قراءت کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ شروع میں جناب مولانا انظر شاہ صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے مقدمے مزین کتاب ہیں''۔ (تعمیر حیات لکھنؤ۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء)

دوسری کتاب انھوں نے قواعد التجوید کے نام سے تحریر فرمائی ہے، یہ کتاب تجوید کے مبتدی طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے ــــــ راقم الحروف نے اخبار ''اجتماع دیوبند'' کے ۱۵ مئی ۱۹۷۹ء کے شمارے میں اس کتاب پر بایں انداز تبصرہ کیا تھا:

''فن تجوید ایک مبارک اور اہم فن ہے۔ قرآن حکیم کو صحت کے ساتھ پڑھنے کے لیے اس فن کا جاننا ناگزیر ہے ــــــ جو لوگ فن تجوید سے واقفیت نہیں رکھتے وہ قطعی اس بات پر قادر نہیں ہوتے کہ قرآن حکیم کو صحت حروفی کے ساتھ پڑھ سکیں ــــــ تجوید کو نہ جاننے والا جب بھی قرآن کی تلاوت کرے گا اپنی تمام کوششوں کے

باوجود طاء کو تاء، صاد کو سین، ضاد کو دال یا ظا، اور ظا کو ذال یا زا یا ثا کو سین لحن جلی جیسی فاحش غلطی کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ ادھر کچھ دنوں سے دیکھا یہ جارہا ہے کہ جتنا ہی یہ فن اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اس کی طرف سے بے توجہی اور لاپرواہی برتی جارہی ہے —— بڑے بڑے فضلاء اور مقررین اس بے توجہی اور لاپروائی کا شکار ہیں —— فن تجوید کے فقدان کی دو وجہیں ہیں۔ اول تو یہ کہ خود مہتممین مدارس ہی نے اس فن کو بے کار اور عبث تصور کر کے اپنی درسگاہوں سے خارج کر دیا ہے اور اگر خارج نہیں کیا ہے تو ان تمام رعایتوں اور سہولتوں سے اس فن کے حاصل کرنے والوں کو بہر حال محروم کر دیا گیا ہے جو دیگر فنون مثلاً ادب، طب، منطق، فلسفہ، حدیث اور تفسیر کے طلبا کو حاصل ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اب تک اس فن پر ہمارے متقدمین نے بہت کم لکھا ہے اور جو کچھ لکھا بھی ہے وہ اس درجہ مشکل اور گاڑھی زبان میں ہے کہ معمولی اردو داں اس کی عبارت بھی قاعدے سے نہیں پڑھ سکتا۔

ضرورت یہ تھی کہ اس فن پر کم از کم مبتدیوں کے لیے کوئی ایسی مختصر اور جامع کتاب لکھ دی جائے جو زبان و بیان کے لحاظ سے عام فہم اور سلیس ہوتی تا کہ طالب علم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے محض اپنی اردو زبان کے بل بوتے پر پڑھ اور سمجھ سکے —— زیر نظر کتاب ''قواعد التجوید'' اسی ضرورت کا تکملہ ہے —— جسے فاضل تجوید جناب قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے حوالۂ قلم کیا ہے۔

ہم بڑے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ''قواعد التجوید'' اپنے موضوع پر ایک قابل قدر اور کامیاب کتاب ہے۔ ایک ایسی کتاب جو اپنے پڑھنے والے کو مطلوبہ موضوع پر لکھی گئی درجنوں کتابوں سے بے نیاز کر دے۔

حاصل تبصرہ یہ ہے کہ ''قواعد التجوید'' ایک معیاری اور مستند تصنیف ہونے کے ساتھ ساتھ قطعی اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اسے مدارس عربیہ میں شامل نصاب کیا جائے۔ اور زیادہ

سے زیادہ لوگوں تک اسے پہنچا کر فن تجوید کو عام کیا جائے۔ (پندرہ روزہ اجتماع دیوبند ۱۵ اپریل ۹۰ء)

تیسری کتاب التحفۃ العنبریہ ہے یہ فن تجوید کی مشہور عربی کتاب قصیدۂ مقدمۃ الجزریہ کی مفصل اور تحقیقی اردو شرح ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تعمیر حیات لکھنؤ نے لکھا ہے کہ:

''علامہ جزریؒ علامہ شاطبیؒ کی طرح بہت سے علوم و فنون پر نظر رکھتے تھے مگر ان کا خاص موضوع علم تجوید و قراءت ہے جس میں ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں ان کی نظم مقدمہ جزریہ، بہت مقبول اور متداول ہے اور ہر زمانے کے مشاہیر علماء جیسے شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ قسطلانیؒ طاشکبری زادہؒ اور مولانا کرامت علی جون پوریؒ نے اس کی شرحیں لکھی ہیں اب یہ سعادت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کے حصے میں آئی ہے اور انھوں نے اس مقدمہ کو بنیاد بنا کر علم تجوید پر ایک مفصل اور مدلل کتاب تیار کر دی ہے۔

مقدمۂ کتاب میں انھوں نے تدوین قرآن اور پھر تجوید کی منتخب تصانیف کا تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا ہے پھر مصنف کتاب کا تعارف کرایا، پھر مختلف ابواب کے تحت مسائل تجوید کی وضاحت اور مقدمہ جزریہ کی محققانہ شرح کرتے گئے ہیں۔

قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کو اللہ تعالیٰ نے تجوید سے خاص ذوق و مناسبت عطا کی ہے جس کا نمونہ ان کی سابقہ کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی فنی محنت قبول کرے اور اسے مسلمانوں میں مقبول بنائے۔

النفحات القاسمیہ قاری صاحب کی وہ معیاری کتاب ہے جس میں انھوں نے چھٹی صدی ہجری کے مشہور عالم قراءت علامہ ابوالقاسم شاطبی اندلسی کے مشہور قصیدہ شاطبیہ لامیہ کی جامع شرح پیش کی ہے مناسب ہوگا کہ اہل علم کے تبصروں میں سے ایک تبصرہ اس کتاب کے تعلق سے بھی نمونۃً نقل کر دیا جائے —— جناب مولانا شمس تبریز خاں صاحب رقم طراز ہیں:

''قاری ابوالحسن صاحب اعظمی علم قراءت پر فنی نقطہ نظر سے کئی کتابیں لکھ چکے ہیں

اور اساتذۂ فن کی کتابوں کے ترجمے بھی کر چکے ہیں، اب انھوں نے علامہ ابوالقاسم شاطبی (م ۵۹۰ھ) مشہور امام قراءت کے مقبول و متداول "قصیدہ شاطبیہ" کا سلیس ترجمہ و شرح شائع کیا ہے۔

اس قصیدے کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اب تک اسّی سے زائد شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں اور عربی مدارس کے نصاب میں مسلسل داخل رہا ہے۔ اس میں پورے قرآن کا اختلاف قراءت کے ساتوں مذاہب کو بیان کیا گیا ہے اور شعریت کے ذریعے اس مشکل فن کو مانوس بنا دیا گیا ہے پھر بھی نظم کی اپنی مشکلات ہوتی ہیں اور اس میں قواعد و ضوابط کا بیان آسان نہیں ہوتا اس لیے شرحوں کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

موجودہ شرح اور ترجمہ بہت کامیاب ہے اور اس سے یہ مشکل فنی قصیدہ آسان ہو جاتا ہے قاری صاحب موصوف اپنی محنت و کاوش کے لیے بہر حال مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے"۔ (تعمیر حیات لکھنؤ ۲۵/ مارچ ۸۲ء)

التحفة الجميله میں قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے علامہ شاطبی کے دوسرے مشہور نصابی قصیدہ عقیلہ (رائیہ) کی شرح پیش کی ہے۔ البشیر تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کی عظیم عبقری شخصیت علامہ ابوعمر واندلسی کی مایہ ناز کتاب التیسیر فی السبعہ کی مختصر اردو شرح ہے۔

الفوائد المدریہ ترجمہ مقدمۃ الجزریہ المذکور کا عام فہم و سہل اردو ترجمہ ہے۔

تیسیر القراء ت فی السبع المتواترات اور ان کے علاوہ اور کئی کتابیں فن تجوید و قراءت کے منتہی طلبہ کے لیے مفید اور کارآمد بھی ہیں اور قاری صاحب کی مہارت فن اور اس فن سے والہانہ تعلق کا واضح ثبوت بھی۔

قاری صاحب کا ایک عظیم کارنامہ مکتبہ صوت القرآن دیوبند سے شائع شدہ قرآن حکیم کا وہ نسخہ بھی ہے جس کے حاشیوں پر قاری صاحب نے اختلافات قراءت کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش

کیا ہے اور آغاز میں قرات عشرہ اور ان کے رواۃ وطرق پر روشنی ڈالی ہے اور قراءت متواترہ کے اصول اور تجوید اور وقوف کے ضرور قواعد بھی دیئے ہیں۔ یہ قاری ابوالحسن صاحب کے وہ عظیم کارنامے ہیں جو انھیں قراء ہند کی بھیڑ میں ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

آپ کی تمام تصنیفات کا یہاں تعارف مقصود نہیں، اس موضوع پر مستقل مضمون شامل کتاب ہے، یہاں تو صرف مشتے نمونہ از خروارے کے بطور چند کتابوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

یوں تو قاری ابوالحسن صاحب صرف تجوید کے آدمی ہیں اور فن تجوید ہی کے لیے وقف ہو کر رہ گئے ہیں —— لیکن ذوق مطالعہ اور شوق کتب بینی نے انہیں دوسرے موضوعات سے بھی بے نیاز نہیں کیا ہے اس سلسلے کا ان کا اہم کارنامہ قرآن حکیم کی مشہور اردو تفسیر معارف القرآن کی تلخیص ہے جو ان شاء اللہ عنقریب منظر عام پر آجائے گی —— بس حضرت کاتب کی توجہ کی ضرورت ہے۔ کام مکمل ہو چکا ہے۔

جناب قاری ابوالحسن صاحب دارالعلوم دیوبند کی اس مسند پر ہیں جسے کبھی برصغیر ایشیا کے ممتاز قاری شیخ القراء حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاب گڈھی نے عزت بخشی تھی —— میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قاری ابوالحسن صاحب اس مسند پر بیٹھ کر اکابر فن کے ناموس کا بٹہ نہیں لگایا بلکہ اپنی ذہانت، فطانت، محنت، عرق ریزی اور خداداد صلاحیت سے ان کی جلائی ہوئی شمع کو مزید روشن کیا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست ❁ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

❁❁❁

ایک مثالی شخصیت

از: قاری محمد شمشاد بجنوری

استاذ مدرسہ جماعۃ الامیر سلطان بن عبدالعزیز

الخیریہ لتحفیظ القرآن للقوات المسلحۃ ریاض سعودیہ عربیہ

سابق استاذ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند

خالقِ کائنات نے بے شمار مخلوقات میں انسان کو خصوصی شرف عطا فرمایا ہے، اس کے اندر مختلف کمالات اور اَن گنت صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، لیکن یہ حکمت خداوندی ہے کہ ہر شخص کے اندر کوئی ایسا نمایاں کمال عطا کردیا جاتا ہے جو اس کے لیے مابہ الامتیاز ہوجائے، جس کے نتیجہ میں اس کی حیات اس کا طرزِ عمل، اس کے کارنامے اور اس کی خدمات آنے والی نسل اور اس سے محبت اور عقیدت رکھنے والے حضرات کے لیے عبرت وبصیرت، ذکر وموعظت اور استفادہ ورہنمائی کا مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کسی شخص کی زندگی کا بیشتر حصہ کسی خاص علم وفن کی تعلیمی وتصنیفی خدمات اور اس کی ترویج واشاعت میں گذرا ہو تو اس شخص کا طرزِ عمل یقیناً مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

اُنھیں ذواتِ بابرکات میں حضرتِ اقدس جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ بھی ہیں۔ فن تجوید وقراءت سے آپ کا والہانہ تعلق اور بے پناہ شوق وانہماک اور اس کی تدریسی وتصنیفی خدمات اور اس فن کو عام کرنے کے مخلصانہ جذبہ میں موصوف اپنی مثال آپ ہیں۔

آپ کی ذکاوت کی ایک مثال

حالات کی نامساعدت کے باعث جب تعلیم تشنۂ تکمیل رہ گئی اور آپ نے تدریس کا آغاز فرمادیا، لیکن تکمیل کی سچی طلب اور لگن کے باعث جب تقریباً بارہ سال کی

مدت اور عربی درسیات کے مطالعہ اور کتب بینی سے اتنے طویل ترین بعد کے بعد دوبارہ تکمیل تمنا کا وقت موعود و مسعود آپہنچا تو دار العلوم دیوبند کے امتحانِ داخلہ میں پوری ہمت کے ساتھ شریک ہو گئے، واضح رہے کہ اس زمانے میں امتحان تقریری ہوتا تھا۔ جس میں کسی سے کسی قسم کے تعاون کا سوال نہیں، جو کچھ جواب پیش کرنا ہے فوراً، برجستہ، اور مزید یہ کہ آپ کے ممتحن الاستاذ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب مدظلہ جن سے آپ کی کوئی دید و شنید نہیں۔ اور حضرت مولانا کا مزاج معلوم و معروف —— اور تعجب یہ کہ جہاں تک ۱۲ رسال پہلے آپ پڑھے ہوئے تھے امتحان میں اس سے دو سال کی کتابیں اور آگے کی۔ لیکن خداداد صلاحیت و ذہانت سے بفضل خداوندی آپ کامیاب ہوئے، اور مطلوبہ سال جو اسی سال نیا نیا سالِ ہشتم قائم ہوا تھا، اور موقوف علیہ تام کہلاتا تھا آپ کو مل گیا۔ اسے آپ کی ذکاوت و ذہانت سے بجا طور پر تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

نیز یہ کہ تمام عدم مناسبت کے باوجود کتب متداولہ کی تعلیم سے بخیر و خوبی اور کسی دشواری کے بغیر گذر کر سالانہ امتحان میں اپنی جماعت کے اندر امتیازی حیثیت حاصل ہونے کی بناء پر انعام خصوصی، مشکوٰۃ شریف، موطأ امام مالک وتفسیر حل القرآن وغیرہ قیمتی کتب کے مستحق قرار پائے۔

نعمتِ عظمیٰ ۱۳۹۷ھ میں دار العلوم سے فراغت کے بعد میں قاری صاحب مدظلہ اپنی ایک تحریر، تحدیث نعمت'' میں فرماتے ہیں:

''میں اپنی زندگی کی سب سے اہم چیز اسے سمجھتا ہوں کہ ایشیاء کی نہیں بلکہ اپنے خاص اندازِ تعلیم کی وجہ سے دنیا کی ممتاز ترین اور اسلامی درسگاہ دار العلوم دیوبند سے استفادہ اور یہاں رہ کر تکمیل تعلیم کی ناچیز کو توفیق ہوئی، میں اسے قدرت کا بہت بڑا عطیہ اور خاص انعام اور فضل سمجھتا ہوں''۔

آپ اپنی جودتِ قراءت اور خداداد ذہانت و صلاحیت کی بناء پر علمی حلقہ میں شہرت کے مالک ہو چکے تھے۔ مختلف مدارس سے پیش کش کے باوجود دیوبند سے

تعلق خاطر اور جناب مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ اصغریہ دیوبند سے ربط خاص کی بناء پر آپ نے مدرسہ اصغریہ کو فن قراءت کی تدریس اور اس کے فروغ واشاعت کے لیے پسند فرمایا۔ آپ نے یہاں چار سال خدمت انجام دی۔

مدرسہ اصغریہ کے بعد مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں ۱۴۰۱ھ میں شعبۂ قراءت کی مسند صدارت کی پیش کش کے ساتھ آپ کو دعوت دی گئی، اور آپ نے اُس مسند کو رونق بخشی ایک سال بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں ۱۴۰۲ھ میں آپ کو شعبۂ تجوید وقراءت کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ اور ایک سال بعد ہی اس فن سے والہانہ شغف اور مثالی انضباطِ اوقات کے باعث مسند صدارت پر فائز کردیے گئے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے اپنی بے مثال جدوجہد اور تدریسی تجربہ سے اس شعبہ میں چار چاند لگا کر ترقی کی راہوں پر گامزن کیا، اور بہت تھوڑی مدت میں یہاں سے علم تجوید وقراءت کے رجالِ کار کی اتنی بڑی تعداد پیدا کردی جس کی مثال نہیں ملتی، اور ایسے باصلاحیت افراد پیدا ہوئے جنھوں نے ملک وبیرونِ ملک کی مرکزی درسگاہوں میں اس فن کی ذمہ دارانہ خدمت انجام دی۔

خصوصی امتیاز

دیگر مجودین اور قراء سے ممتاز کرنے والی کچھ خصوصیات ہیں، اگر انہیں بالتفصیل بیان کیا جائے تو مضمون بہت طویل ہوجائے گا، اجمالاً پیش ہے۔

(۱) آپ کی بہت بڑی خصوصیت اور امتیاز (مدارس کی دنیا میں بطورِ خاص) اوقات کا انضباط اور نظام الاوقات کی حد درجہ پابندی ہے۔ احاطۂ مولسری میں آپ کی درسگاہ ہے دیکھنے والے یومِ اوّل سے دیکھ رہے ہیں کہ درسگاہ میں مدرسہ کے متعین وقت اور گھنٹہ بجنے سے پہلے آپ درسگاہ میں رونق افروز رہتے ہیں۔ اسی طرح متعینہ اوقات ہی میں آپ کی جدوجہد محدود نہیں ہے بلکہ خارج میں بعد فجر، اور بعد مغرب متصلا (آپ کا ظہر اور مغرب کی نماز دارالعلوم کی قدیم مسجد میں ادا کرکے سنت اپنی

درسگاہ میں ادا کرنا یوم اوّل سے معمول ہے اور پھر فوراً ہی درس شروع طلبہ بھی اس کے عادی ہیں اور فوراً آغاز کار میں معاون ہیں) عشاء تک بالالتزام معمول ہے، آپ سے پہلے یہ چیز نہیں تھی، آپ نے اس معمول کا آغاز فرمایا۔ اور پھر اپنے دیگر متعلقین کو کہتے سنتے اس معمول پر لائے۔

(۲) تلاوت میں مخارج وصفات کی مضبوط رعایت اور اہتمام ادائیگی۔ لہجوں پر مضبوط گرفت اور کامل قدرت اور فن کے التزام کے ساتھ ایسا کیف اور رکھ رکھاؤ اور رچاؤ، آواز میں ایسی دل سوزی اور اتار چڑھاؤ ہوتا ہے کہ حاضرینِ مجلس کیف وسرور کی دنیا میں پہنچ جائیں۔

(۳) آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس فن کے ساتھ والہانہ شغف کی وجہ سے اسے عام اور تام کرنے کا عظیم جذبہ رکھتے ہیں۔ اس فن کے زبردست مناد بن گئے ہیں، جہاں بھی جاتے ہیں آپ کی یہی سعی اور کوشش رہتی ہے کہ کس طرح یہ شعبہ کھلے کھلا ہوا ہو تو ترقی کرے، اس فن کی عظمت کا جو تقاضہ ہے بھر پور طور پر اس کے مطابق عمل ہو، قرآن کریم کی حقیقی عظمت کے ساتھ خدامِ قرآن کی بھی عزت وعظمت ہو، انھیں حقیقتاً خادم قرآن کریم کا درجہ دیا جائے۔

(۴) نیز یہ خصوصیت بھی ہے کہ آپ تعلیم کے دوران صرف تعلیم وتدریس پر اکتفاء نہیں فرماتے بلکہ شب وروز اس فن کے لیے رجال سازی اور مردم گری کا فکر رکھتے ہیں، اور آج اس فکر اور مزاج کے حامل آپ کے تلامذہ کی ایک خاصی تعداد تیار ہوئی ہے جو ملک اور بیرونِ ملک کے مختلف مدارس میں اس فن کی نشر واشاعت میں مصروف اور سرگرم عمل ہیں۔

(۵) آپ کی ایک اہم اور نمایاں خصوصیت جو خواص سمجھے جانے والوں میں بھی کم ہی نظر آتی ہے وہ ہے اذان ہوتے ہی اور کبھی دورانِ اذان اور کبھی اس سے بھی پہلے پنج گانہ نمازوں میں مسجد پہنچ جانا، امام کے پیچھے (اب امام کے پیچھے کی نشست کا کسی

وجہ سے التزام تو نہ رہا باقی اہتمام اور تلاوت کا معمول بتوفیق الٰہی بحمد للہ وہی ہے، یہ محض اللہ کا فضل ہے) تلاوت میں مشغول ہو جانا جس سے یومیہ اوسطاً تین ساڑھے تین گھنٹے تلاوت کا معمول، جس میں تلاوت کی مجموعی تعداد دس یا اس سے زائد پارے یومیہ ہو جاتے ہیں یہ آپ کا نادر وصف ہے۔

(۶) ایک عرصہ دراز یعنی ۱۴۰۳ھ سے ۱۴۱۰ھ تک آپ کی رخصت اتفاقیہ صرف ایک یوم کی ہے۔ یہی تو وہ وصف اور خوبی ہے جس کی کھلی ہوئی برکت کا نتیجہ ہے کہ آپ سبعہ اور عشرہ کا دو سالہ نصاب صرف ایک سال میں مکمل اجراء قرآن کے ساتھ پڑھا دیتے تھے۔

حج وزیارت کے دوران جب آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں نائب عمید کلیۃ القراءۃ سے آپ کی ملاقات اور گفتگو ہوئی تو عمید کلیہ اس طرز تعلیم اور آپ کی محنت کو سن کر ششدر اور حیران رہ گئے، جب آپ نے ان کے بعض سوالوں کا برجستہ جواب دیا تو ہکا بکا ہو کر دیر تک آپ کا منہ تکتے رہے، اور ''کَثَّرَ اللّٰہُ اَمْثَالَکُمْ'' کی دعا کے ساتھ آپ کی خدمت میں بشکل کتب بڑا عظیم نادر اور کثیر تحفہ پیش کیا۔

یہ چند اوصاف تھے جو بہر حال ندرت کے حامل تھے، جنھیں سپرد قلم کیا گیا، راقم الحروف نے برسہا برس تک قریب رہ کر آپ کو خوب خوب دیکھا، اور آپ کے اس معمول صبح گاہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی خارج وقت میں قراءات سبعہ عشرہ کی پورے طور پر تکمیل کی ہے۔

بہر حال مختصر یہ ہے کہ مہارت فن تجوید وقراءۃ، جید الاستعداد فاضل، لائق وشستہ صاحب قلم، کامیاب مصنف ومؤلف، اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ، اِحسان واخلاص، ہمدردی وخیر خواہی، غم خواری وغمگساری، خدمت وسخاوت، اِکرام ضیف، مہمان کے لیے فرشِ راہ، نزاکت ولطافت پیکر تہذیب وتمدن، سراپا شفقت ومحبت،

انضباطِ اوقات، نظام الاوقات کی مکمل پابندی، طلبہ میں کامیابی وکامرانی کے جواہر پیدا کرنے کا ہمہ وقت فکر وجذبہ، مصائب پر ہنسنا ومسکرا دینا، تکلیفوں پر صبر وتحمل، بے خوبی وبے باکی —— ان کے علاوہ اور بہت کچھ اوصاف —— آپ کی کتاب زندگی کے کھلے ہوئے ابواب واوراق —— اور آپ کے گلشن حیات کے نہایت خوش رنگ اور خوشبودار گلہائے شگفتہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین!

جَزیَ اللّٰہُ بِالْخَیْرَاتِ عَنَّا اَبَا الْحَسَنْ

لَنَا نَقَلَ الْقُرْاٰنَ عَذْبًا وَّ سَلْسَلَا

❀❀❀

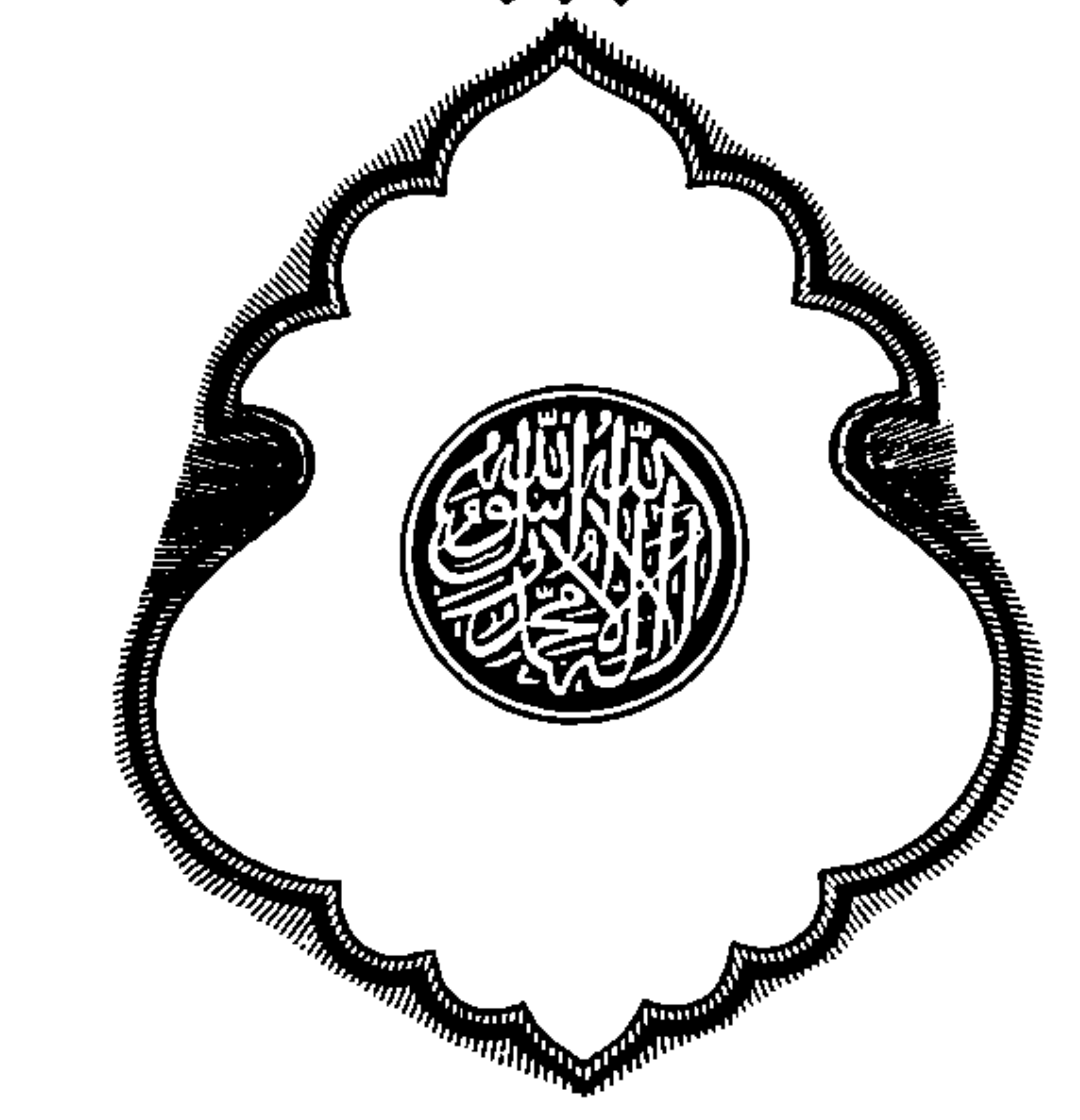

مجددِ علم قراءۃ

از: جناب مولانا مفتی سید احمد سعد

مہتمم المعهد العلمي الاسلامي ،ديوبند

۱۴۲۰ھ میں تاریخی کتاب "حسن المحاضرات فی رجال القراءات" کے تاریخی جلسۂ رسم اجراء کے موقع پر آپ کے خاص شاگرد جناب مولانا قاری مفتی احمد سعد صاحب مہتمم مدرسہ "المعہد العلمی الاسلامی ،دیوبند" نے ایک مفصل اور خوبصورت مضمون دس صفحات پر مشتمل ،زیب قرطاس کیا تھا اور اس تاریخی جلسہ میں پیش کیا تھا ،اسی مضمون کا عطر کشید کر کے ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ (یہ واضح رہے کہ یہ مضمون پانچ سال پہلے لکھا گیا ہے)

حلیہ میانہ قد ——— کشادہ چشم ——— نظیف اللباس ——— نازک مزاج ،مگر جفاکش ——— طبیعت کے غیور ،مگر غرور سے کوسوں دور ——— نفاست پسند ——— سلیقہ مند ——— صاحب ذوقِ سلیم ——— اوقات کی حفاظت وانضباط کے علمبردار ——— اور بے مثال پابند ——— بے حد حساس ——— بے تکلف اور پر مذاق ——— تجوید وقراءۃ کے شہسوار ——— تصنیف وتالیف میں یکہ تاز ——— پر کشش آواز خوش لہجہ ——— ادائیگی میں لاثانی ———

تعلیم کا دورِ ثانی حالات کی سنگینی تعلیم کے دوسرے دور کے حالات کی سنگینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفتی صاحب لکھتے ہیں:

دوبارہ تعلیمی فیصلہ قطعی طور پر اچانک ہوا تھا ،پہلے سے بنائے ہوئے نظام کے تحت

سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ نہیں ہوا تھا اولاً تکمیل تعلیم میں جو حالات باعث انقطاع تھے وہ علیٰ حالہٖ تھے۔

اہلیہ محترمہ کے ساتھ تین کم سن بچے، کوئی ذریعہ آمدنی نہیں، حالات پُر آشوب اور حوصلہ شکن ــــــ مگر جن کی نگاہ منزل کے میناروں پر ہوتی ہے انھیں راستے کی سنگ ریزوں کی چبھن کا احساس نہیں ہوتا۔ طلب تحصیل کی راہ میں نیازمندانہ قدم اٹھا کر عشوہ و ناز پر صبر و شکیب، گلہ مندیوں سے گریز، تدریس کی شاہی اور حاکمانہ مسند سے اُتر کر محکومیت کے خاکی فرش پر زانوئے تلمذ تہ کرنا، ایسی اولوالعزمی ہے جو کم ہی خوش بختوں کے حصے میں آتی ہے۔ یہ انھیں کے لیے مقدر ہوتی ہے جو کسی تاریخ ساز کارنامہ کے لیے منتخب ہوتے ہیں۔

اپنی ذات کی حد تک ایسے مجاہدات کے لیے انسان خوگر بنا لے ــــــ مگر ــــــ شریک حیات اور معصوم نونہالوں کو توکل اور مجاہدہ کا درس دینا ظاہر ہے جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس

اس میں کوئی مبالغہ نہیں، حقیقت ہے کہ آپ کی آمد سے پہلے دارالعلوم کے شعبۂ تجوید و قراءۃ کا حال ناگفتہ بہ تھا، اس شعبے کا نہ نصاب تعلیم درست تھا اور نہ نظام تعلیم ڈھنگ کا تھا، یہ شعبہ، اتنا بدنام ہو چکا تھا کہ ''شعبۂ تفریح'' کہا جانے لگا تھا، مگر آپ کیا آئے موسم بہار آ گیا، اس شعر سے قدرے وضاحت ہوتی ہے۔

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ کلی کلی یہاں محو تھی خواب ناز میں

دارالعلوم کے تمام شعبے اس زمانہ میں پُر رونق تھے، سب میں چہل پہل تھی، نہیں جانتا تھا کوئی تو شعبۂ تجوید و قراءۃ کو، مگر آپ نے ایک ایسی روح پھونک دی کہ سب کی نگاہیں اٹھ گئیں، اور پھر یہ ہوا کہ ؎

وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھاگئے!

انجمن صوت القرآن یا افراد ساز کارخانہ

دار العلوم میں انجمنوں کے جلسے بڑی اہمیت کی چیز ہیں، شعبۂ تجوید وقراءۃ کی انجمن کا دور دور تک کوئی تصور نہ تھا، مگر آپ نے آتے ہی یہاں ماحول بنایا اور اس کے لیے انجمن قائم کی جس کا دل کش نام ”صوت القرآن“ ہے۔

اس انجمن نے بلاشبہ کسی بڑے ادارے سے کم کارنامہ انجام نہیں دیا، اس انجمن کو جو چیز دیگر تمام انجمنوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی مرکزیت ہے یعنی یہ کسی ایک درسگاہ یا کسی ایک علاقہ کے طلبہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ پورے دار العلوم کے تمام ہی طلبہ کی انجمن ہے، درجۂ عربی اور تخصصات وغیرہ کے سارے ہی شائقین اس انجمن سے منسلک رہ کر اپنے ذوق کی تسکین اور مشق وتمرین کو جلا حاصل کرتے تھے۔ بلاشبہ لاتعداد طلبہ کو اس نے شعور اور سلیقہ بخشا، اگر ایک طرف اس رخ سے اس کا یہ کارنامہ تھا تو دوسری طرف اپنے طریق کار سے اس انجمن نے کتنوں کو مقرر اور خطیب بنادیا اور کتنوں کو بڑے بڑے جلسہ ہائے قراءۃ میں فیصل بننے کی صلاحیت ملی، اس انجمن نے مجودین کی پوری ایک نسل کو تیار کیا، یہاں سے جانے کے بعد اس کے مستفیدین نے اپنے علاقوں اور متعلقہ مدارس میں اسی طرز پر کام شروع کیا، اور پھر چراغ سے چراغ جلتے چلے گئے، قریب اور دور کے علاقوں میں قراءۃ کے جلسے اور سیمینار اور قراءۃ کانفرنسیں بھی منعقد ہوئیں غرض ایک نہایت خوش گوار فضا بن گئی انجمن صوت القرآن کے جلسوں سے مدارس میں عوام کی جانب سے اساتذۂ قراءۃ کے تقرر کے مطالبے ہونے لگے، طلبہ عربی میں تجوید وقراءۃ کا شوق بیدار ہوا، دور دراز علاقوں سے اس فن کی تحصیل میں شائقین جوق در جوق آنے لگے، ابتداء میں دار العلوم میں تجوید اور قراءۃ میں باضابطہ داخلہ لے کر پڑھنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر تھی، اسی لیے اساتذہ کی تعداد بھی کم ہی تھی، مگر حضرت الاستاذ کے مجددانہ طریقِ درس اور انجمن

صوت القرآن کی پر کشش پکار اور اس کی صداؤں نے قرآن کریم سے ادنیٰ تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں ایک ایسی روح پھونکی کہ خود دارالعلوم سے اس شعبہ میں داخلے کے لیے ایک خاصی بڑی تعداد ملنے لگی، جس سے اساتذہ کا اضافہ ناگزیر ہوا۔ اور پہلے کے مقابلہ میں تعداد دوگنی ہوگئی۔ پڑھنے اور پڑھانے والوں کی دلنواز صدائے قرآنی سے دارالعلوم دیوبند اور پھر یہاں سے گذر کر علاقوں کے علاقے گونج اٹھے، اور بلا مبالغہ حضرت الاستاذ اور آپ کی یہ قائم کردہ انجمن اس شعر کا مصداق کامل بن گئے۔

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

مجددانہ کارنامہ

منزل تک رسائی کے لیے جس طرح راہی کے اندر ذاتی طور پر طاقت اور قوت کی ضرورت کے ساتھ راہ نما اور راہبر کا بیدار مغز ہونا ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح بلکہ کچھ اس سے زیادہ اہم ہے راستے کا صحیح، سیدھا، اور درست ہونا ——— علمی اصطلاح میں اسی کو ——— نصاب تعلیم ——— کہا جاتا ہے۔

قراءۃ سبعہ وعشرہ کی تعلیم سے بے رغبتی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اسے زمانہ اور وقت کے مطابق نہیں رکھا گیا، اس کا نصاب اور اسے پڑھانے کا طریقہ وہی قدیم، جس میں کئی سال صرف ہوجاتے تھے، اس کے حصول وتکمیل میں متعدد دشواریاں تھیں جس کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا اور ضروری کام آپ نے یہ کیا کہ مختلف انداز میں اس فن کی اہمیت، ضرورت اور عظمت کو اجاگر کیا، دلوں میں اس کی عظمت بٹھائی اور ضرورت کو سمجھایا۔ ورنہ حال یہ تھا کہ اہل علم حضرات نے بھی قراءۃ سبعہ میں تلاوت سن کر اجنبیت کا برملا اظہار کیا، اس پر اعتراض کیا، اور کھل کر کہا کہ یہ کیا ہے، یہ آج پہلی بار ہم سن رہے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے مرکزی ہال دارالحدیث تحتانی میں انجمن

صوت القرآن کے جلسوں میں دارالعلوم کے بڑے اساتذہ خاص طور پر استاذ محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ سے سالہا سال تک، قراءۃ سبعہ عشرہ اور تجوید کی اہمیت اور ضرورت پر تقریریں کرائیں ——— اس طرح اولاً اس فن سے اجنبیت کو دور کیا۔

اس کے بعد گرانقدر خدمت یہ انجام دی کہ اپنے طویل تجربات کی روشنی میں ایک ایسا مختصر جامع نصاب تیار کیا جس کی کم سے کم وقت میں خواندگی مکمل کر کے مفید نتائج برآمد ہوں۔ چنانچہ قراءۃِ سبعہ وعشرہ جس میں پہلے کئی سال خرچ ہوتے، آپ اسے صرف ایک سال میں اس طرح مکمل پڑھا کر دکھادیا کہ ایک سال میں پڑھایا جاسکتا ہے، آج ایسے باکمال اساتذہ کی ایک بڑی تعداد ملک اور بیرون ملک میں اور اسی نصاب کو اپنے مدارس میں داخل کر کے اس علم کی کامیاب تدریسی علمی اور فنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اپنے ملک کی اردو زبان علم قراءۃ کی مکمل اور جامع کتابوں سے خالی تھی، آپ نے نصاب کے ساتھ ایسی کتابیں اردو میں تالیف وتصنیف کیں جس سے اردو داں شائقین بھی اس علم سے بہرہ مند ہو سکیں، اس مجددانہ کارنامے سے کم ہمتوں کو بھی توفیق ہوئی، اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے:۔

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو
کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنادیا

کوئی بھی صاحب علم وفن اور قدر دان آپ کے اس تجدیدی کارنامے سے انکار نہیں کرسکتا ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کے بارے میں وقت کے ابوذر غفاری، عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے جوار بیت اللہ میں اپنے ایک خاص تعلق رکھنے والے مرید اور مجاز سے فرمایا تھا کہ:

''یہ شخص علم قراءۃ کا مجدد ہے'' (ذی قعدہ: ۱۴۱۳ھ)

بلاشبہ یہ اعتراف وسیع الظرف حضرات ہی کر سکتے ہیں، جنھیں علم وفن کی قدر دانی کی توفیق ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنے قیمتی مضمون کے آخر میں حضرت قاری صاحب کی علمی اور تصنیفی خدمات پر اختصاراً طائرانہ نظر ڈالی ہے یہاں صرف اس جز کے آخری پیراگراف کو نقل کیا جاتا ہے۔

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا

مفتی صاحب تالیف پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

"...یہ سب کچھ حضرت محترم نے حوصلہ افزا اور پُرسکون ماحول میں نہیں کیا —— جہاں علمی وتصنیفی کاموں کی تائید اور قدر دانی ہو —— (علمی کاموں کی قدر دانی تو زندہ قوموں کا شیوہ ہے) بلکہ —— عداوتوں اور مخالفتوں کے طوفان، چھوٹوں کی ژاژ خوائی، بڑوں کی جانب سے حاسدانہ کارروائی (۱۴۰۶ھ، ۱۴۱۶ھ اور ۱۴۲۰ھ کی روداد ماسبق میں دیکھ لیجیے) اور بعض دنی الطبع "شاگردوں" کی بغاوتوں اور ان کی مسلسل گھناؤنی سازشوں کے نرغے —— میں رہ کر یہ کارہائے نمایاں انجام دیے —— مصائب وآلام نے کتنے ہی بھیانک چہرے دکھائے، وفا فروشوں نے آپ کے دامن کو داغ دار کرنے کے لیے نت نئے کھیل کھیلے، حالات کی تمام تر کڑواہٹ، راہ کی مشکلات اور سرد اور گرم ایام کی مشقتوں اور کلفتوں کی پرزور آندھیاں چلائی گئیں —— مگر دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ آپ ہر دم جواں، پیہم رواں ایک جہدِ مسلسل ہیں، نہ پیشانی پر بل اور افسردگی کی کوئی لکیر، بے تکان منزل کی جانب رواں دواں ہیں اور گلستانِ تجوید وقراءت کو نئے نئے گلوں کی تخم ریزی اور گلہائے شگفتہ کی آبیاری سے سنوارنے اور نکھارنے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔

....ان تمام مخالفانہ ماحول میں رہتے ہوئے، آپ کی ثبات قدمی، عزم

اوراستقلال قابل داد ہے کہ کبھی مایوسی کوآپ کے راستے سے گذرنے کی ہمت نہیں ہوئی، پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہیں پیدا ہوا ــــــ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے سنگین حالات نے آپ کے لیے مہمیز کا کام کیا۔

مخالفتیں سامنے آئیں تو ان پر مسکرا دیے، حاسدوں نے آندھیاں اٹھائیں تو ان سے کہا، تمہارا راستہ یہ نہیں ہے، آپ کی زندگی ان اشعار کی مصداق ہے":

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

مصائب جھیل کر بھی مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا...!

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانہ کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کو ـــ صحت وعافیت سے نوازے ۔

جَزَی اللّٰهُ بِالْخَیْرَاتِ عَنَّا اَبَا الْحَسَنْ ۞ لَنَا نَقَلَ الْقُرْاٰنَ عَذْبًا وَّ سَلْسَلَا

لیکن تو چیزے دیگری

از: مولانا قاری ارشاد احمد صاحب غازی آبادی
صدر شعبۂ قراءۃ مدرسہ خادم العلوم باغوں والی مظفر نگر

تاریخ کی روشنی میں یہ بات عیاں اور واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے پانچ سال بعد ۱۵ھ میں بحرین سے ہوتے ہوئے اسلام کے جیالوں اور شیروں کے قافلے ہندوستان کی سرزمین میں آکر مقیم ہوئے، چوں کہ ہندوستان ابتدائے اسلام سے ہی اسلام اور اہل اسلام کی توجہات کا مرکز رہا ہے اس لیے اسلامی تعلیمات کا وہ سلسلہ جو عرب کی مقدس سرزمین سے شروع ہوا اس کی روشن اور منور کرنیں ہندوستان میں پھیلتی چلی گئیں، اور دیگر علوم وفنون کی طرح ہندوستان میں علم تجوید وقراءۃ کے ماہرین اپنے اپنے علاقوں میں طالبان علمِ تجوید وقراءۃ کو فیضیاب کرتے رہے۔ بالآخر بارہویں صدی کے اواخر میں جب سلطنت مغلیہ کا آخری اور ٹمٹماتا ہوا چراغ بہادر شاہ ظفر کی شکل میں گل ہوا اور انگریز پورے ملک پر حاوی ہوگئے، اسلامی روایات ختم ہونے لگیں اسلامی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کا زوال ہوگیا اور رفتہ رفتہ اسلامی تعلیمات مسلمانوں کے لیے ایک اجنبی شے بن گئیں تو ایسے ماحول میں علم تجوید اور قراءۃ بھی محفوظ نہ رہ سکا اور اس علم کے ماہرین یا تو روپوش ہوگئے یا ان کو ختم کردیا گیا۔

آزادیٔ ہند کے بعد فرید دہر امام فن حضرت مولانا قاری المقری عبدالرحمٰن مکیؒ اور آپ کے ارشد تلامذہ وماہرین نے اس علم کی روشنی کو ہندوستان کے چپہ چپہ میں پہنچانے کی انتھک کوششیں کیں، لیکن ... حضرت مولانا قاری المقری ابوالحسن صاحب اعظمی زید مجدکم العالی چراغ مصطفوی سے (اشارہ ہے قاری محمد مصطفیٰ صاحبؒ کی طرف

جو حضرت کے استاذ تھے) اکتسابِ نور کرنے والوں میں ایک ایسے روشن اور منور ستارے ہیں جن کی ہمہ جہت خدمات کو اس علم کی ترویج واشاعت میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ چنانچہ تدریساً ہو یا تصنیفاً وتالیفاً ہر طرح سے اپنی ضوفشاں کرنوں سے ''خصوصاً ہندوستان اور عموماً پورے عالم کو روشن ومنور کردیا'' اور علم تجوید د قراءۃ کی وہ روشنی جو سرزمین اعظم گڑھ میں قاری محمد مصطفیٰ صاحب مئوی کے سینے سے حضرت مولانا قاری المقری ابوالحسن صاحب دامت برکاتہم کی شکل میں نکلی اس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک دنیا کو منور کردیا۔

یہ حقیقت کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ ہندوستان میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند اور مسلک دارالعلوم پر چلنے والے مدارس ہوں یا دیگر مسالک کے ادارے، ان میں آج جو علم تجوید وقراءۃ کا چرچا اور ہر طرف تجوید وقراءۃ کی گونج ہے۔ وہ صرف اور صرف حضرت موصوف وممدوح کی مرہون منت اور آپ ہی کا فیضان نظر ہے۔ اور آپ ہی کی شبانہ زور جہد مسلسل اور انتھک محنت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

قاری محمد مصطفیٰ صاحب مئوی سے استفادہ کرنے والے تلامذہ جو براہِ راست وابستہ اور مستفید ہیں اور جو بعد میں آفتاب وماہتاب بن کر ابھرے اور ہندوستان کی دینی افق پہ چمکے ان میں سب سے نمایاں کام حضرت قاری صاحب ممدوح کا ہی ہے اور یہ موصوف کی کامل توجہ اور علمی ودینی خدمات ہی کا اثر ہے کہ آج دارالعلوم دیوبند نمایاں ترین افراد وقراء کرام کی جلوہ گاہ بنا اور حقیقت یہی ہے کہ وہ تمام قراء جنہوں نے پورے ہندوستان میں علمِ تجوید وقراءۃ کی جوت جگائی اور شمعیں روشن کیں وہ تقریباً براہ راست قاری صاحب ہی سے مستفید ہیں یا قاری صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

مگر تعجب بلکہ صد افسوس یہ ہے کہ اب تک قاری صاحب مدظلہ کی خدمات کے تعارف پر کوئی توجہ نہیں دی گئی، آپ کے علمی، عملی، ودینی، احسانات اور کاوشوں کا صحیح تعارف نہیں ہوا۔ حضرت قاری صاحب کے بارے میں احقر اپنے تمام تاثرات

ومشاہدات سپردِ قرطاس کرے تو یہ سلسلہ بہت طویل ہوجائے گا، اس لیے صرف چند اہم خصوصیات عرض کرنے پر اکتفاء کرتا ہے۔

راقم الحروف نے چوں کہ حضرت والا ہی کے خوانِ علمی سے خوشہ چینی کی ہے، آپ ہی کے دریائے کرم اور نظرِ عنایت اور خصوصی توجہات سے خدمت قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے کی ہمت ہوئی، چنانچہ زمانۂ طالب علمی میں حضرت والا کو بہت ہی قریب سے دیکھا اور تقریباً مسلسل چھ ماہ تک مشاہدہ کیا کہ اذان ہورہی ہوتی اور آپ مسجد قدیم دارالعلوم دیوبند میں پہلے سے موجود ہوتے حتیٰ کہ فجر میں بھی آپ گھر سے اذان سے پہلے ہی مسجد کی طرف روانہ ہوجاتے اور نماز تک قرآن پاک کی تلاوت سے آپ کی زبان تر رہتی حضرت کی اہلیہ محترمہ کے بقول بیس پچیس سال سے آپ کی تہجد کی نماز بھی کبھی فوت نہیں ہوئی روزانہ کم از کم دس پارے تلاوت کرنا آپ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں ہے بلکہ یہ تو آپ کے معمولات یومیہ کا ایک اٹوٹ حصہ ہے، آپ کی شب بیداری تلاوتِ قرآن اور خدا ترسی پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔

ذکر الٰہی میں آپ کا قلب جاری وساری رہتا ہے، اور سچ ہے کہ جن کے سینے محبت الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں ان میں بجلی کی سی تڑپ اور فرشتوں کی سی پاکیزگی ہوتی ہے، وہ مسیحا نفس ہوتے ہیں وہ فرشتوں کی سی عاجزی کی صفت سے آراستہ ہوتے ہیں، جہاں یہ اوصاف دکھائی دیں وہاں یقین کرلیجئے کہ محبت کی چنگاری سلگ رہی ہے۔ اور جس کی صورت اس کی معصومیت کی گواہی دے اور جس کی سرخ اور آبدیدہ آنکھیں اس کی شب بیداری اور خدا ترسی کی شہادت پیش کریں۔ اس پر مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ ؎

خورشید کو کچھ حاجتِ زیور نہیں زنہار ❁ پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار

بلاشبہ حضرت قاری صاحب کو قریب سے دیکھنے والا اور آپ کی شخصیت کو بغور پڑھنے والا بیساختہ یہ کہہ اٹھتا ہے کہ آپ کی دل نشیں شخصیت انسانیت وشرافت، اور

جمال وجلال کی حسین پیکر ہے، اور اطاعت و بندگی اور تقویٰ وطہارت کا دلآویز مجسمہ، علم وفضل اور حسن اخلاق کا بے مثال، اور قیمتی نمونہ ہے، ایک طرف اگر آپ کو مبدأ فیاض سے اپنے فن پر مکمل دسترس حاصل ہے، تو دوسری طرف آپ حروف قرآنی کی ادائیگی ولب ولہجہ میں امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔

فیاض ازل نے اپنے دریاءِ کرم سے آپ کو بے پایاں خوبیوں اور محاسن سے نوازا ہے، غرضیکہ آپ ایک ایسی پروقار و پرکشش و دلنواز، ہمہ گیر، وہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں کہ جس سے ہزاروں فیض یافتگاں اور بیشمار ولاتعداد عقیدت مند بھی ملک وبیرون ملک میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔اور یہ سب پرتو ہے اس عشق حقیقی اور کلام الٰہی کے ساتھ والہانہ تعلق کا کہ جس کا جلوہ آپ کے دل کے نہاں خانے میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح موجود ہے۔آپ کی شخصیت تو اپنے رنگ کی نرالی اور اپنی شان کی البیلی ہے۔؎

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

گل حسن تو بسیار

(از: دلشاد احمد و بلال احمد مظفر نگری (نگلہ راعی)

حضرت الاستاذ کو پہلی بار اس وقت دیکھا تھا جب آپ ہمارے بھائی قاری حافظ دلشاد احمد صاحب کی عیادت میں ہمارے گھر (نگلہ راعی مظفر نگر) تشریف لائے تھے، آپ کے بارے میں تو بہت کچھ سن رکھا تھا مگر اس وقت تو کچھ ایسے ہی ایک عام آدمی سے لگے، میں نے بھائی سے کہا کہ آپ نے تو ہمیں بہت ڈرا رکھا تھا، مگر یہ کیا، یہ تو بہت ہنس مکھ ہیں، کیا بڑے قاری ایسے ہی ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

پھر ایک سال بعد جب دار العلوم میں داخلہ ہوا اور خوش قسمتی سے آپ کے پاس تجوید میں نام آگیا اور پھر دن رات ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہنا نصیب ہوا تو پھر اس شعر کا مصداق پایا۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری!

تجوید و قراءۃ کی تعلیم کاش ہم طلبہ کو اس طرح حاصل کرنے کی توفیق ہو جاتی جس طرح آپ ہمیں پڑھاتے ہیں۔ آپ کا درس کیا ہوتا ہے، بس کیا کہا جائے خشک سے خشک مسائل کو اس طرح بنا کر ذہنوں میں اتار دیتے ہیں کہ جی چاہے کہ سبق اور طویل ہو جائے، بات بات پر واقعات اور لطائف، موقع موقع پر اشعار کی بارش ——— ابتداءً ہر جدید طالب علم کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ یہ واقعات اور قصے فوری طور پر گھڑ لیتے ہیں اور اس طرح انھیں سناتے ہیں کہ گویا واقعی یہ کوئی قصہ اور واقعہ ہو اور خاص اسی موقع کے لیے وجود میں آیا ہو۔ اسی طرح اشعار بھی اس طرح فٹ کرتے ہیں کہ جیسے خاص ابھی اور اسی موقع کے لیے کہے گئے ہوں۔ مگر کچھ دنوں میں سارے ساتھیوں پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت تو واقعات اور لطائف کا ایک بڑا

خزانہ اور ذخیرہ رکھتے ہیں، اور یہ کیوں نہ ہو کہ واقعات اور لطائف کی متعدد کتابوں کے آپ مرتب اور مؤلف ہیں اور یہ کہ سب کتابیں آج مطبوع ہو کر ہمارے سامنے ہیں۔

کوئی خاص اہم اور عمدہ شعر جب پیش کرتے ہیں تو پہلے آپ کے چہرے پر ایک خاص تاثر ہوتا ہے۔ آنکھوں میں خاص قسم کی چمک بیدار ہوتی ہے اور پھر ایک لمبی سی ''ہا...'' کی آواز سینے سے برآمد ہوتی ہے، بس ہم طلبہ سمجھ جاتے ہیں کہ کچھ آنے والا ہے اور پھر قلم اور کاپی تیار کر لیتے ہیں اُدھر آپ کی زبان سے کوئی شعر نکلا اور ادھر ہماری کاپی پر ثبت ہو گیا، ایسا بھی ہوا ہے کہ طلبہ نے جب پیچھے مڑ کر اپنی اپنی کاپیوں کا جائزہ لیا تو کسی کے پاس دو سو کسی کے پاس تین سو اور کسی کسی کے پاس تو پانچ سو اشعار کا ایک عمدہ اور منتخب مجموعہ تیار ملا۔

تجوید کے درس میں بیشتر نادر اقوال پیش فرماتے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ اسے لکھ لو، عام طور پر یہ کتابوں میں نہیں ملیں گے۔

ایسے امور پر خصوصی توجہ دلاتے ہیں جس سے عام طور پر قراء حضرات اور کبھی تو معلّمین قراءۃ بھی اس سے یا تو نابلد ہوتے ہیں، یا عملی طور پر وہ چیز ان میں بھی نہیں پائی جاتی، ایسی کسی شے پر جب متنبہ فرماتے ہیں تو ان کی زبان سے یہ کلمات نکلتے ہیں کہ:

''اس سے پڑھے لکھے لوگ بھی ناواقف ہیں'' اور یہ ایک اصطلاح ہوتی ہے جس سے مراد آج کے کم سواد معلّمین قراءۃ ہوتے ہیں اور یہ محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ بسا اوقات ہم نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے اور متعدد انداز اور طریقوں سے معلوم کر کے درست بھی پایا ہے۔

آپ کے کثیر المطالعہ اور وسیع المعلومات ہونے کا بھی متعدد بار تجربہ ہوا ہے۔

ایک دفعہ دار الافتاء کے ایک سینئر طالب علم نے ایک بڑے استاذ کے حوالے سے ایک ایسی بات کہی جو حضرت الاستاذ کے مطالعہ و تجربہ کے خلاف تھی آپ کی ایک پسندیدہ شخصیت کے بارے میں ایک ایسی ہی بات تھی، جس سے آپ یک بیک

سیدھے ہو کر بیٹھ گئے پہلے تو اپنے وسیع مطالعہ کے روسے تحقیقی دفاع کیا اور پھر آخر میں یہ فرمایا کہ ''آپ جایئے اور ان سے میرا نام لے کر کہہ دیجئے کہ جتنا مطالعہ میرا ہے ان کے بارے میں آپ کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی ہے''۔

پتہ نہیں کہ ان مفتی صاحب نے جا کر کہا کہ نہیں اور اغلب یہ ہے کہ نہیں کہا کیوں کہ اس کی جرأت کہاں تھی؟ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت الاستاذ نے ان مفتی صاحب کو بلا کر ایک رسالہ میں مطبوعہ مراسلہ دکھایا جس میں ان صاحب نے معذرت کی تھی۔

ہم یہاں درسگاہ میں برابر دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مؤقر اور محترم اساتذۂ عربی سے آپ کی معاصرانہ انداز میں گفتگو ہوتی ہے۔

یہ بات ہم بغیر کسی ادنیٰ تردد کے کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے وہ کام یہاں نہیں لیا جارہا ہے جس کے آپ اہل اور جس کا استحقاق رکھتے ہیں، اور یہ یقیناً ادارے کا ایک عظیم نقصان ہے، اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب باہر سے آئے ہوئے حضرات اہل علم قراءۃ کے کسی پیچیدہ مسئلے کی طرف آپ کو متوجہ کرتے ہیں اور وہ مسائل یقیناً ایسے ہوتے ہیں جو اور کہیں حل نہیں ہو پاتے، اس وقت تحقیقی جواب اور اس کے متعلقات پر گل افشانی گفتار قابل دید و شنید ہوتی ہے۔ اس ناقدرشناسی کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں لیکن ہے یہ ایک بڑا ناقابل تلافی نقصان۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ اہل علم آتے ہیں اور پورے اعتراف اور برملا اظہار کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کے سلسلے میں ہم نے کتابیں بھی دیکھی ہیں اور فلاں فلاں حضرات سے رجوع بھی کیا مگر تشفی نہیں ہوئی، اب آپ سے عرض کرتے ہیں، حضرت اسے کرا کر اس طرح چٹکیوں میں حل کر دیتے ہیں کہ مخاطب اور سائل حیران رہ جاتا ہے۔

ہم نے ایک شعر سن رکھا تھا۔

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں ❁ طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خرمی بینم

آج یہ سانحہ ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ وہ کتابیں جس کی ہوا بھی انہیں

نہیں لگی وہ ان کتابوں کو پڑھا رہے ہیں، اور حضرت الاستاذ زمانے کی ناقدری کے شکار ہیں، کیا یہ ایک بڑا علمی نقصان نہیں ہے۔

اس میں ادنیٰ مبالغہ نہیں کہ آپ نے قراءۃ سبعہ وعشرہ کے فن کو اپنے انداز درس سے اور اپنی تصنیفات وتالیفات سے اتنا آسان بنا دیا کہ معمولی اردو داں بھی اس فن کو بآسانی حاصل کرسکتا ہے، بلکہ کر رہا ہے۔

سب سے بڑا کارنامہ آپ کا یہ ہے کہ نصابی کتابیں اور فن سے متعلق قصائد جو نایاب تھے اور نایابی کے باعث تعلیماً متروک ہو چکے تھے، آپ نے بڑی محنت سے انھیں طبع کرایا۔ پھر ان کی شروحات لکھیں، ان پر حواشی مرتب کیے، جس سے یہ کتابیں سہل الحصول ہوگئیں۔ اور ان کا پڑھانا آسان ہوگیا، کیا یہ معمولی خدمت ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ التیسیر فی السبعہ للامام الدانی ستر سال کی نایابی کے بعد سب سے پہلے آپ نے قلمی نسخوں کی مدد سے درست کرکے اس پر تشریحی کام کرکے طبع کرایا۔

شاطبیہ بھی خال خال کسی قدیم کتب خانے میں اِکا دُکا نظر آجاتی تھی، آپ نے اسے بھی شرح کے ساتھ طبع کرایا، اسی طرح تمام ہی اردو عربی تجوید وقراءات سبعہ وعشرہ اور شاذہ سب آپ نے حواشی اور شرح کے ساتھ طبع کرایا۔ یہ بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے مگر قدر شناسوں اور علمی مزاج رکھنے والوں کے لیے ناقدروں اور سطحی مزاج والوں سے تو تنقید کے سوا اور کیا ملے گا۔ رسم الخط پر آپ کا رسالہ ''قرآنی املاء اور رسم الخط'' لفظ ''الـئٰن'' پر آپ کا رسالہ ''نفحة الريحان في بيان قوله تعالىٰ الـئٰن'' کاتبین وحی کے تفصیلی حالات پر ''کاتبین وحی چھپن صحابہ کرامؓ کے مقدس حالات'' اور تعداد آیات قرآنی پر رسالہ ''نثر المرجان فی تعداد آیات القرآن'' کلمات اذان میں مد کی تحقیق، اور پھر قرآن مجید قراءات عشرہ کا حامل ——— دورِ صحابہؓ سے دورِ حاضر تک کے مشائخ قراءۃ اندلس، عرب اور ایشیاء کے ممالک پر مشتمل قراء کے حالات پر اردو زبان میں پہلی مفصل کتاب، ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات''

اور اب تازہ ترین تصانیف میں "تاریخ علم قراءۃ حدیث سبعۃ احرف کی تخریج وتشریح" ان سب کی معرکۃ الآراء عظمت اور اہمیت کا کون انکار کرسکتا ہے۔

تدریس وتعلیم اور تصنیف وتالیف کی گراں بہا اور تھکا دینے والی مشغولیات اور مصروفیات کے پہلو بہ پہلو قراءۃ کانفرنسوں، جلسوں اور تذکار و سیمناروں کے لیے مقالات کی تیاری، لوگ کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کب اور کس طرح یہ سب کر لیتے ہیں، مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ آپ کتابیں ہوں یا مقالات طویل تحریریں ہوں یا مختصر اور علمی خطوط کے جوابات ہوں، آپ قلم برداشتہ اس طرح لکھ دیتے ہیں جیسے یہ کوئی پیش پا افتادہ مسائل ہوں، کسی تحقیقی کام کے لیے کتابوں سے رجوع کے مناظر تو بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

درسگاہ بھی خانقاہ بھی

تعلیم کا سارا مقصد تربیت اور عمل ہے، صرف تعلیم، نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ آپ کی درسگاہ کیا ہے، مستقل ایک خانقاہ ہے، جہاں مکمل بیدار مغزی کے ساتھ ہر نقل وحرکت اور نشست وبرخاست پر نظر رہتی ہے، خلاف شرع تو بڑی بات ہے، خلاف تہذیب ومعاشرت ادنیٰ درجہ میں بھی برداشت نہیں۔ ہر وقت روک ٹوک رہتی ہے، ایسے معلمین کی طرح نہیں کہ آئے اور سر جھکا کر بیٹھ گئے، سبق پڑھا دیا، فریضہ ختم، تعلیم سے زیادہ نظر تربیت وتہذیب پر رہتی ہے۔ آپ اس امر پر بے حد توجہ دیتے ہیں کہ اکثر فرماتے ہیں کہ: تعلیم تو ہر جگہ ہوتی ہے مگر طلبہ کی تہذیب، تربیت اور حسنِ معاشرت پر توجہ نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔ اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ پڑھے لکھے ہیں یا جاہل گنوار ہیں۔

وقت کی قدر دانی پر بھی بہت زور رہتا ہے، اپنے طلبہ کو خاموش اور بیکار دیکھنا ہرگز ہرگز گوارہ نہیں ہوتا، اس پر رنج وملال کا اظہار کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جو شے سب سے زیادہ قیمتی ہے، جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں، جو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر کبھی دوبارہ واپس آنے والی نہیں، اسی چیز کی ناقدری زیادہ ہو رہی ہے" "الوقت

اثمن من الذهب" کی تختیاں لگی دیکھتے ہیں مگر عملی زندگی میں اس کا کوئی اثر نہیں۔

آپ نے اپنے سامنے شیشے کے ڈیسک پر "وقت" کے عنوان سے ایک نہایت بیش قیمت مضمون لگا رکھا ہے، جس سے، وقت کی قدر و قیمت کا استحضار رہے۔

اس بات کی نصیحت رہتی ہے کہ حوصلے بلند رکھو، یہ نہ کبھی سوچو کہ ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں، ہم سے بھلا کیا ہو سکتا ہے، بلکہ ہر وقت یہ سوچو کہ "ہم کیا نہیں کر سکتے" دنیا میں جو محیر العقول کارنامے اور عجیب وغریب ایجادات آج دیکھنے سننے کو ملتی ہیں، آخر وہ بھی ہمارے تمہارے جیسے انسانوں کے دل ودماغ اور دست وبازو کے کرشمے ہیں وہ کوئی ماورائی اور آسمانی مخلوق نہیں تھے۔

نماز باجماعت کی بہت ہی تاکید رہتی ہے، فرماتے ہیں کہ: طالب علم ہو کر جماعت اور تکبیر اولیٰ بلکہ صفِ اوّل کا اہتمام نہ ہو تو کیا فائدہ تعلیم سے۔ اگر جماعت کی پابندی نہیں ہو سکتی تو ایسا طالب علم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، اگر کسی طرح بظاہر کچھ تعلیم حاصل بھی ہو جائے تو ایسے علم سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

اوقات تعلیم کی پابندی پر تو اتنا زور کہیں دیکھا ہی نہیں، دارالعلوم دیوبند میں اساتذہ کی اتنی بڑی جماعت ہے مگر آپ جیسا پابندِ اوقات اور مضبوط نظامِ حیات کا مالک نظر نہیں آیا، منٹوں اور سکنڈوں کے حساب سے وقت کے پابند، اور یہی جذبہ اپنے طلبہ میں بھی منتقل کرنے کی برابر سعی کرتے ہیں۔

مشق وتمرین کے دوران حرکات کی صحیح ادا پر بہت زور رہتا ہے، عموماً دیکھا جاتا ہے کہ لوگ کسرہ، ضمہ کو مجہول ہی پڑھتے ہیں جب کہ عربی زبان میں نہ کوئی حرف مجہول ہے اور نہ کوئی حرکت، فرماتے ہیں کہ: "چوں کہ اس میں زور پڑتا ہے، اور یہ حرکات تقریباً ہر لفظ میں آتی ہیں، اور اتنا زور کون صرف کرے، اساتذہ بھی سہولت پسندی کے باعث (الا ماشاء اللہ) نظر انداز کرتے ہیں، اس لیے عموماً طلبہ مجہول ہی پڑھتے ہیں۔ جب کہ یہ لحن جلی ہے، محقق ابن الجزریؒ وغیرہ سب نے اسے بیان کیا ہے۔

معروف ادائیگی پر آپ طرح طرح کی مثالوں اور طریقوں سے سمجھاتے رہتے ہیں مجہول پڑھنا، جاہلانہ تلاوت ہے، وغیرہ وغیرہ۔

آج کے مدارس عربیہ میں اس ماحول سے آپ نہایت کبیدہ خاطر اور ملول رہتے ہیں کہ اب صلاحیتوں اور خدمت ومحنت کے بجائے تملق اور جی حضوری کی قدر ومنزلت کا رواج بڑھتا جارہا ہے اس کا نقصان سامنے ہے کہ تعلیم کا معیار دن بدن گرتا جارہا ہے، اب پڑھانے والے، اپنی ترقیات کے لیے محنت اور صلاحیت کے بجائے جی حضوری اور چاپلوسی کو ذریعہ بناتے ہیں، بلاشبہ یہ ایک خطرناک صورت حال ہے۔

مشق وتمرین اور ادائیگی سے متعلق آپ کی تنبیہات اور ہدایات پر روشنی ڈالنے کے لیے ایک مستقل مضمون چاہیے اسی طرح دو سال کے نصابِ تعلیم تجوید کے دوران واقعات اور حکایات کا ایک طویل سلسلہ ہے جسے سمیٹنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

مختصر یہ کہ آج کے سہولت پسندی کے دور میں ایسے مشقت پسند ایسے بے غرض اور ایسے شفیق ومربی اپنے طلبہ کو کسی نہ کسی کام کا بنادینے کا جذبۂ وافر رکھنے والے استاذ اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ آپ کو ہر طرح عافیت اور صحت کے ساتھ سلامت رکھے آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے آمین۔

زِ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

(از: حافظ قراءات عشرہ (شاطبیہ والدرہ والطیبہ) جناب مولانا قاری محمد راغب صاحب
مظفر نگری استاذ مدرسہ باب العلوم جعفرآباد دہلی

یوں تو حضرت الاستاذ کی کتابِ زندگی کا ہر باب دامنِ دل کو اپنی جانب کھینچتا ہے اور پکار کر کہتا ہے کہ:۔

زِ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ❁ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

میں یہاں اختصار کے ساتھ صرف چھ عنوانات کے تحت اظہارِ خیال کی کوشش کروں گا۔

یہ ایک معلوم امر ہے کہ عمل فرع ہے علم کی؟ علوم کے اصول ہوتے ہیں جیسے اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ وغیرہ۔ پس اعمال بغیر اصول کے صحیح کیسے ہوسکتے ہیں۔ ہر انسان کو اصول پسند ہونا چاہیے، پھر ایک مسلمان اور مسلمانوں میں اہلِ علم کے لیے اصول پسندی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اصول پر مضبوطی سے عمل کس قدر ضروری ہے ——— آج ہم جب اس سلسلے میں اپنے مدارس سے تعلق رکھنے والے صاحبانِ علم اور تدریس سے متعلق حضرات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں کس قدر مایوسی ہوتی ہے۔ اس مایوس کن ماحول میں جب کوئی اصول پسند بلکہ مضبوطی کے ساتھ اس پر عمل پیرا نظر آتا ہے تو بڑی قدر ہوتی ہے۔

ہمارے استاذ محترم آج کی بے اصولی دنیا میں ایک مشعلِ راہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: ''انسان تو انسان جانور بھی اصول پسند ہوتے ہیں۔ ماحول چوں کہ اس کے خلاف ہے اس لیے ایسا شخص ایک سخت انسان سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ اصول ہوتے ہی ہیں جانبین کی راحت کے لیے''۔

طالب علم کے قدر شناس

طالب علم کے ساتھ ہمدردی ان کی قدر شناسی دراصل علم کی قدر شناسی پر موقوف ہے۔ میں نے حضرت الاستاذ کے اندر اس جذبے کو جتنا پایا، کہیں اور کم ہی نظر آیا۔ احقر نے دارالعلوم دیوبند میں تجوید حفص عربی کے درجہ میں داخلہ لیا تھا میں چوں کہ بینائی سے معذور تھا، میری تعلیم کا سارا مدار حفظ پر تھا، قرآن کریم حفظ کیا تھا، پھر عربی کی ساری ہی ابتدائی اور بنیادی کتابیں حفظ ہی کی تھیں، حفظ اور یاد کرنے کے علاوہ میرا کام ہی کیا تھا، حضرت نے ذی الحجہ تک مجھے جانچا پرکھا، ذی الحجہ کے بعد فرمایا:

"قراءۃ سبعہ میں منتقل ہونے کے لیے درخواست دیجیے، مکمل عربی حفص کے ساتھ ساتھ اسے بھی پڑھیے آپ کے اندر صلاحیت ہے میں آپ کے لیے سفارش لکھوں گا"۔

میرے ایک ساتھی قاری خادم صاحب پر بالیان ضلع مظفر نگر بھی تھے۔ حضرت قاری صاحب نے انھیں بھی شریک کیا، اس وقت دفتر تعلیمات کے ذمہ دار علم قراءۃ اور حضرت قاری صاحب کے قدر شناس تھے، حضرت کی سفارش بغیر کسی رد وکد کے منظور فرمائی، اس طرح میں اور میرے ساتھی نے ایک ہی سال میں تین سال کا نصاب مکمل طور پر پڑھ لیا، حضرت کے اندر طلبہ کے ذہن ومزاج کو بہت جلد سمجھ لینے اور ان کے اندر چھپی صلاحیتوں کو جلد شناخت کر لینے کی مہارت اللہ رب العزت نے بمقدار وافر عطا فرمائی ہے۔

ہمارے ساتھ ایک درجہ عربی کے طالب علم غالبًا مولانا امتیاز مدراسی بھی تھے، اس سال حضرت نے ہمارے اندر تحصیل علم کا ذوق وشوق کا ایسا صور پھونکا کہ ہمیں سراپا جدوجہد بنادیا۔ وہ سال ہمارے لیے اور شاید دارالعلوم کے شعبۂ قراءۃ کے لیے ایک مثالی بن گیا، وہ اس طرح کہ ہمیں حضرت نے ایک ہی سال میں حفص عربی کا مکمل نصاب مع حدر مکمل قرآن۔ خلاصۃ البیان، مقدمۃ الجزریہ، تحفۃ الاطفال معرفۃ الرسوم۔

قراءات سبعہ وعشرہ کی چھ کتابیں التیسیر، شاطبیہ، رائیہ، الدرۃ، الوجوہ المسفرہ، طیبۃ النشر، اور قراءات شاذہ میں القراءات الشاذہ، اس طرح سال بھر میں گیارہ کتابیں اور دوبارا اجراء قرآن مکمل، ایک ختم بروایت حفص اور ایک ختم اختلاف سبعہ میں، یہ سب پڑھائیں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ حضرت قاری صاحب تجوید وقراءات کے قصائد خواہ مختصر ہوں جیسے مقدمۃ الجزریہ، اور تحفۃ الاطفال، خواہ متوسط ہوں یا جیسے رائیہ، اور الدرۃ، اور خواہ مطول ہوں جیسے شاطبیہ، اور طیبہ سب حفظ پڑھاتے ہیں، یہی آپ کا معمول ہے۔ اور خوب سمجھ لینا چاہیے کہ قراءات کے قصائد کا تعلیمی فائدہ حفظ ہی سے ہے اگر حفظ نہ ہوگا تو یہ محض رسمی تعلیم ہوگی۔ متعلم فن پر کبھی قابو یاب نہ ہوگا، آج جب کہ تعلیم قراءۃ سبعہ وعشرہ نااہلوں کے سپرد ہوا، اس فن کا وقار گر گیا پڑھ پڑھ کر نکل رہے ہیں، کچھ معلوم کیا جاتا ہے تو جواب ندارد، خدا جانے مدارس کے نظامِ تعلیم کو کیا ہوگیا ہے، نااہل کو علم کی تعلیم وتدریس سپرد کرنے کا یہی نتیجہ ہوگا، اللہ رحم فرمائے۔

بہرحال عرض کرنا ہے کہ یہ ہمارے حضرت کی علم اور طالب علم کی صحیح قدردانی کا بین ثبوت ہے۔

پابندی اوقات

چھوٹے مدارس میں تو وقت کی پابندی کچھ ہو جاتی ہے لیکن جو مدارس بڑے کہلاتے ہیں، اور جہاں ایک ایک امر پر تیز نظر اور مکمل نگہداشت ہونی چاہیے، یہ بڑے ہیں تو ان کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں، یہ نمونہ اور مثال بنا کر پیش کیے جاتے ہیں —— کیا کہا جائے، بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ —— یہ بڑے مدارس بالکل اس سے غافل ہو رہے ہیں۔ جو جتنا بڑا ہے وہ اتنی تاخیر سے درسگاہ میں جاتا ہے، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے بڑا مدرس ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے، استغفر اللہ۔ ونعوذ باللہ۔

ہمارے حضرت قاری صاحب اس دور میں کہنا چاہیے کہ پابندی اوقات میں

بے مثال ہیں۔ اتنا وقت کا پابند تو کہیں نہیں سنا، کچھ کتابوں سے متقدمین کے بارے میں معلوم ہوا یا پھر اب حضرت قاری صاحب کو دیکھا۔ اس سلسلے میں بڑے واقعات ہیں جنھیں اختصاراً ترک کیا جاتا ہے۔

معاملات کی صفائی

اہل علم خوب واقف ہیں کہ دین میں صفائی معاملات کی کتنی اہمیت ہے، اسے نصف دین کہا گیا ہے، آج کے دور میں جہاں بہت کچھ مصنوعی ہوگیا ہے اس جانب بہتوں کے قدم ڈگمگاتے دیکھے جارہے ہیں، حقوق اللہ جیسے عبادات، نماز روزے اور حج پر حج تہجد اور نفل نمازیں یہ سب تو بہت نظر آئیں گے لیکن لین دین اور معاملات کی صفائی میں کوراپن اور اس سے بہت دوری ہوتی جارہی ہے، الحمد للہ ہمارے حضرت قاری صاحب اس اہم ترین جزء دین کی ادائیگی اور اس نصفِ دین کی عمل آوری میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں، جنھیں آپ سے سابقہ رہتا ہے وہی سمجھ سکتے ہیں۔

بے خوفی اور بے باکی

خاص طور پر مدارس میں دیکھا جائے تو کھل کر سامنے آئے گا کہ آج کل مداہنت کا کتنا دوردورہ ہے، کتنی ہی کھلی ہوئی غلطی سامنے ہو، لیکن کیا مجال کہ کوئی صفائی کے ساتھ غلط کو غلط حق کو حق اور ناحق کو ناحق کہہ دے، تملق اور چاپلوسی جیسی گھناؤنی شے کا یہ عجیب دور ہے، آج مداہنت کی تعریف ہورہی ہے، ایسے شخص کو بڑا سمجھ دار اور ''سیاست داں'' سمجھا جاتا ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' ہمارے حضرت قاری صاحب کے اندر حق گوئی، بے خوفی اور بے باکی اس قدر ہے کہ جس کی مثال کم ملتی ہے، اگر چہ اس کی وجہ سے آپ کو بظاہر نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مگر یہ تو آپ کی جبلی اور موروثی فطرت ہے، مداہنت اور تملق کو آپ نہایت گھناؤنا جرم سمجھتے ہیں۔

مہارتِ فن

آج تو ماہر فن، کہنے کو تو سبھی ہیں اس سے کم پر کوئی راضی ہی نہیں، یہ الگ بات ہے کہ کمال اور مہارتِ فن کی حقیقت سے واقف بھی

نہ ہوں، عجیب عجیب باتیں اور انداز کو آج کمالِ فن باور کرایا جا رہا ہے، خواہ اسے کمال ومہارت سے دور کا بھی واسطہ نہ ہوں۔

محقق ابن الجزریؒ نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ میں فرمایا ہے:

مُکَمِّـــلًا مِّـنْ غَیْـرِ مَاتَــکَلُّفِ

بِـاللُّطْفِ فِی النُّـطْقِ بِـلَا تَعَسُّفِ

محقق نے اپنے اس شعر میں کمالِ فن اور مہارت تجوید کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ہم ہی نہیں بلکہ اس دور کے اور حضرت شیخ القراء المقری محبّ الدین احمد الہ آبادیؒ، المقری ظہیر الدین معروفیؒ المقری محمد کاملؒ اور المقری امیر علی بجنوریؒ وغیرہم اکابر نے آپ کو مہارتِ فن کمالِ تجوید کی سند عطا فرمائی ہے۔ ہم نے متقدمین میں سے کچھ لوگوں کے بارے میں سنا ہے، اور اب اِس دور میں آپ کو دیکھا۔ ایسی بے تکلف ادائیگی کی مثال ملنی مشکل ہے۔

لکھوانے کی تو بہت سی باتیں ہیں لیکن احقر ایک معذور شخص ہے، اس لیے ندامت کے ساتھ صرف اتنے ہی پر اکتفاء کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے اور ہم سب کو آپ کی قدر دانی کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو...

از: جمشید علی امیری
خادم مدرسہ دارالقراءت ابی بن کعب مراد آباد

ہم مہارتِ فن اسی کو سمجھتے آرہے تھے کہ قاری اپنے پھیپھڑے کی پوری قوت سے چیخ و پکار کے ساتھ پڑھ دے، یا اگر کسی کو حبس دم کی مشق ہو تو اسے استعمال کر کے لمبی سانس کے ساتھ پڑھ دے، اور اب تو ایک بڑی فن کاری یہ سمجھ لی گئی ہے کہ گلے کی رگیں پھلائی جائیں، سر اور گردن سے گلوکاروں کی طرح اداکاری کر دی جائے اور دیر دیر تک تلاوت کی جائے خواہ کسی کو کیسا ہی لگے۔ حتی کہ بعض لوگوں کی تلاوت کے دوران تو پرچیاں تک بھیجنی پڑتی ہیں، کہ اب بس کریں، دوسرے اور بھی پروگرام ہیں، سامعین میں بھی بے زاری پیدا ہونے لگتی ہے یہ سیدھے سادھے لوگ مجلسِ وعظ وتذکیر اور مجلسِ قراءت میں فرق نہیں سمجھتے۔ الغرض طرح طرح کے خارجی انداز اور طرز کو جو کہ گانے والوں کے انداز کہلاتے تھے اب وہی کچھ قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ کیا جارہا ہے، اور اسی کو فن سمجھا جانے لگا ہے۔

حالاں کہ حقیقتاً فن کسے کہتے ہیں وہ تو ایک عرصۂ دراز تک کسی صاحبِ فن کی جوتیاں سیدھی کرنے کے بعد اس کا ایک ادنیٰ شعور پیدا ہوتا ہے۔ چیخ و پکار اور چیز ہے اور بقول جزریؒ۔

مکملاً من غیر ما تکلف ۞ باللطف فی النطق بلا تعسف

ایسے تو کہیں خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے استاذ حضرت مولانا المقری سید امیر علی صاحبؒ سابق ناظم تعلیمات مدرسہ حیات العلوم مراد آباد تھے، بلاشبہ ان میں متقدمین حضرات کی سادگی اور فن کی

پڑ کاری تھی؛ آپ کے بعد سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب ایسا کوئی ہوگا جو حضرات متقدمین اور سلف کی یاد تازہ کر دے گا۔

میں مرادآباد مدرسہ شاہی کے بعد دارالعلوم حیدرآباد میں رہا، وہاں کے ارباب انتظام نے ایک بین الاقوامی مقابلۂ قراءت کا پروگرام رکھا، اس میں فیصل کے لیے باہر سے حضرت عبدالرحمٰن الحذیفی مدظلہ کو مدعو کیا گیا، اندرون ملک سے اس پائے کے فیصل کے لیے نگاہیں دوڑائی گئیں تو بالآخر حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ پر آ کر ٹھہر گئیں، آپ نے دورانِ جلسہ اپنی گفتگو سے حضرت حذیفی کو بھی متحیر کر دیا، میں تو سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہا۔ خوب خوب مناظر دیکھے، فن کسے کہتے ہیں، تلاوتِ قرآن کے ظاہری و باطنی حقوق کیا ہیں، حقیقی فن کیا ہے اور گلے بازی کیا ہے، یہ تو بس آپ کے ساتھ رہ کر ہی سمجھ میں آیا۔

حضرت قاری امیر علی صاحبؒ کے حکم اور خواہش پر مرادآباد میں تجوید و قراءۃ کا ایک مدرسہ ۱۴۰۳ھ میں قائم کیا، حضرت الاستاذ ہی اس کے نگراں اور سرپرست رہے۔ مگر جب حضرت پر پیرانہ سالی کا ضعف روز افزوں ہوا تو ہمیں بڑا فکر ہوا کہ اب اس مدرسہ کی سرپرستی اور نگرانی کون کرے گا، حضرت الاستاذ مرحوم نے ایک روز مجھے اور ناظم مدرسہ کو دیوبند حضرت الاعظمی کی خدمت میں بھیجا کہ میری نظر میں اگر اس ہونہار اور کم سن پودے کی نگرانی اور حالات اور زمانہ کی بادِ سموم سے حفاظت کا صحیح حق کوئی ادا کر سکتا ہے اور ہر طرح کسی پر اعتمادِ کامل کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف حضرت الاعظمی ہی ہیں، جاؤ اور میری طرف سے گذارش کرو اور انھیں اس کی سرپرستی پر آمادہ کرو، ہم آئے، اور ڈرتے ڈرتے عرض و معروض پیش کی اور حضرت الاستاذ کا حوالہ دیا، ہمیں یک گونہ حیرت ہوئی کہ آپ نے اپنی تمام تر انتھک مصروفیات اور گوناگوں مشغولیات کے باوجود کس طرح منظور کر لیا، فرمایا:

"ایک تو علم تجوید و قراءت کی خدمت خواہ وہ جس طرح بھی ہو، ساتھ ہی

حضرت قاری سید امیر علی صاحب کا حکم، انکار اور سرتابی کی کیا مجال، جس طرح بھی ممکن ہوگا خدمت سے دریغ نہیں——"

——یوں تو تعارف اور ملاقات ۱۴۰۱ھ سے ہے قیام مدرسہ کے بعد بیس برس سے زائد عرصے سے حضرت الاعظمی سے بہت قریبی تعلق ہے، انتظامی امور میں رائے و مشورہ، علمی گفت و شنید، مخالفانہ ماحول میں نہایت صائب راہِ عمل کی نشاندہی۔ علمی موضوعات پر تحریری مہارت، تقریر و خطابت، اخلاق و عادات، صفائی معاملات، صاف گوئی، اور بے باکی، سادہ مزاجی، خودداری اور غیرت مندی، رجال سازی اور مردم گری، اپنے اساتذہ کے ساتھ محبت و اخلاص اور انتہائی ادب و احترام۔ برابر والوں سے بے تکلفانہ مودت اور تعلق، چھوٹوں سے نہایت مشفقانہ و مربیانہ سلوک، سخاوت اور مہمان نوازی،—— یہ اور اسی طرح نہ جانے کتنے ہی اوصاف سے متصف، آپ کی ذات ملنے والوں کے لیے دلچسپی کے وافر سامان رکھتی ہے، یہ اوصاف جمیلہ آپ کی کتاب زندگی کے روشن ابواب ہیں۔

آپ کے اوقات، شب و روز کی گردش وہی ہے جس سے دوسرے لوگ گذرتے ہیں، لیکن حیرت ہوتی ہے آپ کو دیکھ کر آپ سے مل کر کہ ملنے والوں کا ایک سلسلہ رہتا ہے، حسب مراتب اور ضرورت سب سے گفتگو، سب کی تواضع، گھنٹوں میں طلبۂ عزیز کو ان کے مکمل نصاب کے ساتھ پڑھانا۔ دورانِ تعلیم حسب ضرورت لطائف وظرائف سے طلبہ میں نشاط انگیزی کو برقرار رکھنا، اسفار کا تسلسل،—— یہ سب کچھ رات و دن کے انھیں محدود و متعین اوقات میں—— پھر اتنی ساری کتابوں کی تصنیف و تالیف، اسی دوران میں مختلف موضوعات پر مقالات رسائل کے لیے مضامین، دور دراز سے آئے ہوئے علمی سوالات اور خطوط کے مکمل حوالوں کے ساتھ علمی و تحقیقی جوابات، وقت اور کام میں برکت کا مشاہدہ تو آپ کو دیکھ کر ہوا۔

جسم و جان، محض یک مشتِ خاک، مگر اس ذرا سے وجود میں کتنی بجلیاں بھری ہوئی

ہیں اللہ اکبر! مخالفین کی مخالفتوں کا یوم اوّل سے سامنا، اپنوں اور غیروں کے حاسدانہ جذبات کا پہلے دن سے مقابلہ، آپ کی ذات سعدی شیرازی کے اس شعر کا مصداق ہے ۔

کس نیاموخت علمِ تیراز من ❁ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

جس مٹی کے ڈھیر میں آپ نے علم کی روح پھونکی، جس اوبر کھابڑ پتھر کو تراش خراش کر اس میں چمک پیدا کی اسے آبگینہ بنایا۔ اور صاف ستھرا کر کے قوم وملت کے سامنے پیش کیا، دیکھا جا رہا ہے کہ آج وہی آپ کو آنکھیں دکھا رہے ہیں، آپ سے شرف تلمذ کا بصراحت انکار کر رہے ہیں، حالاں کہ ایسے زیاں کاروں کو کون سمجھائے کہ اگر تم ان سے اپنے تعلق اور تلمذ کا انکار کرو گے تو تمہاری علمی نسل اور تمہاری تعلیم کے حسب ونسب کا کیا ہوگا، تمھیں دنیا علمی لائن کا کون سا خطاب دے گی؟ یہ نہیں سوچتے کہ اس باغیانہ اور متمردانہ طرزِ عمل سے تمھاری علمی نسل، اور نسب خطرے میں پڑ جائے گا۔

بہر حال آپ ایک چٹان ہیں جوان سب کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں جمے ہوئے ہیں، کوئی اور ہوتا تو نہ جانے آج یہاں سے اکھڑ کر کہاں چلا گیا ہوگا، مگر آپ ہیں کہ جگر کے اس شعر کے مطابق ان سب سے گذر جاتے ہیں ۔

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا ❁ کہ بجلی گرتے گرتے آپ خود بیزار ہو جائے
چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے ❁ اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے!

اور ۔

حوادث کے طوفان آتے رہیں گے ❁ مگر یوں ہی ہم مسکراتے رہیں گے
خدا اور محمد کا پیغام لے کر ❁ قدم اپنا آگے بڑھاتے رہیں گے

تصنیفی میدان میں بقول حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند:

''آپ نے تنہا وہ (اور اتنا) کام کر دیا جسے عصر حاضر میں ''مجمع علمی'' (اکیڈمی) کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے''۔ (حسن المحاضرات: ج:۱، ص:۱۸-۱۹)

اور بقول مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کے:

''آپ نے موجودہ دورِ قحط الرجال میں اس فن کی اور اصحابِ فن کی جو خدمات انجام دی ہیں، ان خدمات نے موصوف کو ''ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما'' کے زمرہ میں شامل کر دیا ہے''۔ (حسن المحاضرات: ج:۱، ص:۱۵)

اور بقول مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

''آپ نے علم القراءت کے ہر گوشہ کو اپنی خدمات کا مرکز بنایا۔ آپ کے موئے قلم نے تجوید وقراءت اور اس کے جملہ متعلقات کے گیسو سنوارے ہیں...'' (حسن المحاضرات: ج:۱، ص:۲۲)

تصنیف وتالیف کے ساتھ عملی میدان میں مدارس تجوید وقراءت کا قیام اور اس کا ایک طویل سلسلہ، مدارس کی سرپرستی اور نگرانی یہ سب آپ سے وابستہ ہیں۔

غرض (بقول ظفر جنگ پوری) اس جانشینِ شاطبیؒ وجزریؒ اور مردِ بیباک وجری پر قلم اٹھانا اس مختصر سی تحریر میں آسان نہیں ہے۔

ہم آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے، حاسدین کے شر ور فتن سے محفوظ رکھے، اور ہم تمام متعلقین کو آپ کے نقوش قدم پر چلنے کا حوصلہ بخشے۔ آمین!

❁❁❁

ایک سحر انگیز شخصیت

از: ماسٹر جاوید نسیم صدیقی صاحب، پرنسپل سرکاری پرائمری اسکول دیوبند

انسان کی زندگی میں بے شمار لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں تعلقات بنتے رہتے ہیں وقت کے ساتھ کم وزیادہ ہوتے رہتے ہیں کچھ کی بنیاد مفادات پر ہوتی ہے جب تک مفاد وابستہ رہتا ہے بڑے اچھے تعلقات رہتے ہیں مطلب نکلنے پر تو کون؟ اور میں کون؟ کچھ تعلقات بظاہر ہمدردانہ ہوتے ہیں لیکن اس کے پس پشت مطلب پرستی ہوتی ہے ایسے لوگ تعلقات کو ختم کرنے کے لیے بہانے تلاش کرتے ہیں لیکن بعض مفاد پرست اس قدر چالاک ہوتے ہیں کہ جب ان کا مفاد ختم ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بظاہر ان کو دولت وعزت دیدیتا ہے اور وہ بزرگی کا چولا پہن لیتے ہیں چند مفاد پرست ان کے ارد گرد گھومنے لگتے ہیں ان کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں غرضیکہ اس کا دماغ اس قدر خراب کردیتے ہیں کہ وہ اپنے کو تمام لوگوں سے الگ سمجھنے لگتا ہے یہ ان کے پست ذہن ہونے کی دلیل ہے خواہ شاذ ونادر ہی سہی۔

واقعہ ۱۹۸۰ء یعنی آج سے پچیس سال قبل کا ہے کہ ایک سادہ لوح شخص ہمارے پرنٹنگ پریس میں تشریف لائے میں نیچی نگاہ کئے اپنے کام میں مصروف تھا۔ السلام علیکم کی ایک قراءت آمیز خوبصورت دل ودماغ پر جادوئی تاثر چھوڑنے والی آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں ایک دم کرسی سے کھڑا ہوگیا دیکھا ایک خوبصورت، باوقار، پرنور چہرہ سامنے تھا میں نے جواب میں عرض کیا وعلیکم السلام حضرت تشریف رکھئے۔ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں اس شخص نے کتاب کا ایک ٹائٹل سامنے رکھا غالباً ’’النفحۃ العنبریہ‘‘ تھا فرمایا کہ یہ طبع ہونا ہے لیکن معیار کا خاص خیال رکھا جائے لب ولہجہ اس قدر نرم، انداز گفتگو ایسا حسین کہ جیسے ہونٹوں سے پھول بکھر رہے ہوں۔

بفضلہٖ تعالیٰ میں دیو بند کا قدیم باشندہ ہوں میرے آباو اجداد بھی دیو بند کی مٹی میں مدفون ہیں اس لیے کاروباری وغیر کاروباری تعلقات تقریباً ہر طبقہ سے ہیں خصوصاً دارالعلوم دیو بند اور مدارس اسلامیہ کے اساتذۂ کرام و متعلقین مدارس سے رابطہ رہتا ہے یہ حضرات بھی پریس میں تشریف لاتے رہتے ہیں ان کی خدمت کا موقعہ بھی ملتا رہتا ہے ساتھ ہی بچوں کی تعلیم دینے کی خدمت بھی اللہ تعالیٰ مجھ ناچیز سے لے رہا ہے خواہ وہ دنیاوی تعلیم ہی سہی۔ بہر حال تعلیم ہے اس لیے مجھے اتنا معلوم تھا کہ یہ صاحب مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیو بند میں درس کی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کا نام قاری ابوالحسن اعظمی ہے۔ مجھ پر ان کے اس انداز نے ایسا تاثر چھوڑا کہ میں ان کے چہرے کو عجیب انداز سے تکنے لگا اور دبے الفاظ میں صرف اتنا کہہ سکا کوشش کی جائے گی کہ آپ کو کوئی شکایت کا موقع نہ ملے اللہ کا کرم قاری صاحب نے ٹائٹل کو پسند فرماتے ہوئے فرمایا کہ مجھے قطعاً یقین نہیں تھا کہ آپ کے یہاں اتنا عمدہ ٹائٹل طبع ہوجائے گا ان کے اس انداز نے مجھے مزید متاثر کردیا۔ اشتیاق پیدا ہوا کہ قاری صاحب سے کچھ فیض حاصل کیا جائے۔ قاری صاحب کی سادہ لوح زندگی حسن اخلاق اور بے تکلفانہ مزاج کی وجہ سے مجھے قربت حاصل کرنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کرم فرماتے ہیں تو اس پر کوئی عظیم ہستی کو مہربان فرمادیتے ہیں اور اس کا کوئی نہ کوئی بہانہ بنادیتے ہیں معلوم ہوا کہ قاری صاحب کو بھی میرے اس جملہ نے متاثر کردیا تھا ''کوشش کی جائے گی کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے''۔

قاری صاحب کی صلاحیتوں کا ثمرہ ہے کہ بہت جلد ان کو دارالعلوم دیو بند کی خدمت کا موقع ملا اور بہت جلد دارالعلوم دیو بند کے شعبۂ قراءت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوگئے۔

الحمدللہ آج قاری صاحب کا نام پوری دنیا میں روشن ہے دنیا کے چیدہ قاریوں میں آپ کا شمار ہے لوگ آپ کی قراءت سننے کے لیے بے چین و بے باک رہتے ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ دیو بند میں بیشمار مساجد ہیں لیکن قاری صاحب عام طور پر پنجگانہ نماز دارالعلوم

کی قدیم مسجد ہی میں ادا فرماتے ہیں اگر دیوبند کی کسی مسجد میں ''پھنس'' جاتے ہیں تو مقتدی ان کو امامت کے لیے مجبور کرتے ہیں اور قاری صاحب امامت سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایک دن میں نے عرض کیا کہ قاری صاحب آپ امامت سے اتنا دور کیوں بھاگتے ہیں؟ لوگوں کو آپ کی قراءت سننے کا اشتیاق رہتا ہے کبھی اتفاق سے آپ نماز پڑھاتے ہوں تو اس نماز میں عجیب کیف آتا ہے قاری صاحب نے اپنے اسی سادہ لہجے میں فرمایا کہ ماسٹر صاحب! میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا میں نے عرض کیا کہ جب آپ جیسی شخصیت اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتی تو پھر، میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ قاری صاحب نے مجھے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ بس آگے کوئی سوال مت کیجئے گا۔

اپنی مصروفیت کو نظر انداز کر کے میں وقتاً فوقتاً دارالعلوم میں قاری صاحب کی درسگاہ کے باہر چپکے سے کھڑا ہو جاتا تاکہ طلبہ کو درس دیتے وقت ان کی قراءت کا لطف اٹھا سکوں طلبہ کو پڑھانے کا انداز بھی انکا دیگر اساتذہ سے مختلف ہے۔طلبہ کے ساتھ بھی ان کا شفقت آمیز اور دوستانہ انداز ہوتا ہے۔درس دیتے وقت درمیان میں کچھ دلچسپ واقعات بھی بیان فرماتے رہتے ہیں اس میں کچھ مزاحیہ بھی ہوتے ہیں لیکن اس میں بھی نصیحت ہوتی ہے۔اس دوران اگر قاری صاحب کی نگاہ مجھ پر پڑ جائے تو یکا یک اندر سے آواز آتی ہے ماسٹر صاحب تشریف لے آیئے،اور مجھ جیسے نااہل آدمی کو وہ اس قدر عزت دیتے ہیں کہ مجھے شرمندگی بھی ہوتی ہے اور فخر بھی محسوس ہوتا ہے قاری صاحب کے اس بے باکانہ بے تکلفانہ اور دوستانہ اندازِ گفتگو کی وجہ سے میری عزت بھی دوبالا ہوتی ہے۔

آج قاری صاحب کم و بیش ساٹھ سے زائد کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں صرف تصنیف کی حد تک ہی نہیں بلکہ ان کی کتابت تصحیح اور طباعت واشاعت کے تمام مراحل بھی خود ہی انجام دیتے ہیں جو باقاعدہ کتب خانہ کی شکل میں ہے جب کہ صرف ایک ناشر اس قدر مطبوعات شائع کرنے کے لیے باقاعدہ دفتر قائم کرتا ہے ملازم رکھتا ہے مگر قاری صاحب ہیں کہ تمام کام خود ہی کرتے ہیں کس وقت میں کرتے ہیں اس کا راز مجھے

بھی معلوم نہیں کیوں کہ صبح وشام مدرسہ کے اوقات میں وقت سے پہلے درسگاہ میں آنا اور وقت کے بعد درسگاہ سے جانا اتنا ہی نہیں مغرب بعد دیکھئے تو قاری صاحب درسگاہ میں طلبہ کو تعلیم دینے میں مصروف نظر آئیں گے میں نے کبھی ایسا بھی نہیں دیکھا کہ وہ مدرسہ کے اوقات میں اپنا کوئی کام کررہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے وقت میں برکت فرمادیتے ہیں اس سلسلہ میں کبھی قاری صاحب سے معلوم کیا تو بڑی سادگی کے ساتھ گول مول جواب دیدیا میں نے اپنی پچیس سالہ زندگی میں ایسا سادہ لوح آدمی نہیں دیکھا اور قاری صاحب سے پچیس سالہ تعلقات میں کوئی ایسا لمحہ بھی نہیں آیا کہ ان کو اپنی قابلیت کا تکبر ہو یا ان کی چال ڈھال میں کوئی فرق آیا ہو۔آپ کی شخصیت میں ایک سحر انگیزی کی کیفیت صاف جھلکتی ہے، ایک بار جو ملتا ہے، دوبارہ ملنے کا متمنی رہتا ہے۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ قاری صاحب غریب خانہ پر بھی تشریف لاتے رہتے ہیں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ میرے دیگر ساتھی بھی موجود ہوتے ہیں کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ ان سے الگ ہیں یا کوئی بہت بڑے بزرگ ہیں بلکہ ان سے بھی اسی طرح گھل مل جاتے ہیں بعد میں وہ حضرات مجھ سے معلوم کرتے ہیں کہ یہ کون شخص تھے کہ جو اس قدر بے تکلف لیکن باوقار ہیں جب میں ان کو بتاتا ہوں تو وہ حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ کیا آج کے دور میں بھی اس قدر سادہ لوح اور فرشتہ صفت انسان موجود ہیں اس طرح ان احباب میں بھی میری عزت دوبالا ہوجاتی ہے کہ قاری صاحب جیسے شخص مجھ سے اس قدر تعلق رکھتے ہیں۔

میں نہ تو کوئی ادیب ہوں اور نہ ہی قلم کار ایک دنیادار آدمی ہوں اور دنیا کے کاموں میں ہی الجھا رہتا ہوں قاری صاحب جیسی شخصیت کے سلسلہ میں لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ کوئی گستاخی تحریر میں ایسی نہ ہوجائے جو قاری صاحب کی شایانِ شان نہ ہو سچ تو یہ ہے کہ قاری صاحب جیسی شخصیت کے لیے مجھ جیسے نااہل کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جن سے ان کی شخصیت پر روشنی ڈال سکوں دل میں جو ان سے متعلق جذبات ہیں دل ودماغ میں جو انکی قدرومنزلت ہے اس کا اظہار تو کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اس کا مجھے افسوس رہے گا۔ ❀❀❀

قرآن کریم کے صوتی معجزہ کے ترجمان

مسجد کا ایک زمانہ ابھی آیا

قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

(از: حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی لال کنواں دہلی

قرآن کریم کے وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ اعجاز (اعجازی پہلو) قرآن کریم کا صوتی حسن و جمال ہے۔

رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی: لیس منا من لم یتغن بالقرآن (مشکوۃ فضائل قرآن)

''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن کریم اچھی اور عمدہ آواز سے تلاوت نہ کرے''۔

کلام نبوی میں لیس منا (ہم میں سے نہیں ہے) ایک محاورہ ہے جس سے اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے لغوی معنی مقصود نہیں ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان حسب حیثیت وصلاحیت قرآن کریم کو اچھی آواز سے پڑھنے کی کوشش کریں اور یہ تنبیہ ہے ان لوگوں کے لیے جو تلاوت قرآن کی زیادہ سے زیادہ مقدار سے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کو جلد بازی اور تیز رفتاری کا نشانہ بناتے ہیں اور بلاشبہ عرض کرتا ہوں کہ اردو محاورہ کے مطابق گھانس کاٹتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہر حافظ قاری ابوالحسن نہیں بن سکتا لیکن قاری ابوالحسن کی پیروی کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔

تغنی کی تشریح میں شارحین حدیث نے لکھا ہے:

المرادبالتغنی تحسین الصوت وتطیبه وتزیینه، وترقیقه وتحزینه بحیث یورث الخشیة ویزید الحضور ویبعث الشوق ویرق القلب ویوثر فی السامعین مع رعایة القوانین التجوید ومراعاة النظم فی الکلمات والحروف . (لمعات شرح مشکوٰۃ)

"تغنی (غنا کے ساتھ تلاوت کرنا) یہ ہے کہ آواز میں حسن ہو پاکیزگی ہو، خوبصورتی ہو، نرمی کی جگہ نرمی ہو، خوف کی جگہ اظہار خشیت جس سے سننے والوں کے دل میں آیات خوف کی تلاوت سے خوف کی حالت پیدا ہو، سامعین حضور قلب کی کیفیت سے متصف ہوں، تلاوت قرآن کا دل میں شوق اور اشتیاق بھڑکے اور یہ صوت حسن تجوید کے قوانین کی رعایت رکھتی ہو"۔

یہ وصف وکمال ہے ایک قاری قرآن کا، مجود کلام الٰہی کا، ایک ارشاد گرامی نے یہ بتایا کہ ایک قاری کی حسین وجمیل آواز سے قرآن کریم کی تلاوت میں حسن پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر جو حسن وجمال پوشیدہ ہے وہ دوبالا ہو جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حسنو القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا.

قاری ابوالحسن صاحب اعظمی اس دور قحط الرجال والکمال میں قرآن کریم کا معجزہ ہیں اور ان کے دل میں قدرت نے اپنے کلام حق کی محبت کا القاء کر دیا ہے۔

قاری صاحب موصوف نے نہ صرف عملی طور پر سینکڑوں طلباء کو قاری بنا کر اکناف برصغیر میں پھیلا دیا ہے بلکہ علمی اور تحقیقی طور پر اس فن شریف (قراءۃ وتجوید) کی نوک پلک کے حسن لازوال سے بھی بے شمار کتابوں کے ذریعہ ہمیں آگاہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

قاری صاحب کے لیے برصغیر کی آبروے دین متین مرکز علمی دارالعلوم دیوبند کے ساتھ تعلق قدرت کا عظیم انعام ثابت ہو رہا ہے اور موصوف نے بھی اس نعمت عظمیٰ کی لاج

رکھی ہے اور اپنے دلی شوق وجذبہ اور محنت شاقہ کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے قائمین وحاملین اکابر علم اور عظماءِ روحانیت کا نام روشن کیا ہے۔

اکبرالہ آبادی نے کہا ہے:

محمد پھول، اور واعظ صبا ہیں ❁ کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمد

اکبر کے اس شعر کا مصداق جہاں اہلِ حق واعظ ہیں وہاں اہل کمال قاری حضرات بھی ہیں کیوں کہ کلام حق (صفت حق) کے ظہور ہی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس معطر ہوا۔

غازی شاہ (گل شاہ تخلص حضرت مجددؒ کے بھانجے) کہتے ہیں۔

کوثر چہ بود؟ لعل شکر خائے محمد (ﷺ)
رضوان چہ بود؟ یک چمن آرائے محمد (ﷺ)
والشمس بہ واللیل ہم آغوش در آمد
یعنی رخِ خوب و خطِ زیبائے محمد (ﷺ)

قاری ابوالحسن صاحب کی موثر اور دلنشیں اور روح پرور آواز اور لہجہ میں فنی قواعد کی رعایت بھی منہ سے بولتی نظر آتی ہے اور اسی کے ساتھ انہیں خداتعالی نے فطری تاثیر کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا ہے، اس کی جھلک بھی ان کی تلاوت میں محسوس ہوتی ہے۔

موصوف اپنے منصبی وقار کے مطابق عام مجالس میں مختصر تلاوت کرتے ہیں اور سامعین کو پیاسا چھوڑ کر مائک سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور جو مقررین جہاں اپنا جوہر تقریر دکھانے کے لیے مائک پر نظر جمائے بیٹھے ہوتے ہیں ان کے لیے راستہ صاف کر دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کی شان میں اس ناچیز نے جو کچھ کہا ہے وہ کلام حق کے ایک خادم کی کلام حق کے ساتھ عقیدت کا اظہار سمجھا جائے۔ اسی تعلق سے قاری صاحب کی شان قائم ہوئی اور انشاء اللہ قائم رہے گی۔ ☆☆☆

جذب دروں

از: حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی
استاذ حدیث وادب و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

سوانح اور تذکرہ نگاری کا سلسلہ قدیم ہے اور یہ گوناگوں اعتبار سے بہت مفید ہے۔ بعد کے لوگوں کے لیے اس میں اپنے اپنے حالات اور اعمال کی درستگی کا بہت کچھ سامان ہوتا ہے اگر طبیعت میں مناسبت ہو۔

سوانح میں، صاحب سوانح کے کچھ خاص حالات اور خصوصیات، کچھ خاص کردار، اور اعمال اور معمولات ہوتے ہیں، جس سے اردگرد کے لوگ جو کسی درجہ میں تعلق رکھتے ہیں واقف ہوتے ہیں ان کوائف وعوائف کو اجاگر کرتے ہیں تا کہ دیکھنے، پڑھنے والے حسب استطاعت اور توفیق متاثر ہوں، اخذ کریں خود کو ڈھالیں۔

۱۳۹۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں اچانک بلا ارادہ اور پہلے سے بغیر کسی نظام اور تیاری کے تکمیل تعلیم کے لیے داخل ہوگئے، اسی سال ایک سبق میرے پاس آگیا۔ اس وقت سے آپ سے جو ربط وارتباط ہوا تو آج تک علی حالہ باقی ہے۔ آپ کی علمی اور تعلیمی صلاحیت سے ابتدا ہی سے واقفیت رہی۔ عربیت اور فقہ وحدیث سے آپ کو ربط خاص رہا۔ مگر تجوید وقراءت کو آپ نے خدمت کا میدان بنایا علمی صلاحیت بھرپور تھی ہی اس سے آپ نے خوب فائدہ اٹھایا۔

یہاں تعلیمی داخلے کے ساتھ ہی اپنی خوشنوائی اور ترتیل وحدر میں خوش لہجگی کے باعث دوران تعلیم میں آپ کو دارالعلوم نے مرکزی مسجد کا امام پنجگانہ اور مسجد چھتہ کا خطیب مقرر کیا گیا، اس وقت دارالعلوم کی مسجد قدیم میں جمعہ نہیں ہوتا تھا واضح رہے کہ اس وقت دارالعلوم کی مرکزی مسجد کی امامت کوئی آسان نہیں تھی۔ انتخاب کے متعدد مراحل سے

گذار کر امام بنایا جاتا تھا، بہر حال آپ نے دوران امامت ہی لوگوں کو چونکا دیا۔ دور دراز کی مساجد کے اصحاب ذوق خصوصاً فجر کی نماز میں دارالعلوم کا رخ کرنے لگے۔

صلاحیت تو آپ کے اندر تھی ہی۔ دیوبند کا ماحول آپ کو مل گیا جس نے ان مخفی صلاحیتوں کو کھول کر رکھ دیا۔

۱۳۹۶ھ میں اور خاص طور پر آپ کے دارالعلوم دیوبند میں آجانے کے بعد تو آپ کے شب وروز میرے سامنے ہیں، تعلیم وتدریس ہو، یا تصنیف وتالیف، دونوں لائنوں سے آپ کے خوب خوب جوہر کھلے۔ ''الوقت اثمن من الذھب'' کو آپ نے خوب سمجھا، ''عصر'' اور ''زمانہ'' کو آپنے خوب ہی نچوڑا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج خاص اپنے موضوع، تجوید وقراءت ہی پر نہیں، دیگر موضوعات پر بھی قلمی کاوشیں اتنی تعداد میں کہاں نظر آتی ہیں، اہل نظر ان تصانیف کو دیکھ رہے ہیں، فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور موصوف کو اپنی دعاؤں سے نواز رہے ہیں۔

آپ کے اندر جذب وانجذاب اور تاثیر وتاثر کی کیفیت بھرپور ہے۔ ملنے والے کو ابتداء ہی میں گرویدہ بنا لیتے ہیں اور ایک دفعہ جو لگ گیا، پھر اسے الگ ہوتے نہیں دیکھا، اور اگر کوئی الگ ہوتا نظر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کی وابستگی کسی غرض پر مبنی تھی دارالعلوم میں ایسی مقناطیسیت کم ہی نظر آئے گی۔

مزاج وطبیعت میں وہ ساری خوبیاں ہیں جو ایک انسان کو مقبول بنا دینے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔

ایک معلوم اور مشہور جانی پہچانی حدیث پاک ''من رَای منکراً فلیغیرہ بیدہ الخ'' ہے، کیا یہ حدیث کسی خاص طبقہ یا علاقہ کے لیے ہے؟ نہیں، مگر یہ حقیقت روز روشن کی طرح نظر آرہی ہے کہ اہل مدارس نے اس حدیث کو اپنے ''مدرسوں سے (الا ماشاء اللہ) نکال دیا ہے۔ اس حدیث کو مدرسہ میں لایئے اور دیکھیے۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ''بیدہ'' کا مصداق اہل قدرت وطاقت ہوتے ہیں، یعنی انتظامیہ اور

"مقبلسانہ" کا مصداق اساتذہ ہوتے ہیں۔اور تیسرا درجہ جو نہایت کمزور اور آخری درجہ ہے جسے اضعف الایمان کہا گیا ہے۔یہ ظاہر ہے کہ طلبہ وغیرہ ہیں، وہ طرح طرح سے پابند ہوتے ہیں۔لیکن اگر"مقبلسانہ" پر آج کوئی استاذ عمل کرنا چاہتا ہے تو اسے طرح طرح سے عتاب کا شکار ہونا پڑتا ہے،اس حدیث پر عمل کو مدارس میں دشوار تر بنادیا گیا ہے،اس کا مصداق صرف اس حد تک سمجھ لیا گیا ہے کہ جو کچھ بھی کہنا سننا ہو،روک ٹوک ہو وہ طلبہ کے لیے ہو،کوئی دوسرا خواہ کچھ بھی کررہا ہو،جس طرح اپنی مرضی کے مطابق رہ رہا ہو،اسے کچھ نہ کہا جائے،اس غلط صورت حال اور ماحول میں بڑے سے بڑا انسان بھی مداہنت پسند ہوجاتا ہے،اور پھر ظاہر ہے کہ صورت حال بد سے بدتر ہوتی چلی جاتی ہے۔لیکن واہ رے آپ کی طبیعت اور مزاج کہ کبھی غلط کو صحیح کہنے میں آپ آمادہ نہیں ہوئے، کتنے ایسے ہیں کہ جس کے سامنے اچھے اچھوں کو دم ہلاتے دیکھا جاتا ہے،مگر آپ نے پوری بیباکی اور بے خوفی کے ساتھ حق اور سچ کو کہا اور بآواز بلند کہا،اور برملا کہا،ظاہر ہے کہ جب ماحول تملق پسند ہوگیا ہو اور تنزل و تعطل کی تلوار ہر وقت سر پر لٹک رہی ہو،کسی بھی طرح کی بیباکی اور بے خوفی اپنا رنگ دکھائے گی،آپ نے اس بیباکی اور بے خوفی سے نقصان بھی اٹھایا ہے،مگر ذرا بھی پروا نہیں کی ہے۔اور کہنے دیا جائے کہ آپ اب مدارس کے اس"سود و زیاں" اور "ترقی اور تنزل" سے بہت اوپر ہوچکے ہیں،اتنے بلند ہیں کہ جہاں اس طرح کے "سود و زیاں" اپنی حقیقت کھوچکے ہوتے ہیں۔

انداز تلاوت،تلفظ اور ادائیگی میں کمال ومہارت دیکھ سنکر بلا مبالغہ متقدمین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔محقق ابن الجزری نے فرمایا ہے:

مُكَمَّلاً من غَيرِ مَا تكَلُّفِ ۞ بِاللُّطفِ فِي النُّطقِ بِلَا تَعَسُّفِ

کا بلا مبالغہ مصداق ہیں۔

تصنیف وتالیف کی لائن سے آپ کی خدمات پر معلوم ہوا ہے کہ مستقل مضمون آرہا

ہے اس لیے اس کی تفصیل سے تعرض نہیں کیا جا رہا ہے، آخر میں ایک اور وصف جو آپ کو مدارس کے ماحول میں دوسروں سے بہت زیادہ ممتاز کرتا ہے، مگر جس کی قدر و قیمت آج کے بگڑے ہوئے ماحول میں نہیں ہے۔ وہ ہے مدرسہ میں وقت کی پابندی، وقت سے پہلے حاضری، اور اس پر ایسا مضبوط انضباط اور عمل کہ بائیس سال میں اس سے سرمو تخلف نہیں ہے۔ اسے آپ کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔

کاش اس وصف کی قدر ہو، ساری برکتیں اسی میں مضمر ہیں، مگر آج اسے کون سمجھے، آج تو جی حضوری، تملق اور حاضر باشی کا دور ہے، پڑھاؤ چاہے کم صلاحیت خواہ کم ہو، لیکن یہ چیزیں اگر پیدا کرلیں تو کامیاب سمجھے جائیں گے، بہرحال آپ کی اس عادت اور اس معمول کو اپنانے اور زیادہ سے زیادہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

صاحب سوانح کو اللہ تعالیٰ تادیر صحت و عافیت کے ساتھ باقی رکھے اور تمام شرور و فتن سے حفاظت فرمائے، آمین!

عندلیبِ خوش الحان

ایک تاریخ ساز معلم قراءت

از: حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی / استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۱) قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کی سوانح، اور وہ بھی ان کی زندگی میں، بھائی خوب سوجھی، میں اس سوچ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

جب ہم پورب میں تدریسی زندگی گذار رہے تھے اس وقت سے ہم آپ کو اسٹیج کی رونق کے طور پر دیکھ رہے تھے ایک زمانہ آپ کا ایسا گذرا ہے کہ جلسوں میں عندلیب خوش الحان کے طور پر چہکتے تھے۔ ہمارے پورہ معروف میں آپ ایک جلسہ میں مدعو ہوئے تو اشتہار میں یہی لفظ "عندلیب خوش الحان" آپ کے نام کے ساتھ لگا ہوا تھا، آپ دارالعلوم مئو میں زیر تعلیم تھے اور عمر بھی بہت کم تھی، لوگوں نے سنا، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے ساتھ چسپاں لقب کا حق ادا کیا۔ بہرحال آپ ایک زمانہ تک رونق بزم و انجمن رہے ہیں۔

(۲) دوسری چیز آپ کی جو متاثر کرتی ہے وہ ہے آپ کی تکمیل تعلیم۔

حالات کی نامساعدت کی وجہ سے ترک تعلیم اور پھر ایک طویل عرصہ تک آرام وراحت کے ساتھ تدریسی زندگی اور پھر اچانک تعلیمی نقص کا احساس، اس احساس کی شدت اور اس کے غلبہ کے بعد تکمیل تعلیم کا شوقِ فراواں اور جذبۂ وافر، جبکہ آپ مجرد نہ تھے، بیوی اور بچوں کے سارے لوازمات اور اخراجات منھ کھولے ہوئے تھے —— بایں صورتِ حال آپ کا بحرِ علم میں غواصی کرنا، اور پورے دو سال تک بغیر کسی سوچے سمجھے پروگرام کے، دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ داخلہ لے کر پورے طور پر طالب علم بن کر تعلیم کو مکمل کرنا، اور دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر سند فراغ حاصل

کرنا یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

(۳) یوں تو علم تجوید وقراءت کی اشاعت ہر معلم تجوید وقراءت کرتا ہے ہمارے سامنے علم تجوید وقراءت کی پوری تاریخ ہے، جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو آپ ہمیں قراءِ کرام کی صف میں اتنے اونچے مقام پر نظر آتے ہیں جس کی برابری کرنے والے لوگ ذرا کم ہی نظر آتے ہیں۔ آپ نے اس فن پر تصانیف کا عظیم الشان اضافہ فرمایا ہے۔ اردو زبان میں اس فن کی اتنی متنوع خدمات اور اتنی تعداد میں کتابیں کہاں نظر آتی ہیں۔ اسی طرح آپ کا قلم فن قراءت کے ساتھ دیگر علوم واصناف پر یکہ تاز ہے۔

(۴) قراءات ایک ایسا فن ہے جس کی طرف لوگ ذرا کم ہی متوجہ ہوتے ہیں، جب کہ یہ علم (اجمالی طور پر بطور خاص اور تفصیلی طور پر بدرجہ فرض کفایہ) نہایت اہم ہے اور ضروری ہے، اس کی طرف سے بے اعتنائی کسی طرح جائز نہیں کہی جاسکتی، —مگر آپ نے اپنے انداز سے، طریقہ درس سے، اور اردو زبان میں پورے فن قراءت کو منتقل کردینے کے ذریعے سے لوگوں کے لیے پرکشش بنادیا، اور لوگ اب جوق در جوق اس علم کو سیکھنے کے خواہش مند نظر آنے لگے، ایسا پہلے نہیں تھا۔ آج دارالعلوم میں اور اس کے توسط سے جہاں کہیں بھی چہل پہل نظر آرہی ہے، یہ سب بلاواسطہ اور بالواسطہ آپ کی توجہات کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں، مختصر یہ کہ ہر طرح آپ کا اشاعتِ علم وفن میں زبردست حصہ ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔

(۵) ایسی شخصیات جو علم وفن کو دوسروں میں منتقل کرتی ہیں تاریخ میں کبھی کبھی وجود میں آتی ہیں آپ بھی انھیں کم یاب شخصیات میں سے ہیں، مورخ آپ کو، آپ کی ان عظیم خدمات کو جو ہر پہلو پر حاوی ہیں فراموش نہیں کرسکتا۔

میں نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے—— آپ کے کمالات اور خوبیاں دیگر مقالہ نگار حضرات کی تحریروں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

❁❁❁

مینارۂ عظمت

از: مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی/ استاذ دارالعلوم دیوبند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد! یہ معلوم ہوکر انتہائی مسرت ہوئی کہ صدیق مکرم جناب مولانا قاری ابوالحسن زید مجدہ استاذ تجوید وقراءۃ دارلعلوم دیوبند، کا سوانحی خاکہ تیار ہورہا ہے، جس کو سوانح کمیٹی انجام دے رہی ہے، کمیٹی کی جانب سے ایک تحریر موصول ہوئی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ محترم قاری صاحب کی سوانح کے تعلق سے بندہ بھی کچھ تاثرات کا اظہار کرے، اس تحریر میں مختلف عناوین ہیں۔

صاحب سوانح موصوف قاری صاحب حفظہ اللہ کی شخصیت عقیدت کی حامل ہے، خاص کر فن تجوید وقراءت میں ان کا مینارۂ عظمت نہایت بلند ہے، تحریر میں مذکورہ عناوین ایسے پہلو لیے ہوئے ہیں جن سے پہلوتہی مشکل ہے۔ غالباً اختصار کے پیش نظر کسی ایک عنوان پر کچھ رقم کرنے کے لیے کہا گیا ہے، یوں تو قاری صاحب ہمہ جہتی خصوصیات کے مالک ہیں، اور علمی زرخیز خطہ ''اعظم گڑھ'' سے تعلق رکھتے ہیں جو ہزاروں آفتاب علم کا مشرق ومغرب ہے، موصوف سے میری اولیں ملاقات اب سے تقریباً تیس سال پہلے ہوئی جب کہ قاری صاحب مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی قدیم مسجد میں امام تھے، اور بندہ جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا۔ دیوبند آنا ہوا، جہری نمازوں میں امام صاحب کی رسیلی آواز کانوں میں رس گھولتی ہوئی دل کے نہاں خانوں میں پہنچی تو طبیعت مست ہوگئی، آواز، لہجہ اور انداز تلاوت سے دیرپا حلاوت قلب میں محسوس ہوتی رہی، پھر چند سال بعد بندہ جامع الہدیٰ مرادآباد منتقل ہوگیا اسی دوران جناب قاری صاحب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحب کی جگہ شعبۂ قراءت کے ذمہ دار کی حیثیت سے

تشریف لے آئے، آتے ہی قاری صاحب کا وہاں کافی غلغلہ ہوا اور لوگوں کی زبانوں پر تعریفی کلمات سنے مگر ملاقات کبھی کبھار سرسری ہوتی، قاری صاحب شروع ہی سے خوش اوقات ہیں، اسی زمانے میں ''النفحات القاسمیہ شرح شاطبیہ'' مرتب کی تھی۔ اپنے اوقات کو مشغول رکھتے، عدیم الفرصت رہتے، بل کہ یوں کہیے کہ فرصت کے بارے میں سوچنے کے لیے بھی فرصت نہیں تھی۔

۱۹۸۲ء میں قاری صاحب کا تقرر مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا تقریباً ایک ماہ کے بعد بندے کا بھی دارالعلوم میں تقرر ہوگیا۔ یہ قریبی رشتہ قائم ہوتے ہی اسی وقت سے خوب ملاقاتیں اور آپس میں خلا ملا ہے، موصوف مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں، محترم قاری صاحب کو اسی وقت سے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، سب سے زیادہ موصوف کی زندگی کے حوالے سے بندہ جو متاثر ہوا ہے وہ ان کا تعلیم و تعلّم سے لگن اور ہمہ وقت اسی فن میں مگن رہنا ہے، کہ یہ فن عام ہوجائے، طلبہ کو کچھ آجائے، جناب قاری صاحب نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں تشریف لاکر اس شعبہ میں مزید جان پیدا کردی اور پھر سے فن نے انگڑائی لی کہ خوب خوب چرچا ہونے لگا، مجلس وقت ایسا کہ گھنٹوں میں جم کر بیٹھنے کے علاوہ مغرب بعد بھی درسگاہ کو زعفران زار اور پر بہار رکھتے ہیں۔ بل کہ چند سالوں سے تو دوپہر کو بھی درسگاہ ہی میں رہتے ہیں۔ پہلے ہی دن سے ظہر بعد کی سنتیں درسگاہ میں پڑھنا ان کی سنت رہی اس میں کبھی تخلف نہیں ہوا۔ حیرت اس پر ہے کہ ان تمام چیزوں کے باوجود موصوف نے کس قدر علمی و تحقیقی کام خاص کرفن قراءت پر کرڈالا، یہ اللہ کی عنایت بے نہایت اور اس کی خصوصی نوازش ہے۔ ان اہم علمی خدمات پر خواص کی طرف سے اعتراف بھی ہے۔ ''اللّٰھم زد فزد'' واطال اللّٰہُ حیاته وبارك فیها. آمین یارب العلمین .

❁❁❁

علم تجوید وقراءت کے عظیم مصنف

از: مولانا قاری محمد اصغر صاحب/شیخ الحدیث مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ

قرآن کریم چوں کہ کتب سماویہ میں آخری کتاب ہے اس کی تعلیمات واحکام بھی ابدی ہیں اور چوں کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس کے علوم افضل علوم ہیں علی الخصوص قرآنی الفاظ سے تعلق رکھنے والے علوم جن کو علم تجوید وقراءۃ کہا جاتا ہے اقدم واشرف علوم ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان علوم کی خدمت کرنے والے اور قرآن کریم سے شغف رکھنے والے حضرات ''خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ'' اور''اهل القرآن هم اهل الله وخاصته ''جیسے فضائل سے سرفراز کیے گئے ہیں۔

خدام قرآن میں جو حضرات قرآن کے تلفظ وادا اور لہجہ کی حفاظت اور اس کے طرز تعلم (جو نبی امی کی مبارک زبان سے صادر ہوا ہے جس کو آپ کے عشاق نے آپ سے سنکر محفوظ کیا ہے جو سینہ بہ سینہ اور بالمشافہہ سماعاً ونقلاً حضرات اساتذہ ومشائخ تجوید وقراءۃ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے) اس کی حفاظت اور خدمت میں مصروف ہیں وہ حضرات یقیناً ان فضائل ومناقب کے مستحق ہیں۔

ہندوستان میں اردو زبان میں جن حضرات نے علم تجوید قراءۃ،علم الاوقاف ورسم الخط میں قیمتی اور وزنی تصنیفات وتالیفات کے ذریعہ ان علوم کی تشریح وتسہیل فرمائی ہے ان میں کثرت تصانیف اور تالیفات کے اعتبار سے ہمارے اور امت کے کرم فرما خادم قرآن استاذ الاساتذہ شیخ القاری الشیخ القاری المقری مولانا ابوالحسن الاعظمی صاحب صدر شعبۂ تجوید وقراءۃ دارالعلوم دیوبند دامت فیوضہم سرفہرست نظر آتے ہیں۔حضرت قاری صاحب کی تصنیفات وتالیفات جو اس وقت ساٹھ سے متجاوز ہورہی ہیں ان میں بیشتر علوم تجوید وقراءۃ سے متعلق ہیں علی الخصوص وہ تصنیفات

جو تجوید و قراءۃ کی امہات الکتب کی تشریح و تحشیہ سے تعلق رکھتی ہیں نہایت اہم اور قیمتی ہیں حق تعالیٰ نے متقدمین کی طرح حضرت قاری صاحب کے اوقات میں ایسی برکت عطا فرمائی ہے کہ تدریسی ذمہ داریوں اور جگہ جگہ اشاعت قرآن و تجوید سے متعلق اسفار کے باوجود تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رہتا ہے ہر سال ایک دو ضروری تصنیف و تالیف وجود میں آجاتی ہے اس کو حضرت قاری صاحب کی اک زندہ کرامت ہی کہا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا موصوف کے اوپر عظیم انعام اور رحمت کا سایہ ہے۔

حضرت قاری صاحب کا یہ کارنامہ ان شاء اللہ زندۂ جاوید رہے گا اور خدام قرآن تا قیام قیامت آپ کی گراں قدر تصنیفات و تالیفات سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ حق تعالیٰ حضرت قاری صاحب کے علمی افادات کو عام و تام فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ مزید خدمت علوم قرآن کی توفیق ارزانی فرمائے! آمین۔

❀❀❀

ایں سعادت بزور بازو نیست

مولانا رضوان نسیم صاحب

صدر شعبۂ تجوید وقراءت ومعاون ناظم مظاہر علوم سہارن پور (یوپی) ہند

مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی استاذ القراء والمقرئین بلکہ استاذ اساتذۃ القراء والمقرئین دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز اور قابل فخر مدرس ہیں۔ جن کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز اور تصنیفات وتالیفات کی تعداد ساٹھ سے زائد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو جیسے طریقۂ تعلیم وتدریس میں ایک خاص امتیاز سے نوازا ہے، ایسے ہی وہ تصنیف وتالیف میں بھی سلیقہ مندی تحریر کی پختگی اور تحقیقی انداز میں آج کے بہت سے مصنفین اور نام نہاد اصحاب قلم سے ممتاز ہیں۔

موصوف کی سعی جلیل سے تجوید وقراءت کی ایسی نفیس کتابیں نہ صرف منصۂ شہود پر آگئی ہیں بلکہ مارکیٹ میں آکر سہل الحصول ہوگئی ہیں جو نایاب یا کمیاب ہوگئیں تھیں۔ اور ان کے قلم سے نکلے ہوئے ایسے بہت سے جواہر پارے جن سے فن میں نکھار پیدا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مسلسل اور انتھک کوشش کرکے اس فن پر بڑا احسان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عظیم خدمت لیکر ان پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ'' ٹھوس فنی صلاحیت کے ساتھ لہجہ، تلفظ، ادائیگی اور بہترین انداز تلاوت میں بھی ماشاء اللہ کمال حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دار العلوم کے تعلیمی اوقات کے علاوہ خارج اوقات میں بھی بہت سے طلبہ استفادہ کے لیے ان کو گھیرے رہتے ہیں۔ اور موصوف بھی پوری فراخ دلی اور شفقت کے ساتھ ان کی تعلیم کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز اور افادہ کو عام فرمائے! آمین۔

علم قراءت کا کوہِ نور

از: مولانا حکیم عبدالحمید صاحب ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیو بند

وَلَيسَ عَلَى اللهِ بِمُسْتَنكِرٍ ۞ اَنْ يَجْمَعَ العَالَمَ فِى واحِدٍ:

اس مختلف الجہات والکمالات کو میں طالب علمی کے دور سے جانتا ہوں، ان کی خصوصیات پر لکھنا ایک جامع عالم ہی کا کام ہو سکتا ہے حضرت قاری صاحب ممدوح کو باری تعالی نے جتنے علوم وفنون عطا فرمائے ہیں جب تک ان کے بارے میں کچھ خاصی دسترس نہ ہو تو اس پر کچھ لکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ مگر مجھے قاری صاحب کے علم وکمالات کا اعتراف ہے اس لیے ان پر تاثرات قلم بند کرنے کا حق رکھتا ہوں اور مجھے العنبر فی ہدی ابی الحسن چند سطر میں سپردِ قرطاس کر رہا ہوں۔

شیخ موصوف آج سے ترسٹھ سال پہلے اس دارفانی میں جلوہ افروز ہوئے اور خانوادۂ حنفی میں ایک کوہ نور کا اضافہ ہوا کسے پتہ تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر دارالعلوم دیو بند میں ''خَيرُكُم مَنْ تَعَلَّمَ القرآنَ وَعَلَّمَهُ'' کے منصب جلیل پر فائز ہوگا اور نہ صرف یہ کہ فائز ہوگا بلکہ شعبۂ تجوید وقراءت کے احیاء کا سبب ہوگا، اور مادر علمی کو ایک ایسی کھیپ دے گا جو دارالعلوم کی فضاء کو ترتیل قرآنی کی ایسی گونج عطا کرے گا جس کی آواز دیر اور دور تک سنائی دیگی اور اس کا علمی فیضان ہند وبیرون ہند تک عام ہو جائیگا۔

درس وتدریس

قاری صاحب موصوف دوآتشہ مدرس ہیں یہ دوران طالب علمی ہی میں پڑھتے پڑھاتے مدرس ہو گئے پھر ۱۳۹۵ھ کے آخر میں دارالعلوم ایک طالب علم کو داخل کرنے آئے تو مادر علمی دارالعلوم کی علمی وعرفانی فضاؤں کے شکار ہو گئے اور دوبارہ باضابطہ داخلہ لے کر تکمیل تعلیم میں مشغول ہو گئے اور اپنے لحن داؤدی وترتیل قرآن کی بنا پر دارالعلوم کے قدیم مسجد کے امام ہو گئے اور

فراغت کے بعد مدرسہ اصغریہ میں مدرسِ تجوید ہو گئے اور وہیں سے ان کی تصنیفی و تالیفی کاوش کا باضابطہ آغاز ہوا اور اُسی زمانے سے رفیق مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی معیت میں بارہا قاری صاحب کے پاس جانا ہوا۔ پھر وہ مدرسہ شاہی میں مدرس ہو کر چلے گئے، اور ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم میں بحیثیت استاذ تجوید وقراءت تشریف لے آئے اور یہاں آنے کے بعد جتنی ان کی خوابیدہ صلاحیتیں تھیں ان کو ابھرنے کا موقع ملا اور اپنے شاگردوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کی اور اپنی نگرانی میں انہیں دارالعلوم میں رکھوا کر اس شعبہ کو چار چاند لگا دیا۔

خصوصیات درس قاری صاحب موصوف کو تجوید کے مضامین مع ان کی ضروری تشریحات کے نوک زبان ہیں اس لیے جو طالب علم ان کی نگرانی میں آیا اگر اس کی قسمت خراب نہیں ہے تو اس کو قاری بن کر ہی نکلنا ہے کیوں کہ قاری صاحب کے یہاں غیر حاضری کا لفظ لغت میں نہیں ہے پابندی اوقات والاسباق لازمی ہے۔

اوقات میں برکت تدریسی مشغولیت کے ساتھ ساتھ وقت کے مثالی نظم وضبط کی وجہ سے وقت میں ایسی برکت ہوئی کہ وقفہ وقفہ سے ان کی قلمی کاوش آتی رہی ہے اس وقت ماشاءاللہ ساٹھ کتابیں طبع ہو چکی ہیں ''فهي الشهادة له بانه كامل'' اللہ کرے یہ سلسلہ تا عمر قائم رہے آمین۔ آپ کی تصنیفات صرف فن تجوید وقراءت ہی پر نہیں بلکہ، تاریخ، تجوید، تفسیر اخلاق اور سیرت کے مختلف عنوانات پر ہیں اور تلخیص کا ایسا ملکہ آپ کو حاصل ہے کہ مطول کو آپ بہت جلد مختصر بنا دیتے ہیں۔

مزاج وطبیعت آپ کے مزاج کے بارے میں یہ شعر بالکل صادق آتا ہے:

''در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل ❁ ہر کہ بیند میل دارد در سخن بیند مرا''

آپ کے مزاج کی حدت ہی کثرت تالیف کا ایک سبب ہے جہاں نظم اوقات سب سے بڑا سبب ہے آپ سچ بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے جو صوفیاء کرام کا وطیرہ رہا ہے۔

ایسی بات جن سے احقر خاص طور پر متاثر ہے

قاری صاحب کی مستقل مزاجی اور لگن سے احقر بے حد متاثر ہے کیسے ہی حالات کیوں نہ پیش آجائیں مگر ان کے اپنے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا اور وہی سنت ابراہیمی ''رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیرِ ذِی زَرْعٍ عِندَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیمُوا الصَّلٰوۃَ'' اے میرے رب تیرے مقدس ومحترم گھر کے پاس بن کھیتی والی وادی میں بسادیا ہے اے میرے رب تاکہ وہ نماز قائم کرسکیں (ابراہیم (۳۷) اور خاتم النبیین نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو آخری وصیت امت کو فرمائی تھی اس میں سب سے پہلے نماز ہی کی تاکید تھی بہر حال نماز کے ساتھ فکر مندی کا یہ تعلق اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص وراثت ہے اللہ تعالی نے قاری صاحب موصوف کو اس سے حصہ وافر عطا فرمایا ہے۔ اور مزید روزانہ دس پارہ کی تلاوت نے چار چاند لگا دیا ہے حضرت قاری صاحب اپنے آپ میں ایک انجمن ہیں جو ان سے ملتا ہے انہیں کا ہوجاتا ہے ہم ان کو یہ کہہ سکتے ہیں۔

اللہ رے چشم یار کی معجز بیانیاں ✿ ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے!

اللہ تعالی ان کو نظر بد سے بچائے اور ان کے علمی وعملی افادہ واستفادہ کو قائم ودائم رکھے آمین۔

✿✿✿

”آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا“

از: جناب عبداللہ راہی صاحب دیوبند

کون جانتا تھا کہ ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش میں مشرقی علاقے کے ضلع اعظم گڈھ کے گاؤں جگدیش پور میں پیدا ہونے والا ایک بچہ بڑا ہوکر اپنے علم وفن کی بدولت ہزاروں دلوں پر حکمرانی کرے گا۔

پیدائش کے بعد نام بھی رکھا گیا تو ”ابوالحسن“ انسان کی زندگی پر ”نام“ کے اثرات اپنا کیا رنگ جماتے ہیں اس کا تجربہ کرنا ہو تو قاری ابوالحسن سے ملاقات کرلیں۔

اللہ تعالیٰ ان والدین کی قبروں کو اپنی رحمت کے نور سے ہمیشہ روشن رکھے کہ جو اس دنیا میں قاری ابوالحسن کی ولادت کا ذریعہ بنے۔

وقت کی شاہراہ پر روز وشب کا کارواں گذرتا رہا۔ لمحہ لمحہ یہ بچہ شیر خواری کی حدوں سے گذرتا ہوا اپنے گھر کے آنگن میں اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کی چاندنی بکھیرتا رہا۔ اور پھر جب اس بچہ کو شعور نے اپنی آغوش میں لیا تو تعلیم کے سفر کا آغاز ہوا۔ قاعدہ بغدادی سے حفظ قرآن اور بخاری شریف تک کے سفر کو صرف کامیابی سے ہی نہیں بلکہ اعلیٰ کامیابی سے طے کرنے کے بعد ان کی طالب علمی کا سورج غروب ہوا تو ان کی زندگی کے آسمان پر تدریس کا مہتاب طلوع ہوا۔ قاری ابوالحسن نے فارسی یا عربی کتب کا درس دینے کے بجائے تجوید وقرأت کی تعلیم کا مشغلہ اختیار کیا۔ علم تجوید وقرأت حاصل کرنے والے طلباء عزیز کی خوش نصیبی کہیئے کہ مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد قاری ابوالحسن دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوگئے......

دارالعلوم دیوبند میں علم تجوید کی خدمات انجام دیتے ہوئے ان کی زندگی کے ۲۳ رسال گذر گئے۔ اپنے فن کی بے پناہ صلاحیتوں کے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند کے

شعبۂ تجوید کی مسند صدارت پر الحمد اللہ آج بھی رونق افروز ہیں۔

قاری صاحب کے دامن حیات میں علم تجوید وقرأت کا جو بیش بہا سرمایہ ہے وہ صرف درسگاہوں میں رہ کر ہی حاصل نہیں ہوا، بلکہ اس سرمایۂ حیات کو حاصل کرنے میں قاری صاحب کے اپنے ذوق اپنی لگن اور دن رات کی جدوجہد بھی شامل ہے۔ درسگاہوں کی چہار دیواری میں اگر کسی طالب علم کو سونا بنایا جاتا ہے تو یہی سونا تجربات کی دشوار گذار منزلوں سے گذر کر کندن بنتا ہے۔

قاری صاحب کی زندگی میں مختلف مسائل کے ساتھ ساتھ کبھی تو ایسے مراحل کی آندھیاں چلیں کہ جن میں ملازمت کا چراغ بھی بجھتا دکھائی دینے لگا۔ لیکن

''زندہ باد اے مرد مومن زندہ باد''

پروردگار عالم کی رزاقیت پر یقین محکم رکھتے ہوئے انہوں نے کسی بھی حاکم کی دہلیز پر اپنی خودداری کو سجدہ نہیں کرنے دیا۔ آپ نے زندگی کے کسی بھی سخت سے سخت موڑ پر اپنی خواہشات کے خنجر یا کسی بھی خوف کے زہر سے اپنے کو ہلاک ہونے نہیں دیا۔ آپ کے عزائم داد وتحسین کے قابل ہیں۔

رہتا ہے شہر سنگ میں اور آئینہ ہے یہ
جھوٹوں کے درمیان بھی سچ بولتا ہے یہ

اللہ تعالی کی بخشی ہوئی عزت وشہرت کے ذریعہ قاری ابوالحسن اگر چاہتے تو اتنی دولت حاصل کر سکتے تھے کہ یہ اور ان کے اہل وعیال تمام زندگی عیش وعشرت کے سائے میں گذارتے لیکن مجھے اس وقت بھی یاد ہے کہ جب قاری صاحب نے اپنا ذاتی مکان تعمیر کرایا تو اس سلسلہ میں کئی سال تک ان کے کندھوں پر قرض کا بوجھ رکھا رہا۔ نہ جانے کس کس طرح قرض کے بوجھ کو اتارا۔ لیکن اپنے دست طلب کو خودداری کی آستین سے باہر نہیں آنے دیا۔

میں دیکھتا ہوں، میں کیا بلکہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ اس دور پر آشوب میں کسی

مقام کے بڑے مدرسہ کے کوئی بڑے استاذ جب غیر ملکی سفر مدرسہ کی خاطر کر کے آتے ہیں تو ان کی زندگی کے نقش ونگار ایسے بدل جاتے ہیں کہ جیسے دور خزاں کے بعد موسم بہار کی آمد پر صحن گلشن کے غنچہ وگل میں تازگی آجاتی ہے۔ غیر ملکی سفر سے حاصل کی ہوئی عیش وعشرت کے بوجھ تلے بھلے ہی ان بڑے استاذ کا ضمیر زندہ نہیں رہ پاتا مگر بڑے استاذ کو نئی زندگی مل جاتی ہے۔

مگر واہ رے قاری ابوالحسن، ایک دو نہیں بلکہ کئی بار غیر ملکی سفر کرنے کے بعد بھی آپ آج بھی ایسے ہی ہیں جیسے ۲۵؍سال پہلے تھے۔

قاری ابوالحسن صاحب اپنی زندگی بھی صرف اپنے ہی لیے نہیں جیتے بلکہ احباب کی محبت، غمزدوں کا درد اور مجبور ولاچار انسانوں کی کسک بھی ان کے دل کی دھڑکنوں میں شامل رہتی ہیں۔ ہندوستان کے ایک مشہور ومعروف فنکار جس کی آواز کا جادو گیتوں کی شکل میں شائقین کے سر چڑھ کر بولتا تھا۔ قاری صاحب اس فنکار کی آواز بہت پسند کرتے تھے۔ مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش یہ آواز قرآن پاک کی تلاوت کے کام آتی تو اللہ کی اس نعمت یعنی آواز کا حق ادا ہو جاتا۔

رمضان کی ایک شب میں اس فنکار کے انتقال کی خبر سنکر قاری صاحب کو دلی صدمہ ہوا۔ آپ نے نماز فجر کے بعد سے ظہر کی نماز کے وقت تک ایک ہی نشست میں اس فنکار کی مغفرت کے لیے مکمل ایک قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اور مرحوم کے حق میں مغفرت کی دعائیں مانگیں۔

قاری صاحب ادبی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بھی رکھتے ہیں لیکن اپنے اس ذوق کی تکمیل کے بعد آپ جو عمل کرتے ہیں وہ عمل کم سے کم میں نے اپنی زندگی میں کسی بھی نیک انسان کو کرتے نہیں دیکھا اور نہ ہی سنا ہے۔

قاری صاحب جتنے صفحات کی کسی ادبی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو مطالعہ کے بعد اتنی ہی تعداد میں قرآن شریف کے صفحات کی تلاوت کرتے ہیں۔ مطالعہ کے بعد

تلاوت کا یہ عمل میں نے کسی دوسرے شخص میں نہیں دیکھا۔

یہ محض لفظی قصیدہ خوانی نہیں بلکہ ایک حقیقت جاوداں ہے کہ فن تجوید کے یہ بے تاج بادشاہ جن دل ودماغ پر حکمرانی کرتے ہیں وہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے مالک ہیں۔

قاری ابوالحسن کی شاخ حیات پر اخلاص، محبت، وفاداری، اور مہمان نوازی کے پھول مہکتے ہیں۔ان پھولوں کے آس پاس خودغرضی، حرص وہوس، بغض وعداوت، اور عیب جوئی کے کانٹے نظر نہیں آتے۔اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عزت وشہرت کے شیش محل کو انہوں نے غرور وانا کے پتھروں سے ہمیشہ محفوظ رکھا ہے۔اللہ کرے ان کا یہ کردار اس وقت تک قائم رہے جب تک ان کی سرحدِ جاں سے سانسوں کے قافلہ کا آنا جانا ہے۔

قاری ابوالحسن کی قربت سے خلوص ودلنوازی کا وہ چشمہ پھوٹتا ہے کہ جو تھکے تھکے دماغ کی تشنگی بجھا دیتا ہے جوزندگی کے دامن سے اداسی ومایوسی اور رنج وغم کے ہر ایک داغ کو دھوڈالتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قاری صاحب سے اگر کبھی فی البدیہہ ملاقات ہوجاتی ہے تو وہ اس ملاقات کو بحرِطویل میں مقید کردیتے ہیں۔

کیا کیا لکھوں، کہاں تک لکھوں، قلم کی رگوں سے روشنائی خشک ہوجائے گی قلم چلاتے چلاتے میری انگلیوں میں بھی تھکان آجائے گی، ممکن ہے پڑھتے پڑھتے آپ کی بینائی بھی تھک جائے لیکن قاری صاحب کے سلسلہ میں میرے خیالات کا تسلسل ختم نہیں ہوگا۔اسلیے:۔

سچ تو یہ ہے ابوالحسن صاحب ❁ آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا

❁❁❁

یہ شان احترام آدمیت کم نظر آئی

(از: مولانا محمد یامین قاسمی مبلغ دارالعلوم دیوبند

چھوٹوں پر شفیق، بڑوں کے محبوب، شاگردوں میں مقبول، استاذوں کے منظور نظر، بزرگوں کے معتمد رفقاء کے مونس، ہم نشینوں میں بے تکلف، ہم عصروں میں ممتاز، طلبہ کے محسن، شریفانہ اخلاق کے پیکر، پرکشش و پرسوز آواز کے حامل، حق گوئی و بے باکی میں یکتا، مروت ورواداری کا نشان ضیافت ومیز بانی، سادگی وملنساری کی بہترین علامت، سراپا تواضع، خوش خو، خوش گلو، بذلہ سنج، لطیفہ گو، خودرائی وخود پسندی سے دور، تملق وچاپلوسی سے متنفر، شہرت وناموری سے بے نیاز خود غرضی ومفاد پرستی سے پاک، صفائی معاملات میں حساس، نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کے مصداق فن تجوید کے ماہر، درجنوں کتابوں کے مصنف ومؤلف، ہزاروں قاریوں کے استاذ تجربہ کار مربی، دارالعلوم کے شعبہ تجوید کے صدر ——— یہ اور ان جیسی بہت ساری خوبیوں اور خداد صلاحیتوں کے مالک حضرت قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم کے خلیفہ خاص جن کو پہلی مرتبہ ۱۹۷۶ء میں دیکھا جب وہ دارالعلوم کی قدیم مسجد کے منصب امامت پر فائز تھے اور میں دارالعلوم میں سال ششم عربی کا طالب علم تھا بارہا موصوف کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں سادہ مگر دل کش، اثر انگیز اور دل نشیں انداز قراءت جو ایک بار سنتا گرویدہ وفریفتہ ہوجاتا اور جی چاہتا کہ یہ سلسلہ طویل ہوجائے۔ آواز میں عجب قسم کی جاذبیت وکشش تصنعات وتکلفات سے خالی بہت کم ایسی قراءت سننے کو ملتی ہے قاری صاحب سے بس اتنی ہی واقفیت رہی کہ وہ مسجد کے امام ہیں قرآن شریف بہت عمدہ پڑھتے ہیں ملاقات وگفتگو اور باہم متعارف ہونے کی کبھی نوبت نہ آئی، ۱۴۰۹ھ میں جب دارالعلوم کے شعبۂ

تبلیغ میں میرا تقرر ہوا اس وقت مولانا سید ارشاد احمد صاحبؒ مبلغ دار العلوم حیات تھے قاری صاحب کا مولانا مرحوم سے گہرا تعلق اور حد درجہ قرب تھا مولانا علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لیے اکثر قاری صاحب تبلیغ کے دفتر تشریف لایا کرتے تو مجھے بھی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا اور پھر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ قاری صاحب موصوف سے ملنا جلنا اور ان کے یہاں جانا آنا اور ان کی پر کیف سرور آگیں مجلسوں میں شرکت اور ایک دو مرتبہ سفر میں رفاقت اور معیت میسر آئی تو قریب سے دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا اور ان کے اخلاق و عادات، تواضع وملنساری کا دل پر گہرا اثر ہوا بے نفسی، سادہ مزاجی اپنوں کے ساتھ بے تکلفی خوردوں کے ساتھ شفقت نے مجھے بے حد متاثر کیا فن قراءت میں ان کا کیا مقام ہے انہوں نے اپنی تالیفات میں جو فنی تحقیقات جمع کی ہیں اور اس فن کو آسان پیرایہ میں منتقل کیا ہے اس کی خوبیوں، باریکیوں، نکتہ آفرینیوں اور علمی بحثوں پر تو وہی حضرات تبصرہ فرما سکتے ہیں جو اس فن سے واقف ہیں میں تو صرف موصوف کے سلسلہ میں اپنے وہ قلبی تاثرات جن کا میں نے اور میری طرح بہتوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے کو پیش کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔

قاری صاحب جہاں مردم ساز، مزاج شناس اور نہایت متواضع خلیق انسان واقع ہوئے ہیں وہیں موصوف نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے کے عادی اور حریص بھی ہیں چاہتے ہیں کہ پہلی صف میں جگہ مل جائے اور موصوف کی اس ادا کو بھی خوبی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ حوادث کے تیز و تند جھونکے، ماحول کی برہمی، حالات کی ناسازگاری اور زمانہ کی خونخوار نگاہوں سے بالکل بے پرواہ ہو کر۔ عالی ظرفی، بلند ہمتی خود اعتمادی اور صبر و استقامت کے ساتھ اپنے کاموں میں منہمک اور منزل مقصود کی طرف رواں دواں۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیا ہے انداز خسروانہ

اللہ رب العزت حضرت قاری ابوالحسن اعظمی عمت فیوضہم کی دینی خدمات خاص طور پر تجوید وقراءت سے متعلق آں محترم نے جو لائق صد تحسین کارنامے کسی بھی نوع سے انجام دیے ہیں کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور قرآن مجید کے علوم وفنون کو عام کرنے کے لیے آپ کا سایہ دراز فرمائے! آمین۔

مجھے بے حد قلبی مسرت حاصل ہوئی جب یہ معلوم ہوا کہ آں موصوف کے تلامذہ ، متعلقین اور محبین آپ کے زندگی کے حالات اور علمی دینی خدمات پر مشتمل کوئی مجموعہ شائع کرنا چاہتے ہیں شاگردوں کا یہ اقدام قابل مبارکباد ہے۔قاری صاحب کے لیے بڑی خوش نصیبی ہے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی سوانح مرتب ہو رہی ہے جو کم از کم رطب ویابس افراط وتفریط اور خلاف واقعہ باتوں سے پاک صحیح اور واقعی احوال وکوائف کی ترجمان ہوگی۔

❁❁❁

ایک مقناطیسی شخصیت

از: مولانا محمد عرفان صاحب قاسمی بہرائچی
مبلغ دارالعلوم دیوبند

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

سیرت و سوانح نگاری تذکرہ نویسی علمائے اسلام کا پسندیدہ موضوع رہا ہے ابتداء سے ہی ہر دور کے علماء اصحابِ علم وقلم نے محدثین، فقہاء، ادباء، اہل علم وفن، مشائخ، اور شعراء، میں سے اعاظم رجال کے تذکرے تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیے ہیں جس سے خلف کا علمی ودینی تعلق سلف سے معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان میں اہل علم کے کارناموں کا تذکرہ سب سے پہلے شاہ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی نے اخبارالاخیار میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان (عربی) اور مآثرالکرام (فارسی) میں مولانا رحمٰن علی صاحبؒ نے تذکرۂ علمائے ہند نامی کتاب میں اور مورخ اسلام قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے رجال السند والہند میں کی۔

ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جو اقوام یا افراد اپنے حافظے کو کھو کر اپنے مستقبل کو تنگ وتاریک بنانے لگتے ہیں ان کے لیے ایسے تذکرے مستقبل کا قصر تعمیر کرنے میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں اور ایسا کیوں کر نہ ہو سوانح وتذکرہ دراصل صاحب سوانح کی کاروانِ حیات کا حافظہ ہوتا ہے اور ان کی علمی وعملی بیداری اور تجربوں کا نتیجہ ہوتا ہے بالفاظ دیگر کل زندگی کے لیل ونہار کا روزنامچہ ہوتا ہے۔

صاحبِ سوانح سے تعارف

آج سے تقریباً چودہ سال قبل کی بات ہے سرائے میر اعظم گڑھ کے دعوتی پروگرام کی تکمیل کے لیے سفر کے دوران رو برو گفت وشنید پر طرفین سے تعارف ہوا جب کہ

اس سے قبل احاطہ دارالعلوم میں تدریسی خدمت پر مصروف نظر آتے مسجد میں نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے اہتمام کے ساتھ دکھائی پڑتے مگر ان کی سادگی اور خاموشی بلا ضرورت ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے تعارف نہ ہوا مگر ملاقات پر پتہ چلا یہ تو سفر کے دوران بے تکلف رفیق سفر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملاقات وتعارف کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے ہم دونوں سے دیرینہ تعلق ہے مگر اس کی وجہ وطنی قربت ہی نہیں بلکہ دارالعلوم کی خدمت کی سعادت کے ساتھ سب سے مستحکم دینی رشتہ نظر آیا ہے۔

چند دنوں قبل قاری محمد اکرام صاحب مرتب سوانح نے اصرار کیا کہ تم بھی قاری صاحب کی سوانح کے سلسلہ میں کچھ تحریر کرو۔

چند مقناطیسی اوصاف

مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی جن کی زندگی میں حُبِ قرآن مع تجوید وقراءت، طلباء عزیز کی تعلیم وتربیت، زندگی میں سادگی وسخاوت، استغناء، تصنیف وتالیف کا مشغلہ، چند نمایاں اوصاف نظر آتے ہیں۔

حُبِ قرآن مع تجوید

فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق (خیر کم من تعلم القرآن وعلمه) اس خیرامت میں سے سب سے بہتر قرآن کی خدمت کرنے والا خواہ تدریس سے یا تحصیل سے پھر سونے پر سہاگہ فن تجوید جو کہ قرآن کا بنیادی حق ہے قاری صاحب نے اس فن کی ترویج واشاعت میں تعلیم کے ساتھ تصنیف وتالیف کے ذریعہ پچاس سے زائد کتابیں صرف تجوید کے عنوان پر تحریر فرمائی ہے جب کہ جملہ تصانیف کی تعداد تقریباً ساٹھ سے زائد ہے۔

تصنیف وتالیف حق جل مجدہ کی وہ عظیم نعمت ہے جو صاحب کتاب کے لیے صدقۂ جاریہ کا سبب بنتا ہے، خود مؤلف کے کارناموں کے لیے محافظ خانہ ثابت

ہوتا ہے۔ تعلیم وتربیت کے موضوع پر تدریسی دنیا میں وہی اساتذہ کامیاب و نیک نام ثابت ہوتے ہیں جو طلبائے عزیز کو ان کے والدین کی امانت سمجھتے ہیں، اور تلامذہ کی تعلیمی ترقی، عملی بیداری کے لیے ہمہ وقت کوشاں نظر آتے ہیں تا کہ ان کا مستقبل درخشاں بن سکے بحمد اللہ موصوف میں یہ جذبہ صادق پایا جاتا ہے۔

سادگی اور سخاوت

علم کی زینت یہ ہے کہ وہ اہل علم کی وضع پر ہو سلف صالحین میں سادگی، سخاوت اور استغناء حددرجہ پائی جاتی تھی اور وہ اس حقیقت کو اپنی زندگی کا جزولاینفک بنائے ہوئے حال وقال سے ثابت کرتے تھے کہ عزت کا دارومدار استغناء پر اور ذلت کا مدار احتیاج پر ہے چنانچہ اکابر واسلاف نے شدائد ومشکلات میں سادگی وسخاوت کو ترجیح دیکر سخت سے سخت حالات وواقعات کا مقابلہ کیا سچ کہا کہنے والے نے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
تیرے دستِ توکل میں ہیں استغناء کی تلواریں

ہر اہل علم کو اپنے اندر سادگی سخاوت، استغناء پیدا کرنا چاہیے کیوں کہ علم کمال ہے اور کمال کا خاصہ استغناء ہے دیکھئے ہر صاحب فن جب اپنے فن میں کمال پیدا کر لیتا ہے تو کیسے مستغنی ہو جاتا ہے جس میں جتنا استغناء کم ہوگا اتنا ہی کمال کم ہوگا۔

موصوف مکرم کے بارے میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سادگی، سخاوت، استغناء کے ساتھ خاصی مناسبت ہے۔

مرتب سوانح قاری محمد اکرام صاحب ہردواری اور ان کے معاونین مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے اپنے مشفق ومہربان مخلص استاذ محترم کے اوصاف حمیدہ اخلاق مجیدہ کو مرتب کرنے کا عزم وارادہ فرمایا تا کہ تمام تلامذہ انہی اصول وضوابط کو مشعلِ راہ بنا کر نامور کامیاب مدرس خادم دین بن سکیں اللہ ان کی اس محنت کو قبول ومنظور فرمائے دارین میں فوز وفلاح نصیب فرمائے۔ آمین ❀❀❀

اپنے فن میں امتیازی شان کے حامل

از: مولانا مفتی محمد راشد اعظمی/ مدرس دارالعلوم دیوبند

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الکریم!

ارباب کمال کی زندگیاں لوگوں کے لیے نمونہ ہوتی ہیں انہیں دیکھ کر لوگوں کو کسب کمال کا جذبہ اور راستہ ملتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر دور میں اس کا اہتمام رہا ہے کہ انہیں قرطاس وکتب کے سفینوں میں محفوظ کردیا جائے تاکہ وہ بعد میں آنے والوں کے سینوں اور نگاہوں میں جلوہ گر رہیں اور ان باکمال زندگیوں کا فیض دائمی ہوجائے۔

محترم المقام جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب مدظلہ استاذ قراءۃ وتجوید دارالعلوم دیوبند بھی اپنے فن میں امتیازی شان رکھتے ہیں جس پر ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے خدمت فن میں سرگرم ان کے شاگردوں کا طویل سلسلہ نیز فن کے مختلف گوشوں پر محیط گراں قدر تصانیف کا روز افزوں ذخیرہ شاہد عدل ہے۔ فن کی بات کو اہل فن جانیں مجھے قاری صاحب مدظلہ کی جس چیز نے بہت متاثر کیا وہ ان کی تلاوت قرآن ہے حسن فطری برجستگی اور بے تکلفی کے ساتھ اتنا حسین قرآن پڑھنے والا کم از کم میں نے تو اب تک نہیں دیکھا۔ میرے والد محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ قرآن مجید عمدہ پڑھنے والوں سے بڑی محبت رکھتے تھے اور قاری صاحب کی حسن تلاوت کا کیا پوچھنا اس لیے ان کی نظر میں قاری صاحب کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ میں نے جب دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تو والد صاحبؒ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ قاری صاحب سے ملو، اور فیض حاصل کرو۔ قدردانوں کے لیے بڑی مسرت کی بات ہے حضرت قاری صاحب کی مفصل سوانح حیات شائع ہورہی ہے جو انشاءاللہ آئندہ نسلوں کے لیے نقوش راہ اور نشان منزل ثابت ہوگی۔

❀❀❀

عصر حاضر کے مسند القراءت

از: مولانا خورشید انور صاحب گیاوی/ استاد فقہ دار العلوم دیو بند

علم اسلام کا مایۂ خمیر ہے، اس لیے علم اسلام سے کبھی جدا نہیں ہوا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ عرب، سلجوق، دیلم، افغان، تاتار، اور ترک جو ابتدائے آفرینش سے بے علم تھے، اسلام قبول کرتے ہی حکیم، شاعر، نثار، ادیب، اور فلسفی بن گئے۔ مسلمان علم کے ایسے روشن جوہر تھے جن کو دنیا نے تاجور بنایا، اس لیے کہ خدائے علیم وحکیم نے مسلمانوں کو ایسا بے نظیر دماغ دیا تھا جس کی مثال دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملتی۔ یہ سب کرشمہ تھا اولین وآخرین کے علم کی جامع اس کتاب حکمت کا جس سے مسلمانوں کو نوازا گیا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ قرآن نام ہے "نظم ومعنی کے مجموعہ کا" جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے، ظاہری سبب کے درجہ میں یہ عظیم خدمت امت کے سپرد ہوئی۔ آسمانی ہدایت کے مطابق امت کے خوش نصیب حضرات نے معنی کے ساتھ ساتھ نظم کی بھی خدمت کی ہے اور بے مثال خدمت کی ہے۔ اس لیے کہ نظم بہر حال معنی سے مقدم ہے۔ نظم قرآنی کی نوع بنوع کی خدمت تواتر کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ عصر حاضر میں اس زریں خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب زید مجدہم کو منتخب فرمالیا ہے۔ وذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

عصر راہن کے مسند القرأت، استاذ القراء حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب زید مثلھم جس ممتاز صوبے کے رہنے والے ہیں وہ چشمۂ فیاض، جس خطۂ پاک کے رہنے والے ہیں وہ رشک شیراز، جس عظیم ضلع کے رہنے والے ہیں اس کی ذات میں رفعت وعظمت، جس جگ مگ جگ مگ جگہ کے رہنے والے وہ علم وفن کے لیے کشتزار

بلکہ زعفران زار، اور جس روشن گھرانے کے چشم و چراغ ہیں وہ زمانہ قدیم سے اب تک غیر منقطع طور پر کتاب ہدایت کی تلاوت و قرأت کا حسین گہوارہ رہا ہے، ان حسنات کی جلوہ گری حضرت ابوالحسن کی شخصیت میں بھی موجود ہے۔ محترم قاری صاحب کی ذات گرامی قابل رشک اوصاف حمیدہ کی جامع ہے، اور شاعر کی بچی تمناؤں کی صحیح مصداق ہے۔

اچھی صورت جو خدا دے تو یہ اوصاف بھی دے
حسن تقریر بھی ہو، خوبیٔ تحریر بھی ہو

علم تجوید و قرأت میں حضرت موصوف کو جو غیر معمولی درک ہے، اور اس فن کی متواتر، مشہور، آحاد اور شاذ و نادر روایات پر جیسا عبور ہے، اور روایات کے ساتھ رجال قراءت کے حاملین عالی مقام پر جیسی نظر ہے اس کی شاہد عدل آں محترم کی شاہکار تصنیفات ہیں۔

قاری صاحب نے تجوید و قرأت کو صرف مقلدانہ طور پر قبول نہیں کیا، بلکہ اسے مجددانہ انداز میں اختیار کیا ہے۔ وہ صرف قراءات سبعہ یا عشرہ کے اچھے شارح نہیں ہیں، بلکہ منقول کی روشنی میں معقول اضافے کرنے والے ہیں۔ آپ کے زرنگار گہر بار قلم نے شائقین تجوید و قرأت کو ایک عظیم لائبریری دی ہے۔ کتابوں کے معیار تحقیق کو تو اہل تحقیق جانیں، احقر کی کوتاہ نظر میں حضرت ابوالحسن کی ساری تالیفات حسن ہیں۔ اس لیے کہ: ع

نکلی زبان علم سے تفسیر جوہری

شاید یہی وجہ ہے کہ موصوف کی ذات والا صفات اور ان کی تالیفات کو ملک اور بیرون ملک میں جو وزن اور وقعت حاصل ہے وہ موجودہ ہندوستان کے خال خال ہی کسی خوش نصیب قاری قرآن کے حصہ میں آئی ہو۔ بلاشبہ حضرت قاری صاحب کو خادم قرآن، بلکہ عاشق قرآن ہونے کا حق پہنچتا ہے۔

فلسفۂ اخلاق کا ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ ہر انسان پر ایک فرض عائد ہوتا ہے، اور

ہر فرض اپنے ساتھ ایک ذمہ داری لاتا ہے، اور ہر ذمہ داری انسان کے کام کا عنوان بن کر آتی ہے۔ حضرت قاری صاحب کی پوری باہمت زندگی اس ضابطہ کی آئینہ دار ہے اسی لیے توفیق خداوندی شامل حال ہے۔ سچ ہے، ؏

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

ایک لمبے عرصے تک ملک کے بعض اہم مدارس اسلامیہ کو فیض یاب کرنے کے بعد عرصہ ۲۲ رسال سے سدابہار گلشن مرکز علم وفن، چشمۂ فیاض دارالعلوم دیوبند کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر موصوف خود چشمۂ فیض بن گئے ہیں۔ خدا کرے یہ چشمۂ فیض تادیر سلامت رہے اور تشنگان تجوید وقرأت کو خوب خوب سیراب کرتا رہے۔

❁❁❁

ہر ورق روشن قندیل ہے

از: مولانا محمد ارشد فاروقی سرائے میر، استاذ مظاہر علوم سہارن پور

قرآن کی قرأت فن تجوید کی رعایت کے ساتھ قران السعدین ہے، تو حسن صوت، حسن صورت، حسن سیرت کے مجموعے کا نام ابوالحسن ہے، قرآن کا ہر حرف موتی آبدار ہے، تو ورتل القرآن ترتیلا ان موتیوں کے پرونے کا نام ہے۔

عالم اسلام کے مشہور قاری عبدالباسط مصریؒ کی سحر ملتی تلاوت اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند کے زریں موقع پر سننے کی سعادت بالمشافہ ملی، خلیل مصری، صدیق منشاوی کے کیسٹس اور شیخ سدیس و شیخ شریم کو براہ راست سننے کا اتفاق ہوا۔ پر جو برجستگی حسن ادائیگی قاری صاحب کی تلاوت میں چھلک پڑتی ہے وہ ان کا وصف امتیازی ہے۔

دارالعلوم کی چہار دیواری میں قاری صاحب اولین امام بن کر چھائے، تو گوشۂ گمنامی سے مقدمہ جزری کے ترجمہ وتشریح نے نکالا، پھر اصغریہ سے اکبریہ کے منصبِ صدارت شعبۂ تجوید پر ۸۲ء میں دارالعلوم کی اتھل پتھل نے جلوہ افروز کیا کیا کہ چہار دانگ ہند میں ان کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔

یکا یک وہ میدان تالیف سر کرنے لگے اور ہزاروں صفحات کا حسین گلدستہ قارئین کی نذر کر چکے، متاع قلم لٹادی، بساط علم بچھادی، مصنفین کی صف میں دھوم مچادی۔

اتنے میں باغ حضرت تھانویؒ کے ایک تر وتازہ پھول نے انہیں مہکا دیا، اور اشرف سلاسل کے گلِ سرسبد شیخ برحق ''ابرارالحق'' کے بدست نسبت تویہ کے حصول کی شہادت کے تمغۂ امتیاز نے چراغ ہدیٰ بنادیا، اب ابوالحسن اسم بامسمیٰ خلائق میں حسن کردار، حسن اخلاق، حسن اخلاص، حسن تقویٰ، حسن عمل اور جذبۂ فدائیت فراواں کرنے کے لیے ایک کسک، ایک تڑپ اور بے کل چشم گریاں، دل بریاں لیے از ہر ہند میں

روحانی انقلاب بپا کرنے کے لیے منجانب اللہ مامور ہے۔اب ان کی زندگی کھلی کتاب ہے ایک ایک ورق پڑھیے ہر طرح کے پھول کی خوشبو دل ودماغ میں بسایئے۔ایک ایک تجربے سے فائدہ اٹھایئے۔رک جایئے۔آگے بڑھیے۔یہ ڈائری کیا ہے ایک مشعل راہ ہے،صراط مستقیم کا رخ متعین کرتی ہے۔خذ ما صفا کے خوشہ چیں ہیں۔

اللہ ابرار کی نیکی و بر کو قاری صاحب کے ذریعہ عام فرمائے۔

جہاں فرشتے سلامی دیتے ہیں

از ۔مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی/استاذ دارالعلوم دیوبند

محترم ومکرم جناب ناظم سوانح کمیٹی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب گرامی پڑھ کر مسرت ہوئی کہ آپ حضرات محب مکرم جناب مولانا حافظ قاری ابوالحسن اعظمی صاحب کثر اللہ امثالہ (جو ساٹھ سے زائد علمی اور معلوماتی کتابوں کے مصنف ہیں) کی سوانح حیات شائع کرر ہے ہیں، دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔

محترم قاری صاحب کو عصر حاضر کے قراء میں ممتاز مقام حاصل ہے، یہ فن قراءت وتجوید کے ان قدسی صفات لوگوں میں ہیں، جنہوں نے نہ صرف یہ کہ فن کو سمجھا ہے بلکہ فن کی نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے اس کے گیسوؤں کو سنوارا بھی ہے، پھر یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ قراءت وتجوید کو آواز کے زیر وبم کے ساتھ خاص تعلق ومناسبت ہے، مجود کی آواز اگر اس کے فن کا ساتھ دے رہی ہے تو اس کا حسن دوبالا اور مسحور کن ہوجاتا ہے، قاری صاحب کو قدرت نے اس فن کی نوک پلک کو درست کرنے کے لیے ہر طرح سے نوازا ہے، حسن صورت، حسن صوت، اور لب ولہجہ کے زیر وبم میں بے پناہ کشش اور بھرپور چاشنی ہے، پڑھتے ہیں تو چھا جاتے ہیں، فضا پر سکوت طاری ہوجاتا ہے، ایسے ہی جب وہ نعت اور اشعار پڑھتے ہیں تو فلک کے فرشتے سلامی دیتے ہیں۔ ان خوبیوں کے باوجود کسی زاویہ سے خودستائی اور خودرائی کی جھلک دکھائی نہیں دیتی، بے تکلف ہر شخص سے ملنا حسب مرتبہ ان کی پذیرائی کرنا قاری صاحب کا خاص مزاج ہے طبیعت میں بلا کی شوخی اور ظرافت بھی ہے جس مجلس میں قاری صاحب آگئے وہ زعفران زار بن گئی، افسردہ دلوں کو ہنسا دینا ان کی ظرافت کا ادنی کرشمہ ہے اسی ظرافت

نے قاری صاحب کو جری، بے باک اور صاف گو بھی بنادیا ہے، مداہنت وخوشامد سے ان کو بیر ہے، آزادی سے اظہار خیال کو قاری صاحب اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں، ان کے عام حالات کو دیکھ کر مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ ؎

بہت جی خوش ہوا ''قاری'' سے مل کر
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور صحت وعافیت اور حاسدین کے حسد سے حفاظت کے ساتھ قرآن کریم کی عظیم خدمت میں مشغول رکھے! آمین۔

❀❀❀

’’کتنی راتوں کو دن بنایا ہے‘‘

از: مولانا خضر صاحب کشمیری استاذ دارالعلوم دیوبند

رئیس القراء حضرت اقدس قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ العالی کی شان میں میرا کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، موصوف کی کس خوبی کو اجاگر کروں، وہ اپنے آپ میں ایک انجمن ہیں۔ فن قراءت کا چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں۔

احقر کی تینتیس بہاریں زندگی کی گذری ہیں، سن شعور کے بعد سیکڑوں قراء کو سنا، مگر محترم قاری صاحب کی ادائیگی، صحت، لب ولہجہ اور روانی بے نظیر ہے، آواز میں سوز وساز ہے تو لہجہ میں گداز ہے۔ پڑھنے کا انداز بڑا البیلا ہے۔ لحن داؤدی کا تذکرہ کتابوں میں پڑھا ہے، مگر یہاں اس کا مشاہدہ ہے۔ سامع کے کانوں میں رس گھولنے والا انداز ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ محترم قاری صاحب نے فراغت کے بعد ہی سے اس فن کی آبیاری کے لیے بڑی تگ ودو اور محنت کی ہے، کتنی ہی راتوں کو دن بنایا ہے۔ ہمیشہ اسی دشت کی سیاحی میں عمر بسر کی ہے۔

طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد ہے جو ہر سال فیضاب ہوکر آپ کے سینہ کے علمی گنجینہ سے علم وفن سیکھ کر اس امانت کی صدائے قرآنی کو آگے دور دور تک پہنچانے میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر ایک طرف درس وتدریس اور مشق وتمرین کے ذریعہ اس فن کی عظیم خدمت کر رہے ہیں تو دوسری جانب تصنیف وتالیف کے ذریعہ گلستان قراءت میں اتنے گل کھلائے ہیں کہ اس فن کی تاریخ میں اسکی کم ہی مثال ملتی ہے، موصوف کو اس باب میں فوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔

اللہ تعالی ہر طرح آپ کی حفاظت فرمائے اور تا دیر یہ عظیم الشان خدمت لیتا رہے! آمین۔

ایک باغ و بہار اور علمی بصیرت کی حامل شخصیت

از: مولانا محمد نسیم صاحب بارہ بنکوی/ استاذ دارالعلوم دیوبند

استاذ القراء مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کے حالات سے متعلق عمدہ کتاب کی طباعت میرے لیے بہت مسرت بخش ہے آپ دور حاضر کے مشہور قاری ہیں آپ بڑی پر بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ میں آپ سے زمانہ طالب علمی ہی سے واقف ہوں۔

جس وقت میں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اس وقت آپ دورۂ حدیث شریف میں داخل تھے اور دارالعلوم کی قدیم مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ اسی وقت میں نے آپ کی شہرت سنی تھی۔ لیکن زیادہ تعارف اور تعلق اس وقت ہوا جب آپ ۱۴۰۲ھ میں تدریس کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ اسی سال دارالعلوم میں عربی تدریس کے لیے میرا بھی تقرر ہوا تھا۔ پھر برابر آپ سے ملاقات ہوتی رہی۔ اور میں آپ کی باغ و بہار شخصیت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آپ کی فنی مہارت اور علمی بصیرت کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی گواہی دینے والے آپ کے ہزاروں تلامذہ ہیں۔ جو آفتاب و ماہتاب بن کر علم تجوید وقراءت کی خدمت میں مصروف ہیں اور آپ کی تصنیف وتالیف کا ایک زریں سلسلہ ہے جو آپ کی شہرت میں چار چاند لگانے کے لیے کافی اور وافی ہے۔
اللہ تعالیٰ آپ کی تدریسی اور تحریری خدمات کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔

آمین یا رب العالمین۔

❁❁❁

ایک اولوالعزم صاحب فن شخصیت

از۔ مولانا ملی ظفرالدین احمد قاسمی مہتمم مدرسہ باب العلوم جعفرآباد، دہلی

ایک زمانے سے علم القراءت گوشہ خمول میں سمٹتا جارہا تھا، مدارس عربیہ کی بے اعتنائیوں کی بناء پر اجنبیت کا شکار ہورہا تھا، حتی کہ پڑھے لکھے لوگوں کی زبانوں پر یہ لغو جملہ آنے لگا تھا کہ: قراءت صرف ایک رہ گئی۔ سبعہ کا وجود نہیں، خال خال اہل فن پرتشویش حال سے گذررہے تھے..... کہ اسی ماحول میں ایک شیریں، پرکشش، علم وفن سے بھرپور بلند اور باحوصلہ آواز ابھری اور دیکھتے ہی دیکھتے، ملک اور ملک کے باہر اس طرح چھاگئی کہ اس پرعزم صدائے دلنواز کی مالک شخصیت سے صرف نظر کرنا مشکل ہوگیا، ذیل میں اسی شخصیت کا ایک مختصر خاکہ پیش ہے۔

قد وقامت مختصر مگر جامع ومانع۔

رنگ گورا اور صاف صفائی قلب کا عکاس۔

پیشانی کشادہ جس پر علم اور فکر وفن کی باریک سلوٹیں۔

سر پر ٹوپی پہلے کبھی دوپلی ہوتی تھی، اب پنج گوشیہ ٹوپی تھانوی فکر ومشرب کی ترجمان۔

چہرہ پر متانت اور بارعب۔

آنکھیں فکر میں ڈوبی ہوئی۔

ڈاڑھی سفید

لباس سادہ، سفید کرتا اور پاجامہ، پہلے موسم سرما وگرما کے لحاظ کے ساتھ شیروانی اب سردیوں میں کالا سوئیٹر، گرمیوں میں صرف کرتا پاجامہ۔

جسم ہلکا پھلکا، اس پر لباس بھی صرف حسب ضرورت، زائد شی برداشت نہیں۔

جیب میں ہروقت قلم اور قرطاس، سوتے وقت بھی پاس ہی میں قرطاس وقلم۔

حق گو اور بے باک، مداہنت سے شدید نفور۔

خودنمائی اور خود بینی سے کوسوں دور۔

بڑوں کے سامنے باادب، چھوٹوں کے لیے خورد نواز، دوستوں کے لیے باغ وبہار، سب کے حقوق کے پاسدار۔

آج کی خود غرض اور ریاکار دنیا میں، خلوص ومحبت کا مجسمہ۔

بات بات پر واقعات ولطائف، ہونٹوں پر اشعار کے پھول۔

شدید الحس، جلد مخاطب کی ذہنی تہہ تک پہنچ جانے والے۔

مطالعہ وسیع اور ہمہ جہت۔

علمی مسئلہ میں نہایت غیور۔

ذاتی مخالف کو ہنس کر ٹال دینے والے۔

قراءت کے معاملہ میں پیکر جمال، مگر علم تجوید وقراءت کے ساتھ بے اعتنائی برتنے والوں کے لیے سراپا جلال۔

جید الاستعداد، جامع صلاحیتوں کے حامل۔

تجوید وقراءت کے فن میں ماہر وباکمال، آواز اور لہجہ میں بے مثال۔

صاحب قرطاس وقلم، ہر موضوع پر تصانیف لائق داد وتحسین۔

مردم گر اور رجال ساز۔

عرض نیاز شوق کے قابل بنا دیا ❁ جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

زاہد روزگار، عابد شب زندہ دار، عاشق قرآن اور مخلوق خدا کے غم گسار۔

مہمان کے لیے فرش راہ، طالب علم کے قدر دان، صاحبان علم کے مرتبہ شناس۔

ان خاکوں میں رنگ آمیزی سے جو شخصیت نمایاں ہوتی ہے اس کا نام نامی اسم گرامی مجدد فن، المقری ابوالحسن اعظمی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام شرور وفتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین!!

ایک حق گو اور بے باک معلم قراءت

از: مولانا غازی ولی احمد دآتی ٹونکی
نائب مہتمم مدرسہ ریاض الاسلام سرونج۔ (ایم، پی)

''اللہ اکبر'' یہ ایک عجیب کلمہ ہے، جس کے ذہن ودل میں راسخ ہوجائے حق گوئی اور بے باکی اس کا مزاج ٹھہرتا ہے، بندوں کو حاکم حقیقی جیسا تصور کرلینا معاشرے میں عام ہے، اس دور میں اور خاص طور پر ہمارے مدرسہ کے نظام میں ناخداؤں کو خداؤں کا درجہ نہ دیا جائے تو خطا کار وگناہ گاروں کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان آنکھوں نے مدارس اسلامیہ کے مثالی نظام میں بھی ''اللہ اکبر'' کے عملی انحراف کی کئی صورتیں دیکھی ہیں (معاذ اللہ)

تیراکی ایک فن ہے لیکن لہروں کے خلاف تیرنا فن بھی اور حوصلہ مندی بھی

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موج دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل پہ ہے

بات سچ ہے موج دریا کا حریف ہونے سے بہتر موج دریا کا حلیف ہونا ہے یا پھر ساحل کی دلفریبیوں کا پرستار ہونا۔ معاشرہ زوال پذیر ہے چناں چہ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مومنانہ حوصلہ مندی، بیباکی اور حق گوئی کا فقدان ہوتا جارہا ہے، مآل کار استحصال اور ظلم کی شدت بڑھتی جارہی ہے، آج کوئی ملازم پیشہ تو یہ جرأت ہی نہیں کرسکتا کہ ارباب اقتدار کی ناانصافیوں اور عدم مساوات کے خلاف لب کشائی کرسکے، سبب یہ کہ عبدالرزاق کو رزاق مان لیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے درجہ قراءت کے استاذ جناب قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ العالی سے راقم الحروف سے دیرینہ مؤدبانہ، معتقدانہ اور دوستانہ مراسم ہیں، میں

اگر ان کے فن اور چالیس سالہ خدمات تجوید و قراءت پر تبصرہ کروں تو میری اوقات کیا لیکن بہت نزدیک سے میں نے ان کو دیکھا ہے (دیکھنے اور سمجھنے میں واضح فرق کا بھی میں قائل ہوں) ان کے معاملات بھی دیکھے ہیں، ان کے مزاج کو بھی پرکھا ہے۔ قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ کو ہر موقعہ پر میں نے حق گو اور بیباک پایا۔ حاکم حقیقی اور حاکم مجازی، عبدالرزاق اور رزاق نیز ناخدا اور خدا کو انہوں نے اپنے اپنے مقام پر رکھا ہے "اللہ اکبر" پر راسخ العقیدہ قاری ابوالحسن اعظمی جن دشواریوں سے گذرر ہے ہیں وہ بھی بندہ کے علم میں ہیں انہوں نے تمام صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور عملی طور پر یہ ثابت کر ڈالا کہ: ع

اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی

حضرت قاری ابوالحسن مدظلہ کے حالات واقعات، صبر و استقامت کی کیفیات، ان کا نادر و نایاب فن اور مجموعی طور پر ان کی نفسیات و شخصیت کا تذکرہ تفصیل طلب ہے جب کہ حکم مجھے اختصار کا ہے۔

بندہ علیل حضرت قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہ کو ان کی حوصلہ مندیوں حق گوئی اور بیباکی کے اعتراف میں خراج تحسین پیش کرتا ہے اور ان کے تلامذہ کو مبارکباد پیش کرتا ہے کہ انہوں نے قاری صاحب کی سوانح طبع کرانے کی مساعی کی ہے۔

****

ایسا کہاں سے لاؤں

از: قاری محمد سرتاج قاسمی استاذ تجوید وقراءت، جامعہ مرادیہ مظفرنگر

یہ دور، دورِ قحط الرجال ہے، علمی انحطاط کا زمانہ ہے، ایسے دور میں اگر کچھ عبقری شخصیات علمی وعملی میدان اور رجال سازی میں اپنا مقام بنالیں تو اہل زمانہ کی گردنیں ان کے سامنے خم نظر آتی ہیں اور اہل زمانہ ان کے ناقابل فراموش کارناموں اور خدمات پر سر دھنتے ہیں انہیں شخصیات میں سے ایک شخصیت (کہ جو اپنے فن میں علمی وعملی اعتبار سے اپنے ہم عصروں پر فائق اور رجال سازی کے میدان میں یکتائے زمانہ ہیں) قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی ہے۔ ایسی شخصیات کسی بھی دور میں خال خال ہی نظر آتی ہیں کہ جن کو رب العزت کے دریاء کرم سے بے پایاں محاسن اور خوبیوں سے نوازا جاتا ہے۔ علم وعمل کے موتی فکر ونظر کے ستارے علم وفضل کے شہسوار تاریخ کے یگانہ روزگار کے القاب سے جن کو یاد کیا جاتا ہے۔ موصوف ممدوح کی شخصیت ان شخصیات میں سے ایک ہے (کہ جو زمانہ کے سپرد نہیں ہوتی بلکہ جن کے سپرد سارا زمانہ ہوتا ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ محبوبیت، ہردلعزیزی، قبول عام، بلاتفریق مذہب ومسلک آپ کو حاصل ہے، آپ خود ایک عہد ہیں عہد ساز اور عہد آفریں ہیں، آپ جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے نع

مت سہل ہمیں جانو! پھرتا ہے فلک برسوں ❁ تب خاک کے ذرے سے انسان نکلتے ہیں

ظاہری ٹیپ ٹاپ تکلف وتصنع سے جو انتہا درجہ بیزار ہو، سادگی جس کا وصف خاص ہو، بیسیوں مدارس جن کی سرپرستی میں مصروف عمل ہوں اور ہزاروں انسان جن کی نگاہ التفات سے راہ یاب ہوں ایسا مرد درویش ومسیحا دور تک نظر نہیں آتا، حتی کہ زمانہ بھی اس کے لیے زبان حال سے یہی کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے؟

❁❁❁

علم وفن کا ماہر، ایک خوددار انسان

از۔ ابن ابن الانور شاہ کشمیریؒ سید وجاہت شاہ قیصر دیوبند

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی نسبت کی وجہ سے گذشتہ چالیس سال میں عالم اسلام کی عظیم اور منفرد شخصیتوں کو دیکھنے پڑھنے اور سمجھنے کا شرف حاصل ہوا میرا ایک مزاج ہے کہ مجھے آدمی جو پہلی نظر میں بھاتا ہے اس سے پھر نفع ہو یا نقصان رشتہ دل کا قائم ہو جاتا ہے اسی وجہ سے میں نے تعلقات میں ۸۰ر فیصد نقصان اٹھایا ہے مگر جو ۲۰ر فیصد فائدہ ہوا ہے اس فائدہ میں بونس کی شکل میں میرے پاس سرپرست دوست اور رہنما کی شکل میں قاری ابوالحسن اعظمی صاحب ہیں ان حضرت سے میرا صرف دل کا رشتہ ہے جو ۱۰۰ ار شتوں پر بھاری ہے قاری صاحب جس میدان کے ماہر ہیں اس میدان سے میری وابستگی برائے نام ہے مگر بحیثیت قلم کار مقرر مخلص دوست اور شفیق رہنما کی شکل میں میری ان کی ذات سے وابستگی بیحد مضبوط ہے۔ قاری صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ عظیم بکڈپو جامع مسجد دیوبند سے ہوا یہ مکتبہ بھی اپنی ایک خصوصیت رکھتا ہے، یہاں ہر علم وفن کے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے، علماء شعراء محققین اور ادباء وغیرہ ہیں کبھی مولانا سعید پالنپوری بھی نظر آیا کرتے تھے۔ اور جلد ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ یہ صاحب جو مختصر قد وقامت کے ہیں ہر موضوع اور میدان کے مرد میدان ہیں قاری صاحب کی سب سے بڑی دولت علم وفن کے ساتھ ساتھ ان کی خودداری ہے جس کو وہ وقار کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہیں اپنے قول اور فعل کے بے حد پختہ، قاری صاحب زندگی کے میدان میں سمجھوتوں میں یقین نہیں رکھتے ہیں بیحد مہمان نواز ضرورت کے وقت انتہائی خاموشی سے مدد فرمانے والے ہیں اگر مجھ سے کوئی کہے کہ صرف ایک لفظ میں قاری صاحب کی شخصیت کو بیان کیجیے تو میرا جواب صرف انسان ہوگا جو موجودہ دور میں ہمارے بیچ میں کہیں کھو کر رہ گیا ہے مگر قاری صاحب کی شکل میں ہفتے دس دن میں دکھائی دے جاتا ہے۔

مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
ایک شخص، ایک اکیڈمی

(از: پروفیسر محمد سلیمان/ سابق صدر شعبۂ ہندی مرکز المعارف، دیوبند

مارچ ۱۹۸۲ء میں جس وقت احقر مرادآباد کے مدرسہ شاہی کے حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ محلہ لال باغ ہاسٹل میں قیام پذیر تھا، نیز قرآن پاک کا ہندی زبان میں ترجمہ اور تفسیر لکھنے کے کام میں مصروف تھا اسی دوران میری ملاقات حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب سے ہوئی ابھری ہوئی وسیع پیشانی آنکھوں میں غیر معمولی چمک اور گفتگو میں کڑک۔ جناب والا کے اس انداز سے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ شخص کسی خاص اہلیت کا مالک ہے۔

مارچ ۱۹۸۳ء میں جب احقر دیوبند چلا آیا تو حضرت قاری صاحب بھی دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تجوید سے وابستہ ہوگئے۔ لکھنے پڑھنے کا شوق اور ملنساری آپ کی زندگی کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی ملنے والا آپ کی درسگاہ کے سامنے سے آپ کی گرما گرم چائے پیے بغیر گذر جائے احقر نے کئی مرتبہ درسگاہ کے سامنے سے بچ کر نکلنا چاہا لیکن نہ جانے کس طرح آپ نے اپنی شفیق نظروں سے دیکھ لیا اور اپنے شاگردوں سے بلوالیا، جیسے ہی سامنے پہنچا دو چار نرم گرم سنائیں اور پھر تھرماس سے گرم چائے نکال کر میرے سامنے رکھدی۔ ایسی صورت میں انکار کی گنجائش نہ رہتی۔ پھر سوال کرتے کہ کیا کام چل رہا ہے؟ یعنی آج کل کیا لکھا اور کیا پڑھا جارہا ہے میں بھی جواباً کہہ دیتا کہ ارے صاحب ہمارا کیا لکھنا۔ کیا پڑھنا؟ آپ بتلائیں کہ ایک ٹرک کتابیں شائع ہوچکی کہ نہیں؟ میرے اس جملہ پر قاری صاحب

ایسا حسین قہقہہ لگاتے کہ محسوس ہوتا کہ گلستاں میں سینکڑوں گلاب ایک ساتھ مسکرا اٹھے ہوں اس کے بعد اپنے کسی شاگرد سے کوئی نئی طبع شدہ کتاب کا نسخہ لانے کا حکم دیتے کتاب آتی اور قاری صاحب اپنے دست مبارک سے اس پر دستخط مع تاریخ ڈال کر کتاب کو یادگار بناتے اور پھر احقر کے ہاتھوں میں تھما دیتے۔

بہت لوگ لکھتے ہیں کچھ لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں، لیکن قاری صاحب کا لکھنا ان سب حضرات سے الگ ہے۔ تجوید ایک ایسا موضوع ہے جو تقریبا خشک ہے اور بہت مختصر اور محدود اس لیے اس موضوع پر بہت زیادہ لکھنا کمال کی حیثیت رکھتا ہے، میری ناقص معلومات کے مطابق حضرت قاری صاحب تجوید کے موضوع پر پچاس سے زیادہ کتابیں مرتب کر چکے ہیں جو کہ شائع ہو چکی ہیں قلم کے ایسے دھنی اس دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔ قاری صاحب ایک شخص ہی نہیں بلکہ ایک اکیڈمی ہیں۔

الحمد للہ ابھی آپ کی جوانی برقرار ہے قلم میں جان ہے حوصلہ ذوق اور جذبہ برقرار ہے مزاج میں آن اور دل میں شان موجود ہے اور سامنے کلام اللہ ہے۔

خداوند کریم سے دعا ہے کہ یہ سب چیزیں قائم و دائم رہیں۔ صحت اور عمر کا ساتھ نبھاتی رہیں۔ آمین۔

اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں ؏

کوئی ہم کو بھول جائے کچھ نہیں اس کا خیال
جن کو دہرائیگی محفل ایسے افسانے ہیں ہم

❁❁❁

دامنِ گل چیں

از: (قاری) محمد اکرام (صاحب) مہتمم مدرسہ دار العلوم صدیقیہ تلہیڑہ ہریدوار

میں اپنے قاری صاحب کے سلسلے میں کہاں سے بات شروع کروں، اور کیا عرض کروں، مضامین اور عنوانات کا تو ہجوم ہے، میری معروضات میں کوئی ترتیب نہیں ملے گی۔

ابھی حال کی عظیم شخصیت، میرے شیخ عارف باللہ حضرت مولانا باندوی صاحبؒ نے ۱۴۱۳ھ میں حرم شریف کے بالکل جوار میں بیٹھ کر ایک صاحب سے فرمایا: ''قاری صاحب فن قراءت کے امام اور مجدد ہیں''۔

حضرت باندویؒ ایک بار دہلی کے مدرسہ باب العلوم جعفرآباد میں تشریف لائے، کھانے کا وقت ہوا تو حضرت باندوی صاحبؒ نے فرمایا: ''بڑے قاری صاحب کو بلوالیں'' تو حضرت کے خادم نے بآواز بلند پکار کر کہا ''قاری ابوالحسن صاحب کہاں ہیں، حضرت یاد فرما رہے ہیں'' خادم کی یہ آواز سن کر حضرت نے خفگی کے ساتھ خادم سے فرمایا: ''نام کیوں لیتے ہو، مجھے شرم آتی ہے، بڑے قاری صاحب کہہ کر معلوم کرو''

اسی مدرسہ باب العلوم دہلی سے حضرت باندویؒ کو مولانا مفتی ظفر الدین صاحب کی دعوت پر آپ کے وطن ''مہوں'' میوات جانا تھا۔ حضرت باندوی صاحبؒ نے فرمایا: ''قاری صاحب کو میرے پاس بٹھادو'' پھر حضرت نے کچھ اشعار سنائے اور قاری صاحب کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا:

''قاری صاحب مجھے آپ سے عقیدت بھی ہے اور محبت بھی اور اتنی ہے کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا''۔

یہ منظر بندہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ حضرت باندوی صاحب تا حیات آپ کو اہتمام کے ساتھ پہلے آپ کو خط لکھ کر وقت مانگتے اور پھر دفتر اہتمام کو خط لکھتے کہ

آپ کی رخصت منظور فرما کر روانہ فرمائیں، آپ ہی کے دیے ہوئے وقت پر اپنے مدرسہ باندہ میں تجوید وقراءت کا امتحان رکھتے کبھی آپ کو اپنا تابع بنا کر نہیں لکھا اور امتحان تو محض ایک بہانہ ہوتا اصل تو شعبہ کی ترقی کے بارے میں مشورہ ہوتا۔

فکر مردم گری

حضرت قاری صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ صرف پڑھاتے نہیں بلکہ حقیقت میں کام کے افراد تیار کرنے کا فکر ہر وقت دماغ پر چھایا رہتا ہے۔ طالب علم درسگاہ سے بغیر کچھ حاصل کیے نہ چلا جائے۔ حضرت کی تیز نگاہ سر سے لیکر پیر تک، لباس وضع قطع، اٹھنے بیٹھنے، حاضری غیر حاضری، درسگاہ کے اوقات کی مکمل پابندی ہر وقت رہتی ہے۔ ان امور میں اور دیگر تمام تعلیمی وعملی امور میں ادنیٰ کوتاہی برداشت نہیں۔ اتباع سنت کی تاکید رہتی ہے۔

مدرسہ میں حاضری اور وقت کی پابندی

مدرسہ میں خود آپ کی حاضری اور وقت کی پابندی کی مثال تو دور دور ڈھونڈھنے سے نہ ملے گی۔ ایک واقعہ یاد آیا:

ایک بار آپ بمبئی تشریف لے گئے، واپسی کا ٹکٹ جمعہ کے دن کا ملا، جبکہ اگلے ہی روز ہفتہ کی صبح کو مدرسہ میں حاضری تھی۔ جس گاڑی سے ریزرویشن ہوا تھا وہ کسی قیمت پر ہفتہ کی شب میں یا علی الصباح دیوبند نہیں پہنچا سکتی تھی۔ ادھر درسگاہ میں اول وقت پر حاضری کا فکر۔ پھر کیا کیا، ٹرین کا ٹکٹ واپس کر دیا اور زیادہ روپے خرچ کر کے ارجنٹ ٹکٹ ہوائی جہاز کا منگوایا اور اس طرح آپ آئے۔

آپ کے تجربات اور فراست کا یہ حال تھا کہ طالب علم پر ایک نظر ڈالتے ہی پہچان لیتے اور فرما دیتے تھے کہ یہ طالب علم کتنا پڑھنے والا ہے، اور دارالعلوم میں یہ تو بہت مشہور تھا کہ پڑھنے والا ہی آپ کے پاس رہ جاتا تھا۔

مجھے خوب یاد ہے، دارالعلوم میں آپ کے تشریف لانے سے پہلے یہ بات مشہور تھی کہ یہ شعبۂ تجوید تو شعبہ تفریح ہے۔ آج یہ ساری چہل پہل اور رونق آپ کی

شب وروز کی جدوجہد اور لگن کا نتیجہ ہے۔

فن قراءت میں ایسے باکمال اور ماہر کہ کتنا ہی دقیق اور پیچیدہ مسئلہ سامنے آجائے، جواب میں اتنی برجستگی کہ لگتا تھا کہ پہلے سے تیار منتظر ہوں اور ایسا مدلل، مکمل اور تسلی بخش کہ سائل کے رواں رواں سے طمانیت اور خوشی نمایاں ہو۔

یہ واقعہ تو میرا خود دیکھا ہوا ہے کہ جب آپ ہردوئی حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہاں ایک عید سی ہو جاتی، حضرت قاری صاحب کو دیکھنے اور جاننے سے پہلے ہردوئی کے حاضرین باہم دگر سوال کرتے، قاری ابوالحسن صاحب آئے ہیں کیا؟ کیوں کہ یہاں یہ چہل پہل اور حضرت والا کا یہ حال تو جب ہی ہوتا ہے۔

حضرت ہردوئی بڑے ہی اہتمام کے ساتھ درسگاہ کی بڑی عمارت میں تمام طلبہ اور اساتذہ کو جمع فرماتے، مائک اور ٹیپ ریکارڈ کا اہتمام ہوتا، خود حضرت بنفس نفیس چارپائی پر جلوہ فرما ہوتے، حضرت قاری صاحب کی دونوں انواع میں یعنی ترتیلاً وحدراً طویل تلاوت ہوتی، ویسے تو حضرت قاری صاحب کی عادت عموماً مختصر تلاوت کی رہتی ہے، مگر یہاں ہردوئی میں ایک تو حضرت والا کی فرمائش ''اور، اور'' کی ہوتی اور خود حضرت قاری صاحب کو یہاں بہت ہی نشاط رہتا۔

حضرت قاری صاحب کا انداز تلاوت، لب ولہجہ، آواز کی کشش، ادائیگی میں کمال۔ خواہ یہ تلاوت نماز پنجگانہ میں، جمعہ میں۔ یا جلسہ عام یا مجلس خاص میں ہوتی، تاثیر کا یہ عالم ہوتا کہ بے اختیار سامعین میں سے بہتوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ اور ''وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا'' (انفال آیت ۲) کا منظر سامنے ہوتا۔

۱۹۷۸ء، ۱۹۷۹ء کی بات ہے، میں مدرسہ تجوید القرآن روڑکی میں حفظ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، حضرت قاری صاحب مدرسہ رحمانیہ روڑکی کی جامع مسجد میں تراویح میں قرآن کریم سنانے کے لیے بلائے گئے تھے، آخری ایام تھے انتیسواں پارہ پڑھا جانا تھا۔ پہلی ہی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے آخری لفظ ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کی آواز اور

ادائیگی ایسی روح پرور اور وجد آفریں تھی کہ میں تو والہ وشیدا ہوگیا، تمنا نے دل میں شاگردی اور خدمت میں حاضری کی انگڑائی لی، آپ اس وقت مدرسہ اصغریہ دیوبند میں تھے، خیال ہوا کہ تکمیل حفظ کے بعد حاضری دونگا، میری تکمیل کے بعد آپ مرادآباد چلے گئے، میں ابھی کم سن، اتنی دور جانا میرے لیے مشکل، میرا عجیب حال تھا، مگر اللہ کی قدرت، مراد برآئی، آپ کا جب دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا تو اس وقت بندہ رحمانیہ روڑکی میں عربی کا طالب علم تھا، بس پھر کیا تھا، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے لیے حاضر ہوگیا، دعا کرتا رہا کہ کامیاب ہوکر آپ ہی کے پاس تعلیم کا نظام ہوجائے۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اسی درسگاہ میں تین سال قیام بھی رہا۔ اور وہ تعلق اور نسبت جو یوم اول قائم ہوئی تھی بحمداللہ آج تک ہے بلکہ روز افزوں ہے۔

صفائی معاملات

آپ کا معاملات کی صفائی پر بہت زور ہے، فرمایا کرتے ہیں کہ معاملات صاف ستھرے رکھنے میں محبت بڑھتی ہے اعتماد بڑھتا ہے۔

بے خوفی اور بیباکی

بے خوفی اور بیباکی تو مثالی ہے، معلوم ہوا کہ یہ والد مرحوم کی وراثت ہے۔ بات کیسی بھی ہو، بے لاگ، بے جھجک صفائی کے ساتھ کہہ دیتے ہیں، جھجک اور لاگ لپٹ کا یہاں گذر نہیں۔ حضرت کی مجلس میں بڑے بڑے اساتذہ کرام کو دیکھا، ان کے سامنے کوئی مسئلہ ہوتا، صاف صاف بیان کردیتے، بعض امور میں بڑے بڑوں کو پسینہ آتے دیکھا، مگر داورے بے خوفی اور ہمت کہ آپ میں مسئلہ کی سنگینی کا ادنیٰ اثر نہیں، جو کچھ کہنا ہوتا، کہہ دیتے اور لہجے اور انداز میں بھی کوئی نرمی اور لچک نہیں۔

غیور طبیعت

علم تجوید وقراءت اور اس کے خدام کے سلسلے میں اللہ رب العزت نے آپ کے اندر زبردست غیرت عطا فرمائی ہے، اگر کسی کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی تحقیر یا حقارت کا انداز دیکھتے ہیں تو اس وقت

آپ کا جلال دیدنی ہوتا ہے، اور یہ سب کچھ کلام الٰہی کی عظمت اور اس کے ساتھ محبت کا نتیجہ ہے، قرآن کریم کی کما حقہ خدمت جہاں کہیں بھی ہوتی ہے اس مدرسہ کو اسکے خدام کو اپنا مدرسہ اور خادم کو اپنا ہی آدمی سمجھتے ہیں، قرآن کریم کے مدارس کے خدام سے بتاکید فرماتے ہیں کہ '' آپ حضرات کبھی اپنے مدرسہ کو ایک چھوٹا سا مدرسہ نہ کہیے، ذرا سوچئے کہ جہاں سب سے بڑے کی سب سے بڑی کتاب کا درس ہو خواہ لفظاً ہی ہو وہ چھوٹا کیسے ہوسکتا ہے، یاد رکھیے، اینٹ و پتھر کے ڈھیر کا نام مدرسہ نہیں ہوتا اگر آپ ہی اپنی زبان سے اپنے مدرسہ کو چھوٹا کہیں گے تو پھر دوسرے سے اس کی توقیر کی کیا امید لگائیں گے''۔

اس کی ہمہ وقت خبر گیری، اس کی دیکھ ریکھ کا مستقل فکر، اس سلسلے میں اپنے ہی مدرسہ کا واقعہ ذکر کروں گا۔

ایک مرتبہ دیوبند سے کسی پیشگی اطلاع کے بغیر مدرسہ صدیقیہ ظہیرہ تشریف لارہے تھے، چوں کہ پہلے سے تشریف آوری کا پروگرام نہیں تھا، دیوبند سے بعد عصر روانہ ہوئے، اقبال پور پہنچتے پہنچتے عشاء کا وقت ہوگیا، سردی کا زمانہ، مزید برآں بارش ہونے لگی، ریلوے پھاٹک پر سواری کا انتظار کرتے رہے، تاخیر کے باعث کوئی سواری نہ ملی، اسی حالت میں پیدل چل دیے رات کا وقت، سارا راستہ جنگل کا ساڑھے تین کلو میٹر کی دوری، تلاوت قرآن کرتے ہوئے عشاء کی نماز کے بہت بعد مدرسہ پہنچے، بارش میں سب کپڑے بھیگے ہوئے، ٹھنڈ الگ، اور جس کی محبت میں یہ تکلیف دہ سفر کیا وہ بھی مدرسہ سے غائب! کیا عرض کروں، بھلا اس اخلاص ومحبت کا کیا ٹھکانا۔

اسی طرح ایک بار روڑکی کے راستے سے بغیر اطلاع کے تشریف لارہے تھے، روڑکی سے تاخیر کے باعث سواری نہ ملی تو ٹرک سے اس کے باہری حصہ میں بیٹھے کھڑے آنے لگے، اس وقت بھی موسم ایسا ہی تھا، سردی کے زمانہ کی بارش بھیگتے ہوئے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے، پیدل چل پڑے، ادھر سے بھی راستہ ویسا

ہی، سڑک کے دونوں طرف جنگل، آئے دن لوٹ مارا اور چوری کے واقعات اس راستے پر ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی پوہانہ سے کچھ ہی راستہ طے ہوا ہوگا کہ بدمعاشوں نے آواز دی ''یہیں رک جاؤ'' لیکن آپ رکے نہیں چلتے رہے۔ بدمعاشوں نے پھر کہا ''رک رہے ہو یا نہیں؟'' آپ نے چلتے چلتے فرمایا ''بھائی میں تو رکوں گا نہیں، آپ لوگ آنا چاہیں، آ جائیں'' حضرت قاری صاحب تلاوت قرآن کرتے ہوئے آگے ہی بڑھتے رہے، خدا کی قدرت، وہ سب واپس ہو گئے، بعد میں فرمایا ''یہ قرآن کریم کی برکت ہے'' جمعرات تھی، تقریباً تمام طلبہ سو گئے تھے۔ اساتذہ بھی سونے کی تیاری میں تھے کہ آپ بارش میں بھیگتے ہوئے ٹھنڈک سے ٹھٹھرتے ہوئے مدرسہ پہنچے۔ اور یہاں وہی ہوا کہ جس کے لیے آئے تھے۔ وہ اس بار بھی غیر حاضر! اگلے روز جب میں پہنچا تو ساری صورت حال معلوم کر کے رونا آ گیا، روتے ہوئے عرض کیا، حضرت اطلاع فرما دیا کریں، اتنی ساری زحمت اٹھاتے ہیں، ہم خدام کو آپ کی اس حالت سے بڑی تکلیف ہے، فرمایا! ارے بھائی! پہلے سے ارادہ کب ہوتا ہے، طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے، کوئی خارجی، یا ذہنی پریشانی ہوتی ہے بس اچانک آپ کے یہاں کا ارادہ ہو جاتا ہے اور جس حال میں ہوتا ہوں چل پڑتا ہوں''

ایک بار فرمایا: آپ مدرسہ میں یا ٹلہیڑہ میں موجود نہیں ہوتے ہیں جب بھی یہاں آ کر بیحد قلبی سکون حاصل ہوتا ہے، اور یہ صرف اس نسبت کی تاثیر ہے، جو اس مدرسہ کو حضرت مولانا باندوی صاحبؒ سے حاصل ہے''۔

حضرت باندوی صاحبؒ نے اپنے وصال سے پہلے ایک بار دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر جب حضرت قاری صاحب، حضرت باندوی صاحب کو رخصت کرنے آئے تھے میں بھی ہمراہ تھا، حضرت باندوی صاحب نے بڑی محبت اور توجہ کے ساتھ تاکید فرمایا:

''قاری صاحب! میری غیر موجودگی ہی میں نہیں، ابھی سے میں آپ کو مدرسہ صدیقیہ ٹلہیڑہ کا سرپرست بناتا ہوں''۔

حقیقت یہ ہے کہ مدرسہ صدیقیہ آج انہیں بزرگوں کی دعاؤں اور توجہات کا ثمرہ ہے۔

اخفاءِ ذات آپ کا انداز گفتگو، لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے آپ کا طرز ایسا رہتا ہے کہ دور سے دیکھنے والے سمجھ نہیں سکتے، آپ کو جسے سمجھنا ہو قریب سے دیکھے، آج کل کے مریدوں اور پیروں کی طرح نہیں ہیں کہ ہر وقت ظاہری ہو، حق اور ہاتھ میں تسبیح، مگر خلوتوں کا حال خدا کی پناہ۔ چوں بہ خلوت میروند آں کار دیگر میکنند!

آپ کے ہاتھ میں تسبیح نہیں رہتی، مگر ایسا بھی نہیں کہ تسبیح، اللہ کی حمد اور تسبیح سے غافل بھی رہتے ہوں، جب ہاتھ جیب میں جاتا ہے تو قریبی لوگوں کو جو حضرت کے حال سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں، سمجھ جاتے ہیں کہ جیب کے اندر انگلیاں تسبیح کے دانوں پر پھر رہی ہیں۔

آپ نے خود کو مزاح کے پردے میں چھپا رکھا ہے، کتنے لوگوں نے مجھ سے پوچھا، قاری صاحب کیسے آدمی ہیں؟ میں ان سے عرض کرتا ہوں، کیا پوچھتے ہو، خدا کی قسم بیس سال سے دیکھتا آرہا ہوں، دور سے نہیں، قریب سے، بہت قریب سے، سفر میں، حضر میں، خلوت میں اور جلوت میں، میں نے ایسا مشفق، مہربان، محسن اور مربی استاذ نہیں دیکھا۔

معمولات اوقات کا صحیح استعمال اس کی مکمل پابندی تو کوئی آپ سے سیکھے، نماز فجر سے پہلے اپنے معمولات سے فارغ ہو جانا۔ بعدہ نماز فجر، پھر مدرسہ کے گھنٹے اور اس کے وقت سے پہلے قراءت سبعہ عشرہ کی ایک بڑی جماعت کو اس کی نصابی کتاب پڑھانا، اور اجراء۔ ناشتہ مدرسہ ہی میں آتا ہے، ایک طویل عرصہ تک یہ معمول کہ ناشتہ کر رہے ہیں اور مدرسہ کے اوّل وقت کے طلبہ کو سن رہے ہیں۔ ناشتہ کے لیے الگ سے کوئی وقت نہیں، تقریباً پورے اکیس سال تک یہی معمول، مدرسہ کے وقت سے ایک منٹ کی تاخیر کا کیا سوال، فجر کے بعد سے ہی درسگاہ میں پڑھنے پڑھانے میں

معروف، اور اب تقریباً تین سال سے چوں کہ نیا مکان ذرا مدرسہ سے دور ہے اس لیے بعد فجر کا درس مکان پر، اور پھر ناشتہ کر کے اتنے پہلے مدرسہ کے لیے چل دینا کہ گھنٹے سے کم از کم پانچ منٹ پہلے درسگاہ میں پہنچ جائیں، بارہا ایسا ہوا کہ ناشتہ تیار، دسترخوان بچھا ہوا، مگر آپ دس منٹ کی تاخیر کے لیے تیار نہیں، ناشتہ چھوڑ کر مدرسہ چلے آئے، اہلیہ محترمہ چائے ہاتھ میں لیے کھڑی ہیں کہ کم از کم چائے ہی پی لیجیے، مگر آپ یہ فرماتے ہوئے چلدیے کہ، پہلے سے خیال کیوں نہیں ہوتا، اللہ، اللہ، وقت کی پابندی کا ایسا خیال۔ جب کہ آنکھیں روزانہ ہی مشاہدہ کرتی ہیں کہ بعض اساتذہ بیس منٹ اور بعض کا تو تیس منٹ اور پینتالیس منٹ تاخیر سے آنے کا معمول سا ہے، کوئی جب چاہے دیکھ لے، مگر اسی ماحول میں آپ کا یہ حال ہے، بعض لوگوں نے آپ سے کہا بھی کہ آخر آپ بھی کچھ تاخیر سے آئیں تو کیا حرج ہے۔ آپ کا جواب صرف یہ ہے کہ: بھائی! یہ اپنا اپنا معاملہ ہے، میں اس تاخیر کو دیانت کے خلاف سمجھتا ہوں" چوں کہ آپ کا معمول یہی ہے اس لیے طلبہ پہلے ہی سے موجود وحاضر، جونہی گھنٹہ پر پہلی ضرب پڑی، فوراً سبق شروع، اس بیچ میں حسب ضرورت وموقع نصیحت آمیز واقعات، دل سوز خطاب، اور پرکیف اشعار سے نوازش، واردین وصادرین، اساتذہ کرام کی تشریف آوری، ان سے علمی گفتگو، ان کی خیریت اور استمزاج، مہمانوں کی مہمان نوازی۔

اب ادھر تین سال سے دوپہر کا کھانا بھی درسگاہ میں منگوا لیتے ہیں کہ صرف کھانا کھانے کے لیے جانا اور آنا کیا معنی؟ درسگاہ میں کھانا کھا کر قیلولہ، اور قیلولہ بھی کتنا، زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ، ظہر کی نماز سے بہت پہلے اٹھ کر کچھ بچے ہوئے تحریری کام کو نمٹانا۔ نماز ظہر سے ۲۰ر منٹ پہلے نماز کی تیاری، عام طور پر اذان سے پانچ منٹ پہلے مسجد میں حاضری، سنت پڑھ کر تلاوت قرآن کریم میں مشغول، نماز سے فراغت کے بعد سنت کی ادائیگی درسگاہ میں، واضح رہے کہ یہ معمولات پچیس سال سے یکساں انداز میں جاری ہیں، اس میں کوئی تخلف نہیں۔ اور ظہر کی سنت کے بعد ہی حدر والوں کا سبق

شروع، استاذ محترم کے اوقات کی قدر دانی میں کچھ توفیق یافتہ طلبہ ابتداء سے آپ کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ایک منٹ بھی ضائع نہیں، بعد ظہر دونوں جماعتوں کا فرداً فرداً حدر کی سماعت، عصر کا وقت ہوا اور آپ سیدھے مسجد میں، سنت کے بعد تلاوت قرآن کریم۔نماز کے بعد مغرب تک کبھی کسی مکتبہ میں اور اب تو صاحبزادے کے قائم کردہ مکتبہ صوت القرآن میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے ہیں، ورنہ عموماً، حضرت مولانا مدراسی صاحب مدظلہ، اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ کے پاس۔نماز مغرب کا وقت ہوا کہ آپ مسجد دارالعلوم میں، عموماً آپ نمازیں مسجد قدیم میں ادا کرتے ہیں، جمعہ کی نماز مسجد رشید میں پڑھتے ہیں، مغرب کے بعد پھر درسگاہ میں۔

یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ دارالعلوم میں جب سے آپ آئے ہیں، بعد مغرب درسگاہ میں موجودگی کا رواج اور معمول کسی کا نہیں رہا۔یہ معمول آپ کا شروع کردہ ہے، بعض استاذوں سے آپ نے فرمایا کہ اگر درسگاہ میں رہیں گے تو آپ کے طلبہ بھی پابندی کے ساتھ بیٹھیں گے اور اپنے اسباق محنت سے یاد کریں گے اس میں بہت فائدہ ہے۔چناں چہ آہستہ آہستہ اب یہ معمول سب ہی اساتذہ کا ہوگیا ہے، بلاشبہ اس کا اجر بھی آپ کو ملے گا۔

عشاء تک درسگاہ میں طلبہ کی نگرانی اور اتنی مضبوطی کے ساتھ کہ اس وقت کی حاضری پر دن بھر کی حاضری موقوف اگر اس وقت کوئی غیر حاضر تو گویا دن بھر غیر حاضر۔اس وقت میں آپ عموماً اپنے تحریری کاموں میں مشغول رہتے ہیں، کوئی صاحب آجاتے ہیں تو ان سے گفتگو بھی، عشاء کی نماز پڑھ کر سنت اور وتر درسگاہ میں ادا کرکے مکان روانہ، رات کا کھانا کھا کر گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے کے بعد سوجانا۔

نظام الاوقات کی مضبوطی کے ساتھ پابندی کی برکت یہ ہوتی ہے کہ تمام متعلقہ اسباق دارالعلوم کے تمام ہی اساتذہ سے پہلے مکمل ہوجاتے ہیں۔

مجاہدہ اور مشقت پسندی جب آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اچانک بغیر پہلے سے سوچے سمجھے، کسی قسم کی تیاری اور ارادہ کے بغیر داخلہ لے لیا تو سب سے بڑا مسئلہ اخراجات کا سامنے آیا۔ پہلے سے کچھ بھی پس انداز نہیں، فرمایا کہ اس کا حل یہ نکالا کہ ناشتہ بند کر دیا۔ کھانا ایک وقت اور وہ بھی بہت مختصر، اس سے اگر چہ صحت میں فرق آیا، مگر ساتھ ہی فائدہ بھی ہوا کہ اس دو سال میں طبیعت مشقت پسند ہو گئی۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مدرسہ اصغریہ میں بزمانۂ تدریس آپ نے ایک کتاب "کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ" (۵ جلدوں میں) خریدی اس وقت غالبًا ۱۳۹۸ھ میں قیمت ساڑھے چھ سو روپے تھی، مدرسہ اصغریہ کے ناظم صاحب سے عرض کیا کہ یہ اس طرح کی کتاب ہے میں اسے خریدنا چاہتا ہوں اگر آپ مجھے بطور قرض یہ رقم اس شرط پر دیدیں کہ ماہانہ صرف ایک سو روپے میری تنخواہ سے وضع کر لیں، تو میں اسے خرید لوں۔ ناظم صاحب نے اسے منظور کرتے ہوئے یہ رقم آپ کو دیدی، آپ نے کتاب خرید لی، مگر پھر کیا ہوا، پورے چھ ماہ تک جب تک قرض ادا نہ ہوا ناشتہ بند کر دیا۔ فرمایا کہ "مقروض ہو کر ناشتہ کرنا اچھا نہیں لگتا"۔

مہمان نوازی دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ دارالعلوم میں جتنے لوگ آپ کے پاس آتے جاتے ہیں، کسی استاذ کے پاس نہیں آتے جاتے، آپ سب کی تواضع اور میزبانی کی حسب موقع اور موسم کرتے ہیں۔ ایک خاصی رقم یومیہ واردین وصادرین پر خرچ ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو تو یہ تک کہتے ہوئے سنا ہے کہ آپ کو دستِ غیب حاصل ہے، واللہ اعلم!

طلبہ درسگاہ اور بعض عربی کے طلبہ پر بھی آپ ماہانہ ایک معتد بہ رقم خرچ کرتے ہیں، حالاں کہ خانگی اخراجات کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر فرماتے ہیں کہ جب تک کچھ ان پر خرچ نہ ہو جائے، اچھا نہیں لگتا"

تصانیف درسگاہ میں تعلیمی مشغولیات اور چوبیس گھنٹوں کے معمولات، پھر اسی کے ساتھ ملک کے اندر دور نزدیک امتحانات، جلسوں، کانفرنسوں اور مسابقات کے جلسوں میں شرکت اور سفر۔ دیکھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ تحریری کاموں کے لیے کب وقت نکالتے ہیں۔ تصانیف کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے، علم وفن کی تصنیفی، تالیفی وتشریحی خدمات اتنی بیش بہا ہیں کہ ہندوستانی قراء کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ ملک سے باہر ایشیاء سے بھی باہر ایسی مثال ذرا کم ہی ہوگی۔ یہی تو وجہ تھی کہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے آپ کو اس فن کا مجدد کہا، اور بالکل بجا کہا۔

آپ کے تلامذہ علم تجوید وقراءت کا فیض آپ کا اتنا طویل ہے کہ ہندوستان ہی میں، بیرون ملک عالم اسلام میں آپ کے فیض یافتگان کی بڑی تعداد ہے، سب کا احاطہ تو ناممکن ہے، صرف نمونہ کے طور پر چند کا نام لکھ دینا کافی ہوگا۔

جناب قاری بشیر احمد صاحب ملتانی، پاکستان۔ قاری عبدالحیؒ صاحب بنگلہ دیش۔ قاری عبدالجلیل صاحب منی پوری سابق استاذ دارالعلوم دیوبند حال مقیم لندن۔ قاری محمد یعقوب صاحب گجراتی، مقیم لندن۔ قاری محمد ابراہیم صاحب برمی رنگونی، مقیم لندن۔ قاری محمد عدنان صاحب مقیم شکاگو امریکہ۔ قاری جہانگیر ناصر صاحب سابق استاذ دارالعلوم دیوبند مقیم قطر۔ قاری محمد فاروق صاحب مقیم قطر۔ قاری عبدالماجد صاحب چاٹگامی مقیم قطر۔ قاری عبیداللہ افغانی۔ قاری عبیداللہ صاحب بنگلہ دیش۔ قاری محمد امجد صاحب مظفر نگری مقیم افریقہ۔ قاری عبدالقادر آسامی صدر شعبۂ قراءت مدرسہ شاہی مرادآباد۔ قاری کوثر صاحب صدر شعبۂ قراءت مدرسہ حیات العلوم مرادآباد، قاری مظہر علی فاروقی صاحب صدر شعبۂ قراءت مدرسہ عربیہ رحمانیہ ہتورا باندہ، قاری زکریا صاحب گونڈوی بمبئی، قاری اخلاق احمد صاحب سہارن پوری

صدر شعبۂ قراءت مدرسہ اسلامیہ بستی، قاری ارشاد احمد غازی آبادی صدر شعبۂ قراءت مدرسہ خادم العلوم باغوں والی ضلع مظفرنگر، مولانا قاری مفتی احمد سعید صاحب دیوبندی مہتمم المعہد العلمی الاسلامی دیوبند، قاری عبد القیوم صاحب مظفرنگری سابق استاذ قراءت دارالعلوم دیوبند، قاری محمد یوسف صاحب سہارن پوری استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند ،قاری آفتاب احمد صاحب امروہوی استاذ قراءت دارالعلوم دیوبند، وغیرہم۔

آخر میں معذرت

کیا عرض کروں، دل جذبات عقیدت سے بھرا ہوا ہے، جس کے اظہار کے لیے الفاظ کی تنگ دامانی کا گلہ ہے۔

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسن تو بسیار! حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے گلشن علم وفن، اوصاف وکمالات سے کچھ پھول اپنے دامن میں چنے تھے، جن میں سے یہ چند پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

❀❀❀

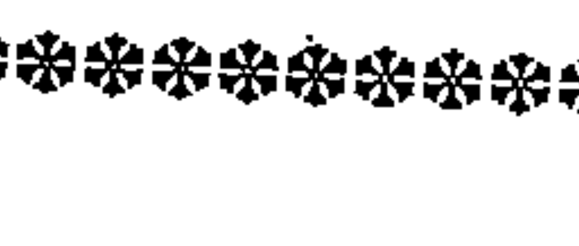

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

ایک باکمال اور عبقری شخصیت

از: قاری محمد یوسف صاحب/استاذ قراءت دارالعلوم دیوبند

رئیس القراء والمجودین استاذ الاساتذہ والمعلمین حضرت الاستاذ الحاج مولانا قاری المقری الشیخ ابوالحسن اعظمی۔دام ظلکم العالی صدر شعبۂ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند کسی تعارف کے محتاج نہیں۔آپ تو ایک عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیت ہیں آپ کے بارے میں کوئی تاثر قائم کرنا آفتاب نصف النہار کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے آپ ایشیاء و برصغیر کے چند گنے چنے فنی قاریوں میں سرفہرست عالی مرتبت شخصیت کے حامل ہیں۔ہندوستان میں بمبئی کی ایک تنظیم نے آپ کی خدمات جلیلہ اور علمی تفوق کی بناپر ایوارڈ سے بھی نوازا ہے۔اللہ رب العزت نے آپ کے اندر بہت سی متنوع صفات اور علوم ومعارف کے خزائن ودیعت کرر کھے ہیں۔جہاں حق گو وحق پرست ہیں وہیں آپ خوش مزاجی ملنساری اور مہمان نوازی کی صفت سے بھی بہرہ ور ہیں۔آپ دور حاضر میں تجوید وقراءت کے امام وفنی قاری ہی نہیں بلکہ آپ انسانیت ساز مردم گرمحسن ومشفق اور ماہر علم وفن مدرس اور معلم بھی ہیں آپ ایسے آفتاب ومہتاب ہیں جن سے اکتساب فیض کرکے ہزاروں کی تعداد میں نجوم وکواکب چہار دانگ عالم کے افق پر چمکتے ہوئے نور افشانی کرر ہے ہیں:

له شُهُبٌ عنهُ استارت فنورت ۞ سواد الدجى حتى تفرق وانجلا

آپ نے بنفس نفیس خدمت قرآن کریم وتجوید وقراءت پر جتنا کام کیا ہے شاید ہی دور حاضر میں کسی نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہو۔بلکہ یوں کہا جائے کہ جوکام ایک مستقل اکیڈمی اور انجمن کے کرنے کا تھا وہ خود آپ نے تن تنہا انجام دیا ہے جیسا کہ آپ کی تصانیف کثیرہ اس پر شاہد عدل ہیں۔اس بیش بہا قیمتی سرمایہ پر آپ کو جتنا بھی خراج تحسین وعقیدت پیش کیا جائے کم ہے۔قرآن پاک سے آپ کا تعلق چولی دامن سے کم نہیں۔یہی

وجہ ہے کہ جب بھی آپ قرآن پاک سے متعلق معلمین و متعلمین کے ساتھ ذمہ داران مدارس کا غلط رویہ دیکھتے ہیں تو آپ کا جذبۂ ایمانی عقیدت ومحبت وحمیت قرآنی جوش مارنے لگتا ہے پھر آپ ایک مردِ مجاہد ومومن کامل کی طرح جس طرح سے اس کا دفاع کرتے ہیں وہ ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ جب آپ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے ہیں تو ہر حرف اپنے مخرج وصفات واصول وقواعد کے ساتھ جچے تلے انداز میں ایسا صاف اور شفاف ادا ہوتا ہے جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے جواہر یواقیت ولؤلو ومرجان کو بکھیر دیا گیا ہو۔ لب ولہجہ وحسن ادائیگی اور خوش آوازی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ سامع کی خواہش ہوتی ہے کہ اور پڑھتے جائیں۔ کیوں کہ آپ کی تلاوت کی حلاوت وچاشنی وحسن انداز ایسا ہوتا ہے جو قلب وجگر پر اثر انداز ہو کر انابت الی اللہ کا سبب بن جاتا ہے اور عصیاں آلود دل پر صیقل کا کام کرتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی نعت خوانی واشعار گوئی کا بھی ایک انوکھا ونرالا انداز ہوتا ہے بقول مولانا خضر محمد صاحب کشمیری استاذ دارالعلوم دیوبند کہ میں نے جو بات آپکی نعت خوانی میں پائی ہے وہ کسی اور قاری صاحبان میں نہیں پائی آپ کسی چیز کے متعلق خطاب فرماتے ہیں تو آپکے تخیل کی نہروں اور فکر رسا کی بحروں میں فصاحت وبلاغت میں ڈھلی ہوئی تعبیروں کی موجیں اس طرح موجزن ہوتی ہیں جیسے اونچی چٹان کے بھرپور اور زبردست چشمے سے گرنیوالی بے طرح آبشار پانی کی موجیں لہریں لیتی ہیں۔ کسی بامقصد جملہ کی ماہرانہ تراش لائق توجہ تعبیر کی ساخت آپ کے گھر کی کنیز بن کر رہ گئی ہے۔

حضرت قاری صاحب کی ذات بابرکات ایک ایسا سرچشمہ ومنبع علم وعرفان ہے جن کی توجہ ونظر شفقت نے دارالعلوم جیسی مرکزی جگہ میں بھی بہت سوں کو مرکزی حیثیت ومرجع خلائق بننے کے قابل بنادیا ہے۔ راقم الحروف بھی حضرت ہی کے خوشہ چینوں میں سے ایک ادنیٰ سا خوشہ چیں ہے جن کی توجہ ونظر عنایت نے مجھ جیسے عاصی وتہی دامن کو قرآن پاک کی خدمت کے قابل بنایا۔

لاکھوں میں امتیاز کے قابل بنادیا ❁ جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل بنادیا

اگر چہ تجوید حفص اردو حضرت قاری عبداللہ کلیم صاحب قاسمی استاذ شعبۂ حفظ دارالعلوم دیوبند کے پاس حاصل کی مگر حضرت قاری صاحب کے مشورہ سے عربی حفص قراءت سبعہ وعشرہ کی تکمیل باضابطہ طور پر مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر حضرت موصوف ہی کے پاس رہ کر حاصل کی۔ میں ان حضرات کا بے حد ممنون ومشکور ہوں۔ اور ان حضرات کی طرف انتساب تلمذ کو باعث صد افتخار سمجھتا ہوں ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل ❀ نسیم صبح تیری مہربانی

آپ کی تعلیمی تصنیفی تالیفی قابلیت وصلاحیت محتاج بیان نہیں روز روشن کی طرح عیاں ہے الحمد للہ آپ کی جد وجہد اور کاوش شب وروز بام عروج پر ہے۔ تنقید وحسد اور مخالفت کی تیز وتند ہوا کی پروا کیے بغیر اپنی تمام تر توجہات قرآن کریم ودین حنیف کی خدمت کی طرف مرکوز کیے ہوئے ہیں۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا!اے عقاب ❀ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

مبداءِ فیاض نے آپ کو کام کرنے کا قابل رشک اور نرالا سلیقہ عطا کیا ہے جو صدیوں میں ہزاروں میں کسی کو ملتا ہے۔ آپ کی قربت سے وہ تجربات حاصل ہوتے ہیں جو زندگی کے لیے مشعل راہ اور سنگ میل کا کام دیتے ہیں۔ آپ صوم وصلوۃ تقوی اور پاکبازی سے متصف خانوادۂ تھانوی سے منسلک صاحب نسب بزرگ تکبیر اولی کے پابند ہونے کے ساتھ ساتھ درسگاہ میں بروقت حاضری یہ ایک ایسی دیانت وامانت والی صفت ہے جو بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی ہے اللہ آپ کی نظر بد سے حفاظت فرمائے آمین ان سب صلاحیتوں قابلیتوں اور اوصاف جمیلہ وخصائل حمیدہ کی وجہ سے علامہ شاطبیؒ کا وہ شعر جو آپ نے قراء حضرات کے سپاس گذاری میں ارقام فرمایا ہے۔ آپ پر بھی بخوبی صادق آتا ہے۔

جَزَى اللّٰهُ بِالْخَيْرَاتِ عَنَّا اَبَا الْحَسَنْ ❀ لَنَا نَقَلَ الْقُرْاٰنَ عَذْبًا وَّ سَلْسَلَا

اللہ رب العزت آپ کو مزید ترقیات سے نوازے آپ کا سایہ تادیر قائم فرمائے آمین۔

❀❀❀

ایک پابند اوقات، حق گو اور ماہر فن مصنف

از: قاری مفید الاسلام صاحب کلکتوی
استاذ تجوید مدرسہ دارلعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات

اس دنیائے رنگ و بو میں قدرت الٰہی بعض حضرات کو علم وفن کا وہ رنگ عطا کرتی ہے جو سب میں نمایاں ہوتا ہے، نیز اعمال حسنہ اور خلوص وللہیت کی وہ خوشبو مرحمت فرماتی ہے جس سے پورا عالم معطر ہو جاتا ہے، ایسی خوش قسمت شخصیات ہر دور میں رہی ہیں، ہمارے زمانہ میں بھی ہیں، میں جس ساقی مینا بدوش کی زندگی کی جھلک پیش کرنے جارہا ہوں وہ ایسی ہی خوش قسمت شخصیات میں سے ایک ہے، میری مراد محترم حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم (صدر القراء دارالعلوم دیوبند) ہیں۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا، اور مدرسہ میں داخلہ لیا تب ہی سے محترم قاری صاحب موصوف کا نام سن رہا تھا، اور دیدار کا اشتیاق بڑھتا جارہا تھا ایک دن رب کریم نے یہ سنہرا موقع بھی عنایت فرمایا۔ غالباً عربی سوم کا سال تھا قاری صاحب موصوف کو دارالعلوم فلاح دارین کے شعبۂ تجوید کے سالانہ اجلاس میں مدعو کیا گیا۔ حضرت قاری صاحب تشریف لائے اور اس مشتاق دیدار کو اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ زیارت نصیب ہوئی ملاقات سے سرفراز ہوا۔

پھر جیسے جیسے تجوید وقراءت کی کتابوں کا مطالعہ کرتا گیا قاری صاحب موصوف کی شخصیت سامنے آتی گئی اور سمجھ میں آیا کہ یہ شخص دیکھنے میں اتنا چھوٹا مگر اس میدان کا شہسوار ہے، پھر جب ۱۹۹۱ء سے فلاح دارین میں اللہ تعالی نے خدمت کا موقع عنایت فرمایا اور قاری صاحب سے کسی نہ کسی عنوان سے بارہا ملاقات کا موقع ملتا رہا

اور حضرت قاری صاحب ایسی شفقت سے پیش آتے رہے جیسے ایک مشفق استاذ اپنے شاگرد سے، اور جوں جوں قریب ہوتا گیا قاری صاحب کی زندگی سے انمول موتی حاصل ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ قاری صاحب کو صاف گو، حق گو، اور سچائی کا پیکر پایا، سامنے چاہے کتنا ہی بڑا شخص کیوں نہ ہو اگر کوئی کمی دیکھی بلا جھجک کہہ دیتے ہیں، خصوصاً فن تجوید وقراءت کے خلاف کسی کو بولتے یا کہتے ہوئے سنا تو بالکل بادل کی طرح گرجتے اور برستے ہیں جب تک قولاً عملاً جواب نہیں دیتے چین سے نہیں بیٹھتے، قاری صاحب کی زندگی میں ایک عجیب بات یہ بھی دیکھی جو آج کل کے قراء میں تقریباً مفقود ہے، وہ یہ کہ اگر دیوبند جاکر معلوم کرنا ہو کہ قاری صاحب کہاں ہیں تو فوراً ہر شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ اذان ہوجائے تو مسجد میں پہنچ جاؤ، بالکل منبر کے سامنے بیٹھ کر تلاوت کرنے والے جو ملیں گے وہ ابوالحسن صاحب ہیں اور یہ معمول ایک دو دن کا نہیں بلکہ برسہا برس سے چلا آرہا ہے۔

اور قاری صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ فجر سے پہلے گھر سے نکلتے ہیں اور عشاء کے بعد ہی گھر پہنچتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ نماز فجر کے بعد فوراً درسگاہ میں پہنچ جاتے ہیں اور بچوں کے اَسباق سننا شروع کردیتے ہیں۔ وہیں ناشتہ، وہیں کھانا اور وہیں قیلولہ کرنا سب کچھ وہیں۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم ہندوستان کے کسی کونے میں چلے جائیں یا بیرون ہند کسی ملک میں پہنچ جائیں قاری صاحب موصوف کے شاگرد یقیناً مل جائیں گے۔

قاری صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قاری صاحب کے قلم میں وہ سرعت ہے جو عام طور پر دوسرے لوگوں میں نظر نہیں آتی، کوئی مضمون اگر لکھنا ہو تو چلتے پھرتے لکھ دیتے ہیں، کوئی کتاب لکھنا ہو تو بہت جلد لکھ ڈالتے ہیں، چناں چہ بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ ایک ہفتہ میں لکھ بھی لیا اور کتابت کراکر زیور طباعت سے بھی آراستہ کردیا۔ چناں چہ فن تجوید وقراءت رسم اور وقف پر کوئی گوشہ نہ چھوڑا نیز قاری

صاحب نے قراء کرام کے حالات پر دو جلدوں میں ضخیم کتاب تصنیف فرمائی۔ جس میں اکثر قراء کرام کے حالات اور قراءت کے مراکز کو بیان فرمایا۔

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ بڑے مہمان نواز ہیں، کوئی بھی تعلق والا اگر دیوبند جائے اور ملاقات نہ کرے تو بڑے ناراض ہوتے ہیں اور بہت افسوس کرتے ہیں۔

قاری صاحب صرف ظاہری علوم کو سنوارنے میں مصروف نہیں ہیں بلکہ باطنی اصلاح کے لیے حضرت ہردوئی دامت برکاتہم سے تعلق ہے۔ اور باطنی اصلاح کی تکمیل کے بعد حضرت دامت برکاتہم سے اجازت بھی ملی ہے۔ جس کا اثر یہ ہے کہ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کی طرح تتبع سنت اور تصحیح کلام پاک کا ہمہ وقت فکر ہے۔

قاری صاحب دامت برکاتہم کو دارالعلوم فلاح دارین سے والہانہ تعلق ہے صرف تعلق ہی نہیں بلکہ عشق ہے چناں چہ جب بھی قاری صاحب کو دعوت پیش کی گئی آپ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود وقت نکالتے ہوئے تشریف لے آتے ہیں، اور رہنمائی فرما کر ہم چھوٹوں پر احسان فرماتے ہیں۔

فن کے سلسلہ میں جب بھی کوئی کام یا مشورہ کیا اس کو اپنا کام سمجھ کر اتنی جلد کر دیتے ہیں کہ شاید ہم لوگوں سے مشکل ہوتا، چناں چہ ترکیسر میں قراءت اکیڈمی قائم ہونے پر قاری صاحب اتنے خوش ہوئے جس کی کوئی انتہا نہیں، ایک مرتبہ فرمایا کہ اکیڈمی کے بارے میں مجھے کچھ لکھنا ہے (اور ماشاء اللہ اکیڈمی اور اس کی اب تک کی تمام مطبوعات کا نہایت عمدہ تعارف لکھا، جو مستقل ایک تعارفی کتابچہ بن گیا ہے) اسی اکیڈمی کی ایک کتاب کی کتابت کے سلسلہ میں دیوبند پہنچا تو قاری صاحب نے فرمایا آپ کو کاتب کے وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں کاتب کو بلواتا ہوں، چناں چہ بلوایا اور ان کے ساتھ بھاؤ تاؤ کر کے اور اپنی زیر نگرانی اس کی کتابت کروائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے قاری صاحب موصوف کو جزاء خیر دے اور ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کئی سال سے رمضان میں ڈھاکہ بنگلہ دیش کا سفر ہوتا ہے اور پورا مہینہ وہاں تدریسی مجلس ہوتی ہے جس میں بنگلہ دیش کے بڑے بڑے دار العلوم کے شیخ الحدیث اور مفتیان کرام اور دیگر علماء شریک ہوتے ہیں، تجوید و قراءت اور تصحیح کے علاوہ شاطبیہ وغیرہ جیسی فن کی اہم ترین کتابوں کا درس بھی دیتے ہیں۔ اور تکمیل کراتے ہیں۔

حضرت قاری صاحب کو اللہ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے یہ تو ایک جھلک ہے، آخر میں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ باری تعالی ان کو عمر نوح عطا فرمائے اور اعمال کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

❀❀❀

ماہرِ علم وفن، کمالات اور خوبیوں کا پیکرِ حسین

از: قاری راغب حسن صاحب صدر شعبۂ قراءت مدرسہ اصغریہ، دیوبند

راقم الحروف کے زمانۂ طالب علمی ۱۹۷۸ھ میں تجوید وقراءت کے حوالہ سے احاطہ دار العلوم میں دو نام بار بار سننے میں آتے تھے، ایک مدرسہ اصغریہ دیوبند کا جس کی اس سلسلے میں گراں قدر اور زریں خدمات ہیں، جو عارف باللہ حضرت مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب خلیفہ ومجاز شیخ زکریا مہاجر مدنیؒ کے زیر سایہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے۔

دوسرے قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہ کی دلآویز شخصیت کا مبارک اور حسین اسم گرامی جو اس وقت ادارہ مذکور میں شعبۂ تجوید وقراءت کی مسند صدارت کو رونق بخشے ہوئے تھے۔ مبداء فیاض نے جنہیں زبردست خوبیوں سے نوازا ہے اور قدرت نے اس فن شریف کی مختلف النوع اور ہمہ جہت خدمت کے واسطے جن کا انتخاب کرلیا ہے۔

ذہن ودماغ کے پردہ پر نہ جانے کتنے مناظر یکے بعد دیگرے سامنے آرہے ہیں۔ دار العلوم کے بہت سے باشعور باذوق اور ذی استعداد طلباء اپنی علمی تشنگی بجھانے اس میکدہ علم کی جانب کشاں کشاں چلے آرہے ہیں جہاں ہر دم جام وسبو کی گردش اور میکشوں کا ہجوم قابل دید ہے۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانہ میں ❁ فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

اگرچہ ابھی تک آپ کے وہ محیر العقول اور عظیم کارنامے سوائے علم قراءت اور قراء سبعہ اور قواعد التجوید' معرض وجود میں نہیں آئے تھے، جنہوں نے آپ کی ہستی کو ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کے زمرہ میں شامل کردیا، اور خزاں رسیدہ جاں بلب فن میں تازہ روح پھونک

کر حاظرین وشائقین کو مسرور بلکہ مسحور کردیا مگر اقدم العلوم سے آپ کی والہانہ وابستگی عشق اور فنائیت کچھ یوں نغمہ سرائی کررہی تھی ع

بالائے سرش زہوش مندی ❁ می تافت ستارۂ بلندی

یہی وہ ستارۂ بلندی تھا جو آگے چل کر آفتاب عالم تاب بن کر چمکا اور اس شان سے ضیاپاشی کرنے لگا کہ افق تجوید وقراءت پر چھائی تاریکیاں رخت سفر باندھنے پر مجبور ہوگئیں کتنے ہی ذرے اسی خورشید درخشاں سے اکتساب نور کرکے ماہ وانجم کی طرح جگمگا اٹھے اور مادر علمی دارالعلوم ہی نہیں، ہر گوشہائے ملک وبیرون ملک نور افشانی میں مصروف ہوگئے ع

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا ❁ دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا

آپ کی طباعی، ذہانت علمی وسعت، فن قراءت کو علمی وعملی طور پر طلبا میں منتقل کرنے کی صلاحیت اور بے مثال انداز تعلیم وتربیت کے قصے دارالعلوم کے طلباء واساتذہ کی زبانی سن کر دل ودماغ میں جو تصویر ابھری وہ کسی لحیم شحیم خشک مزاج استاذ کی تصویر تھی لیکن جب طالب علموں کی کثرت تعداد اور گوناگوں مشاغل اور متنوع مصروفیات کے سبب آپ کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی غرض سے آپ ہی کے مطالبہ پر اصغریہ میں راقم کا تقرر عمل میں آیا اور پہلی بار آپ کے جمال جہاں آرا کا دیدار نصیب ہوا تو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سادہ مگر پروقار لباس میں ملبوس مشت استخواں سفید چہرہ کشادہ پیشانی خندہ جبیں، مختصر سے جسم والی لیکن ایک فعال متحرک اور سیمابی شخصیت نگاہوں کے سامنے تھی۔ گو آپ اس وقت بھی عروس قلم وقرطاس ہی سے محو راز ونیاز تھے، مگر اکرام ضیف کے جذبہ کے تحت سر اٹھایا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت متانت سے فرمایا، تشریف رکھیے قاری صاحب! مگر دوسرے ہی لمحے اس سے بالکل مختلف لہجہ میں زور سے چہچہائے، ارے کوئی ہے؟ بلبل کے چہکتے ہی ایک نہیں کئی گل دوڑتے ہوئے آئے اور کچھ اس طرح مسکرانے لگے کہ محفل گل وگلزار ہوگئی،

آپ نے ان سے فرمایا یہ آپ حضرات کے ہونے والے باپ (استاذ) تشریف فرما ہیں ان کو کھانا کھلاؤ اور پیشگی حق شاگردی ادا کرو۔

اصغریہ میں راقم اور آپ کی درسگاہیں حسن اتفاق سے پاس پاس تھیں درمیان میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ آپ کے حسن تلاوت حسن صوت فطری اور بے تکلف ادائگی لہجہ کے زیر و بم میں جذب وانجذاب کی وہ کیفیت ہوتی طبیعت بے ساختہ چیختی چلی جاتی اور دل کا یہ تقاضا ہوتا ع

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف ❁ گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

آپ کے طرز تدریس میں بلا کی مقناطیسیت، اثر آفرینی بلکہ ایک سحر انگیزی ہوتی ہے۔ جس سے طلباء آپ کے ہو رہتے ہیں۔ آپ کی غیر معمولی ذکاوت قرینہ سلیقہ، شعروسخن، ادب آگہی زبان آوری طلاقت لسانی تصنع سے پاک ظرافت و بے باکی بذلہ سنجی بھی ہر کسی کو آپ کا گرویدہ بنا دیتی ہے شاگرد صرف بولنے کا انداز ہی نہیں چال ڈھال وضع قطع میں ان کی تقلید کرنے لگتے ہیں مگر بے تکلفی اور بے باکی میں آپ کی روش اختیار کرنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مشاہدے کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ آپ کے اندر علمی انہاک تحقیق و تدقیق کتب بینی وسعتِ مطالعہ کا ذوق ہی نہیں ایک نہ مٹنے والی پیاس ہے جو ساری ساری رات آپ کو بیدار رکھتی ہے، اصغریہ میں راقم نے دیکھا شب بھر ورق گردانی میں مشغول رہے یہاں تک کہ ٹائم پیس نماز فجر کے قریب ہونے کا اعلان کرتی اور آپ کتاب چھوڑ کر مسجد میں نماز فجر پڑھانے جاتے۔

پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی ❁ ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی

یوں تو ادب، تاریخ، حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف، لطائف شعروسخن، سبھی آپ کی دلچسپی کے موضوعات رہے ہیں مگر جو میدان آپ کے علم و فضل اور جہد و عمل کی جولان

گاہ رہا ہے وہ اقدم العلوم تجوید وقراءت اور اس کے متعلقات کا میدان ہے، جس میں آپ کو اپنے تمام معاصرین پر ایک خاص امتیاز اور انفرادیت حاصل ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں دارالعلوم کی قدیم مسجد کی امامت اور پھر مادر علمی میں بحیثیت صدر القراء آپ کی تشریف آوری بلکہ اس سے بھی پہلے ارباب دارالعلوم کا مدینہ منورہ سے آمدہ حل طلب سوالات ومسائل کو اصغریہ میں آپ کے پاس بھیج کر حاصل کرنا آپ کی عبقریت اور تفوق کا کھلا اعتراف ہے، حالاں کہ اس زمانے میں عصبیت اتنے زوروں پر تھی کہ اہلیت استحقاق اور خواہش کے باوجود دارالعلوم میں آپ کا تقرر نہ ہو سکا۔

سفر ہو، حضر ہو، خلوت ہو، جلوت ہو، قلم وقرطاس آپ کی زندگی کا جزء لاینفک ہے۔ اب تک آپ کے قلم معجز رقم سے چھوٹی بڑی مختصر متوسط مبسوط اور ضخیم ساٹھ سے زائد اہم بیش قیمت اور انمول کتابیں نکل کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں جن سے ایک جہاں فیضیاب ہو رہا ہے۔ بالخصوص قراءت سبعہ وعشرہ کو اس قدر سہل الحصول بنا دیا گیا ہے کہ عربی دانوں کی طرح اردو داں طبقہ بھی خوب خوب فائدہ اٹھا رہا ہے۔

ان مستفیضین ومستفیدین میں طلبا بھی ہیں علماء بھی اساتذہ بھی ہیں تلامذہ بھی مسلکین بھی ہیں غیر مسلکین بھی موافقین بھی ہیں مخالفین بھی، ''ذلك فضل الله يوتيه من يشآء''

حضرت اپنے قلمی سفر کو جاری رکھنے میں لکیر کے فقیر نہیں ہیں بلکہ اس سلسلے میں ان کی فطرت یہ ہے کہ ؎

سورج نہیں جو اپنی حدوں میں رہوں اسیر
دریا ہوں اپنی راہیں بدلتا گیا ہوں میں

غرضیکہ قاری صاحب کا فن سے مجنونانہ تعلق ہے اس نے آپ کو درس وتدریس تالیف وتصنیف سوانحی خاکے، تحقیقی مقالے، علمی مضامین، دینی وعلمی مجلسوں کانفرنسوں اور سمناروں اور نہ جانے کہاں کہاں آبلہ پائی اور صحرا نوردی پر مجبور کر دیا آپ نے

وہاں بھی اس مظلوم فن کی زبردست وکالت کی جہاں بہت سے تنگ نظر کم علمی کے باوجود کبر ونخوت بغض وحسد سہولت پسندی محنت ومشقت سے اجتناب اور سازشی ذہنیت جیسے اوصاف رزیلہ کے حامل حضرات اپنے جاہ وجلال اور اثر واقتدار کے نشہ میں چور تھے بلکہ ایسے موقعوں پر آپ کی علمی حمیت عالمانہ بصیرت، حق گوئی وبے باکی ،جرأت وجسارت، تلخ نوائی برائے کار تریاق مصلحت کوشیوں سے بے خبر کچھ زیادہ ہی زوروں پر ہوتی اور بسا اوقات آپ کو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا ذیل کے دو شعر آپ کی اس خوبی پر پوری طرح چسپاں ہیں ؂

ہمارا عشق ہمیں تمکنت سکھاتا ہے
کشیدہ سر بھی ہوں پابند زلف یار بھی ہوں
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

آپ کو نہ کبھی جاہ ومنصب مال ودولت کی حرص نے لبھایا اور نہ کبھی ابتلا وآزمائش اور فاقہ مستی کی سختیوں نے ڈرایا۔

خلوص وہمدردی

تصویر کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ آپ کی شخصیت خلوص وہمدردی، تواضع اور خیر خواہی کا پیکر ہے، اساتذہ، تلامذہ، اعزہ واقرباء دوست احباب ہی نہیں، وہ حضرات بھی اس حقیقت سے آشنا ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ دجل وفریب اور احسان ناشناسی کا برتاؤ کیا، ہمدردی آپ کی ذہنیت اور خیر خواہی آپ کی طبیعت ہے، آپ کا یہ وصف اس قدر نمایاں ہے کہ جسے محسوس کرنے کے لیے طویل مجالست اور مصاحبت کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ہمہ وقت ایثار واخلاص سے سرشار اور ہر گھڑی ممکنہ خدمت وتعاون کے لیے تیار در اصل آپ کی محبوبیت ،مقبولیت اور مرجعیت کی ایک بڑی وجہ ناداروں کی حاجت روائی ،مہمان نوازی اور واردین وصادرین کی تعظیم وتکریم بھی ہے بہت سے غریب طلباء کی امداد

وظائف کی شکل میں کی جاتی ہے اور بہت سوں کی اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلا کر، اور اس بات کا پورا خیال رکھا جاتا ہے کہ کسی کی عزت نفس پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔

آپ کے دسترخوان پر دشمن دوست سب کے لیے بلا امتیاز یکساں جگہ ہوتی ہے ؂

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست!

مقروضوں کے لیے سہولت و مہلت اور حسن سلوک ایسا کہ جس کا آج کے مادہ پرستانہ اور خود غرضانہ ماحول میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کی درسگاہ میں آنے والے مہمانوں اور اساتذہ و ملازمین کا تانتا لگا رہتا ہے، اور ہر کس و ناکس کی چائے ثمرات و فواکہات اور کبھی مٹھائیوں سے بھی ضیافت کی جاتی ہے تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم ہے کہ معمولی اور غیر معمولی جگہ سب آپ کی نگاہوں میں برابر ہیں ؂

مت پوچھیے ہم خانہ بدوشوں کی زندگی
فٹ پاتھ مل گیا تو وہیں گھر بنالیا
رند جو جام اٹھالیں وہی پیمانہ ہے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ ہے

اکثر ایسا بھی ہوا کہ اصغریہ میں راقم الحروف کی درسگاہ میں تشریف لاتے تو ڈیسک کے سامنے طلبا کی قطار ہی میں بیٹھ گئے، کیا کیا ادائیں شمار کرائی جائیں ؂

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے
خوبی ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست
بسیار شیوہاست بتاں راکہ نام نیست
یہ وہ ادا ہے جس کا کوئی نام ہی نہیں

سفر کو نمونہ سقر کہا جاتا ہے مگر آپ کی معیت میں ہو تو سفر وسیلہ ظفر اور راحت اثر بن جاتا ہے متعدد اسفار آپ کے ہمراہ ہوئے مختصر بھی طویل بھی مگر مسافت کی طوالت کا احساس کبھی نہ ہوا۔ واقعات، برجستہ اشعار، ظرافت، بذلہ سنجی، حاضر جوابی و حاضر

دماغی سے ماحول کو زعفران زار بنانا اور مسافرین سے داد وتحسین وصول کرنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

ایسا ہی ایک سفر تھا گاڑی راجدھانی ایکسپریس تھی جس میں عموماً خوش حال اور تعلیم یافتہ لوگ ہی سفر کرتے ہیں ہم اپنی نشستوں پر بیٹھے ہی تھے کہ زرق برق لباسوں میں ملبوس چند دوشیزائیں نمودار ہوئیں ایک صاحب کی رگ ظرافت پھڑکی اور بے ساختہ زبان سے نکلا ''فتبٰرکَ اللّٰہ احسن الخٰلقین'' اس پر آپ نے زوردار قہقہہ لگایا اور کہا اللہ اکبر آپ کو ساری خلاقیت کا یہیں مشاہدہ ہو گیا جنت کے حور وغلمان دیکھ لیتے تو ایک نظر غلط انداز بھی کسی پر نہ ڈالتے اور پھر ایسے انوکھے انداز سے جنت، اہل جنت اور نعماء جنت کا ذکر چھیڑا کہ مزہ آ گیا اور اٹھارہ بیس گھنٹہ کا سفر گویا پلک جھپکتے ہی طے ہو گیا حتی کہ خیر مقدم کو آئے حضرات کی آمد پر ہم چونکے اور ہڑبڑا کر بعجلت تمام ٹرین سے اترے۔

بہرکیف وسعت علم، فہم وفراست، جہد وعمل، نظافت ولطافت، صفائی معاملات، حسن معاشرت، حسن اخلاق، ایمان ویقین، حاضر جوابی، بے باکی، اخلاص وللّٰہیت، شخصیت کی دلآویزی اور محبوبیت، اسلاف سے بے پناہ محبت، کمزوروں کی نصرت وحمایت، قرآن سے عشق۔ ان تمام اوصاف وکمالات کے مجموعے کا نام قاری ابوالحسن مدظلہ ہے۔ بخوف طوالت اس اجمال پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ ع

شب وصال ہے کوتاہ ناز یار دراز ❀ ہجوم شوق سے کہہ دو کہ اختصار کرے

❀❀❀

''ہم نے ہر غم کو اڑھادی ہے تبسم کی رِدا''

از: محمد لقاء الرحمٰن
الفضل کمپیوٹرس دیوبند

خلاق عالم نے تخلیق کائنات کے بعد اس دنیا کی تزیین کے لیے آدم وبشر کو مزین کیا اور اس کی رشد وہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور نبوت کے انقطاع کا تاج ہمارے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر باندھا اور شریعت محمدی کے بقاء کی ذمہ داری خدا نے امت محمدیہ کو دی۔ چناں چہ اس امت میں ہر دور میں کچھ ایسے افراد تیار ہوتے رہے جو قرآن وحدیث کی باریکیوں کو سہل انداز میں امت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ جیسے محدثین نے حدیث کو کھنگال کر امت کے سامنے پیش کیا، فقہاء نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر امت کو درپیش سارے مسائل سے آشنا کردیا۔ اسی طریقے سے فن قراءت کے شہسواروں نے قرآن کریم کے نزول سبعۃ اَحرف اور تجوید وقراءت کے سارے مسائل کو ہر زمانے میں زمانہ کے اعتبار سے سہل انداز میں پیش کیا۔

انہی فن قراءت کے شہسواروں میں ایک ایسی شخصیت وجود میں آئی جسے دنیا ابوالحسن اعظمی کے نام سے جانتی ہے۔

خداوند قدوس نے شاید اسی صدی کے لیے روک رکھا تھا جس دور میں فن قراءت کی طرف لوگوں کی توجہ ختم ہوتی جارہی تھی، حضرت ہی نے ایسے نازک حالات میں لوگوں کا ذہن قرآن کریم کے نازک مسائل کی طرف متوجہ کیا۔ حضرت کا تذکرہ بارہا سنتا رہا، دلوں میں عجیب لقاء کی خواہش ابھرتی رہی کہ آخر یہ انسان ہے یا کوئی دوسری مخلوق؟ کہ جب بھی قراءت کا تذکرہ آتا ہے تو آپ کا نام پردۂ سماعت سے ٹکراتا ہے۔

میں جس وقت نواز پبلی کیشنز میں آپ کی شاہکار تصنیف ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات'' کی کتابت کر رہا تھا اس وقت آپ کی علمی صلاحیت سے متاثر تھا۔ اسی کتاب کی کتابت کے دوران حضرت قاری صاحب سے میری ملاقات ہوئی مجھے یہ یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی یہ کتاب میں کتابت کر رہا ہوں بالکل سیدھا سادہ انسان فرشتوں جیسا تقدس آپ کے چہرے سے نمایاں ہو رہا تھا اور آپ کی قدر و منزلت میرے دل میں گھر کر گئی فوراً بارگاہ ایزدی میں ہدیۂ تشکر پیش کیا کہ خدا نے میری دلی خواہش پوری کر دی۔

بہرکیف میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ حضرت قاری صاحب سے ملاقات کے بعد گفت و شنید ہونے لگی اور دھیرے دھیرے میں ان سے قریب ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ دن بھی آ گیا کہ میں آپ کو قریب سے دیکھوں۔ اسی دوران میں نے الفضل کمپیوٹرس کے نام سے اپنا کاروبار شروع کیا تو حضرت سے معاملات بھی ہوئے، یوں تو معاملات میں نے بڑے بڑوں سے کئے، لیکن معاملات میں جتنا پختہ اور صاف ستھرا حضرت قاری صاحب کی ذات کو میں نے پایا اور کسی کو نہیں۔

بالآخر میری زبان یہ کہنے پر مجبور ہو گئی کہ واقعی شریعت محمدی کے صحیح وارث اب بھی اس دنیا میں باقی ہیں۔ معاملات کی صفائی، مصیبت زدوں کی غمگساری اور مغموم دلوں کی خوشحالی آپ کا مزاج ہے۔

جس کی مثال میں خود ہوں کہ ایک مرتبہ حضرت والا میرے کمپیوٹر سینٹر میں تشریف فرما تھے اور اپنی خوش مزاجی سے ذہن کو تر و تازہ کئے ہوئے تھے کہ اچانک میرے پاس ایک صاحب چھوٹا سا کام لے کر آئے لیکن میں نے اپنی مجبوری کے بناء پر ان سے معذرت چاہی کہ میرے پاس فلاں سامان نہیں ہے جس کی بناء پر آپ کا یہ کام مشکل ہے، واپس کر دیا، لیکن تفریحی ماحول میں بھی حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے پرواز تخیل نے محسوس کر لیا کہ میرے ساتھ مجبوری ہے۔ لہٰذا اسے دور کرنا

چاہیے فوراً ہی مجھ سے سوال کر بیٹھے کہ کیوں واپس کیا؟ میں نے ٹالنے کی کوشش کی لیکن بتانے پر مجبور کر دیا تو میں نے واقعہ بتایا فوراً کہنے لگے کہ کل صبح مجھ سے درسگاہ میں ملو۔ جب کل درسگاہ میں حاضر خدمت ہوا تو پانچ ہزار روپے جو نا چیز کی ضرورت کے لیے کافی تھے، دیے۔ اب ایسے اہل دل، ایسے اہل اللہ کہاں ملتے ہیں۔ میں نے حضرت دامت برکاتہم کی کئی کتابوں کی کمپوزنگ کی جس کی وجہ سے میں آپ کے فن قراءت سے بہت متاثر ہوا۔

بارگاہِ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ خداوند قدوس ایسے محسن اور ایسی عبقری شخصیت جو فن قراءت کے یکتاء اور امام القراء ہیں ان کا سایہ میرے لیے خصوصاً اور امت مسلمہ کے لیے عموماً تا دیر باقی رکھے۔ آمین!

❁❁❁

میرے حضرت، میرے استاذ

قاری ابوالحسن اعظمی

از: رعنا واجدی دیوبند

''قاری ابوالحسن اعظمی'' ایک ایسا نام ہے، جس کے وقار واعتبار اور رفعت وعظمت پر اصحاب علم وفن فخر کرتے ہوں، ایک ایسی شخصیت، جسے نمایاں کارناموں کی وجہ سے منفرد شناخت حاصل ہو۔ ایک ایسے مصنف، جسے ساٹھ سے زائد کتابیں لکھنے کا شرف حاصل ہوا ہو، ایک ایسا عالم، جس کے سحاب علم کے چھینٹوں سے دنیائے قراءت مستفید ہورہی ہو، ایک ایسے صاحب نسبت، جسے حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل، حضرت مولانا ہردوئی صاحب مدظلہ سے نسبت اور خلافت حاصل ہو۔ ایک ایسے قاری جن کی سریلی اور عطر بیز آواز سے ذہن ودماغ معطر ہوجاتا ہو، ایک ایسے مربی، جن کے حسنِ تربیت کے نتیجے میں سیکڑوں طالبانِ علوم نبوت فیض پاکر دنیا بھر میں قرآنی جمالیات کو اپنی آوازوں سے اجاگر کررہے ہوں۔ ان تمام گوناگوں صفات وکمالات کے باوصف بجائے تقشف اور خشک مزاجی کے طبیعت میں ایسی ظرافت کہ کیسا ہی تھکا ہوا دماغ ہو، مجلس میں حاضر ہوکر فرحت وانبساط پائے۔

فکر میں بلندی، علم میں پختگی، عمل میں پاکیزگی اور اخلاق میں ایسی دلکشی کہ کوئی بھی اجنبی پہلی ہی ملاقات میں متاثر اور گرویدہ ہوجائے، ایک بار قریب ہوجائے تو پھر نہ چھوٹے۔

حق گوئی اور بے باکی ایسی کہ ہمہ وقت ہر طرح کا مفاد قربان کرنے کے لیے تیار۔

تلاوت قرآن کا ایسا شغف کہ ختم قرآن میں ہفتہ بھی نہ لگے۔

ہمارے حضرت نے اپنی ذات پر ظرافت کا پردہ ڈال رکھا ہے، اپنے اردگرد خوش طبعی کا ایسا ہالہ بنا رکھا ہے کہ دیکھنے والا پہلی نگاہ اور ملاقات میں آپ کو سمجھ نہیں پاتا، بہت قریب سے دیکھنے کے بعد آہستہ آہستہ اندازہ ہوتا ہے کہ رب کریم نے آپ کے حق میں کچھ زیادہ ہی سخاوت سے کام لیا ہے اور ان تمام خوبیوں سے نوازا ہے جو دارین میں کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔ بلاشبہ آپ کی زندگی قابل رشک ہے۔ ان اوصاف اور کمالات کے حامل نادر الوجود ہیں۔ ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے ذرے سے انسان نکلتے ہیں

❁❁❁

✻✻✻✻✻✻✻

منظوم

خراجِ عقیدت

کام تیرا رات دن بس خدمتِ قرآن ہے
خدمتِ قرآن ہی تیری فقط پہچان ہے
ہے دعا محفوظ و سالم تو رہے آلام سے
تو نے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے
(راہی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خراجِ عقیدت

بخدمت اقدس حضرت مولانا قاری ابوالحسن اعظمی دامت برکاتہم

از: محمد عدنان سعدی

جناب قاری محمد عدنان سعدی صاحب نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں یہ منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا تھا

تم نغمہ سنج مصحفِ معجز بیاں رہے ❁ تم بزمِ کائنات میں پیرِ مغاں رہے
تم ہو وہ عندلیب چمن جسکے فیض سے ❁ جتنے گلِ خموش تھے سب نغمہ خواں رہے
بوسے تمہارے نطق کے لیتے ہیں جن و انس ❁ جب تک کلامِ پاک زباں پر رواں رہے
روشن تمہاری ذات سے سینوں میں شمعِ علم ❁ قرآں کے سوز و ساز کے تم ترجماں رہے
قائم ہے تم سے گلشنِ تجوید کی بہار ❁ گویا ریاضِ خلد کے تم پاسباں رہے
مومن کی سب صفات کی حامل تمہاری ذات ❁ شبنم صفت رہے کبھی شعلہ بجاں رہے
جس سے نکلتے رہتے ہیں ہردم مہ و نجوم ❁ تم آسمانِ علم کی وہ کہکشاں رہے

تم سے عیاں رہے رفعتِ قرآں کا معجزہ
"جب تک بھی جس زمیں پہ رہے آسماں رہے"

حسن تاثر

از: مولانا ولی اللہ ولیؔ قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، دھولیہ، مہاراشٹر

''عالم اسلام کے مشہور زمانہ قاری جناب حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی زید مجدہم، صدر شعبہ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند کی بے کراں ولائق قدر وقابل صد افتخار قرآنی خدمات، اور تجوید وقراءت کے باب میں زریں وشاہ کار تصنیفات وافادات سے متاثر ہوکر حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے نام نامی اسم گرامی کے حروف کی مناسبت وترتیب کے مطابق درج ذیل نظم لکھی گئی ہے''۔ (ولی بستوی)

قاری ابوالحسن اعظمی

قاری

قاف ❁ قراءت میں ہوا تو چار سو مشہور دنیا میں
الف ❁ اطاعت سے خدا کی، تو ہوا معمور دنیا میں
راء ❁ رفاقت قابلِ صدرشک تیری ہے زمانے میں
یاء ❁ یقیں محکم ہے، حرز جاں ترے دل کے خزانے میں

ابوالحسن

الف ❁ اخوت کا ترے دل میں ہے جذبِ بیکراں پنہاں
باء ❁ بشارت ہے کہ ہوگا جنتی ہر قاریٔ قرآں

واو ❁ وصالِ حق کا زینہ ہے، یہی تصحیح قرآنی
الف ❁ اشاعت علمِ قرآں کی ہے، زادِ راہِ ایمانی
لام ❁ لقاءِ خاص، حاصل ہوگی، سب قراءِ قرآں کو
—— ❁ کتاب اللہ کے خدام ہیں، محبوب رحماں کو
حاء ❁ حسیں انداز تیرا، منفرد، طرزِ تلاوت ہے
سین ❁ سعادت تیری قسمت ہے، صداقت تیری عادت ہے
نون ❁ نظافت ہے طبیعت میں، نفاست خوئے باطن ہے
—— ❁ تو خادم ہے کتاب اللہ کا، حق تیرا ضامن ہے

اعظمی

الف ❁ الٰہی خود کفیلِ خاص ہے، قراءِ قرآں کا
عین ❁ عطا ہوتا ہے ان کو جلوۂ دیدار رحماں کا
ظاء ❁ ظفر مندی میسر ہوتی ہے کونین میں ان کو
م ❁ مکرم جانتا ہے ہر کوئی دارین میں ان کو
ی ❁ یقیناً حشر میں ان کو ملے گا عرش کا سایہ
—— ❁ عطا فرمائے گا اللہ، ان کو جنت الماوٰی

خدایا بوالحسن ہوں زندۂ جاوید دنیا میں
جزائے خیر ان کو بے کراں، حاصل ہو عقبیٰ میں
(آمین)

قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہٗ

علامہ منصور بجنوری قاضی پاڑہ بجنور

ق | ق سے قاری وقرا قاسم وقائم قسیم
ق | ق سے قدرت قسم قصہ قمر قادر قدیم
ا | ہے الف سے اسم اللہ احمد وارقم اثر
ا | ہے الف سے ارمغاں اردو ادب -اوّل-اگر
ر | ر سے رحمت راقم وراحت رؤف ورازداں
ر | ر سے رشد ورب ریاضی راہبر رہ رو- رواں
ی | ی سے یم یاوریشب یاقوت یعنی یدبیین
ی | ی سے یاد اللہ یاری یوسفی یثرب یقین
ا | ہے الف سے ابر رحمت اصل ابدال وابد
ا | ہے الف سے اتقیاء اتمام احسان واسد
ب | سے باہم باب-باصر باقر وبخت وبحار
ب | سے بہ برانِ باطل بندۂ بہتر بہار
و | سے واعظ وجاہت واقف ووعدہ وعید
و | سے وسعت وفاداری وحی وقعت وحید
ا | ہے الف سے ابنِ آدم اجمل واحسن اہم
ا | ہے الف سے اغنیا اقبال احناف وارم
ل | ل سے لحنِ لطائف لس ولہجہ لطیف
ل | ل سے لبیک لمحہ لوح لشکر لب للیف

ح | ے حافظ حاجی وحب الوطن حاتم حبیب
ح | ح سے حفظِ حق، حکیم الحزن حکام الحبیب
س | س سے سالک سجل ساجد سلیم الطبع سر
س | س سے سچا سلامت سائی سمجھوتہ سحر
ن | ن سے ناصر نہایت نظم نونصرت نواز
ن | ن سے نسبت نبی نعرہ نظر نعت نیاز

کر رہی ہے آج یہ اعلان حرفی کائنات
ان ہی لفظوں سے بنی ہے آپ کی اعلیٰ صفات

امامِ فن

فخرِ تجوید حضرت مولانا
قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہ

از: ناہید قمر دیوبند

بلندیوں پہ اُفق کی وہ نام لکھا ہے
ادب نواز نظر نے سلام لکھا ہے
جو حرف و صوت کا آیا کبھی بھی ذکر قمرؔ
اَبوالحسنؔ ہی کو فن کا اِمام لکھا ہے

جذبِ دروں

محترم جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب مدظلہ کی نذر

از: مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاطؔ
مفتی دارالعلوم دیوبند

کون سے لفظوں کو دیدوں رنگِ اظہار خیال
اک رفیقِ عہدِ ماضی صاحبِ فضل وکمال
صاحبِ عزمِ مصمم صاحبِ فکر وعمل
مختلف اوصاف میں جس کا نہیں کوئی بدل
شخصیت معروف جس کی نرمی واخلاق میں
اہلیت جس کی مسلم زیست کے اوراق میں
منفرد لہجہ ہے جس کا زمرۂ تجوید میں
جاں فشانی جس کی روشن فکر کی تجدید میں
جس کی تصنیفات کی وقعت زمانہ بھر میں ہے
جس کی تحریروں کی عظمت ہر دلِ مضطر میں ہے
انکساری باعثِ الطافِ ربانی ہوئی
خاکساری حاملِ توفیقِ یزدانی ہوئی
جس کا کردار وعمل سب پر عیاں تابندہ ہے
پھول ہیں شاداب جس کے گلستاں تابندہ ہے
فیض اس کی ذات کا بڑھتا رہے جاری رہے
ہے دعا، الطاف رب کی یوں ہی گلکاری رہے

❁❁❁

پرتوِ علامہ جزری ترجمانِ شاطبی

از: ظفر جنگ پوری

پرتوِ علامہ جزری، ترجمانِ شاطبیؒ ❁ بوالحسن مردِ محقق، مردِ بے باک و جری
علمِ قرآں کا خزانہ،حق نے بخشا ہے تجھے ❁ جس کے باعث آج ہے تجھ کو میسر برتری
سبعہ،عشرہ میں خدا کے فضل سے اے بوالحسن ❁ حضرت علامہ دائی کی تجھے نسبت ملی
تو فنِ تجوید کا ہے،چشمۂ کوثر اثر ❁ دور ہوتی ہے یہاں پیاسوں کی آ کے تشنگی
ہوتا ہے ظاہر تیری تصنیف اور تالیف سے ❁ رکھا ہے سر پر تیرے ہی حق نے تاجِ قیصری
لحنِ داؤدی ہے تیرا کس قدر کیف آفریں ❁ جس کو سن کے ہوتی ہے محفل پہ طاری بے خودی
تجھ کو بخشی ہے مشیت نے وہ شانِ برتری ❁ کون ہے اس عہد میں تیری کرے جو ہمسری
تو نے سلجھائے ہیں گیسوخوب تر تجوید کے ❁ تجھ کو ہے بخشا مشیت نے شعور و آگہی
کی عطا تجھ کو مشیت نے متاعِ سوز و ساز ❁ جس کے باعث آج حاصل ہے تجھے بالاتری
لحنِ داؤدی ترا یہ کس قدر ہے پرکشش ❁ گونج اٹھا ہے جہاں میں،تیرا سازِ نغمگی
طالبانِ علمِ دیں کو محترم اے بوالحسن ❁ دے رہا ہے سبعہ،عشرہ کا تو درسِ آگہی
کی صدا تو نے جہاں میں سبعہ،عشرہ کی بلند ❁ جس کے باعث آج تجھ کو عالمی شہرت ملی
اس جہانِ رنگ و بو میں،تجھ کو ہر اک گام پر ❁ اپنے فن میں کامرانی، ظفرمندی ملی

❁——❁——❁

''نذرانۂ خلوص''

از: ظفرجنگ پوری

جلاکر شمعِ حق ہر سو اجالاکردیا تونے
دلوں میں عظمتِ قرآں کو پیدا کردیا تونے
صدائے سازِ اقراء آج جو ہرگام پر گونجی
کلامِ حق سے ہر اک کو شناساکردیاتونے
شرف تجھ کو ملا یہ بوالحسن قرآں کی خدمت کا
فنِ تجوید کا ہردل کو شیدا کردیاتونے
ترے نغمات ہیں گزرے ہوئے موسم کی انگڑائی
دلوں میں عظمتِ رفتہ کو پیدا کردیا تونے
چھٹی ظلمت شبِ غم کی ترے فیضِ درخشاں سے
خوشا قسمت اندھیروں میں سویرا کردیاتونے
تجھے بخشی ہے حق نے جو متاعِ سبعہ وعشرہ
کلامِ حق کا ہرسو بول بالا کردیاتونے
ترے فن پرائے قاری بوالحسن سب ناز کرتے ہیں
کلام اللہ کے نغموں کو زندا کردیاتونے
فنِ تجوید سے تونے سنوارے گیسوئے قرآں
کلام اللہ کا عالم میں چرچا کردیاتونے
ظفرمندی ملے تجھ کو دعا ہے راہتی دنیا تک
یقیناً بوالحسن یہ کام اونچا کردیاتونے

فخرِ علم وفن

از: عبداللہ راہیؔ دیوبندی

”تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے“

تیری ہستی فخرِ علم وفن ہی سمجھی جائے گی
شفقت واخلاص کی رہ بھی تجھی تک آئے گی
مستیٔ عرفان ملتی ہے ترے ہی جام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

کس قدر وقعت ہے تیرے حلقۂ تدریس کی
ہرطرف شہرت ہے تیرے حلقۂ تدریس کی
عظمتیں ہیں آشکارا خود ہی تیرے نام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

تیرے دم سے روشنی سی رہ گزارِ فن میں ہے
علم کی تابندگی تیرے دلِ روشن میں ہے
ہے وقارِ علم قراءت بس ترے ہی نام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

دامنِ عظمت پہ تیرے اُنگلیاں اُٹھیں مگر
ظالم وجابر کے آگے جھک نہ پایا تیرا سر
خوف کھاتا ہی نہیں ہے تو کسی الزام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

حسنِ فطرت کا پجاری تو محبت کا اسیر
سامنے تیرے امیرِ شہر ہے جیسے فقیر
عیش وعشرت ہیں تری نظروں میں بس بے دام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

تجھ سے تالیفِ کتب کا کام مولانے لیا
آفریں ہے آفریں ہے مرحبا صد مرحبا
خوشبوئیں ملتی ہیں تجھ کو نکہت اسلام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

کام تیرا رات دن بس خدمت قرآن ہے
خدمتِ قرآن ہی تیری فقط پہچان ہے
ہے دعا محفوظ وسالم تورہے آلام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

رنج وغم کو دور کردے خوش مزاجی آپ کی
کام آئی ہر قدم بندہ نوازی آپ کی
جب کوئی اُلجھا ہے راہی گردشِ ایام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

گوہرِ نایاب

از: وحید الرحمٰن تاؔج سلطان پوری بمبئی

بیاں میں کیا کروں اوصاف وہ مرد قلندر ہے
وہ اک انساں نما چٹان ہے سد سکندر ہے
نہ محتاج تعارف ہے نہ ہے وہ مدح کا خواہاں
کلام پاک کا حافظ ہے اک عمدہ سخنور ہے
محمد اور خدا کی گفتگو کے فن کا ماہر ہے
زباں شیریں قلم کی کاٹ تیغ وترش خنجر ہے
بہت غیور ہے خود دار ہے بے زار دنیا ہے
بہت بے باک ہے آزاد وہ موج سمندر ہے
نکل آئے اگر باہر قدرز اس وقت ہو معلوم
وہ ہے اک گوہر نایاب جو سیپی کے اندر ہے
یہی ایماں ہے آثِم تاؔج کا دل کے رگ وپے میں
قرآں سینے میں جو رکھتے ہیں دل ان کا تونگر ہے

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

شیخ القراء فخر دار العلوم دیوبند
عالی جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کی خدمت میں

از: ابو مشہود علامہ منصور بجنوری، ابن جناب عبدالرشید صاحب
مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن بجنور

آج جبکہ ابتدا حاصل ہوئی انجام سے ❁ عبرتِ پیہم میسر ہے ہر اک گام سے
وہ بھی اک گنجینۂ علم وادب کے نام سے ❁ جنبشِ نوکِ قلم کا رشتہ ہے الہام سے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

جُہد پیہم نے اُتارا آمریت کا غلاف ❁ آج برسوں بعد میں جس کا ہوا ہے انکشاف
اک دیا روشن رہا بادِ مخالف کے خلاف ❁ کرلیا خورشید نے بھی جس ادا کا اعتراف
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

جو خدا سے ڈرتا ہے غیروں سے ڈر سکتا نہیں ❁ بحرِ علم وفن میں جو ڈوبا اُبھر سکتا نہیں
خامۂ مشاط کے بن فن سنور سکتا نہیں ❁ اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا نہیں
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

تیرا فن اقصائے عالم کے لیے تزئین ہے ❁ تونے جس ذرہ کو چمکایا چراغ دین ہے
گلشن فن کا ترے ہر طائر اک شاہین ہے ❁ ایک یہ بھی کارنامہ قابلِ تحسین ہے
تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

علم وفن سے جھلملاتی موجِ سکلوف آج بھی ❁ راہ دکھلانے کی خاطر ہے اسی کی روشنی

تونے بخشے ہیں یہاں لاکھوں کو اسرارِ خودی ❀ جو مخالف ہیں اُنہیں بھی بات یہ کہنی پڑی

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

علم سے ہے قربتِ دار العلوم دیو بند ❀ تو نے دی ہے نسبتِ دار العلوم دیو بند
ان سے ہے اب شہرتِ دار العلوم دیو بند ❀ کیوں نہ ہوں وہ زینتِ دار العلوم دیو بند

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

جو رہے اہلِ زباں ان کو زباں داں کر دیا ❀ دشتِ امکاں کھل اٹھا ہر گلستاں کر دیا
جن کو خود پر ناز تھا ان کو بھی حیراں کر دیا ❀ ظلمتوں کو ختم کرنے کا یہ ساماں کر دیا

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

ایسی تصنیفات کہ ہر اک قلم حیران ہے ❀ ان کا ہر اک لفظ گویا مشعلِ عرفان ہے
وہ کلام اللہ جو لوح و قلم کی جان ہے ❀ اسکی نسبت سے ہر اک جانب یہی اعلان ہے

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

ساری دنیا جانتی ہے اسم قاری بوالحسن ❀ اعظمی نسبت سے چمکی ہے بلندی کی کرن
برگ و گل شاخ و شجر کلیاں و غنچے کل چمن ❀ جو بہت محتاط تھے وہ کہہ رہے ہیں اہلِ فن

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

نرگسِ بے نور کی کچھ لوگ دیتے ہیں مثال ❀ یہ صداقت پر ہے مبنی اہلِ دل کا اک خیال
جب بھی اٹھا ہے کہیں بھی تیری عظمت پہ سوال ❀ یک زباں ہو کر کے فرمانے لگے چالیس سال

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

لفظ میں ہے جوش اور مفہوم کا سیلِ رواں ❀ دل میں جیسے موجزن ہے ایک بحرِ بیکراں
جب زمیں کی سمت جھک کر دیکھتا ہے آسماں ❀ دیکھ کر کہتا ہے وہ بھی یہ زمینی کہکشاں

تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

تونے ہر ذرّہ کو علمِ حق سے خاور کر دیا ❀ چاند سورج کے مقابل جل رہا ہے ہر دیا
کام کوئی کر نہیں پایا ہے جو تونے کیا ❀ آبِ زر سے صفحۂ قرطاس پر لکھا گیا

تو نے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

آج ساری عظمتیں ہیں سینۂ قرطاس پر ❁ مشعلِ راہِ وفا ہے تیری فکرِ معتبر
حشر تک جاری رہے گا یہ ترا علمی سفر ❁ جھوم کر کہتی رہیگی تجھ سے ہر اک رہ گزر

تو نے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

فن تجوید وقراءت، فاخر صوت الحرم ❁ سبعہ عشرہ، اور ترتیل وحدر فکرِ اہم
عارف شب زندہ دار اور استقامت ثابت قدم ❁ ان عجب پردے اٹھے تو یہ پکار اٹھے قلم

تو نے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

ہر طرف پھیلا ہوا جو زندگی کا نور ہے ❁ آج ہر ذرہ یہاں مثل چراغ طور ہے
اعظمی نسبت سے ہر قاری یہاں مشہور ہے ❁ اس کا شاہد کلک شاعر خامۂ منصور ہے

تو نے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے

❁———❁———❁

بے مثل شاہ کار ہے حسن المحاضرات

”حسن المحاضرات فی رجال القراءات“

از: طارق نعمانی

اک منضبط حصار ہے حسن المحاضرات ❁ نایاب یادگار ہے حسن المحاضرات
لکھے گئے ہیں اور بھی قراء کے تذکرے ❁ ان سب کا تاجدار ہے حسن المحاضرات
ماضی وحال لحۂ آئندہ کے لیے ❁ سوغات افتخار ہے حسن المحاضرات
اس کو مٹا نہ پائیں گے لحات کے قدم ❁ وہ نقش پائدار ہے حسن المحاضرات
اک مسئلہ تھا حل ہوا، اک قرض چک گیا ❁ توفیق کردگار ہے حسن المحاضرات
جس پر خزاں نہ آنکھ اٹھا پائے گی کبھی ❁ وہ مرکز بہار ہے حسن المحاضرات
اس راہِ جاں گداز پہ جو چل نہیں سکے ❁ ان پر ہزار بار ہے حسن المحاضرات
حرماں نصیب وہ ہے جو داخل نہ ہوسکا ❁ اک باب اعتبار ہے حسن المحاضرات
اسلوب دل نشین ہے انداز معتبر ❁ تالیف زرنگار ہے حسن المحاضرات
تابانیوں سے بزمِ فلک جس کی ماند ہے ❁ وہ درّ شاہوار ہے حسن المحاضرات

طارق بغیر چوں و چرا آپ یہ کہیں
بے مثل شاہکار ہے حسن المحاضرات

❁—❁—❁

یکتائے علم

(از: محمد ذکی صدیقی، شیخ الہند اسٹریٹ، ابوالمعالی، دیو بند

روشن ہے شہرِ فکر میں نامِ ابوالحسن
مہکا ہے تیری ذات سے تجوید کا چمن

بس تشنگانِ علم میں کمرہ ترا ملا
واضح ہے جو ہجوم میں چہرہ ترا ملا

اخلاص تیری ذات کا اک امتیاز ہے
مقبولیت کا تیری یہی ایک راز ہے

خوشبوئے مہر اور وفا ہے چمن میں آج
اک رنگ ہی عجیب سا ہے فکر وفن میں آج

تیرے قلم سے نکلی کتابیں بہت سی ہیں
گویا کہ دسترس میں بہاریں بہت سی ہیں

کچھ شانِ تمکنت بھی ہے کچھ ہے وقار بھی
پابند وقت کا ہے اُصولوں کا یار بھی

بولے تو زعفران سا بکھرے ہے ہر طرف
ہر لفظ جیسے مشک ہے ہر بات ہے صدف

ایسا وفورِ علم کا عالم دکھائی دے
مسند پہ ہو تو علمِ مجسم دکھائی دے

یکتا ہے اپنے علم میں اور فن میں فرد ہے
سب بولے یک زباں عجب آزاد مرد ہے

تاریخ اس کتاب کی یوں کی ذکی رقم
"یارب غفور! صدق کہا آپ کا کرم"
۲۰۰۴ء

شہنشاہِ قلم

از: قاری افضال احمد بجنوری

امامِ فنِّ تجوید وقراءت عالم ومقری
کہ حضرت بوالحسن صاحب کو رب نے کتنی رفعت دی
شہنشاہِ قلم وہ ماہرِ فن جس کی محنت سے
ملی مظلوم فن کو روح ثانی جس کی برکت سے
کسی کو ناز فن پر اس پہ فن خود ناز کرتا ہے
کسی کو عشق فن سے فن اسے اعزاز کرتا ہے
وہ جس پر دیوبند ام المدارس فخر کرتا ہے
خلوصِ بیکراں جس کا ہر اک دل میں اترتا ہے
مگر موصوف پر مخصوص ہے یہ فضل یزدانی
کہ ان سب ہی میں حضرت کامل واکمل ہیں لاثانی
وہ جس کا دورِ حاضر میں نہیں ہے کوئی بھی ثانی
ہیں جزریٔ زماں قربانیاں ہیں ان کی لافانی
وہ جس نے صرف ربِ اعلیٰ ہی سے ڈرنا سیکھا ہے
وہ جس نے ربِّ اعلیٰ ہی کے آگے جھکنا سیکھا ہے
وہ جس کا فیض ہے عالم میں ہر سو فیض یزدانی
بنائے کتنے انساں ماہرِ آیاتِ قرآنی
یہ ظلم وجور اور رنج ومحن سب تیری راہوں میں
خس وخاشاک اور تنکے رہے تیری نگاہوں میں

تجھے حق گوئی خود داری نے ہی مظلوم کرڈالا
تجھے مسرور تو کرتے وہ کیا مغموم کرڈالا
کتابیں ساٹھ اب تک ہوچکیں تصنیف حضرت کی
کرے افضال احمد کیا بیاں تعریف حضرت کی
یہ ہے افضالؔ بجنوری کی آخر میں دعا تجھ سے
رہے تادیر فیضِ بوالحسن ہے التجا تجھ سے

تصنیفات کا منظوم تعارف

از: مولانا ولی اللہ ولی قاسمی بستوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندر بار (دھولیہ) مہاراشٹر

(ازہر ہند ام المدارس دار العلوم دیوبند کے شعبہ تجوید وقراءت کے مایہ ناز صدر محترم جناب حضرت مولانا حافظ قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم —— ایک جید الاستعداد، عالم دین، پختہ حافظِ قرآن، بہترین قاری و مجود اور کامیاب مدرس ہونے کے باوصف —— ایک مستند مصنف اور معتبر مؤلف بھی ہیں۔

چناں چہ حضرت والا نے اب تک کل ارسٹھ کتابیں مرتب فرمائی ہیں جن میں سے اکیاون کتابیں تجوید وقراءت سے متعلق ہیں —— اور یہ کہنا قطعاً مبالغہ اور بے جانہ ہوگا کہ —— دار العلوم دیوبند کے موجودہ اساتذۂ کرام میں سب سے زیادہ صاحبِ تصنیف وتالیف آپ ہی ہیں۔ چناں چہ جس موضوع پر بھی ضرورت محسوس فرمائی قلم اٹھایا اور ایک بہترین کتاب تیار فرمادی۔

خدا کرے کہ یہ سلسلہ نافعہ مزید جاری رہے، اور حضرت موصوف کا سایۂ عاطفت بخیر وعافیت امت کے سر پر تادیر باقی رہے۔ (آمین)

میں نے حضرت گرامی مدظلہ کی جملہ تصانیف کا اجمالاً واختصاراً منظوم تعارف کرانے کی۔ ایک حقیری کوشش کی ہے خدا کرے کہ پسند آجائے"۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ یہ نظم پڑھتے وقت نمبروار حاشیوں پر ضرور نظر ڈالیں۔

الٰہی کاش یہ کوشش مری مقبول ہوجائے ❁ مرادوں کا گہر دارین میں... محصول ہوجائے

ولی بستوی

قابلِ تکریم ہیں یارو! یہ قاری بوالحسن ❁ لائقِ تعظیم ہیں یارو! یہ قاری بوالحسن
ان کا تجوید وقراءت ہے خصوصی مشغلہ ❁ حسن وخوبی سے یہ طے کرتے ہیں علمی مرحلہ
خدمتِ تجویدِ قرآنی کا انداز قدیم ❁ شائقینِ فنِ قرآں پہ ہے احسانِ عظیم
متصف ہیں خوبیوں سے، جامع اوصاف ہیں ❁ صاف گو ہیں، نیک خو ہیں، پیکرِ انصاف ہیں
منفرد تدریس کا انداز بھی حاصل ہوا ❁ لکھنے پڑھنے کا سلیقہ بھی انھیں حاصل ہوا
ہیں کتب بینی کے عادی، صاحبِ تصنیف ہیں ❁ صاحبِ لوح وقلم ہیں ماہرِ تالیف ہیں
ان کی تصنیفات کی تعداد پینسٹھ ہوگئی ❁ یہ سوانح لکھے کل تعداد چھیاسٹھ ہوگئی
فنِ قرآنی میں اکیاون کتابیں ہیں لکھیں ❁ دیگر موضوعات پر تیرہ کتابیں ہیں لکھیں
مختصر ان کا تعارف، میں کراتا ہوں سنو! ❁ ان کے اسماءِ گرامی کو گناتا ہوں سنو!
دس کتابوں کا ہے مجموعہ مکمل اِتحاف[1] ❁ عنبری نفحہ[2] کو حاصل ہے حکم سے اِتصاف
خوب شرح شاطبیہ فاسی تحفات[3] ہے ❁ قاریوں کے واسطے جو کہ حسیں سوغات ہے
تحفۂ زرّیں ہے یہ شرح عقیلہ[4]، رائیہ ❁ جامع علمی فوائد[5] شرح دُرّہ غائیہ
ترجمہ جزری کا ہے، علمی فوائد[6] کا دُرَر ❁ اور اِظہار[7] المعم، ماجد خورشید سحر
زندۂ جاوید ہے دنیا میں تفہیم[8] جدید ❁ طالبانِ فنِ قرآں کے لیے عید سعید
بہر حال طیبہ ہے خوب ایضاح[9] العشر ❁ اجر کی تحصیل بھی ہے فی القراءات[10] العشر
اور ہے تینوں قراءتوں میں حسین مستبشرہ[11] ❁ تحفۂ[12] حساب بھی ہے خوب علمی تبصرہ
خوب علم وفن سے ہے لبریز تسہیل البیان[13] ❁ اور ہے گنجِ حکم، آداب[14] تجوید قرآن
دل نشیں انداز میں لکھی ہے تیسیر القرات[15] ❁ ہیں قراءت کے جواہر[16]، خوب ہے روح القراءت[17]
ہے خلاصہ[18] کا مترجم اور معرب، خوب تر ❁ اور دو بارہ[19] رسالت کے تھے قراء معتبر
لکھ دیا، ترتیل کا اچھا خلاصہ[20] دوستو! ❁ اور لکھا خوب متنِ شاطبیہ[21]، دوستو!
رسم مصحف[22]، اور پھر اسکے مصادر بھی لکھے ❁ اور ہاں حالات لکھے، کاتبینِ[23] وحی کے
غنیۃ الطالب[24] لکھا ہے اور متن الطیبہ[25] ❁ ہے لکھا علمِ قراءت[26] اور قراء سبعہ

یہ قراءات[۲۷] عشرہ کا آئینہ قرآن ہے ۞ علم و حکمت سے مزین، نفحۃ الریحان[۲۸] ہے
ہیں قواعد[۲۹]، خوب تجوید و قراءت کے مفید ۞ اور حسن الاقتداء[۳۰] فی الوقف ہے دُرِّ فرید
ہے قراءۃ شاذہ[۳۱]، قرآنی املا[۳۲] کا طریق ۞ تقدمۃ[۳۳] علم قراءت کا، ہوا بہتر رفیق
مرکزِ تعلیم قرآں بن گیا دارالعلوم[۳۴] ۞ جسکی خدماتِ قراءت کی مچی ہر سو ہے دھوم
مژدۂ فرحت فزا، یہ تحفۂ تبشیر[۳۵] ہے ۞ طالبوں کے واسطے جو باعثِ تیسیر ہے
اور نعت قاریوں کے واسطے نعم الورود[۳۶] ۞ کر بیاں جس میں کیے حضرت نے احکام المدود
جامع وقفِ[۳۷] قراءت، نثر مرجانِ[۳۸] قرآں ۞ ہے قراءت کے رجالِ کار میں، حسنِ بیانِ[۳۹]
ہے اقامتِ[۴۰] کے مسائل، مد کی تحقیق ہے ۞ تحفۃ العرفان[۴۱]، لکھنے کی ملی توفیق ہے
شوق سے لکھی گئی، تحقیقِ کلماتِ[۴۲] ازان ۞ اور تاریخ قراءت[۴۳]، ہے حقیقت کا نشان
معرفت حاصل ہوئی عمدہ رسوم وقف[۴۴] کی ۞ ہاں اساطینِ[۴۵] قراءت کی سوانح بھی لکھی
تحشیہ کی فوائد[۴۶] پر چھائے باکمال ۞ آشکارا ہیں کیے، حضرت نے قرآنی جمال[۴۷]
اک رسالہ لکھ گئے ہیں بہرِ تجوید و وقوف[۴۸] ۞ یہ جواہر ہیں بھریں گے جن سے اہلِ دل ظروف
پارۂ اوّل کے اجراء کے لیے فیض عمیم[۴۹] ۞ ہے برائے قاریانِ عہد نو، لطفِ عمیم
ہر زمانہ کے اکابر نے کیا ہے اہتمام[۵۰] ۞ یعنی تجوید و قراءت کا کیا ہے التزام
سبعۂ احرف حدیثِ پاک معروف و شہیر[۵۱] ۞ شرح جس کی کر گئے علامۂ ابن جریر
ہے قراءت حضرت نافع کی اک سوغاتِ[۵۲] عرش ۞ جسکے راوی ہیں بڑے ہی باصفا، قالون و ورش
روبرو کی گفتگو ہے خوشگوار و دلنواز[۵۳] ۞ حضرت موصوف کا شاہکار ہے جس میں سوز و ساز
پھر بڑی تحقیق سے لکھی شفاء معلول[۵۴] کی ۞ جس میں کر تشریح ہے، معروف اور مجہول کی
روح پرور، اور حیرت خیز معلومات ہیں[۵۵] ۞ حضرت[۵۶] مدنی کے لکھے، دلنشیں حالات ہیں
اور لکھا ہے بڑی تحقیق سے الاقتصاد[۵۷] ۞ بوالحسن کی خدمتیں ہوں زندہ باد زندہ باد

۱؎ ''شفاء المعلول فی تحقیق المعروف والمجہول'' یہ نام پہلے تھا بعد میں بدل کر'' حرکات الحروف فی نطق المجہول والمعروف'' رکھا گیا۔ (بلال)

قابلِ صدحرز جاں، اسلام کے ارکان[٥٨] ہیں ❁ جو عمل پیرا ہیں ان پر نیک وہ انسان ہیں
ایک گنجینہ حکم کا ہے یہ کشکولِ حسن[٥٩] ❁ تذکرہ ابرار[٦٠] کا ہے کاشفِ رنج ومحن
دلکش ودلچسپ، حیرت[٦١] خیز سچے واقعات ❁ تھانوی کے بھی لکھے ہیں، باقیات صالحات[٦٢]
مدرسہ تجوید[٦٣] قرآں کا ہے دہلی میں قیام ❁ تو نے سیارے تراشے از چراغ نور شام[٦٤]
اور خطباتِ جمعہ[٦٥] عیدین بھی لکھے گئے ❁ سب مسائل معتبر، تحقیق سے لکھے گئے
بوعبید[٦٦] قاسم سلام کی لکھی حیات ❁ آپ زرسے ہاں لکھی ہے، آپ نے ان کی حیات
اور اسلامی مدارس[٦٧] کا لیا ہے جائزہ ❁ میں نے تصنیفات کا ان کی لیا ہے جائزہ
زندۂ جاوید حضرت کی یہ تصنیفات ہیں ❁ باکمال ومعتبر حضرت کی تالیفات ہیں
واسطے سے ان کتابوں کے رہیں گے یادگار ❁ تذکرہ دنیائے دوں میں، ہوگا ان سے پائیدار
نسلِ نو پڑھ کر کرے گی، یاد حضرت کو مدام ❁ صفحۂ تاریخ پر کندہ ہے یہ نقشِ دوام
ہے فوائد کا خزانہ ہر کتاب مستطاب ❁ یعنی ہر تصنیف میں حضرت ہوئے ہیں کامیاب
سارے استاذوں سے زیادہ صاحب تصنیف ہیں ❁ دیدہ ور مشہور عالم، ماہر تالیف ہیں
سب کتابیں ہیں درخشاں ماہ پاروں کی طرح ❁ یا الٰہی! تا اَبد، روشن ہوں تاروں کی طرح

ہے ولی کی یہ دعا کہ پائیں یہ عمر دراز
دونوں عالم میں ہو راضی ان سے ربِ بے نیاز

حواشی

(١) اتحاف البررۃ بالمتون العشرۃ
(٢) الحجۃ العصریہ شرح مقدمۃ الجزریہ
(٣) اللمعات القاسمیہ شرح الشاطبیہ
(٤) التحفۃ الجمیلہ شرح عقیلہ رائیہ
(٥) الفوائد البہیۃ شرح الدرۃ المضیۃ
(٦) الفوائد الدریہ ترجمہ مقدمۃ الجزریہ
(٧) اظہار العلم ترجمہ اختصار القول فی الوقف علی کلا وبلی ونعم
(٨) التصمیم الجدید فی علم التجوید (نقشہ)
(٩) ایضاح النشر فی حل طیبۃ النشر
(١٠) تحصیل الاجر فی القراءات العشر
(١١) المسفرۃ فی القراءات الثلاث
(١٢) تحفۃ الحسنات بعیون القراءات
(١٣) تسہیل البیان فی رسم خط القرآن
(١٤) آداب تلاوت القرآن
(١٥) تیسیر القراءات فی السبع المتواترات

(۱۶) جواہر القراءات (۱۷) روح القراءات
(۱۸) معرب و مترجم خلاصۃ البیان (۱۹) دربار رسالت کے مستند قراء
(۲۰) خلاصۃ الترتیل (۲۱) متن الشاطبیہ
(۲۲) رسم المصحف اور اس کے مصادر (۲۳) کاتبین وحی
(۲۴) تحفۃ الطالبین فی تذکرۃ الامام الشاطبی (۲۵) متن الطیبۃ
(۲۶) علم قراءت اور قراء سبعہ (۲۷) قراءات عشرہ کا حامل قرآن مجید
(۲۸) تحفۃ الریحان فی بیان قولہ تعالیٰ آلئٰن (۲۹) قواعد التجوید
(۳۰) حسن الاقتداء فی الوقف والابتداء (۳۱) قراءات شاذہ
(۳۲) قرآنی املاء اور رسم الخط (۳۳) مقدمہ علم قراءات سفارشات وگذارشات
(۳۴) دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید و قراءات (۳۵) تبشیر شرح التیسیر
(۳۶) نظم الورود فی احکام المدود (۳۷) جامع الوقف مع حاشیہ ایضاح الوقف
(۳۸) نشر المرجان فی تعداد آیات القرآن (۳۹) حسن المحاضرات فی رجال القراءات
(۴۰) اذان و اقامت کے فضائل و مسائل مع کلمات اذان میں مد کی تحقیق
(۴۱) تحفۃ العرفان فی اوقاف القرآن (۴۲) کلمات اذان میں مد کی تحقیق
(۴۳) تاریخ علم قراءات حدیث سبعۃ احرف اور قراءات صحیحہ اور شاذہ کا حکم
(۴۴) معرفۃ الرسوم مع حواشی ضیاء النجوم (۴۵) اساطین علم قراءت
(۴۶) فوائد مکیہ مع حواشی حسنیہ (۴۷) جمال القرآن مع حواشی بیان العرفان
(۴۸) مسائل تجوید اور وقوف (۴۹) الفیض العمیم فی اجراء جزء عم
(۵۰) اکابر علماء امت کا اعتناء فی القراءات (دور اوّل سے دور حاضر تک)
(۵۱) حدیث سبعۃ احرف اور علامہ ابن جریر طبریؒ
(۵۲) خزائن العرش فی قراءۃ نافع بروایت قالون وورش
(۵۳) روبرو گفتگو-ایک انٹرویو (۵۴) حرکات الحروف فی نطق المجہول والمعروف
(۵۵) روح پرور حالات اور حیرت انگیز معلومات (۵۶) یہ تھے شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ
(۵۷) الاقتصاد فی تحقیق الظاء والضاد (۵۸) ارکان اسلام
(۵۹) کشکول حسن (۶۰) ذکر ابرار
(۶۱) دلچسپ و حیرت انگیز (۶۲) حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات
(۶۳) مدرسہ تجوید القرآن دہلی کا تعارف (۶۴) تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے
(۶۵) جمعہ و عیدین کے فضائل و مسائل، مع خطبات (۶۶) سوانح ابو عبید القاسم بن سلام
(۶۷) دینی تعلیم اور مدارس: ایک تاریخی جائزہ

---

(۱) تحفۃ البررۃ (۳) تسہیل البیان (۲۱) شاطبیہ (۲۵) طیبہ نظم نگار نے منظوم کردیا ہے، مگر یہ مصنف کی کتاب نہیں ہے

رُوبرُو گفتگو

ایک انٹرویو

روبرو گفتگو——ایک انٹرویو

سائل: جناب قاری محمد اکرام صاحب مہتمم دارالعلوم صدیقیہ ظہیرہ، ہردوار

س (۱): تحفیظ قرآن سے آپ کم سنی میں فارغ ہو گئے تھے، اس وقت کے حالات اور کوائف سے متعلق کچھ بتایئے؟

ج قرآن کریم کی تحفیظ کا بیشتر حصہ حضرت والد صاحبؒ کے پاس پورا ہوا تھا، جب باپ ہی استاذ بھی ہو تو کسی بھی عنوان سے رخصت اور بے توجہی کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے، میری والدہ مرحومہ کی جانب سے بھی نگرانی بہت مضبوط تھی، میرا سونا جاگنا سب کچھ والد صاحب ہی کے ساتھ ہوتا تھا، اس لیے کسی قسم کی ڈھیل ناممکن تھی، اور سب سے بڑا فضل وکرم اللہ تبارک وتعالیٰ کا تھا کہ ایسا ماحول عطا فرمایا اور ساتھ ہی ایسا ذہن بھی بخشا کہ جتنا کچھ سبق لیتا، بغیر خاص وقت اور مشکل کے بہت تھوڑی دیر میں یاد ہو جاتا تھا۔

س (۲): علم تجوید میں خصوصی توجہ کی چیز کیا ہے، اس سلسلے میں فی زمانہ اگر کوئی کوتاہی ہو رہی ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کیجئے؟

ج واضح رہے کہ یہ علم خاص مشقی علم ہے، استاذ کے روبرو بغور سنتے ہوئے زیادہ سے زیادہ مشق وتمرین کرنی چاہیے، محقق ابن الجزریؒ واضح طور پر فرماتے ہیں:—

ولیس بینہٗ وبین ترکہٖ ❁ الا ریاضۃ امرئٍ بفکہٖ

مشق وتمرین اتنی ہونی چاہیے کہ حروف کی ادائیگی میں ادنیٰ تکلف نہ ہو، چہرے پر کوئی اتار چڑھاؤ، پیشانی پر کوئی بل نہ ہو، رگیں نہ پھول رہی ہوں، ہر حرف اپنی تمام صفات کے ساتھ مکمل ادا ہو رہا ہو، اسی کو محققؒ فرماتے ہیں:—

مکملاً من غیرِ ما تکلفِ ❁ باللطف فی النطقِ بلا تعسف

عمدہ آواز سے تلاوت کا درجہ دوسرا ہے، آج سے پچاس سال پہلے یہی ترتیب تھی، مگر فی زمانہ بڑا تغیر آچکا ہے آج تو اگر گلے باز نہ ہو، لمبا سانس نہ ہو تو اسے قاری ہی نہیں سمجھا جاتا خوش گلگی اور تغنی کو اوّل درجہ دیدیا گیا ہے، ادائیگی پر توجہ بہت کم رہ گئی ہے، شہرت یافتہ قاریوں کو سن کر افسوس ہوتا ہے، تکلف کے باوجود عمدہ ادائیگی کے ساتھ تلاوت سننے کو ترس جاتے ہیں الا ماشاءاللہ! خوش آوازی مستحسن ہے مگر مکمل حسنِ ادا کی شرط کے ساتھ! اس طرح کے تکلفات معائب تلاوت میں شمار کیے جاتے ہیں، جن کی تفصیلات مفصل کتب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

س (۳): علم تجوید کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں کچھ بتایئے؟

ج اس علم کا ایک ماضی تو وہ ہے جس کا تعلق مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے ہے، اس وسیع اور عظیم درسگاہ کی ابتداء ایک درویش صفت باکمال عالم باعمل حضرت مولانا سید محمد وزیر صاحبؒ کے ہاتھوں سے ۱۳۱۸ھ، یا ۱۳۲۰ھ میں ہوئی اور پھر آپ کے فاضل عصر بیٹے حضرت مولانا عین القضاةؒ نے والدِ بزرگوار کی چھوڑی ہوئی اس عظیم یادگار کو مزید وسیع کرنا شروع کیا، ہر فن کے ماہر اساتذۂ کرام کو مدرسہ کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا، خصوصیت سے حفظ وقراءت اور فن تجوید کا عدیم المثال انتظام فرمایا، انھیں حضرات کا یہ فیض ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں قرآن کریم کو صحیح پڑھنے اور پڑھانے کا عظیم الشان سلسلہ جاری ہوا۔

مدرسہ ہذا کے ابتدائی پچاس سال کی کارکردگی ملاحظہ کی جائے ——— ۱۳۳۱ھ سے ۱۳۸۱ھ تک مدرسہ ہذا سے نوسو ترانوے حفاظ سات سو ستانوے قراء، انتیس علماء باقاعدہ فارغ التحصیل ہوئے۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ سے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے میری تالیف ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات'' ج:۲ کے ص:۶۳ تا ص:۷۱ دیکھے جائیں۔

اس مدرسہ کی خدمات پورے ملک کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یوپی کے مشرقی خطہ نے

اسی مدرسہ کے ایک فاضل اجل حضرت الاستاذ واستاذ الاساتذہ مولانا المقری ریاست علی صاحب اعظمیؒ (م۱۳۹۱ھ) سے علم تجوید وقراءت میں سیرابی حاصل کی، آپ نے فرقانیہ میں شیخ القراء المقری محمد صدیق میمن سنگھی (م۱۳۴۹ھ) سے تجوید کی تکمیل کی۔

تکمیل تجوید وقراءات کے بعد آپ نے مشرقی یوپی کے ضلع اعظم گڑھ (اب ضلع مئو) کے مشہور علاقہ مئوناتھ بھنجن کے مدرسہ دارالعلوم میں ۱۳۴۰ھ سے تاحیات یعنی ۱۳۹۱ھ تک نہایت زرّیں خدمات انجام دیں، علم تجوید وقراءات کے ایسے ایسے جواہر پارے پیدا کیے جن سے آج دنیائے قراءات میں بڑی چمک دمک ہے۔

دہلی، پانی پت، جنوبی ہند، ریاست بھوپال، ریاست ٹونک، حیدرآباد، ریاست رامپور، وغیرہ تمام علاقوں میں علم تجوید قراءت کے اساتذہ اور ائمۂ فن نے اس علم کو خوب چمکایا، خود دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور کا ماضی بھی نہایت تابناک رہا ہے۔

مگر ماضی قریب میں ان علاقوں اور مدرسوں میں یہ علم درماندگی اور بے اعتنائی کا شکار رہا ہے۔ جو حضرات اساتذہ تھے وہ رفتہ رفتہ دنیا سے چلے گئے، بعد کے لوگوں میں وہ شیفتگی اور علم وفن کی ترویج واشاعت کے لیے سب کچھ کرگذرنے کا وہ جوش وجذبہ نہ رہا، اسی کے ساتھ مدارس عربیہ میں دیگر علوم وفنون کی جانب تو توجہات ہوئیں مگر علم تجوید وقراءت کی جانب سے غفلت برتی گئی۔

یہاں پہنچ کر اگر تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کردیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہو کہ —— ۱۴۰۲ھ میں —— دارالعلوم نے انتظامی اعتبار سے ایک کروٹ لی، اس کے نتیجے میں کچھ تبدیلیاں ناگزیر ہوئیں۔

اس موجودہ انتظامیہ سے پہلے اس شعبہ میں چار یا پانچ اساتذہ کام کرتے رہے، مگر طلبہ کی تعداد اور ان کی امداد بے حد کم رہی، اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ عام طور پر زبانوں پر یہ جاری رہا کہ یہ تو ''شعبۂ تفریح ہے'' انتظامیہ کی جانب سے خاص

توجہ نہ رہی، حتی کہ بعض استاذ نے اس شعبہ سے خود کو علیحدہ کر کے شعبۂ عربی سے منسلک ہو جانا پسند کیا۔

۱۴۰۲ھ میں جب کہ نئی انتظامیہ نے نظام سنبھالا تو اس وقت یہاں کے نہایت باصلاحیت اور جید الاستعداد خوشنوا استاذ قراءت حضرت الشیخ المقری عبداللہ سلیم صاحب دیوبندی مدظلہ، امریکہ چلے گئے، (اور امریکہ کے شہر شکاگو میں آپ نے اپنی مختلف النوع خدمات جلیلہ کا میدان بنایا) باقی ماندہ اساتذہ میں صرف جناب قاری احمد میاں صاحب (۱۴۰۴ھ تک) جناب قاری جلیل الرحمٰن صاحبؒ (۱۴۱۶ھ تک) جناب قاری محمد نعمان صاحبؒ بلیاوی (۱۴۰۴ھ تک) ہی رہ گئے اور یہ تینوں حضرات پیرانہ سالی کے دور سے گذرتے ہوئے جلد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ میں احقر اور جناب قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری کا تقرر عمل میں آیا، جناب قاری احمد اللہ صاحب بھی ایک سال کے بعد واپس پھر ڈابھیل چلے گئے۔

ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ سے شعبان ۱۴۰۳ھ تک ایک سال میں جناب قاری عبدالجلیل صاحب منی پوری نے احقر سے قراءات عشرہ کی تکمیل کی۔ (موصوف ایک سال پہلے مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں میرے پاس قراءت سبعہ پڑھ چکے تھے) جناب منی پوری کو مبدأ فیاض سے علم تجوید سے مناسبت اور لہجہ اور خوش آوازی کا حصۂ وافر عطا ہوا ہے، ایک سال بعد آپ کا تقرر درجۂ تجوید میں ہو گیا، اس کے دو سال بعد جناب قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری کو جناب قاری عبدالجلیل صاحب منی پوری کے چلے جانے کے بعد بطور اجیر اور پھر ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ کو احقر کی سفارش اور سعی سے معین مدرس کے لیے تقرر رہا اور پھر پانچ ماہ بعد شوال ۱۴۰۵ھ سے آپ کا تقرر عارضی مدرس تجوید میں کرایا، ایک سال بعد احقر کی رپورٹ کے مطابق باقاعدہ اس شعبے میں آپ کا استقلال عمل میں آیا، آپ نے ۱۴۰۳ھ اور ۱۴۰۴ھ میں قراءت سبعہ و عشرہ کبیر کی خواندگی احقر کے پاس کی۔

یہ واضح رہے کہ اس شعبے میں مدرس اوّل احقر ہی تھا اور اب بھی ہے شبانہ روز کی جدوجہد سے بحمد اللہ ایک اچھی کھیپ اور معتد بہ تعداد با صلاحیت قراء کی تیار ہوگئی، اور پھر ۱۴۱۱ھ میں جناب قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلند شہری کا تقرر احقر کی تائید سے عمل میں آیا۔ جناب قاری شفیق الرحمٰن صاحب نے ۱۴۰۶ھ-۱۴۰۷ھ میں قراءت سبعہ کی تکمیل احقر کے پاس کی تھی اس کے بعد جناب قاری شمشاد احمد بجنوری کا تقرر ۱۴۱۲ھ میں ہوا، آپ نے بھی ۱۴۰۷ و ۱۴۰۸ھ میں احقر کے پاس قراءت سبعہ عشرہ کبیر کی خواندگی مکمل کی تھی، آپ یہاں دو سال پڑھا کر ریاض (سعودیہ) چلے گئے اور (تاحال وہیں ہیں)

دو سال بعد جناب قاری جہانگیر ناصر امروہوی کا تقرر ۱۴۱۴ھ میں ہوا، آپ نے دو سال رہ کر ۱۴۱۲ھ و ۱۴۱۳ھ میں احقر کے پاس تجوید اور قراءات کی تکمیل کی تھی۔ آپ ۱۴۱۷ھ تک دار العلوم میں رہ کر قطر چلے گئے۔

اگلے سال ۱۴۱۸ھ میں جناب قاری عبد القیوم صاحب مظفر نگری کا تقرر رہا، آپ نے بھی مکمل تجوید اور قراءت سبعہ وعشرہ کی خواندگی وتکمیل احقر کے پاس کی۔ اسی طرح صفر ۱۴۱۹ھ میں جناب قاری محمد یوسف صاحب سہارنپوری کا تقرر رہا۔ آپ نے بھی ۱۴۱۴ھ میں احقر کے پاس قراءت سبعہ وعشرہ کبیر کی مکمل خواندگی وتکمیل کی۔ اسی طرح جناب قاری آفتاب عالم صاحب امروہوی کا تقرر ۲۰۰۳ھ میں ہوا، آپ نے بھی ۱۴۱۸-۱۹ھ میں احقر کے پاس بعد فجر سبعہ وعشرہ پڑھی۔

اس دراز نفسی سے مقصد احقر کو اپنی حالیہ جدوجہد کی طرف ایک ذرا اشارہ کرنا تھا، اور یہ سب محض توفیق الٰہی اور فضلِ خداوندی سے ہوا۔

ساتھ ہی اپنے احباب اور دوستوں کے ذریعے کوشش کر کے جگہ جگہ انجمنیں قائم کیں جس سے عوامی طور پر علم تجوید کی جانب عوام وخواص کی توجہ مبذول ہوئی، لوگ سمجھیں کہ قرآن کریم کے حقوق کیا ہیں، قراءات کے جلسے اور کانفرنسیں کرائیں، ان

میں علماء کرام کو مدعو کر کے ان سے تقریریں کرائیں، خود بھی جہاں جتنا موقعہ میسر آیا کہا سنا، اس کے اثرات دوررس ثابت ہوئے، سہارنپور، مظفر نگر، میرٹھ، بجنور، مرادآباد ہی تک نہیں بلکہ مشرقی یوپی اور بہار تک اس کے اثرات پہنچے، مظاہرۂ قراءت اور مسابقۃ القرآن الکریم کے جلسے ہونے لگے، عوام نے اہل مدارس سے مدارس میں تجوید وقراءت کے اساتذہ رکھے جانے کی فرمائشیں شروع کیں خود مدارس کے ذمہ دار حضرات کو بھی کسی نہ کسی حد تک توجہ ہوئی۔ اس وقت ہندوستان کے اہم اور قابل ذکر مدارس میں ذمہ دارانہ مناصب پر احقر کے بلاواسطہ یا بالواسطہ پڑھے ہوئے حضرات قراء علم وفن کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مذکورہ قریبی اشارات کو زمانۂ حال سے تعبیر کرلیا جائے تو مناسب ہوگا۔

رہا اس علم کا مستقبل تو زمانۂ حال کی جدوجہد اور ملک کے طول وعرض میں قدیم و جدید مدارس ومراکز قراءت کی مساعی اور اس علم وفن کی جانب رغبت اور اعتناء سے مستقبل کو دیکھا جاسکتا ہے مگر — بعض مدارس عربیہ کے حالات اور ان کی اپنی ذاتی افتادِ طبع کو قریب سے دیکھنے کے بعد بالکلیہ علی الاطلاق درخشاں مستقبل کی پیشین گوئی مشکل ہے۔

مدارس عربیہ میں خاص طور پر علم تجوید کو ایک ضمنی علم سمجھ لیا گیا ہے، اسے غیر اہم سمجھتے ہوئے سخت بے اعتنائی کا معاملہ روا رکھا جارہا ہے، سوتیلے پن کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ اس علم کی اہمیت اور حیثیت مسلم ہے، بایں ہمہ مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کا اس بات پر اصرار ہے کہ اس علم کی چنداں حیثیت نہیں ہے۔ الا ماشاءاللہ۔

البتہ ذاتی طور پر حضرات قراء کی مساعی اور کوششیں ضرور ایسی ہیں جنھیں دیکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ علم تجوید وقراءات کا مستقبل روشن ہے۔

س (۴): مدارس عربیہ کی جانب سے اس بے اعتنائی اور سرد مہری کا آپ کے نزدیک کیا حل ہے؟

ج منزل تک پہنچنے کے لیے عموماً کوئی ایک ہی راستہ اور لائحہ عمل تو نہیں ہوا کرتا،

متعدد راستے ہوتے ہیں، ایک راستہ بند ہوتو دوسرے راستے سے آگے بڑھ جائے، ضرورت ہے کہ پہلے سے قائم شدہ مدارس میں کام کرنے کے بجائے نئے مدارس ومراکز قراءت قائم کیے جائیں، جہاں اپنے وسائل اور ذرائع کے مطابق ابتدائی تعلیم مع التجوید، درجہ حفظ مع التجوید، مستقل درجۂ تجوید اور مستقل درجہ قراءت قائم کرکے یکسوئی کے ساتھ کام کیا جائے۔ مدارس عربیہ میں ان کے اپنے بکھیڑے ہوتے ہیں، بہت سے شعبہ جات ہوا کرتے ہیں، یہ کسی خاص شعبہ کی جانب توجہ کرنا بھی چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ اور اصل یہ ہے کہ یہ ارباب مدارس اور ان کے منتظمین عموماً چوں کہ اس علم سے حقیقتاً نابلد ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ اس کی ضرورت واہمیت سے ناواقف ہوتے ہیں اور معلوم ہے کہ "الناسُ اعداءٌ لِمَا جَهِلُوْا" اس مقولہ کا پھر اثر یہ ہوتا ہے کہ علم القراءات سے ناواقفیت کے باعث اس کی اہمیت اور ضرورت سے نہ صرف بے اعتنائی ہوتی ہے، یہ لوگ اس علم کے کارکنوں سے یک گونہ چڑھتے ہیں، اس کے ساتھ بے رخے پن اور سوتیلے پن کا ثبوت دیتے ہیں اور جو حیثیت عربی زبان پڑھانے والے اساتذہ کی ہوتی ہے اس سے انھیں منتظمین فروتر اور کمتر بلکہ درجہ ادنی اور گھٹیا درجہ سمجھتے ہیں الا ماشاء اللہ! حالاں کہ یہ منتظمین ایسے نابلد بھی نہیں ہوتے جو مشہور فرمان نبوی ﷺ "خیر کم من تعلم القرآن وعلمہٗ" اور "خیر کم من قرأ القران واقراہٗ" کو نہ جانتے ہوں، عجیب بات ہے، پیغمبر ﷺ تو یوں ارشاد فرمارہے ہیں، یعنی تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور سکھائے، جو قرآن پڑھے اور پڑھائے، آپ ﷺ تو بہتر ارشاد فرمائیں اور ہمارے مدارس عربیہ کے کرتا دھرتا حضرات معلمین قرآن کریم اور مقرئین حضرات کو کمتر، فروتر اور درجہ ادنیٰ کا مدرس قرار دیتے ہوئے، خودساختہ نظام کے تحت، علیا وسطیٰ، اور ادنی کا اسکیل اور گریڈ کے تحت ان مقرئین کو ادنی اور گھٹیا درجہ میں رکھیں، اس صورت حال پر مزید اور کیا تبصرہ کیا جائے ؎

فسوف تریٰ اذا انکشف الغبارُ ۞ افرسٌ تحت رِجلك ام حِمارُ

دراصل مغالطہ اور مفسدہ اس لیے ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو صرف معانی قرآن سمجھ لیا گیا ہے جب کہ درحقیقت تعریفِ قرآن ہے" هو النظم والمعنى جميعاً" یعنی الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام قرآن ہے، نہ صرف الفاظ، اور نہ صرف معانی، اور یہ بھی واضح ہے کہ الفاظ کو معانی پر تقدم حاصل ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ الفاظ اور معانی دونوں کے خدام کو کم از کم ایک درجہ میں رکھا جاتا مگر مدارس عربیہ میں کیا ہورہا ہے؟فَیَا اَسَفَا:

اس افسوسناک صورتِ حال کو بیالیس سال سے دیکھتے آرہے ہیں، ان میں سدھار کے بجائے بگاڑ ہی روز افزوں ہے، اسی وجہ سے اب اس نتیجے پر پہنچے کہ علم تجوید وقراءت کے فروغ کے لیے الگ انتظام ہی مسئلے کا حل ہے۔

س (۵): اس صورتِ حال میں ذاتی طور پر آپ کیا کچھ کر سکتے ہیں؟

ج اس کا جواب تو ایک بہت مختصر بھی ہے اور قدرے تفصیل کے ساتھ بھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفصیلی جواب دیا جائے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ میں مختلف مدارس سے ہوتا ہوا اور صورتِ حال کا جائزہ لیتا ہوا دار العلوم دیو بند پہنچا، یہاں کی اس وقت کی حالت کی طرف قدرے اشارہ کیا جا چکا ہے، میرا ایک خواب تھا سوچا تھا کہ اب جب کہ دار العلوم میں انتظامیہ تبدیل ہوئی ہے، ایک نیا جوش وخروش ہے، دار العلوم میں محنت اور جدوجہد کا ایک موقعہ ہاتھ آیا ہے، علم وفن کی جو خدمت امکان بھر ہو سکے کر گذرنا چاہیے، چناں چہ ایک نئی لگن کے ساتھ کام شروع کیا اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچھ کام ہوتا ہوا نظر بھی آیا، تھوڑی ہی مدت میں اللہ تعالیٰ نے تعلیماً وتدریساً اور تالیفاً وتصنیفاً اس علم کی خدمت کی توفیق بخشی، مگر کیا عرض کیا جائے، کسے قصوروار ٹھہرایا جائے؟ ایک کرم فرما کے الفاظ اس وقت اس طرح کے سنائی دیے۔ ؎

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی!

——— بہر حال کیا ہو گیا کس کی نظر لگ گئی۔

١٤٠٦ھ سے ملک وبیرون ملک سے میرے خلاف سازشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا، اور یہ سلسلہ ١٤٢٠ھ تک طویل ہوا جس کی کچھ تفصیلات اسی مجموعہ اوراق میں دیکھنے سے مل جائیں گی، البتہ یہاں ذرا سی تفصیل یہ ہے کہ ان حالات کی اطلاع ان دنوں عارف باللہ حضرت مولانا قاری السید محمد صدیق صاحب باندویؒ کو ہوئی تو آپ نے مجھ سے حالات کی تفصیل چاہی (میں اس وقت باندہ گیا ہوا تھا) میں نے بے کم وکاست بیان کردی، اس وقت فوری طور پر حضرت مرحوم پر گہرا تاثر ہوا تھا اور فرمایا تھا کہ" دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کرلو، قراءت کا الگ سے ایک مدرسہ قائم کرو، جو کچھ بھی ممکن ہوگا اس کے لیے میں کروں گا"۔ میں سن کر قدرے متحیر ہوا کہ مولانا اور اس طرح کا مشورہ مگر تاثر کی شدت ہی ایسی تھی، حالات ہی ایسے بنادیے گئے تھے، رات گذری، نماز فجر سے پہلے اپنے دفتر میں یاد فرمایا اور فرمایا کہ" آپ کی گفتگو اور حالات سن کر رات میں جو کچھ کہہ دیا تھا، اسے جانے دیجئے، دارالعلوم اپنے اکابر کا مدرسہ ہے اس سے ازخود علیحدہ ہونا مناسب نہیں، رہئے اور جو کچھ بھی خدمت ہو کرتے رہئے، البتہ اگر علیحدہ کردیا جائے تو ذرا بھی خیال نہ کیجئے گا، الگ ہونے کے بعد ہی فوراً دیوبند میں مدرسہ قائم کرکے کام شروع کردیجئے"۔

حضرت مولانا باندوی مرحوم کی طرح دیگر بہت سے بڑے دوستوں اور مخلصوں نے اسی طرح کا مشورہ دیا، ہمارے ایک دوست کی یہ بات بھی اچھی لگی کہ جو صورت حال ناقدری کی اب چل رہی ہے اس میں اگر آپ مستعفی بھی ہوتے ہیں تو اس کا کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا، اور سوالات کے جوابات میں آپ کو ایک لمبی بات کہنی ہوگی، اور الگ کردیے جانے کی صورت میں آپ کو زیادہ نہیں بولنا ہوگا"۔

بہرحال اپنے مخلصین اور احباب کے مشوروں کے پیش نظر خود تو تاحال الگ نہیں ہوا اور نہ ہی ازخود الگ ہونے کا ارادہ ہے، اب میں آپ کے سوال کی جانب آرہا ہوں۔ جب میں نے مذکورہ صورت حال کا جائزہ لیا اور یہ کھلے طور پر محسوس

ہونے لگا کہ میری بعض "خامیاں" لوگوں کے لیے نا قابلِ برداشت ہوں گی (وہ خامیاں یہ ہیں، میں جی حضوری، حاضر باشی، اور تملق وچاپلوسی کے فن سے نابلد ہوں، دورِ حاضر میں یہ "نقص" ہی مانا جاتا ہے) تو اپنے دوستوں کو آمادہ کیا کہ اس علم کے لیے بطورِ خاص مدرسہ قائم کریں چناں چہ، مراد آباد میں "دارالقراءت مدرسہ اُبی بن کعبؓ" مہتمم جناب قاری جمشید علی صاحب مدناپوری سلمہ۔ بجنور میں "دارالقرآن مدرسہ ابن مسعودؓ" مہتمم جناب قاری افضال احمد صاحب بجنوری ــــــ سلمہ، ہریدوار ضلع کے گاؤں بلہیڑہ (قریب روڑکی) میں دارالعلوم صدیقیہ مہتمم جناب قاری محمد اکرام صاحب سلمہ، اور ایک مدرسہ دارالعلوم زکریا جھولی جس کے مہتمم جناب مولانا قاری قربان صاحب ہریدواری سلمہ ہیں۔ اور دیوبند میں "المعہد العلمی الاسلامی" مہتمم جناب مولانا قاری مفتی احمد سعد صاحب (ابن مبلغ اعظم حضرت مولانا ارشاد احمد صاحبؒ) یہ حضرات ہیں جنھوں نے میری خواہش اور تمنا پوری کی۔

رہی بات ذاتی طور پر کچھ کرنے کی تو جس دن علیحدگی عمل میں آگئی اسی دن دیوبند میں ایک ایسا مدرسہ جو علم تجوید وقراءت کا جامع ادارہ ہوگا ان شاء اللہ، قائم کردیا جائے گا، سب سے اہم ضرورت ہے اس علم وفن میں تخصص پیدا کرنے کی، ایسے اصحابِ فن کی تیاری جنھیں مدارس میں بے تکلف کام کے لیے بھیجا جاسکے، آج اس کی بے حد کمی ہے، ہمارے پاس برابر لوگ آتے ہیں اور قاری کی مانگ کرتے ہیں، ہم انھیں مایوس کرتے ہیں۔

س (۶): آپ نے ابھی کہا ہے کہ دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد مدرسہ کا قیام، تو یہ علیحدگی ہی پر کیوں موقوف ہے۔ مدرسہ کا قیام تو دارالعلوم کے کسی ضابطے اور قانون سے متصادم نہیں ہے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے اور ہم یہ دیکھ بھی رہے ہیں کہ دارالعلوم سے تدریسی خدمات کا تعلق رکھتے ہوئے مدارس اور اسکول لوگ قائم کررہے ہیں، اس کے نظم وانتظام کو بھی دیکھ رہے ہیں بلکہ اندرونِ ملک اور بیرونِ

ملک میں اس کے لیے مالیات کی فراہمی کے سلسلے میں اسفار بھی کرتے ہیں، پھر آپ کے لیے ایسی کیا رکاوٹ ہے؟

ج ہاں اس صورت حال سے کم وبیش واقفیت تو ہمیں بھی ہے مگر ۔

نازک ہے مزاج یار بہت سجدوں سے بھی برہم ہوتا ہے!

میری ذات سے بعض لوگ ذرا کچھ زیادہ ہی حساس ہیں ۱۴۰۶ھ میں مجھ سے کچھ کیے گئے ایسے سوالات اور ان کے جوابات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن خیر اب ایسی کوئی بات میرے پیش نظر نہیں ہے، میں تو اب سالہا سال سے دار العلوم میں ہر دن آخری دن سمجھ کر آتا جاتا ہوں، جب سالانہ مجلس شوریٰ ہوتی ہے تو جانکار اور واقفین سے پوچھ لیتا ہوں کہ بھائی آئندہ سال کے لیے میں ہوں یا نہیں: بہر حال مجھے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کہ مجھے کب الگ کر دیا جائے گا ــــــ اصل بات یہ ہے کہ قیام مدرسہ تو کبھی بھی ہو جائے، لیکن جس یکسوئی توجہ اور ہمہ جہتی لگن اور جدوجہد کی ضرورت ہے وہ تو یکسو ہو کر ہی ہو سکتی ہے، اسی لیے ابھی یہ مرحلہ ٹلتا جا رہا ہے مگر اب اس میں کچھ زیادہ تاخیر نہیں ہوگی، تعلیمی معیار اب اتنا گر چکا ہے کہ کسی سے بھی کام لیا جا سکتا ہے، اب کسی خاص صلاحیت اور قابلیت کی ضرورت نہیں رہی، قراءت سبعہ وعشرہ کی تدریس ایسے بھی لوگوں کے پاس ہے، جنھوں نے باقاعدہ طور پر اس فن کو پڑھا بھی نہیں، غیر مستند ہیں، نیز بعض نے تو عشرہ قراءت سرے سے پڑھا ہی نہیں، اس سے شعبہ کی حیثیت اور انتظامیہ کی اس شعبہ کی جانب توجہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، بایں صورت حال دیوبند میں خاص طور پر ایک ایسے مدرسہ کی اشد اور بلا تاخیر ضرورت بڑھ جاتی ہے جس میں صرف اسی فن پر کامل یکسوئی کے ساتھ محنت کی جائے۔ جس کا نصب العین یہی شعبہ ہو، اسی کی ترویج واشاعت اور اسی پر تمام تر توجہ ہو۔

س (۷): آپ کو دار العلوم میں تادم گفتگو تیئس سال ہو چکے ہیں اور مدرسہ اصغریہ کے قیام کو ملا لیا جائے تو یہ مدت ربع صدی سے بڑھ جاتی ہے، ماضی اور حال

کے بارے میں آپ کے خیالات جاننا چاہیں گے؟
ج حضرت نانوتویؒ اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد دیوبند آتے رہتے تھے، اپنے استاذ مولانا مہتاب علی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا ذوالفقار علی صاحب سے اور کبھی کبھی حضرت حاجی عابد حسین صاحب سے آپ کی ملاقات رہا کرتی تھی، ان مجلسوں میں دیوبند میں ایک دینی مدرسہ کے قیام کا ذکر رہتا تھا۔ ۱۹۵۷ء کے خونی حادثہ اور قیامت صغریٰ کے بعد جب عام معافی کا اعلان ہوگیا تو اب حضرت نانوتویؒ کے دل ودماغ میں قیام مدرسہ کا جذبہ شدت اختیار کر چکا تھا، مگر حضرت برطانوی استعمار کی نگاہوں میں آچکے تھے، پولیس کے ریکارڈ میں آپ باغیوں میں تھے، اس لیے آپ نے چاہا کہ مدرسہ کے آغاز کار کے لیے کوئی ایسی شخصیت سامنے لائی جائے جس کا اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہ ہو، ایسی شخصیت حاجی عابد حسین صاحبؒ کی تھی چناں چہ مدرسہ کا آغاز آپ کے ذریعہ ہوگیا۔

مدرسہ کی ابتداء جس طالب علم سے ہوئی وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ تھے، حضرت نانوتویؒ نے میرٹھ سے ملا محمود صاحب دیوبندی کو مدرس بنا کر بھیجا ملا محمود نے حدیث حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے پڑھی تھی، خدارسیدہ بزرگ، حضرت نانوتویؒ کے ہم عمر تھے، دارالعلوم دیوبند میں بیس سال مدرس رہے، ۱۳۰۴ھ میں دیوبند میں وفات ہوئی یہیں مدفون ہیں۔

دارالعلوم میں طلبہ کا رجوع شروع ہوا اور کثرت کے باعث اساتذہ کی تعداد میں اضافہ ہوا تو استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے صاحبزادے دارالعلوم کے اوّلین صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کو بلا کر دارالعلوم کا پہلا صدر مدرس بنایا گیا۔ اکثر اکابر آپ کی ولایت کے قائل تھے، بڑے جذب وجلال کے مالک تھے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ استاذ زادہ ہونے کی وجہ سے آپ کا بے حد احترام فرماتے تھے، ایک بار تو اپنے کرتے کے دامن سے آپ کے پاؤں کے

گردوغبار صاف کئے اور ان سے نماز کی امامت کرائی۔ انیس برس تک مسند صدارت پر فائز رہتے ہوئے ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ میں نانوتہ میں وفات ہوئی وہیں مدفون ہیں۔

حضرت نانوتویؒ اگر علم وتحقیق میں ابن حجر اور ابن تیمیہ تھے تو تقویٰ اور سادگی خشیت وللہیت میں بھی ایک مثالی شخصیت تھے آپ کے تلامذہ اور پھر حضرت شیخ الہند جنھوں نے آپ سے حدیث پڑھی، حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور آپ کے بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور آخر میں حضرت فخر المحدثین مولانا فخر الدین صاحب یہ اکابر تھے جو دارالعلوم دیوبند کے ماضی تھے، آج ان کے علمی، عملی اور تدریسی کارنامے کتابوں میں محفوظ ہو چکے ہیں اور عالم آشکارا ہیں۔

اکثر اساتذہ شب بیدار تھے ہم سنا کرتے تھے کہ دارالعلوم کا دربان بھی صاحب نسبت ہوا کرتا تھا دربان اور طلازمین میں بھی عبادت وریاضت کی سرمستی پائی جاتی تھی، خیر وبرکت در وبام سے اُبلتی تھی، چپے چپے پر ذکر الٰہی کا نقش نمایاں تھا، علوم شریعت کی جامع تلقین کے ساتھ دل کی آبادی وتابنا کی اور عقل وخرد کی پاکیزگی اور دعوت الی اللہ کے ذوق وشوق کی دلوں میں آبیاری اور مردم گری اور رجال سازی کا اہتمام پایا جاتا تھا —— ظاہر ہے کہ یہ موقع مدح اور خوبی میں کہا جاتا تھا، اوپر سے نیچے تک ایسے خدا رسیدہ بزرگوں سے دارالعلوم کا ماضی عبارت تھا۔

میں حضرت مدنی کے دور تک کو دارالعلوم کا ماضی بعید اور اجلاس صد سالہ تک کے دور کو ماضی قریب سمجھتا ہوں، اجلاس صد سالہ سے اس ادارے کا حال شروع ہوتا ہے۔

کیا عرض کیا جائے اور کس کس چیز کو موضوع گفتگو بنایا جائے کتنے ہی چہرے ہیں جنھیں حال کا آئینہ دکھایا جائے تو لٹک جائیں گے ناک بھوں چڑھائیں گے۔

یہ واضح رہے کہ اینٹ وپتھر کے پڑاوے اور طلبہ اور اساتذہ کی بڑی تعداد کے محض اضافے کا نام مدرسہ نہیں ہوتا یہ کوئی زیادہ اہمیت کی بات نہیں، اصل یہ ہے کہ اس تعداد سے کتنے جوہر قابل پیدا ہو رہے ہیں۔

پھر یہ کہ محض علم و تعلیم کوئی چیز نہیں، یہ کوئی دنیاوی ادارہ نہیں ، دینی ادارہ ہے، اسکے کچھ اور بھی اغراض و مقاصد ہیں۔ علم و تعلیم سے اوپر اٹھ کر للّٰہیت، تقویٰ اور خشیت الٰہی کی کیفیات بھی نہایت ضروری ہیں، مقدم ہیں اور یہی اصلی مقصود ہے۔ ہم نے جب قریب سے دیکھا تو ہمیں بے حد مایوسی ہوئی، اکثر احباب اور متعلقین سے اس عنوان پر گفتگو ہوتی رہتی ہے اور بات تلخی تک پہنچ جاتی ہے ہم سے اخلاص و تقویٰ تو دور ہو ہی چکے ہیں ظاہری امور کی پوری پوری انجام دہی سے بھی قاصر ہو رہے ہیں۔ زیادہ تفصیل مناسب نہیں ہے۔ بعض اشارات میں نے اپنے کسی مضمون میں کر دیے ہیں ماضی قریب تک کم از کم اسباق میں اوقات کی پابندی کا بڑا اہتمام رہتا تھا (اور ہونا ہی چاہیے کہ جس وقت ہی کے عنوان سے تنخواہ کا جواز ہوا) اس سلسلے میں خاص طور پر شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کا اسم گرامی بڑے زور و شور سے لیا جاتا ہے، مگر اب یہ صرف ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہے، محض گرمیِ مجلس کے لیے تذکرہ رہ گیا ہے۔ اور پھر آئندہ اس موضوع پر بھی کھل کر گفتگو ہوگی، مختصر اور خلاصہ یہ ہے کہ کم از کم میں تو دارالعلوم کے حال سے نہ صرف یہ کہ خوش نہیں ہوں، بلکہ مایوس ہوں، اللہ رحم فرمائے۔

صفات مذکورہ کے سلسلے میں اگر کبھی گفتگو کی جاتی ہے تو اس دور کے اساتذہ عجیب و غریب نظروں سے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، یہ یاد رہے کہ اگر یہ صفات مفقود رہیں گی تو یہ نہاخانۂ دل، یونہی خالی نہ رہے گا، اس کی خالی جگہ پر، حسد، تکبر، بغض و عناد، جذبۂ انتقام، نفرت و حقارت وغیرہ وغیرہ رذائل اپنے ڈیرے جمائیں گے۔

س (۸): اس صورت حال کا حل کیا ہے؟

ج آپ ماضی قریب تک کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے، کوئی بھی علم دین حاصل کرنے والا خود کو عالم کامل نہیں سمجھتا تھا تاوقتیکہ وہ کسی شیخ کامل کا دامن تھام کر برسہا برس تک خود کو اس کے حوالہ کر کے اس کی جوتیاں نہیں سیدھی کرتا تھا، ایک زمانے تک شیخ کامل اس

کے حسب حال نسخہ تجویز کر کے اس کی اصلاح کرتا اور یہ عالم، مذکورہ رذائل سے خود کو منزہ کر کے جب درس وتدریس کے لیے مدرسہ کا رخ کرتا تو پھر اس کے عکس سے طلبہ از خود متاثر ہوتے اور تعلیم کے پہلو بہ پہلو تزکیہ بھی ہوتا رہتا۔ پھر اسی طرح سلسلہ آگے چلتا ـــــــ اب صورت حال بالکل بدلی ہوئی ہے۔ آج کل کے جدید تعلیم حاصل کرنے والے، ظاہری نصاب کی تکمیل کر کے اپنے اوپر عالمیت کا لیبل چسپاں کر کے سمجھتے ہیں کہ بس اب سب کچھ ہو چکا، اور مذکورہ رذائل کی پوٹ اپنے اندر لیے ہوئے مسند تدریس پر فائز ہو کر علم وتعلیم کے نام پر رذائل کا اضافہ کرتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ طریقۂ تعلیم کے نظام پر غور کر کے اسے بدلا جائے، اور درسگاہی نظام کے ساتھ خانقاہی نظام کو بھی ضروری سمجھا جائے ورنہ اگر یہی صورت رہی تو خدانخواستہ حالات بد سے بدتر ہوں گے۔

ابھی کتنے دن گذرے، حضرت مدنیؒ کی ذات اپنے اندر کیا کچھ نہیں سمیٹے ہوئے تھی، شریعت اور طریقت کے جامع تھے، ایک طرف درسگاہ کے اتنے زبردست عالم تھے تو دوسری طرف آپ کی ذات خانقاہ کے سارے ہی نظام کی حامل تھی اور یہ

درکفِ جامِ شریعت، درکفِ سندانِ عشق!...

کے مصداق تھے۔

آپ کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذاتِ ستودہ صفات تھی، بعد عصر آپ کی مجلس حکیمانہ، عالمانہ وعارفانہ کون بھول سکتا ہے۔

ساتھ ہی حضرت مولانا ارشاد احمد صاحبؒ مبلغ دارالعلوم دیوبند کی بعد عصر کی مجلس، اسی کے ساتھ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی مسجد چھتہ کی عارفانہ سرگرمیاں، یہ تین مجالس تو بالکل سامنے کی ہیں۔ مؤخر الذکر کی مجلس تو اپنے اندر عجیب وغریب علم ومعرفت کی سرمستی رکھتی تھی، اساتذہ اور طلبہ

یکساں طور پر مستفیض ہوتے تھے۔

کہاں بہ یک وقت اتنی مجالس اور کہاں یکسر یہ سناٹا، اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی۔

حضرت مدنیؒ گئے تو ان کا کوئی جانشین نہ رہا، آپ کی خانقاہ جانشین کو ترس گئی، حضرت مولانا ارشاد صاحبؒ گئے تو آپ کی جگہ خالی رہ گئی، اور حضرت مفتی صاحبؒ گئے تو مسجد چھتہ کی ساری رونقیں آپ کے ساتھ چلی گئیں۔

اُف رے یہ دشتِ غم کا سناٹا ❁ کوئی آواز دور دور نہیں

بعض حضرات کو ایک کھٹک یہ بھی ہوتی ہے کہ بعض مدارس میں کسی نہ کسی ''بزرگ'' کے خلیفہ بھی ہوتے ہیں مگر جو صورت حال نہیں ہونی چاہیے، وہ ہوتی ہوئی نظر آتی ہے ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اب موجودہ پیشہ ور (معاف کیجئے گا میں ایسوں کو پیشہ ور ہی کہوں گا) ''مشائخ'' بلکہ دوکاندار مقرر کر رکھے ہیں مثلاً یہ وظیفہ، پھر یہ وظیفہ اور پھر یہ وظیفہ، اور ان وظائف کی تکمیل کے بعد یہ بے چارے مریدین ایسے ایسے فرضی گڑھے ہوئے خواب بیان کرنے لگتے ہیں کہ یہ پیشہ ور شیخ خود کو واقعی بے چارہ محسوس کرنے لگتا ہے اور جھٹ خلافت سے سرفراز کر کے اپنے حلقۂ خلفاء میں اضافہ کر لیتا ہے —— یہ میں محض یونہی بطور لطیفہ کے نہیں عرض کر رہا ہوں، میرے سامنے ایسے متعدد واقعات آئے ہیں کہ خواب دیکھ دیکھ کر خلافت لے رکھی ہے، اور بعض زیاں کار تو خود اپنے شیخ کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔

شیخ کامل، اور محقق، اپنے مرید کے اخلاق پر نگاہ رکھتا ہے، اس کی تیز نگاہ اور دور بین نظر، مخاطب اور مرید کے درون اور باطن میں جھانک کر دیکھ لیتی ہے، مرید کے احوال سے وہ حقیقت کو پالیتا ہے اور پھر اسی کے مطابق نہ صرف نسخہ تجویز کرتا ہے، بلکہ نسخے کا استعمال کراتا ہے، اور اس کے احوال کی نگرانی بھی کرتا ہے، اور یہ عمل روز

دوروز کا نہیں، ایک زمانہ اسی حال واحوال میں بسر ہوں گے، یعنی اصلاح تو جب ہوتی ہے کہ کسی ''مردِ کامل'' کے سامنے خود کو پامال کرنا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر ''مردِ حال'' بنتا ہے۔ اسی کو عارف رومی یوں فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مردِ حال شو ❁ پیش مردِ کاملے پامال شو

دورِ حاضر، سہولت پسندی کا دور ہے، کون ہے جو جدو جہد اور محنت ومشقت کو گلے لگانا چاہے، پیشہ ور پیروں اور مریدوں نے اس طریق کو بدنام ہی کیا ہے، ضرورت ہے کہ خوب تحقیق کر کے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جائے، اس میں جلدی ہرگز نہ کرنی چاہیے، نیز یہ کہ اگر تعلق قائم کرنے کے بعد کوئی امر خلافِ شرع دیکھے تو بلا تاخیر الگ ہو جائے۔

س (۹): ملکی سیاست سے تعلق کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ج سیاست سے مراد اگر تدبیر مملکت اور خدمت قوم وملت ہے تو ظاہر ہے عین دین ہے، جس کی مثالیں قرنِ اوّل میں ملتی ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں استخلاصِ وطن کی جد وجہد کو موجودہ دور کی سیاست سے ہرگز نہیں جوڑنا چاہیے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اور آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مدنیؒ نے جو کچھ بھی جد وجہد فرمائی ہے اس کا کوئی بھی تعلق دورِ حاضر کی گندی سیاست سے نہیں ہے۔

اس موضوع سے متعلق ماضی میں بہت کچھ کہا سنا اور لکھا گیا ہے، میں یہاں ماضی کی ایک ذہین ترین شخصیت اور مقبول مقرر کے الفاظ نقل کرنا چاہوں گا، ۱۹۷۰ء کے آس پاس کی بات ہوگی جونپور میں میرا قیام تھا، پڑھے لکھے لوگوں کی مجلس تھی سیاستِ حاضرہ پر گفتگو کے دوران حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہانپوریؒ نے فرمایا:

''انگریز یہاں سے جاتے جاتے اپنی سیاست کی قے کر گیا، آج ہم ہندوستانی اس کی قے کردہ سیاست کو چاٹ رہے ہیں اور خود کو سیاست داں سمجھتے ہیں''۔

حضرت مولانا ابوالوفا صاحب مرحوم کے ساتھ میرا بہت پرانا تعلق تھا، سفر

وحضر میں ایک مدت تک ساتھ رہا۔ دنیا بھر کے موضوعات پر بڑی مبصرانہ گفتگو فرماتے تھے، مولانا اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس رہے، بڑے ہی ذہین اور رساذہن کے مالک تھے، دارالعلوم دیوبند میں آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا ارشاد صاحبؒ مبلغ دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب اعظمیؒ وغیرہ جیسے بڑے بڑے حضرات شاگرد تھے۔

میں موجودہ زمانہ میں ملکی سیاست کو مولانا مرحوم کے مذکورہ الفاظ میں دیکھتا ہوں، آج کی سیاست کا مقصد، جھوٹ، فریب اور دھوکہ، جس طرح بھی ممکن ہو زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنا، جائدادیں بنانا اور اولاد کا مستقبل سنوارنا ——— اس کے سوا کچھ نہیں، اگر کوئی اِکا دُکا شخص اپنے اندر قوم وملت کی خدمت کا کچھ جذبہ رکھتا بھی ہے "تو یہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز" ہو کر رہ جاتی ہے۔ لوگ اپنی قیمتی جائدادیں فروخت کر کے صوبائی یا مرکزی وزارتیں حاصل کرنے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مقابلہ آرائی کرتے ہیں۔ اور پھر اس وزارت سے سب مع کچھ سود کے حاصل کرتے ہیں۔ اس کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت مولانا ابوالوفا صاحبؒ المذکور کے الفاظ کی تائید کرتے ہوئے حکیم الملک حکیم عبدالحمید بانی ہمدرد یونیورسٹی دہلی مرحوم کے درج ذیل الفاظ بھی نظر آتے ہیں، سنئے:

> ''سیاست آج کل جس شیطنت کی مظہر ہوتی جارہی ہے اس کے پیش نظر کیا ہی اچھا ہوا کہ میں کبھی اس گندگی میں نہیں پڑا''۔ (دس بارہ سال پہلے لکھے ہوئے ایک شذرہ سے)

مگر اس حمام میں جہاں سب ننگے ہیں، کبھی سناٹے میں کوئی آواز ابھر آتی ہے تو ایک عجیب سی حیرت ہوتی ہے، مثلاً: یکم اگست ۱۹۰۲ء کے اخبار سہارا دہلی میں بنگال کی مشہور عورت ''ممتا بنرجی'' کا پارلیمنٹ میں بیان:

> ''میں ہوائی چپل پہنتی ہوں اور یہ ۴۵ روپے کی ہوائی چپل مرکزی سرکار

کے عہدہ سے زیادہ قیمتی ہے"۔

کیا ایسا جذبہ کسی مسلم "سیاست داں" میں فی زمانہ نظر آتا ہے۔

س (۱۰): ہندوستان میں بہت سی قومی اور ملی جماعتیں ہیں، آپ کا ان میں سے کبھی کسی حیثیت سے کوئی تعلق تھا کہ نہیں؟

ج اسلام کا مزاج جماعت، اجتماعیت، جامعیت اور جمعیت سے مرکب ہے، اس لیے فطری طور پر کسی نہ کسی جماعت یا جمعیت سے انتساب اور تعلق لازمی ہے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ہمارے دیار میں جس جماعت کا نام اور شہرہ تھا وہ جماعت اسلامی تھی، اس جماعت کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب تھے، مودودی صاحب کے مزاج میں ابتدا ہی سے تعلّی اور آزادی تھی، ہندوستان کے بعض نہایت آزاد اور تقریباً دین سے دور لوگوں سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے جس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ آپ کے اندر بھی وہ سب کچھ موجود رہا جو ایک داعی کے اندر نہ ہونا چاہیے تھا، نتیجہ ظاہر ہے، اسی کے ساتھ ہم اعظم گڑھ والوں پر اللہ رب العزت کے فضل خاص کی شکل میں حضرت مولانا تھانویؒ کے بزرگ ترین خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوریؒ کی ذات گرامی پھول پور میں تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ بڑا عظیم کام یہ لیا کہ پورے خطہ کے عقائد محفوظ ہو گئے، مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کا قیام زیر سرپرستی حضرت تھانویؒ، حضرت پھول پوریؒ کی نظامت، اس مدرسہ کا پورے اعظم گڑھ پر ایک ایسا اثر ہے کہ وہ لوگ جو کسی نہ کسی درجہ میں جماعت اسلامی کے زیر اثر تھے یا اب بھی ہیں وہ بھی دینی تصلب کے اعتبار سے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ کو تمام دینی معاملات میں ترجیح دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا جب اس جماعت کا بڑا غلغلہ تھا، لیکن اپنے مخصوص عقائد اور ایک دیندار آدمی کے لیے بہر حال وحشت زدہ کر دینے والے نظریات کے باعث بہت تھوڑے ہی لوگوں کو متاثر کر سکا۔ مجھ جیسے ہزاروں لوگوں کو جو حضرت تھانویؒ

اور آپ کے متوسلین اور علماء دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں کو اللہ رب العزت نے اپنے فضل وکرم سے اس جماعت کے اثرات سے بچالیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

دوسری جماعت اکابر دیوبند کی جمعیۃ علماء ہند سامنے تھی (اب بھی ہے) ابتداء اس سے بعض وجوہات کی بناء پر نہ تو کوئی خاص تعارف تھا اور نہ توجہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کا نام اور آپ کی زبردست شخصیت تقریباً ۱۹۵۲ء سے جانی پہچانی تھی مگر اس وقت اور بعد کی خاصی مدت تک آپ کی حیثیت ایک عظیم عالم، محدث، واعظ اور شیخ سے زیادہ نہ تھی، میری پیدائش آزادی سے پہلے کی ہے، جب ملک آزاد ہوا تو اس وقت میں اچھا خاصا باشعور تھا، جنگ آزادی کی گہما گہمی اور اس کا شور سب ذہن میں محفوظ۔ شعور جب کچھ بڑھا تو پتہ چلا کہ مولانا مدنیؒ ملک کی آزادی کے ایک بہت بڑے سپاہی ہیں اور انگریزوں کے دشمن نمبر ایک۔ ملک آزاد ہوا۔ اور اس خونی آزادی نے جو کبھی نہ بھرنے والے سدا ہرا رہنے والے زخم دیے، آزادی کے کڑوے پھل کا اس وقت کم سنی کے باوجود بھی اندازہ ہو رہا تھا، بہر حال مولانا مدنیؒ کی ذات اور آپ کے ذریعے آپ کی جماعت جمعیۃ علماء ہند کا تعارف ہوا۔

سب سے پہلا براہ راست تعارف اور جمعیۃ کے ناظم عمومی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ سے منگراواں ضلع اعظم گڑھ میں بسلسلۂ تعلیمی کانفرنس دید وشنید ہوئی، مجاہد ملت اس وقت اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے، مگر آپ کا انداز بیان صاف بتا رہا تھا کہ ”مجاہد ملت“ کا خطاب صحیح ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے نام اور کام سے حقیقتاً اس وقت سے متعارف ہوا جب کہ حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب اعظمی مرحوم مہتمم وصدر مدرس مدرسہ کرامتیہ دارالفیض جلال پور کے ساتھ تقریباً چار سال رہنے اور تدریسی کام انجام دینے کی توفیق ہوئی، اس میں مزید اضافہ، محترم دوست حضرت مولانا محمد مسلم صاحب بمہوری اعظمیؒ مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ کی رفاقت مبارک پور اور بعد میں قرآنیہ جونپور میں

حاصل ہوئی، مولانا محمد مسلم صاحب سراپا جمعیتی تھے آپ کے خمیر میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی قابل رشک محبت رچی بسی تھی، جمعیۃ کا کام اس کی خدمت گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی، حتی کہ عملی طور پر میں کسی جماعت سے کبھی نہ جڑ سکا، جو کچھ رہا برائے نام رہا، کیوں کہ میدان عمل میں تگ ودّو کی میں اپنے اندر صلاحیت ہی نہیں رکھتا تھا، مگر مولانا موصوف اپنے ساتھ مجھے بھی دوڑاتے رہتے، اس کے لیے چندہ کرنا، دور ونزدیک کے اسفار، مبارک پور سے، دلی، دیوبند وغیرہ کہاں کہاں نہیں دوڑادیا، مولانا محمد مسلم صاحبؒ کو اللہ رب العزت نے عجیب وغریب صلاحیتوں سے نوازا تھا، ایسے ہمہ جہت لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔ جید الاستعداد مدرس، ہر فن کی کتابوں پر عبور، مسائل ومباحث کتاب نہایت سہل انداز میں پانی کر کے کہنا چاہیے کہ گھول کر پلا دینا نہایت آسان۔ ایک عمدہ منتظم فراہمی مالیات ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں، بہتر ین مشیر، بہت ہی اچھے دوست دوسروں کے غم کو اس طرح اپنا غم بنالینا کہ جب تک مداوائے غم نہ ہوجائے، بے چین رہنا، اور سب سے بڑی بات اور اہم چیز جو فی زمانہ عنقاء ہو رہی ہے۔ اخلاص ہے، مولانا بڑے ہی مخلص تھے، یہی وجہ تھی کہ مخاطب ذرا سی دیر میں مولانا سے گھل مل جاتا تھا، کن کن اوصاف کا ذکر کیا جائے، مجھے جب تک ساتھ رہنا نصیب ہوا خوب ہی استفادہ کیا، اسی تعلق خاطر کی بناء پر بات ذرا دراز ہوگئی، عرض یہ کررہا تھا کہ جمعیۃ کے نام اور کام کو بہت قریب سے مولانا ہی کی رفاقت میں دیکھا۔ مولانا کے ساتھ اس کی ضلعی، صوبائی اور مرکزی جلسوں میں شرکت بھی ہوتی تھی۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا میں اپنے احوال وظروف کی وجہ سے کسی عملی جدوجہد اور چلت پھرت کا آدمی نہیں ہوں۔

مولانا محمد مسلم صاحبؒ کا ساتھ چھوٹا تو پھر وہ قربت جمعیۃ سے بھی نہ رہی، شدہ شدہ دارالعلوم دیوبند پہنچا، یہاں کی مصروفیات نے اس طرح باندھ کر رکھ دیا کہ پھر کسی اور طرف نگاہ اٹھانے کی بھی مہلت نہ دی، اس طرح جو رہا سہا تعلق جمعیۃ علماء

ہند سے تھا وہ بھی ختم ہو گیا، اس سلسلے میں مزید تفصیل کے بجائے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس شعر پر اس جواب کو ختم کر دوں۔

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس ❁ ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

اب اپنی زندگی مصرعہ اولیٰ کے حصار میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔

س (۱۱): مدرسہ اور ادارہ اصل ہوتا ہے یا شخصیات؟

ج یہ سوال اکثر سامنے آتا رہتا ہے، ادارہ یا مدرسہ کو اصل سمجھنے والوں کا خیال سطحی ہے، چوں کہ بڑھتا اور پھیلتا ہوا مدرسہ اپنی خدمات اور تعمیرات کی شکل وصورت میں نظر آتا ہے، آنکھوں کو دکھائی دیتا ہے، ظاہر بیں حضرات اسی کو اصل سمجھ بیٹھتے ہیں، جن بنیادوں پر استوار عمارات اپنا جلوہ دکھاتی ہیں وہ بنیادیں زیرِ زمین ہوتی ہیں، نظر نہیں آتیں، اس لیے ظاہری اور نظر آنے والی عمارتوں اور خدمات کو اصل سمجھ لیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اور ایک معمولی توجہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اصل شخصیات ہوتی ہیں۔ جو ابتداءً ایک زمانۂ دراز تک اپنی خاموش جدوجہد، سعی ومحنت اور جگر کاہیوں سے ایک چھوٹے سے غیر معروف مکتب کو مدرسہ، اور پھر مدرسہ کو مدرسہ عالیہ اور پھر دار العلوم بناتی ہیں، اگر عظیم شخصیات نہ ہوں تو ان بلند وبالا عمارات کی حیثیت اینٹ وپتھر کے پڑاوے اور ڈھیر سے زیادہ کچھ نہیں۔

آپ اسی دار العلوم دیو بند کو لے لیجے، ابتداء اس کی جامع مسجد سے ہوئی، اسے وسعت دینا چاہا اور ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت نانوتویؒ کو میرٹھ سے بلایا گیا، ابتداءً طالب علم حضرت شیخ الہند تھے مگر کس نے اس وقت جانا؟ حضرت نانوتویؒ کی عبقری شخصیت نے تراش خراش کر محمود الحسن دیو بندی کو شیخ الہند بنا دیا، پھر شیخ الہند کے تبحر علمی سے بن سنور کر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے گوہر آبدار بر آمد ہوئے، انھیں چاروں شخصیات کی عظمتوں کی بدولت یہ مدرسہ عربی سے مدرسہ عالیہ دیو بند اور پھر از ہر ہند دار العلوم دیو بند بنا۔ الغرض کسی ادارے کو ادارہ بنانے والی

اصل شخصیات ہی ہوتی ہیں۔اورادارہ اسی وقت تک ادارہ رہتا ہے جب تک اسے ایسی شخصیات میسر رہتی ہیں، عظیم شہرتوں کے حامل اداروں سے رفتہ رفتہ شخصیات ہٹتی جائیں تو یہی عظیم الشان ادارہ اپنی تمام تر شہرتوں کے باوجود تاریخ کے کوڑے دان میں چلا جاتا ہے، تاریخ کے اوراق الٹنے سے ایسے لاتعداد اداروں کے نام اور کام سامنے آئے۔مگر شخصیات کیا گئیں، اداروں کا نام ونشان مٹ گیا۔

س (۱۲): چالیس سال سے زیادہ عرصہ آپ کو مدارس میں رہتے ہوئے گذرا، اس طویل مدت میں اساتذہ اور منتظمین مدارس سے سابقہ رہا بہت سے تجربات سے گذرنا پڑا ہوگا، تعلیم اور نظم وانتظام سے متعلق آپ کے تجربات اور خیالات جاننا چاہیں گے؟

ج مدارسِ دینیہ اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم گاہوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے، دونوں کی حیثیتیں قطعی طور پر الگ الگ ہیں—— مدارس میں استاذ کیسا ہونا چاہیے، اس کے لیے ہمیں باقاعدہ رہنمائی ملتی ہے۔

(۱) جس علم وفن سے متعلق جو استاذ ہو، اس میں اسے ماہر اور مکمل صلاحیت کا مالک ہونا چاہیے۔

(۲) صلاحیت ومہارت کے ساتھ معتد بہ تقویٰ اور صالحیت کا حامل ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلاحیت اور صالحیت کا جامع ہو۔ان میں سے کسی ایک کی کمی سے استاذ ناکام رہے گا، فرض منصبی کو انجام دینے سے قاصر رہے گا۔ تقویٰ اور صالحیت نہ ہوگی تو استاذ صرف وقت گذاری کرے گا، نصاب کو کسی طرح پورا کردے گا۔دل سوزی اور جگر کاہی نہ ہوگی کچھ کر گذرنے کے جذبہ سے خالی ہوگا۔

اگر تقویٰ ہو لیکن صلاحیت اور مہارت نہ ہوگی تو سعی اور محنت تو بہت کرے گا لیکن چوں کہ صلاحیت نہ ہوگی اس لیے اس کی ساری جدوجہد رائیگاں جائے گی، اس لیے استاذ کے لیے دونوں چیزیں از حد ضروری ہیں استاذ رکھنے میں دونوں چیزوں کا مکمل لحاظ ضروری ہے، کسی تعلق اور سفارش کو ہرگز راہ نہ دینی چاہیے، یہ حد درجہ

بد دیانتی کی بات ہے، آج مدارس میں بدقسمتی سے تعلقات اور سفارشات راہ پا گئی ہیں، جس سے مدارس کا کباڑہ ہو گیا ہے۔

استاذ جب صلاحیت کے بل بوتے پر نہ رکھا گیا ہوگا تو اپنی اس کمی کو متعلقہ ادارہ کے سربراہ اور ناظم کی چاپلوسی اور تملق کے ذریعہ پورا کرے گا۔

آج مدارس میں کچھ اس طرح کا ماحول ہو چلا ہے، سربراہ اور ناظم بھی تملق پسند ہو گئے ہیں، اسی استاذ کی قدر ومنزلت ہوتی ہے جو جتنا زیادہ حاضر باشی اور چاپلوسی کر لیتا ہے، جو اس فن سے واقف نہیں ہوتا اس کی کوئی قدر نہیں خواہ وہ کتنا ہی باصلاحیت ہو، خواہ اس کی کارکردگی کتنی ہی عمدہ اور بہتر ہو، ایسا استاذ خواہ مدرسہ کا کتنا ہی خیر خواہ ہو پابند ہو لیکن اگر اس گر سے ناواقف ہوگا تو اس کی کوئی عزت نہ ہوگی۔ (الا ماشاء اللہ)

منتظمین مدارس کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو استاذ باصلاحیت ہوگا، تقویٰ شعار ہوگا۔ اسے تملق اور چاپلوسی کی فرصت نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے اس کی ضرورت ہوگی۔

مدارس عربیہ ودینیہ میں اس صورت حال کے باعث تعلیم وتربیت کا بڑا نقصان ہوا ہے اور ہو رہا ہے، اگر مدارس کو ماضی کی طرح صحیح انداز اور ایک تربیتی وتعلیمی ادارہ بنانا چاہتے ہیں تو جتنی جلد اس گھناؤنی اور گندی صورت حال سے چھٹکارا حاصل کر لیں، بہتر ہے ورنہ یہ مدارس جہاں سے ماضی کی عبقری شخصیات پیدا ہوئیں، بالکل بانجھ ہو جائیں گے، اور جسے دیکھنا ہو اس صورت حال کو دیکھ سکتا ہے۔

اسی طرح صدر المدرسین کو وہ تمام مروجہ علوم جو اس ادارہ میں پڑھائے جاتے ہوں، ماہر ہونا چاہیے ان سارے علوم کی تدریس سے متعدد بار گذرا ہوا ہو، نیز تمام اساتذہ میں باوقار ہو، تعلیم کی دوران درس وقتاً فوقتاً نگرانی کرتا ہو، اسباق سنتا ہو، ابھی ماضی میں جب حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب کو دار العلوم دیوبند میں صدر مدرس بنایا گیا تو انھوں نے باوجود تمام تر ضعف اور پیرانہ سالی کے تقریباً تمام ہی اساتذہ کے

اسباق کا دوران درس جائزہ لیا، جاجا کر کھڑے ہو کر درس کو سنا، دیکھنے والے اور جاننے والے ابھی یہاں موجود ہیں، ان سے تصویب کرائی جاسکتی ہے، خوب سمجھ لینا چاہیے کہ نظام تدریس واسباق جب ہی کما حقہ درست ہوسکتا ہے، آج کل اس بارے میں سخت مداہنت سے کام لیا جارہا ہے، جو خیانت کی حد تک غلط ہے۔

رہا نظم ونسق تو میں صوبہ یوپی کے جس حصے کا رہنے والا ہوں وہاں مدارس کا نظم ونسق چلانے کے لیے ناظم کے اندر کچھ ضروری اوصاف لازمی ہوتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) ایسا عالم ہو جو بوقت ضرورت طلبہ سے مؤثر خطاب کر سکے، طلبہ میں کوئی غلط رَویا نازیبا رجحان پیدا ہورہا ہو تو وہ اپنے دلآویز اور حکیمانہ انداز بیان سے انھیں اس غلط رخ اور رَو سے پھیر سکے۔

(۲) اسی طرح اگر کسی بھی جماعت کا استاذ غیر حاضر ہو تو بوقت ضرورت خود وہ سبق پڑھا سکے۔

(۳) اساتذہ کو باہم مربوط رکھنے اور انھیں افہام وتفہیم کے موقعہ پر انتشار وافتراق سے روک کر متحد رکھنے کی بدرجہ اتم صلاحیت رکھتا ہو۔

(۴) مدرسہ کا باہر سے آنے والوں کے سامنے ایسا جامع اور دلکش تعارف پیش کر سکے جس سے باہری ربط وارتباط مضبوط رہے۔

(۵) وعظ ونصیحت اور تقریر وخطابت کی بھرپور صلاحیت وقابلیت رکھتا ہو کہ وقتاً فوقتاً باہر سے آئی ہوئی دعوت کو قبول کر کے سفر کر سکے اور اس طرح مدرسہ کا کاز اور تعارف وسیع تر ہو سکے۔

(۶) مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف کی ایک معتد بہ صلاحیت کا حامل ہو، تاکہ وقتاً فوقتاً اس لائن سے بھی مدرسہ کا جامع تعارف قوم وملت کے سامنے آئے اور اس سے قوم وملت کو فائدہ بھی پہنچا سکے ایسے مدارس کے کم سے کم ایک درجن نام پیش کیے جاسکتے ہیں۔

(۷) ناظم کے لیے وصف تدبر اور جرأت کے ساتھ متصف ہونا بھی ضروری ہے۔

(۸) دورِ حاضر میں سیاست جس چیز کا نام ہے وہ بے حد گندی چیز ہے، اوپر اس کا ذکر کسی قدر ہو چکا ہے، مدرسہ کے ناظم کے لیے تمام تر سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود دورِ حاضر کی بدنامِ زمانہ سیاست کی گندگی سے خود کو پاک وصاف اور دور رکھنا بے حد ضروری ہے، ورنہ تحزب اور گروہ بندی سے مدرسہ کو محفوظ نہ رکھ سکے گا۔

مدرسہ اور تعلیم گاہ کا ماحول کامل طور پر یکسوئی کا طالب ہوتا ہے جب کہ سیاسی زندگی یکسر شورش اور ہلچل کا نام ہے۔ ماضی قریب کے بابائے سیاست اور علمی مزاج کے حامل شخص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اپنی سیاسی زندگی کا ماتم کرتے ہوئے اپنے تفسیر ''ترجمان القرآن'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

> علمی زندگی کی جمعیتیں ——— اور ——— سیاسی زندگی کی شورشیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں، پنبہ وآتش میں آشتی محال ہے، میں نامراد ایک طرف متاعِ فکر کے انبار لگاتا رہا، دوسری طرف برقِ خرمن سوز کو بھی دعوت دیتا رہا، بلاشبہ مجھے شکایت کا کوئی حق نہیں''۔

دور نہ جائیے، اسی دارالعلوم دیوبند کے شاندار ماضی پر نظر ڈال لیجئے اوپر چند اوصاف جو مذکور ہوئے، وہ سب اور ایسے اور بہت سے اوصافِ حمیدہ کی جامع شخصیت اس ادارہ کو حاصل تھی، یعنی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ——— دنیا نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ اس ادارہ کا اہتمام وانتظام اس شخصیت کے ذریعہ ایک ریکارڈ مدت تک چلا، تاریخ میں شاید اتنے طویل دورِ اہتمام کی مثال نہ مل سکے۔

اور پھر ہم جب مغربی یوپی کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں تو یہاں مدرسہ پر غالب حضرات ایسے نظر آتے ہیں جن میں مذکورہ بالا اوصاف سب کے سب موجود تو کیا ہوتے، شاید ہی کوئی وصف مل سکے۔

مدارس کو ہر طرح کی گروہ بندی سے پاک وصاف رہنا چاہیے۔ اور مذکورہ اوصاف سے متصف مہتمم یا ناظم مناسب ہی نہیں، ضروری ہے، یہ کوئی ایسی بات

نہیں جس کے لیے کوئی طویل گفتگو ضروری ہو، بالکل بدیہی بات ہے۔

اب آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ صدر مدرس یا ناظم تعلیمات کے فرائض میں ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ تعلیم، مقدار تعلیم کے ساتھ مدرسین کی نگرانی بھی کرے کہ درسگاہ میں کب آتا ہے، وقت پر آیا ہے یا لیٹ، نیز یہ کہ وہ سبق کس طرح اور کس انداز پر پڑھاتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے صدر مدرس یا ناظم تعلیمات کو خود وقت کی بہت زیادہ پابندی کرنی ہوگی ورنہ ظاہر ہے کہ یہ نگرانی کس طرح کرسکے گا، ماضی میں حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ نے اپنے دورِ صدارت میں، باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے درسگاہ، درسگاہ نگرانی کی، کون استاذ کب آئے، اور کس طرح پڑھا رہے ہیں، اس سلسلے میں تفصیلات جاننے والے دارالعلوم میں اب بھی موجود ہیں ان سے تحقیق کی جاسکتی ہے، بعد میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا۔

مگر افسوس یہ تلخ حقیقت گوش گذار کرلیں کہ اس کے بعد یہ سب ختم ہے، اس کا نتیجہ بھی سامنے ہے، اساتذہ ۱۵-۲۰، منٹ بلکہ کبھی کبھی آدھ گھنٹہ تک لیٹ آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ صرف مقررہ نصاب کو پورا کردینے کے مکلف ہیں۔ اصلاح ہو تو کیسے اور کون کرے؟

(س) (۱۳): مدارسِ دینیہ اور مراکزِ علمیہ کی مساجد میں مؤذنین اور ائمہ کے تقرر کے سلسلے میں کیا خیالات ہیں کچھ فرمائیں؟

(ج) مساجد جو بھی ہیں اور جہاں بھی ہیں ساری کعبۃ اللہ اور بیت اللہ کی نائب ہیں اور برابر درجہ کی اہمیت رکھتی ہیں، اس میں مدارس کی کیا تخصیص لیکن سوال کا منشاء غالبًا یہ ہے کہ خاص طور پر علمی جگہوں میں کیا معاملہ ہونا چاہیے، تو دراصل بات یہ ہے کہ جس طرح دیگر بہت سی چیزوں کی اہمیت قلوب سے نکلتی جاری ہے مساجد کی حقیقت اور اس کی اہمیت بھی اب وہ کہاں رہی جو ہونی چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤذن ہو یا امام اور ان کے نائب ان کا مقام اور مرتبہ کیا ہے، جب تک ان کی حقیقت سامنے نہ ہو، صحیح طور پر تقرر نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں مناصب کے لیے اہل علم اور تقویٰ کی ایک مجلس ہونی چاہیے ان سے معلوم کرکے اور خوب چھان پھٹک کر، پورے طور پر انٹرویو لے کر تقرر کرنا چاہیے۔ نمازوں کے ہونے نہ ہونے کا دار و مدار ان کی صحت پر ہے، آج کے ماحول میں ہر دینی امور میں سستے کا خیال رہتا ہے کم سے کم پیسے میں مؤذن اور امام حاصل ہو جائے، خواہ نماز کا ستیاناس کیوں نہ ہو جائے۔

خود دارالعلوم دیوبند میں احقر کے زمانہ تک باضابطہ طور پر نہایت اہتمام کے ساتھ مؤذن اور امام کے لیے ایک ہفتہ پہلے اعلان آویزاں ہوتا تھا، درخواستیں مطلوب ہوتی تھیں، یہ ذمہ داری نظماء دارالاقامہ اور ناظم اعلیٰ دارالاقامہ کی ہوتی تھی، ایک ہفتہ کے بعد تین مراحل میں انٹرویو ہوتا تھا، آخر میں پانچ، پانچ وقت کی نمازیں پڑھوائی جاتی تھیں، پھر امام کا فیصلہ ہوتا تھا اور ہر اس امر کا لحاظ ہوتا تھا جو احق بالامامت کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔

ایک زمانۂ دراز سے طلبہ میں سے امام بنالیا جاتا ہے، جو بہرحال کم ازکم احقر کے مزاج اور ذوق کے قطعی خلاف ہے، غور کرنے سے اس کی خرابی معلوم ہوسکتی ہے، پہلے جہاں تک یاد آتا ہے حضرت مولانا الشیخ عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ سابق شیخ القراء دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تدریس تک استاذ ہی امام ہوتا تھا، اور خود قاری صاحب موصوف دارالعلوم کی مسجد قدیم اور اس وقت یہی مرکزی مسجد تھی) میں امام تھے، ایک ہنگامہ اور طلبہ کی شرارت کی وجہ سے حضرت قاری صاحب نے بددل ہوکر امامت سے علیحدگی اختیار کرلی اور پھر جب ہی سے یہ نیا اور غلط طرز چل پڑا۔

اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، احقر نے بعض ذمہ داروں سے متعدد بار عرض معروض کی اس کی اہمیت کی جانب متوجہ کرنا چاہا مگر ناکام رہا۔ امام اہلم بالسنہ یعنی مسائل

نماز سے واقفیت کے ساتھ اقراء بالقرآن ہونا چاہیے، علم وتقویٰ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی ادائیگی اور بہترین آواز ولہجہ کا مالک ہونا چاہیے، جس کی انابت، حسن صوت اور عمدگی قراءت سے مقتدی از اوّل تا آخر نماز سے مربوط اور بندھا رہے۔

یاد آتا ہے کہ امام القراء شاطبی زماں جزری وقت حضرت مولانا المقری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ جب پاکستان پہنچے اور کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنے مدرسہ دارالعلوم کراچی میں ان سے خدمات لینی چاہی تو قاری صاحب نے فرمایا:

''میری دو شرطیں ہوں گی، ایک (۱) یہ کہ تنخواہ نہ لوں گا، (۲) یہ کہ مسجد کا نظام میرے اختیار میں ہوگا''۔

یہاں اس سے مقصد یہی تھا کہ مسجد کے نظام کا جو تقاضہ ہے اس کے مطابق نظم وانتظام رہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے اس پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا:

س (۱۴): مدارس کے اقامتی نظام طلبہ کی تربیت اور نگرانی سے متعلق کچھ بیان فرمائیں؟

ج دارالاقامہ میں مقیم طلبہ کی نگرانی اور ان کی دیکھ ریکھ بے حد اہمیت کی حامل ہے، اس کی نگرانی کے لیے نہایت تجربہ کار حضرات رکھے جانے چاہئیں۔ یہ محض ضابطے کی خانہ پری نہیں ہے۔ اس کا ناظم نہایت حلیم اور بردبار ہونا چاہیے، دارالاقامہ میں طلبہ ہم عمر ایک ساتھ رکھے جائیں، بڑی عمر کے الگ اور چھوٹی عمر کے الگ، یعنی ان کا باہمی میل جول اور قربت ہرگز نہ رہے، بعض تجربہ کار نظماءِ مدارس نے نفسیات کو سمجھتے ہوئے انھیں اس طرح الگ تھلگ رکھا، کہ ان کا کھانا پینا، رہنا سہنا، ان کی تعلیم، ان کا وضوخانہ اور نماز اور ان کی تفریح اور کھیل کود سب ہی کچھ بالکل علیحدہ رکھا۔ ایسا ہی ہونا چاہیے، بڑی عمر اور چھوٹی عمر کے الگ، طلبہ کا باہم اختلاط خطرناک قسم کے مفاسد جنم دیتے ہیں، جس کا نظماء کو خوب تجربہ ہوتا رہتا ہے۔

تمام طلبہ کے چوبیس گھنٹوں کے مکمل نظام الاوقات تحریری شکل میں رہنے چاہئیں، جس کی ایک کاپی نگراں کے پاس رہے اور ایک کاپی خود طالب علم کے

سرہانے آویزاں رہے، تاکہ اس کے مطابق چیک کرنے میں آسانی ہو، مناسب یہ ہے کہ ہر حلقے کا نگراں اسی حلقے میں مقیم رہے تاکہ ہمہ وقت بآسانی دیکھ ریکھ اور گفت وشنید ہوسکے ناظم حلقہ کو مکمل اختیارات حاصل ہوں تاکہ حسب ضرورت طالب علم کی سزا کی سفارش کرسکے۔ اگر ضرورت اخراج کیے جانے کی ہو تو اسے اخراج کا اختیار حاصل ہو، اگر ناظم حلقہ کسی سخت اور آخری سزا کی سفارش کرے تو اس پر عملید بلا تاخیر ہو۔ اس میں ہرگز مداہنت نہ اختیار کی جائے۔ اور یہ پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے کہ ناظم حلقہ بردبار ہو، فہیم ہو، جلد باز نہ ہو، جو فیصلہ کرے خوب سوچ سمجھ کر کرے، کسی فیصلے میں عناد اور غصہ وانتقام کا جذبہ ہرگز نہ پیدا ہو، ورنہ عنداللہ ماخوذ ہوگا۔

س (۱۵): مدارس کے نظام تعلیم سے متعلق کچھ فرمائیں؟

ج یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مدارس کی موجودہ صورت حال ہر طرح اطمینان بخش ہے؟ اور کیا ہر طرح کی تبدیلی سے مبرا ہے؟ ——— حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔

یہاں چند سوالات اور ہیں جن پر غور کرلینا چاہیے کہ:

ایک عالم دین کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ ——— یہ ضروریات موجودہ نظام اور نصاب سے پوری ہورہی ہیں یا نہیں؟ ——— اگر وہ پوری نہیں ہوتی ہیں تو اس کے اسباب کیا ہیں ——— ؟ اور پھر کس طرح مطلوبہ معیار حاصل کیا جاسکتا ہے؟ ———

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دینی مدارس کا علمی اور عملی معیار مسلسل انحطاط کا شکار اور روبہ زوال ہے اس کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں ایک بہت بڑا سبب خود ہمارے اپنے نقائص بھی ہیں، اس کا اعتراف نہ کرنا حقیقت ناشناسی ہوگی۔ ضرورت ہے کہ ان نقائص کا کھلے دل سے جائزہ لیا جائے اور ان کے ازالے کی کوشش کی جائے۔

واضح رہے کہ ہمارے مدارس کی سب سے بڑی اور گرانقدر متاع ان کا وہ مزاج ومذاق ہے جو انھیں اکابر اولیاء اللہ سے ورثہ میں ملا ہے، یہ امر واضح ہے کہ ہمارے

مدارس بنیادی طور پر دار العلوم دیو بند کے نقش قدم پر چلنے کے خواہش مند ہیں۔
(یہاں ذرا ٹھہر کر یہ بھی سمجھتے چلیے کہ کون سا دار العلوم دیو بند؟ وہ دار العلوم جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں کا دربان بھی صاحبِ نسبت اور تہجد گذار ہوتا تھا، جس کی کچھ جھلک آگے بیان ہوگی)

اس ادارے کی جو خصوصیت دیگر تعلیمی اداروں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کا مزاج و مذاق ہے، اور وہ کیا ہے؟ —— یہ ہے کہ رسوخ فی العلم، وسعتِ مطالعہ اور جید الاستعداد ہونے کے ساتھ سب سے زیادہ اہمیت —— اپنی زندگی، ذہن وفکر اور جذبات وخیالات غرض ہر چیز میں سنت کی اتباع، سلف صالحین کی پیروی، انابت الی اللہ —— اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی تھی ——

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دار العلوم دیو بند کی بنیاد ہی علم وعمل کے سنگم پر رکھی گئی تھی طلبہ کے اندر عمدہ صلاحیت پیدا کرنے کے ساتھ دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کی آبیاری، عبادت کا ذوق، حلال وحرام کیا —— مکروہ ومستحب اولیٰ اور خلاف اولیٰ کی عملی فکر اور ان کی اہمیت اہتمام کے ساتھ جاگزیں کی جاتی تھی، نیز ایک ایک فرد کے اندر یہ بات بٹھائی جاتی تھی کہ ان کا مقصود علم برائے علم نہیں اور علم کا مقصود جاہ ومنصب کا حصول نہیں بلکہ اپنے کو اعلیٰ اسلامی اوصاف سے متصف کر کے ان اوصاف کو دوسروں تک منتقل کرنا ہے۔

چناں چہ طالب علم کا یہ لازمی معمول تھا کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی مصلح یا مربی سے اصلاح وتربیت کا خصوصی تعلق قائم کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ ماضی میں جو عظیم شخصیات نظر آئیں گی وہ سب کسی نہ کسی شیخ کی تربیت اور صحبت سے فیض یاب تھیں۔

اور اب یہ حقیقت بھی صاف نظر آتی ہے کہ اس مذاق ومزاج میں بے حد کمی آگئی ہے، اب صرف کسی نہ کسی طرح کتاب پڑھا لینے ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے۔

پہلے مدارس کے مہتممین اور اساتذہ کی مدارس کے روپیوں اور پیسوں کے

سلسلے میں احتیاط پسندی کا کیا حال تھا، انھیں مدارس کے ذریعہ اپنی آمدنی بڑھانے کے بجائے ہر ہر قدم پر اپنے ایک ایک پیسے کے حلال وحرام کا فکر دامن گیر رہتا تھا، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کی گائے ایک مرتبہ کسی نے مدرسہ کے صحن میں لاکر باندھ دی، کسی نے اس پر اعتراض کیا تو بجائے اس پر کسی جواب دہی کے گائے ہی کو صدقہ کردی۔

مظاہر علوم سہارنپور کے سابق مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر سیکڑوں افراد کے کھانے کا انتظام کرتے لیکن خود کبھی مدرسے کے کھانے میں شریک نہ ہوتے، اور سارے انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد رات گئے اپنے گھر سے لایا ہوا ٹھنڈا سالن ایک کونے میں بیٹھ کر کھا لیتے۔

اسی مدرسہ کے دوسرے مہتمم حافظ عبداللطیف صاحبؒ کو کبھی مطبخ کی کارکردگی کے معائنے کے لیے کھانا چکھنا ہوتا تو پہلے ایک خوراک خریدتے اور پھر چکھ کر باقی سالن واپس کردیتے تھے۔

لیکن —— اب جب جائزہ لیا جاتا ہے تو ان بزرگوں کے طرز عمل کے ساتھ دور کی نسبت بھی نظر نہیں آتی۔

خوب واضح رہے کہ ان اوصاف اور خصوصیات کو ذاتی معاملات سے نہ جوڑا جائے بلکہ ان کا براہِ راست مدرسے کی کامیابی اور ناکامی سے تعلق ہے، کیوں کہ ان کی بنیاد ہی خلوص وللّٰہیت پر رکھی گئی ہے، بنیاد میں جتنی کمزوری آئے گی نتائج کے اعتبار سے اس پر اُستوار عمارت بھی اتنی ہی کمزور ہوگی، خواہ عمارت بظاہر کتنی ہی اونچی اور خوبصورت ہو، اینٹ اور پتھر کے پڑاوے کا نام مدرسہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا مزاج اور مذاق اور خصوصیات وصفات ہی مدارسِ دینیہ کی حقیقی روح ہے، ضرورت ہے کہ اس روح کے اِحیاء کے لیے فکر کی جائے، اور اصلاً اس کا تعلق

اہل مدارس کی قلبی لگن سے ہے۔

مناسب ہے کہ اس سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کردی جائیں۔

(۱) تمام مدراس میں احسانی کیفیت (جسے تصوف کہا جاتا ہے) کے حصول کو نصاب کا جزو بنایا جائے۔

(۲) اساتذہ اور طلبہ التزام کے ساتھ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ جمع ہوکر بزرگانِ دین اور اکابر علماء دیو بند کے حالات اور ملفوظات کا مطالعہ کریں، اس میں حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی ارواحِ ثلثہ، تذکرۃ الرشید، حیاتِ قاسمی، تذکرۃ الخلیل، حیاتِ شیخ الہند، اشرف السوانح اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی ''آپ بیتی'' کا مطالعہ بطور خاص مفید ہوگا۔

(۳) اساتذہ اور مہتممین کے لیے کسی شیخ طریقت سے باقاعدہ اصلاحی و تربیتی تعلق قائم کرنا ضروری سمجھا جائے اور اساتذہ کے تقرر اور ترقی وغیرہ میں اس پہلو کو بطور خاص نظر میں رکھا جائے۔

(۴) مدرسہ میں یا مدرسہ کے قریب صاحب ارشاد بزرگ موجود ہوں تو اساتذہ اور طلبہ ان کی صحبت و خدمت کو غنیمت کبریٰ سمجھ کر اختیار کریں اور وقتاً فوقتاً ان کے اجتماعی وعظ و نصیحت کا اہتمام کیا جائے۔

اوپر تجاویز کے طور پر جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اسے مذاق نہ سمجھا جائے، استہزاءً ہنس کر ٹال دینے کی حماقت نہ کی جائے ذرا دیر ٹھہر کر غور کرلیا جائے کہ مدارس کے زوال کے آخر کیا اسباب ہیں، تمام تر گفت و شنید کا کیوں اثر نہیں ہورہا ہے، مثال کے طور پر دارالعلوم دیوبند کو دیکھا جائے، سامنے کی مثال ہے، سالانہ ساڑھے آٹھ سو طلبہ، آٹھ سال اسی تعلیم و تعلم اور قال اللہ وقال الرسول کے ماحول میں رہتے ہوئے فارغ ہورہے ہیں، ان میں کتنے ایسے ہاتھ آتے ہیں جو حقیقی غرض و غایت اور صحیح مذاق و مزاج کے مقصود کو پورا کرتے ہوئے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کے قابل ہوتے ہیں؟

ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کا مقصد ہر وقت پیش نظر رکھیں، اساتذہ اپنے طلبہ کی استعداد کی نگرانی کریں، ان کے اعمال واخلاق کی تربیت کا فکر ہو۔

دارالعلوم دیوبند کی امتیازی خصوصیت یہی تھی کہ یہ علم برائے علم کا ادارہ نہ تھا، بلکہ صحیح العقیدہ اور راسخ مسلمان اور اسلام کے سچے مبلغ تیار کرنے کی تربیت گاہ تھی۔

مرورِ ایام سے مدارس کی اصل روح جو دھیمی پڑتی جا رہی ہے اس میں تازگی پیدا کرنے کی سب سے اہم ذمہ داری ان درسگاہوں کے اساتذہ اور منتظمین ہی پر عائد ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ پہلے خود اپنے اعمال واخلاق کا جائزہ لیں۔

واضح رہے کہ اگر نظام اور اندازِ درس وتدریس غلط ہوگا تو یہ سارے زرّیں اصولِ تعلیم قطعاً غیر مؤثر ہوں گے۔

نظامِ تعلیم اور درس وتدریس سے مراد طلبہ کی تربیت ونگرانی، طلبہ کا علمی معیار، طلبہ کا اخلاقی معیار، طریقۂ تدریس توجہ طلب مضامین پر خصوصی نظر، طلبہ کی ذہنی تربیت کے ذرائع کا اختیار کرنا، طلبہ میں علمی استعداد پیدا کرنے کے لیے ترغیب وترہیب کے ذرائع ہیں، غرض —— صلاح وتقویٰ، علمی معیاری قابلیت اور اخلاص وعمل کی روح پیدا کرنے کے لیے کن تدابیر کو کام میں لایا جائے۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی، طلبہ کے قلوب امراض سے خالی تھے، دماغوں میں لگن، محنت، جدوجہد اور کچھ کر گذرنے کا جذبہ موجود تھا، طبیعتیں علمی مسابقت سے سرشار تھیں، اساتذہ میں اخلاق اور تعلق مع اللہ کی روح جلوہ گر تھی، اور تعلیم وتعلم کا مقصد علم صحیح کا حصول، خدمتِ علم اور خدمتِ دین تھا، تو ان تدابیر کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اب جب کہ نقطۂ خیال بدل گیا، تعلیم کا مقصد حصولِ سند یا حصولِ ملازمت ہے، اساتذہ میں اخلاص وعمل کی وہ روح نہ رہی، ان کا مقصد مشاہرہ کا حصول یا مہتمم کو خوش کرنا اور انتظامیہ کی چاپلوسی یا پھر طلبہ سے خراجِ تحسین کی سند حاصل کرنا وغیرہ —— جب یہ امراض پیدا ہو گئے تو ضرورت ہوئی کہ پوری دل سوزی کے ساتھ

امراض کے علاج کی جانب توجہ کی جائے۔

اوپر جن اقدامات اور جائزے کی طرف اشارہ کیا گیا ان سے ان شاء اللہ اپنے حقیقی مرکز و مقصد کی طرف لوٹنے میں مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم دین کے صحیح حقوق کی ادائیگی کی توفیق بخشے، ان اوصاف سے آراستہ بنائے اور ہمارے دلوں میں اخلاص اور انقلابی لگن پیدا فرمادے، آمین۔

س (۱۶): ایک سوال متعدد بار آپ سے کیا گیا ہر بار آپ مسکرا کر ٹال گئے براہ کرم آج جواب ضرور دیجئے؟

''آپ کے تلامذہ کی فہرست ۱۴۰۳ھ و ۱۴۰۴ھ اور ۱۴۰۶ھ و ۱۴۰۷ھ) پر نظر ڈالنے سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ..............................

.... (یہاں نام تھے مگر صاحب سوانح کے حکم سے نام حذف کردیے گئے) یہ حضرات بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ نیز آپ کی ایک مفصل تحریر جو ۱۴۰۶ھ سے ۱۴۱۶ھ تک کے احوال وکوائف پر مبنی ہے، اور دفتر تعلیمات کے ریکارڈ سے بھی واضح ہے پھر آخر کیا بات ہے کہ آپ نے اپنی اہم تاریخی کتاب ''حسن المحاضرات'' میں ان حضرات کا ذکر اس طرح کیا ہے جس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ آپ کے شاگرد ہیں؟

ج کاش آپ یہ سوال نہ کرتے —— آپ نے سوال کے آخر میں لفظ ''شاگرد'' استعمال کیا ہے، میں پہلے اس کی ذرا سی وضاحت کردوں، ''شاگرد'' یہ لفظ دراصل ''شاہ گرد'' تھا یہ اضافت مقلوبی ہے، یعنی اس لفظ کی اب اصل ہوئی ''گردِ شاہ'' یعنی بادشاہ کا مستقل مصاحب، ہروقت اس کے پاس رہنے والا، کثرتِ استعمال سے ''شاگرد'' رہ گیا۔

اب ذرا اس لفظ کی حقیقت پر غور فرمالیجئے اور عملی دنیا میں اس لفظ نے اپنی حقیقت کس طرح کھودی ہے اسے بھی دیکھ لیجئے، آج کون ہے جو حقیقی معنی میں

شاگردی کا حق ادا کر رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ دراز سے میری زبان نے لفظ "شاگرد" بولنا چھوڑ دیا ہے، اگر کبھی جوابا کہنا ہوتا ہے تو یہ کہتا ہوں "ہاں اس طالب علم نے، ان صاحب نے اس درسگاہ میں پڑھا ہے" لفظ "شاگرد" کا تلفظ کرتے ہوئے زبان کانپتی ہے۔

• ماضی میں ایک صاحب یہاں رہتے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ میرے خلاف ایک مہم چھیڑ رکھی تھی (محض اپنی جہالت کی وجہ سے، صرف حافظ قاری تھے، اور اس سے آگے کچھ نہیں، ہر کسی کے جھانسے میں آجاتے تھے) ان کی اس مذموم مہم کے رفقاء میں محض توہم اور غلط فہمیوں کے نتیجے میں بہت سے حضرات شریک تھے، ان دنوں اطراف و جوانب سے ایسے حالات اور ایسی خبریں تواتر سے ملتی رہیں جس سے کم از کم یہ نتیجہ ضرور نکلتا تھا کہ اِن لوگوں کو مجھ سے مناسبت نہیں ہے، اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں ہے کہ ہر شخص کو ہر شخص سے (ہر متعلّم کو اپنے ہر معلم سے) مناسبت ہو، مناسبت تو ایک طبعی چیز ہے، کسی کو کسی کے ساتھ ہوتی ہے، اس لیے میں نے اس سلسلے میں احتیاط برتی اور بھائی، میں کیا اور میری استاذی کیا ——— استاذ اور شاگرد کا اب کہاں دَور رہا، وہ زمانہ اب کہاں رہا۔ "حسن المحاضرات" کی تسوید کے زمانے میں بھی بعض حضرات اساتذۂ تجوید کا میرے سے مکمل بائیکاٹ تھا۔ سلام و کلام تک بند تھا، اور بقول اس بیچارے صاحب کے "ہم نے اِن کو صدام حسین بنا کر رکھ دیا ہے"۔ ایسی حالت میں میں نے یہی مناسب سمجھا کہ "مان نہ مان، میں تیرا مہمان" کیوں اپنے ساتھ انھیں گھسیٹوں۔ اس لیے کتنے ایسے لوگ ہیں جنھیں بھلا دینا پڑا ؂

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
اب سر پر عصیاں چلنے لگیں اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں اردو زبان و ادب کے سرخیل مولانا محمد حسین آزاد کا واقعہ بیان کردوں، دیکھئے کہ استاذ کے ساتھ تعلق کتنا ہونا چاہیے اور اب کیا حال ہے؟

''مولانا محمد حسین آزاد دہلوی جس طرح عمر بھر اپنے استاذ ذوق دہلوی کا کلمہ پڑھتے رہے اس سے ان کی تصانیف اور اردو کے تذکرے بھرے ہوئے ہیں، عالمِ جنون میں بھی استاذ کے دیوان کا وہ خاتمہ لکھا جو آج اردو ادب کی جان سمجھا جاتا ہے، انھوں نے ١٨٥٧ء کے ہنگامے میں کئی پشتوں کا اثاثہ جس طرح استاذ کے کلام پر قربان کر دیا اس کی بابت خود انھیں کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

فتح یاب لشکر کے بہادر دفعتہً گھر میں گھس آئے اور بندوقیں دکھائیں کہ جلد یہاں سے نکلو، دنیا آنکھوں میں تاریک تھی، بھرا گھر سامنے تھا، اور میں حیران کھڑا تھا کہ کیا کچھ اٹھا کر لے چلوں، ——— ان کی غزلوں پر نظر پڑی، یہی خیال آیا کہ ——— محمد حسین! اگر خدا نے کرم کیا اور زندگی باقی ہے تو سب کچھ ہو جائے گا ——— مگر استاذ کہاں سے پیدا ہوں گے، جو غزلیں پھر آ کر کہیں گے، وہی (غزلوں کا) بقچہ اٹھا کر بغل میں مارا اور نکل پڑا''۔

سن لیا آپ نے، کہاں ہیں آج کے شاگرد؟؟ شاگردی نام ہے فنائیت کا، یہ جذبہ کہیں نظر آ رہا ہے؟ اور بھائی اس کا نتیجہ اور ثمرہ بھی جو چاہے جب چاہے اور جہاں چاہے دیکھ لے۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی، یہ شجر سرسبز تھا، اب تو ذرا سا ایک حرف آ گیا تو ہم چنیں دیگرے نیست، کے مصداق شب و روز ہی بدل جاتے ہیں، ایسی نازک مزاجی آ جاتی ہے کہ بس، وہ سارے ایام فراموش کر دیے جاتے ہیں، جب ہر قسم کی سرزنش، زجر و توبیخ، ڈانٹ ڈپٹ سے دوچار رہتے تھے، اور یہ حقیقت ہے کہ یہی سب تو وہ زینے ہیں جس کے ذریعے اونچائی پر پہنچے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر یہ بھی عجیب سانحہ ہے کہ جب ذرا کچھ اونچائی اور عزت مل جاتی ہے تو سب سے پہلے اسی زینے کو دھکا دینے کی کوشش ہوتی ہے، اور یہ سانحہ کوئی نیا بھی نہیں ہے، شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ بہت پہلے شکوہ سنج رہ چکے ہیں، فرماتے ہیں:

کس نیا موخت علمِ تیر از من ❁ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد!!

اس راہ کی صورتِ حال بہت بگڑتی جارہی ہے، آپ کے اس سوال سے دل پر ایک چوٹ سی پڑ گئی، اتنے ہی پر بس کردینا چاہا مگر اوپر نازک مزاجی پر ایک قصہ اور یاد آگیا، اسے بھی سن لیجئے۔

نواب صدیق حسن صاحب کے زمانے میں بھوپال علم وادب کا گہوارہ بنا ہوا تھا عرب وعجم کے علماء کھنچے چلے آتے تھے، انھیں میں ایک صاحب مولانا نظام الدین بھی تھے جو فلسفہ میں اپنے وقت کے امام مانے جاتے تھے، ان کے صدہا شاگردوں میں سے سب سے ممتاز مولوی حکیم الدین تھے، یہ عربی فارسی اور سنسکرت کے عالم ہونے کے علاوہ طبیبِ کامل اور موسیقی کے ماہر بھی تھے، جامعہ سلیمانیہ میں فارسی کے مدرس بھی تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں جب کہ خود ان کے شاگردوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

ایک دن استاذ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں اس وقت فلسفہ کا کوئی مسئلہ چھڑا ہوا تھا، مولوی حکیم الدین (شاگرد) نے اپنا ایک اشکال پیش کیا، مولانا نظام الدین صاحب (استاذ) نے اس کا جواب دیا، سوال وجواب کے ردوکد میں جب زیادہ دیر لگ گئی تو مولانا نظام الدین نے کہا: — نالائق کج بحثی کررہا ہے، لگاؤں ایک دھپ، مولوی حکیم الدین نے سر جھکالیا اور کہا استاذ سر حاضر ہے" —— مولانا نظام الدین انھیں سینے سے لگا کر بولے: حکیم الدین تو میرے سینے میں کچھ چھوڑے گا بھی یا سب چھین لے گا۔ شاگرد استاذ دیر تک گلے مل کر روتے رہے۔

ماضی کے نتائج اور ثمرات اسی احترام اور باہمی محبت واخلاص کے سرسبز شجر کی دین تھے وہ ساری بہاریں اسی شجر سے وابستگی پر تھیں اور اب جو حال ہے وہ بھی سامنے ہے۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
اب صرصرِ عصیاں چلنے لگیں اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

(۱۷) آج سے پچاس سال پہلے تنہا ایک استاذ اپنے طالب علم کو اس کی طبعی

مناسبت کے اعتبار سے کسی نہ کسی علم میں لائق اور فائق بنا دیتا تھا مگر اب اساتذہ کی پوری ایک جماعت سے وہ نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں؟

ج آپ نے بڑا تیکھا سوال کیا ہے، جواب سے نہ جانے کتنی پیشانیاں شکن آلود ہو جائیں گی۔

اصل یہ ہے کہ پہلے کے اساتذہ اور اب کے معلمین کے جذبات اور سوچ وفکر میں بڑا فرق ہے، بڑی تبدیلی آ چکی ہے۔ پہلے استاذ، طالب علم کے ذہنی رخ کا غائرانہ جائزہ لیتا تھا، اس کے مزاج اور طبیعت کی مناسبت کا گہرائی سے مطالعہ کرتا تھا، پھر اس کے بعد طالب علم کے علمی سفر کی راہ اور اس کی سمت متعین کرتا تھا۔ اس کی طبعی مناسبت کے مطابق اسے تعلیم پر لگاتا تھا۔

پہلے اساتذہ خود کو محض ایک ملازم نہیں سمجھتے تھے کہ گھڑی دیکھ کر آتے، پڑھاتے اور وقت ختم ہوا، اٹھ کر چل دیے کسی بھی تعلیم کے لیے ذوق ضروری ہے۔ معلم کے اندر جتنا علمی ذوق ہوگا، طالب علم میں اتنا ہی منتقل ہوگا۔

آج کے دور میں استاذ معلم سے زیادہ ملازم ہوتا ہے — (الا ماشاء اللہ) ظاہر ہے ملازم وقت کے مطابق ڈیوٹی پوری کرے گا، ایک ملازم کو وقت گذاری اور اپنے مشاہرہ اور مزدوری سے مطلب ہوتا ہے۔

پہلے کے اساتذہ ایسے ہی استاذ نہیں ہو جاتے تھے، پہلے وہ ڈوب کر علم حاصل کرتے، علم اور طلبِ علم کا حق ادا کرتے (علم کا حق کیا ہے، "اَلْعِلْمُ لَایُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ كُلَّكَ الخ" یعنی علم اس وقت تک اپنا جزوی فیضان تمھیں عطا نہیں کرے گا جب تک کہ تم خود کو مکمل طور پر اس کے حوالے نہ کر دو.....) —— جس علم کو حاصل کرتے اس میں ایک مدت صرف کرتے، خود کو اس وقت تک کامل نہیں سمجھتے تھے جب تک استاذ خود نہ کہہ دیتا کہ بس اب جاؤ، اس علم کی اشاعت کرو۔

اور اب کیا حال ہے، تعلیم ناقص، ادھر اُدھر سے کچھ دیکھ لیا، ہر علم وفن کی اردو

شرحوں کی بھرمار ہے علم وتعلیم کا ناس ہو رہا ہے، گہرائی وگیرائی کا نام ونشان نہیں، ہر علم میں ناقص، تو ظاہر ہے کہ ناقص سے ناقص ہی پیدا ہوں گے۔ ایسی ہی کسی صورت حال کو محسوس کر کے راحت اندوری نے کہا ہے۔ ؎

میں پتھروں سے لڑتا رہا اور چند لوگ ❁ گیلی زمین کھود کے فرہاد بن گئے
لفظوں کے ہیر پھیر کا چکر عجیب ہے ❁ جاہل ہمارے عہد میں استاد بن گئے

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اب مدارس میں کہنے کو انتخابی کمیٹی بھی ہوتی ہے، وہ انتخاب کرتی ہے، مگر اس کا بھی تقریباً رسمی سا ہونا لوگوں کو معلوم ہے (الا ماشاء اللہ) قابلیت اور صلاحیت علمی سے زیادہ تملق اور چاپلوس کی قدر زیادہ ہے، اور جو قابل ہوتا ہے وہ انتظامیہ کا تملق اور چاپلوسی نہیں ہو سکتا، اس لیے اس صورت حال کی اصلاح کی بھی امید نہیں نظر آتی۔

(س) (۱۸): علمی زندگی اور تصنیف وتالیف کی لائن میں ذہن ومزاج کے لیے یکسوئی اور قلب ودماغ کے لیے پرسکون فضا ازبس ضروری ہے، مگر اس کے برخلاف، جب ہم آپ کی جانب دیکھتے ہیں تو صورت حال متضاد نظر آتی ہے۔ حاسدین کی جانب سے پریشان خاطری کے اسباب مسلسل پیدا کیے جاتے رہے، قلب ودماغ کی یکسوئی کو یکسر برباد کر دینے کی فضا قائم کی جاتی رہی، ایسے ماحول اور ایسی مخالف فضا میں جب کہ اچھے اچھوں کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں، یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ —— نہ تعلیم وتدریس متاثر ہوئی اور نہ تصنیف وتالیف میں کوئی فرق آیا —— ؟

(ج) علمی زندگی اور تصنیف وتالیف کے لیے یکسوئی ذہن کے بارے میں مولانا آزاد مرحوم کے جملے گوش گذار ہو چکے ہیں، اپنی تفسیر —— ''ترجمان القرآن'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''علمی زندگی کی جمعیتیں اور سیاسی زندگی کی شورشیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، پنبہ وآتش میں آشتی محال ہے، ——''

مگر یاد رکھیے —— زندگی کی خواہش ہے تو مشکلات سے گھبرانا لاحاصل ہے، کیوں کہ مشکلیں زندہ اور متحرک انسانوں ہی کے لیے ہیں ایک بے روح لاش کے لیے نہیں۔ آرام کی خواہش ہے تو اس کی بہتر جگہ قبر ہے۔ بیٹھے رہیں گے تو یقیناً ٹھوکر نہیں لگے گی، چلیں گے تو ٹھوکریں کھانا ضروری ہے۔

رنج کا خوگر ہوگر انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

ہر رنج اور تکلیف کو برداشت کرنا، ناسازگار حالات میں بھی صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا، انتہائی تکلیف دہ حالات میں بھی مقصود کو سینے سے لگائے رکھنا اور کامیابیوں کی بلندیوں پر گامزن رہنا، ان بلندیوں تک پہنچنے میں 'سنگِ راہ' سے اپنی قوت کا اظہار کرنا —— اور راہ کو ہموار بنانے میں کوشاں رہنا، اور ہمت و استقلال کا پیکر بنے رہنا چاہیے۔

دیکھیے —— روشنی اس کائنات کی سب سے تیز مسافر ہے وہ ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سے زیادہ سفر طے کر لیتی ہے، مگر روشنی ہمیشہ ایک ہی رخ پر چلتی ہے، سورج کی کرنیں اگر آپ کے کمرہ کی کھڑکی بند ہو تو کرنیں ایسا نہیں کر سکتیں کہ مڑ کر دروازہ کے راستہ سے داخل ہو جائیں وہ کھڑکی سے ٹکرا کر پڑی رہیں گی اور کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کریں گی۔

اس سے مختلف پانی کا معاملہ ہے، وہ ایک طرف راستہ بند دیکھتا ہے تو دوسری طرف سے نکاس پیدا کر لیتا ہے، اگر آپ کسی پہاڑ کے اوپر کھڑے ہوں اور وہاں ایک ایسے چشمہ کا مشاہدہ کریں جو اوپر سے نیچے کی طرف بہہ رہا ہو تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو نظر آئے کہ چشمہ جدھر بہہ کر جا رہا ہے اس کے عین آگے افقی دائرہ میں پھیلی ہوئی ایک چٹان ہے بظاہر آپ کو نظر آسکتا ہے کہ یہ لمبی چٹان چشمہ کا راستہ روکے گی مگر جلد آپ کا شبہ ختم ہو جائے گا جب آپ دیکھیں گے کہ چٹان کے پاس پہنچ کر پانی اپنے دائیں

بائیں پھیلنے لگا یہاں تک کہ چٹان کے دونوں سروں کو پار کر کے آگے کی طرف نکل گیا۔

حوصلہ مند انسان کی مثال اس معاملہ میں روشنی کی نہیں، پانی کی ہے، انسان کا ارادہ ایک ایسا سیلاب ہے جس کو کوئی چیز روک نہیں سکتی، زندگی کے سفر میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں حقیقتاً انسان کا راستہ رکتا ہو، جب بھی ایک راستہ بند نظر آئے گا، آپ دیکھیں گے کہ دوسرے راستے کھلے ہوئے ہیں، اور اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو کام میں لاکر آپ دوسری جانب سے اپنی منزل کو پہنچ سکتے ہیں۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا میں ہر شے کے لیے خدا کا ایک نظام وقانون ہے، اسی طرح ایک قانون ابتلاء وامتحان بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ۝ (محمد:٣١)

اور یہ بھی سمجھئے کہ یہ دنیا ہے، یہاں رنج اور تکلیف کا سلسلہ سب کے ساتھ رہتا ہے، ایسی حالت میں انسان کا فرض اور اس کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور ازخود رفتہ نہ ہو ——— دوسری طرف مصائب وآلام کی تلخیوں کو کشادہ دلی اور خندہ جبینی کے ساتھ گوارہ کرے۔ انسان سازی کی حقیقی جگہ مصائب کی درسگاہ ہے، نہ کہ آسانیوں کی درسگاہ، انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنانے والی چیز، سہولت نہیں بلکہ جدوجہد اور مشکلات ہیں۔

حاسدین کے حسد سے بد دل نہ ہونا چاہیے، البتہ اللہ تعالیٰ سے صبر وضبط کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے، یہ دنیا ہے ——— یہاں ہر صاحب کمال کی مخالفت ہوتی ہے، امام بخاریؒ کو اخیر میں مخالفین نے اتنا تنگ کیا کہ آپ نے دعا کی کہ الٰہی باوجود وسعت کے، زمین مجھ پر تنگ ہوگئی اس لیے مجھ کو اٹھا لے۔

پس ——— مصائب وآلام اور خطرات سے گھبرانا نہیں چاہیے، خطرات میں انسان کے اندر قدرتی طور پر مقابلہ کی طاقت پیدا ہوتی ہے اور یہ طاقت نہ صرف

زندہ رکھتی ہے بلکہ ترقی کی شاہراہوں پر بھی ڈال دیتی ہے۔

١٩٨٩ء میں کھیلوں کی دنیا میں پیش آمدہ ایک واقعہ کی جانب اشارہ کررہا ہوں، ایک مشہور اتھلیٹک کھلاڑی ''بن جانسن'' کو کسی دوا کے غیر قانونی طور پر استعمال کے باعث اسے کچھ دنوں کے لیے کھیل کے میدان سے باہر کردیا گیا اور اس سے اس کا میڈل بھی چھین لیا گیا تھا ــــــ اس پر اس نے کہا تھا:

''لوگوں نے مجھ سے میرا میڈل چھینا ہے نہ کہ میری رفتار''۔ اسے بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ: ''لوگوں نے مجھ سے اپنی دی ہوئی چیز چھینی ہے، نہ کہ خدا کی دی ہوئی چیز''۔

واضح رہے ــــ کہ: ''انسان کی دی ہوئی چیز ہمیشہ کم ہوتی ہے اور خدا کی دی ہوئی چیز ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے''۔ پس انسان جب بھی کوئی چیز کھوتا ہے تو ــــ ''کم'' ــــ کو کھوتا ہے ــــ ''زیادہ'' ــــ پھر بھی اس کے پاس رہتا ہے، لہٰذا چاہیے یہ کہ کم کو بھول کر زیادہ پر اپنی ساری توجہ لگادے''۔

١٤٠٦ھ اور ١٤٠٧ھ اسی طرح ١٤١٦ھ میں بیرونِ ملک اور اندرونِ دارالعلوم سے یعنی بیگانوں اور اپنوں دونوں جانب سے قطعاً غلط اور بے بنیاد طور پر مجھ پر مصائب کی یلغار کی گئی، جس کا ذکر ''موجِ حوادث'' کے عنوان کے تحت مفصل تحریر جو بنام مولانا ارشد صاحب ناظم تعلیمات پیچھے گذر چکی ہے، یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

ان واقعات نے میرے اندر مقاومت اور مثبت مقابلہ کا جذبہ بیدار کیا، بجائے اس کے کہ میں (کچھ دنوں بعد ایک معزز رکن شوریٰ کے کہنے پر) اس مسئلے کو دوبارہ اٹھاؤں اور دادرسی کی سعی لاحاصل میں اپنا عزیز وقت گنواؤں ــــ از سرِ نو اپنے اندرون میں جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ صلاحیت کا جائزہ لیا، اور مذکورہ جملے کو پیش نظر رکھ کر ــــ (''کہ لوگوں نے مجھ سے اپنی دی ہوئی چیز چھینی ہے نہ کہ خدا کی دی ہوئی چیز'') عطیہ الٰہی کو یکجا کر کے دوسرے رُخ کی جانب اپنی توجہات مبذول

کرلیں، اور ایسا جب جب ہوا کہ تنگ نظر اور حاسد طبع لوگوں کی طرف سے رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی گئی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرا جذبۂ کار کچھ اور ہی پروان چڑھا۔ اپنے اوقات کار کو مزید بڑھایا۔

س (۱۹): ۱۴۲۰ھ میں آپ کی تاریخی کتاب، رجال قراءت پر اردو زبان میں پہلی مکمل تاریخ کا رسم اجراء عمل میں آیا تھا، ماشاء اللہ اس کے ذریعہ فن اور اس کی خدمات کا زبردست چرچا رہا، مگر دارالعلوم کی انتظامیہ نے اس کا کچھ اور ہی اثر لیا، اس کے بارے میں کچھ بتلایئے؟

ج: وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے!

۱۴۲۰ھ کے یادگار جلسہ کے سلسلہ میں یہاں مختصر اشارہ کردوں۔

اللہ کے لطف وکرم سے رجال قراءت پر کتاب ''حسن المحاضرات فی رجال القراءات'' مرتب کرنے اور شائع کرنے کی توفیق ہوئی، جس کا تفصیلی ذکر ماسبق میں ایک مستقل مضمون کے اندر آچکا ہے، اس کام کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم کے بعض اونچے اساتذہ نے بار بار مجھ سے فرمائش کی کہ اس کتاب کے رسم اجراء کی تقریب میں ایک جلسہ کرو، میرا مزاج اس کا کبھی نہیں رہا، میں نے اولاً اپنے مخصوص دوستوں سے اس کا ذکر کر کے مشورہ چاہا۔ سب نے باتفاق یہی کہا کہ ضرور ہونا چاہیے۔ پھر انھوں نے اس کا طریقہ کار طے کرنے کے لیے ایک مشاورتی مجلس بلائی، ان دنوں میں دس یوم کی رخصت پر وطن گیا ہوا تھا، میری عدم موجودگی میں تقریباً پچیس فضلاء دارالعلوم یہاں آئے، ابتداءً انھیں مہمان خانۂ دارالعلوم میں ٹھہرنے بھی دیا گیا، مگر پھر اچانک کیا ہوگیا، کہ ان فضلاء دارالعلوم کو جو کہیں کسی مدرسہ میں صدر شعبہ تھے، کہیں ناظم اور مہتمم تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مادر علمی کے فرزند تھے —— مگر ان پر صبح یہ پابندی لگ گئی کہ یہ دارالعلوم کے اندر کہیں بھی

کوئی مشورہ نہیں کر سکتے، فضلاء دارالعلوم یہ سن کر سکتے میں آ گئے، بہر حال چوں کہ دور دراز کا سفر کر کے یہاں آ چکے تھے، مشورہ تو کرنا ہی تھا، بالآخر دارالعلوم سے باہر، کمال شاہ مسجد میں جا کر مشورہ کیا، طے یہ کیا کہ جب یہاں یہ صورت حال ہے تو یہ جلسہ بجائے دیوبند کے دلی میں ہونا چاہیے، جیسا کہ عرض کیا، میں تو یہاں تھا ہی نہیں، رات میں میرے لڑکے نے بذریعہ ٹیلی فون مجھے صورت حال کی اطلاع دی میں نے بتاکید جواب دیا کہ ان سب حضرات سے کہہ دو، کہ اب تو جلسہ ضرور ہوگا، اور دیوبند ہی میں ہوگا، نہ سہی دارالعلوم میں —— بہر حال جب میں واپس آیا تو چوں کہ یہاں ان فضلاء کو جب کہ مشورہ تک نہیں کرنے دیا گیا تھا میں نے مدرسہ اصغریہ حاضر ہو کر حضرت مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ ہذا سے اس کی بابت عرض کیا، آپ نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اہم انتظامات میں بڑے تعاون کا اشارہ کیا، بہر حال وقت موعود پر جلسہ ہوا، اور اپنی نوعیت کا عظیم الشان ہوا، قراءِ کرام کا ایسا نمائندہ اجتماع کہیں کم ہی ہوا ہوگا۔

اس جلسہ میں دارالعلوم کے علیاء وسطی اور دیگر سبھی حضرات اساتذۂ کرام کی شرکت ہوئی، نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث، وغیرہ تقریباً دارالعلوم کا سارا اسٹاف ہی موجود تھا، حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوا، اگلے روز اخبارات نے اس جلسہ کی نمایاں رپورٹنگ کی یہاں اردو کے مشہور اور کثیر الاشاعت اخبار "سہارا دہلی" کی رپورٹ پیش کی جاتی ہے، جس سے اس جلسے کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہوگا:

قراءت کے فن پر اجلاس میں ممتاز علماء کی شرکت

قاری ابوالحسن کی خدمات کا اعتراف

دیوبند: ۱۵؍اکتوبر (سہارا خبر) ابنائے قدیم انجمن صوت القرآن کی جانب

سے قراءت کے فن پر تجوید وقراءت کو فروغ دینے کے لیے ایک بڑا اجلاس منعقد کیا گیا، اس اجلاس کے محرک عالمی شہرت یافتہ مولانا قاری ابوالحسن اعظمی کے قدیم تلامذہ تھے۔ اجلاس کی صدارت مولانا سید خلیل حسین نے کی۔ نظامت کی ذمہ داری دہلی سے آئے ہوئے قاری محمد قاسم نے انجام دی۔ اجلاس کا آغاز قاری ریاض احمد استاذ قراءت ندوۃ العلماء لکھنؤ نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اس اجلاس میں لکھنؤ اعظم گڑھ، گجرات، دہلی، علی گڑھ، سہارنپور، مظفر نگر اور دیوبند کے علماء اور قراء نے شرکت کی۔ طلبہ دارالعلوم اور مہمانوں سے کچھا کھچ بھرے ہال میں وقف دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا انظر شاہ کشمیری نے فن قراءت کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا قاری ابوالحسن کی شخصیت اور فن نیز ان کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی، علاوہ ازیں مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری مولانا قاری محمد صدیق صاحب (ترکیسر گجرات) قاری صبغت اللہ (لکھنؤ) قاری ریاض احمد (لکھنؤ) اور قاری شمیم احمد (اعظم گڑھ) علم تجوید وقراءت پر تقریریں کیں۔ دریں اثناء قاری ابوالحسن اعظمی کی عظیم الشان تصنیف ''حسن المحاضرات فی رجال القراءت'' کا اجراء صدر اجلاس کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ یاد رہے کہ قاری ابوالحسن اعظمی کی فن تجوید وقراءت پر یہ ۵۱ رویں بڑی تصنیف ہے قاری ابوالحسن شعبہ قراءت دارالعلوم دیوبند کے صدر ہیں۔

قراءت وتجوید کے علم اور فن میں ہندوستان میں نہیں بلکہ غیر ممالک میں بھی ان کی شخصیت اور خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے اس اجلاس میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب، مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی (نائب مہتمم) مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، مولانا نسیم احمد، مولانا خضر محمد کشمیری، مولانا شوکت علی بستوی، اور مولانا سلمان بجنوری وغیرہم نے

شرکت کی۔ مولانا عبدالحق صاحب کی دعاء پر جلسے کا اختتام ہوا۔

مگر کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جنھیں یہ جلسہ پسند نہ آیا۔ انتظامیہ کے بعض افراد تک نہایت جھوٹی غلط رپورٹ دی گئی یہاں تک کہ میرے خلاف مجلس شوریٰ میں جھوٹی رپورٹ پر بغیر کسی ادنیٰ تحقیق کے یہ بیان دیا گیا کہ: ''ان کے اس جلسہ سے دارالعلوم کا وقار مجروح ہوا'' اب ظاہر ہے کہ میں مجرم ٹھہرا، لہٰذا سزا بھی ملنی چاہیے، چناں چہ سزا بھی تجویز ہوئی وہ یہ کہ ''ان سے قراءت سبعہ وعشرہ کے اسباق لے لیے جائیں''۔

آئندہ سال شوال میں جب مجھے اطلاع ملی، تو خدا شاہد ہے مجھے اس ''سزا'' نما کرم کی خبر سے بے حد قلبی مسرت ہوئی میں نے تشکر نامہ جناب مولانا ارشد صاحب ناظم تعلیمات کی خدمت میں تحریر کیا، جس کی نقل درج ذیل ہے:

> بعد القاب ''مؤدبانہ گذارش ہے کہ شوال ۱۴۱۹ھ قراءت سبعہ وعشرہ کے نظام تعلیم سے متعلق آں جناب کو بخوبی یاد ہوگا کہ احقر اس کی تدریس سے معذرت کرتا رہا، اور حسب سابق نظام کی ہی آپ سے بات کرتا رہا، مگر آں جناب نے درسگاہ میں قدم رنجہ فرماتے ہوئے (دیر تک مجھے سمجھایا اور) باصرار یہ اسباق احقر کے سپرد کیا، احقر نے صرف آں جناب کے احترام میں غیر مستقل سمجھتے ہوئے قبول کر لیا تھا۔
>
> احقر کیا عرض کرے، الحمدللہ سینتیس سال سے (۱۴۲۰ھ میں) مسلسل قراءت سبعہ وعشرہ کی خدمت انجام دیتا آرہا ہے تحدیث نعمت کے طور پر اگر یہ عرض کر دیا جائے کہ اس وقت ایشیاء میں قراءت کی نصابی کتب مجھ سے زیادہ مرتبہ پڑھانے والا کوئی نہیں ہے تو یہ خالی از مبالغہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس کے شوق اور حرص کا سوال نہیں۔ عمر اور صحت کا تقاضہ بھی ہے کہ اسباق کم سے کم اور ہلکے ہوں۔
>
> یہ جان کر خدا شاہد ہے کہ بیحد مسرت ہوئی کہ اب ان اسباق سے احقر سبک دوش رہے گا، اس عمر میں تین گھنٹوں کے (تھکا دینے والے) اشغال

سے فرصت پا جانا (سزا نہیں) اللہ کی رحمت ہے۔ (اس کے لیے) عنوان خواہ کچھ بھی اختیار کیا گیا، مگر نتیجے کے اعتبار سے تو احقر کے لیے بڑی مسرت کی بات ہے، اور احقر کی نظر اس خوش کن نتیجے ہی پر ہے، عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ... الخ۔

۱۵ر شوال ۱۴۰۶ھ میں دس سالہ صورت حال پر مشتمل سترہ صفحات کی جو طویل تحریر آں جناب کی خدمت میں پیش کی گئی تھی ——— (جو ماسبق میں ''موجِ حوادث'' کے عنوان سے گذر چکی ہے) پھر عرض کردوں کہ اب کئی سال سے جی چاہتا ہے کہ مدارس کے عجیب وغریب ضوابط وقوانین کی الجھنوں سے خود کو آزاد کرلوں، مگر کیا کروں، اپنے بڑے محبین اور مخلصین بہ شدت منع کرتے ہیں کہ جب تک آب ودانہ ہے رہو، از خود علیحدگی نہ اختیار کرو، الگ کردیے جاؤ تو الگ ہو جاؤ۔

پس حضرت والا! اس دن کا انتظار ہے جب ان الجھنوں (اور خرخشوں) سے فارغ ہوکر آزادی کے ساتھ حسب توفیق الٰہی قرآن کریم کی خدمت کروں، اللہ تعالیٰ کی مرضی، جس حال میں رکھے بہتر ہے''۔ (۱۵ر شوال: ۱۴۲۰ھ)

مندرجہ بالا تحریر کے چند روز بعد ہی ناظم تعلیمات صاحب نے دفتر تعلیمات میں مجھے بلایا (میں بے خبر تھا) میری حاضری کے بعد پہلا جملہ جو جلسہ رسم اجراء اور اس کے بعد رپورٹ پر شوریٰ کی تجویز سے متعلق ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا ——— ''اصل میں قاری صاحب! آپ نے ہم سے مشورہ نہیں کیا تھا'' ———

میں نے عرض کیا! اچھا تو یہ سبب تھا اس رپورٹ کا، آپ سے کیا مشورہ کرتا، آپ کے تو ابتداءً ہی تیور معلوم ہو گئے تھے جب جلسہ سے پہلے کچھ فضلاء دار العلوم یہاں آکر ابتدائی مشورہ کرنا چاہتے تھے، اور آپ نے انھیں دار العلوم کی چہار دیواری کے اندر کسی گفتگو کی اجازت نہ دی اور وہ مادر علمی کے فرزند ہوکر بھی، باہر جا کر مشورہ

کرنے پر مجبور ہوئے۔

اگر آپ سے مشورہ میں نے نہیں کیا تو کم از کم جلسہ کے بعد ایک بار ہی مجھے طلب کر کے حقیقتِ حال کی تحقیق کر لی گئی ہوتی، بغیر تحقیق کے آپ نے مجلس تعلیمی اور اس کے بعد مجلس شوریٰ تک اس انداز میں پہنچا دیا کہ ''ان کے اس جلسے سے دارالعلوم دیوبند کے وقار کو ٹھیس پہنچی'' میں نے کہا کہ کیا اب تحقیق وتصویب نام کی کوئی چیز یہاں نہیں رہ گئی، جس کے بارے میں جو چاہیں آپ فیصلہ کر دیں، اور تقریباً آدھ گھنٹہ سے زیادہ بہت تیکھے انداز اور نہایت صفائی کے ساتھ میں نے گفتگو کی، اور بہت سی باتیں درمیان میں آئیں، اب انھیں کیا دہراؤں۔ خلاصہ یہ سمجھئے کہ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ ہمارے ماحول میں، اپنی منشاء اور مزاج کے خلاف برداشت کے لیے اب وسیع النظر فی نہیں رہی۔ ہم اپنے جن اسلاف کے نام شب و روز لیتے رہتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ محض گرمی مجلس کے لیے ہوتا ہے، خود ہم ان اعمال وکردار سے بالکل عاری اور خالی ہو چکے ہیں، ہم بلاشبہ اپنے اسلاف کے کردار وعمل سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ ہمارا ماحول اب بغض، کینہ، حسد، غصہ اور جذبۂ انتقام سے عبارت ہو کر رہ گیا ہے۔

س (۲۰): ایسے حالات کا وقتی طور پر ہی سہی آخر تاثر تو ہوتا ہوگا؟

ج فوری طور پر ظاہر ہے کہ ایسے حالات اور واقعات کے اثرات قلب ودماغ پر ہوتے ہیں، آخر تو میں بھی انسان ہوں ؎

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل ❁ انسان ہوں پیالۂ وساغر نہیں ہوں میں

اور یہ کہ ؎

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رلائے کیوں

اور یہ کہ ؎

میں کوئی پتھر نہیں، انسان ہوں ❁ کیسے کہہ دوں غم سے گھبراتا نہیں

مگر حالات کی ماتم گساری تا کجے؟ بہت کم وقت کے لیے، ایک ہلکی ہوا کے جھونکے کی طرح یہ حالات آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں، فوری طور پر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوں، گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوں اور پھر خود کو کسی نہ کسی شغل کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ اور جگر کا یہ شعر حالات کے سامنے کر کے ان سے ایک ڈھال بنالیتا ہوں ؎

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا
کہ بجلی گرتے گرتے آپ خود بیزار ہوجائے
چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

س (۲۱): اب وہ زمانہ تو ہے نہیں کہ جب کوئی خواہ کتنی ہی تلخ و ترش انداز میں کوئی بات کرتا اگر وہ حق گو ہے تو اس کی حق گوئی کی قدر تھی، اور تمام تر تلخیوں کے باوجود گوارہ کیا جاتا تھا —— آپ اس دور میں حالات اور واقعات کا تجزیہ اور تبصرہ اسی انداز میں کرتے ہیں تو کیا ان تلخ نوائیوں کا ردِ عمل اور عتاب آپ تک نہیں پہنچتا؟

ج ﷾! آپ نے سوال کے اندر خود ہی جواب دیدیا ہے، بھائی! وہ دن گذر گئے کہ حق گوئی کی قدر تھی، بیباکی ایک وصف اور تعریف کی چیز تھی، قدر دانی صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر ہوتی تھی، یہاں قاضی اطہر صاحب مبارک پوری مرحوم کا ایک ملفوظ یاد آیا:

> ”صلاحیتوں اور خدمات کا اعتراف کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ“ —— یہ دور تحزب پسندی کا ہے۔ جو اہل قلم، (باصلاحیت افراد) کسی خاص گروہ اور جماعت سے وابستہ نہیں ہیں وہ انفرادی طور پر خواہ آسمان علم وادب کے آفتاب وماہتاب ہی کیوں نہ ہوں، ان کی عظمت وشہرت کے اعتراف میں ہمیشہ بخل سے کام لیا جائے گا“۔

بھائی اب تو مدارس عربیہ میں عموماً تملق، حاضر باشی اور سلام کی قدر ومنزلت ہے، حق گو اور بے باک تو اب ہر وقت تلوار کی دھار پر رہتا ہے، خدا جانے مدارس کو کس

کی نظر کھا گئی، نہیں معلوم ہوتا کہ اب صحیح دور کبھی آسکتا ہے، اب تو مدارس میں تقرر کے وقت پہلے اس بات کی تحقیق ہوتی ہے کہ امیدوار کس گروہ اور خیال کا آدمی ہے، مدرسہ کے کام کا چاہے نہ ہو، ہمارے کام کا کتنا ہے، آج یہی وجہ ہے کہ بہترین اور عمدہ صلاحیتوں کے حامل اشخاص کم ہوتے جارہے ہیں، اگر کوئی ہوتا بھی ہے تو ماحول میں اس کی ترقی نہیں، ایسی مثالیں جہاں چاہیں دیکھ لیں۔

روس کے سابق وزیراعظم خروشچیف اور بلگانن ۱۹۵۶ء میں ہندستان آئے تھے، خروشچیف کو بتایا گیا کہ دہلی یونیورسٹی نے طے کیا ہے کہ آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دے۔ انھوں نے طنزیہ انداز میں کہا:

''روس میں اس کے لیے کام پیش کرنا پڑتا ہے'' ——— (ٹائمس آف انڈیا ۱۲ر جون ۱۹۸۰ء)

دیکھا آپ نے ——— کسی قوم کی زندگی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس میں خطابات، مناصب اور اعزازات حقیقی کام کی بنیاد پر دیے جاتے ہوں۔ نہ کہ سیاست اور خوشامد کی بنیاد پر۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اہلیت کی بنیاد پر جب کسی قوم کو کوئی اعزاز ملتا ہے تو لوگ اس کو ایک ہونے والے واقعہ کی حیثیت سے قبول کر لیتے ہیں۔ لوگوں کے اندر یہ جذبہ اُبھرتا ہے کہ ہم بھی اسی طرح محنت کریں تاکہ ہم کو بھی یہ مقام ملے، اس کے برعکس جب اہلیت کے بغیر کسی کو کوئی اعزاز دیا جائے تو لوگوں کے اندر اس کا سخت ردّعمل ہوتا ہے، اب ایک دوسرے کے بارے میں بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ محنت کرکے پانے کا جذبہ سرد پڑجاتا ہے، اس کے بجائے اِدھر اُدھر کی تدبیروں سے حاصل کرنے کا جذبہ فروغ پاتا ہے اور بالآخر پورا ماحول اور پوری فضا خراب ہوجاتی ہے۔

چناں چہ اس رواج اور مرض سے ہمارے مدارس اور مذہبی ادارے بھی محفوظ نہ رہے، اہلیت کے بجائے دوسری بنیادوں پر انعام اور ترقی دینے کا رواج سا ہو رہا

ہے۔(الا ماشاء اللہ)

آج ایک مذہبی ادارہ میں سب سے بڑی لیاقت نیاز مندی ہے اور سب سے بڑی نااہلی یہ ہے کہ آدمی نیاز مند بن کر نہ رہتا ہو۔ ایک آدمی اپنے گروپ کا ہے تو اس کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کیا جائے گا اور اگر وہ اپنے گروپ کا نہیں ہے تو اس کے ساتھ تنگ ظرفی کا معاملہ ہوگا، کوئی شخص تنقیدی مزاج رکھتا ہو تو ان اداروں میں اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی بلکہ جلد از جلد اسے نکالنے کی سازش رچی جائے گی، طرح طرح سے اسے پریشان کیا جائے گا، اور جو آدمی ہاں میں ہاں ملاتا ہو وہ ہر قسم کے اعزاز کا مستحق سمجھا جائے گا، اسے ترقی پر ترقی دی جائے گی ——— خواہ وہ کتنا ہی نااہل کیوں نہ ہو۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے تمام اداروں میں علم اور محنت کی فضا ختم ہوگئی ہے۔ ظاہر ہے ——— ''جہاں مقام حاصل کرنے کے لیے محنت اور قابلیت غیر اہم چیزیں بن جائیں وہاں کسی کے اندر محنت اور قابلیت کا شوق کیوں پیدا ہوگا، آدمی اسی چیز پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے، جس کو وہ اپنے لیے عزت اور ترقی کا زینہ سمجھتا ہو، جب عزت اور ترقی محنت اور قابلیت کے بغیر سستی چیزوں کے ذریعہ مل رہی ہوں تو کون احمق ہوگا جو سستی چیز کو چھوڑ کر مہنگی چیز کا خریدار بنے''۔

اس کتاب میں آپ کو ''موجِ حوادث'' کے عنوان کے تحت ایک تحریر ملے گی، شاید آپ کو اس میں اپنے سوال کا جواب مل جائے!

س (۲۲): ایسے ماحول اور ظروف میں جب کہ بڑے بڑوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں، آپ کے بارے میں افواہیں اڑیں، قیاس آرائیاں رہیں کہ اب گئے، تب گئے ——— کیا آپ کو کبھی اس کا خیال نہ آیا کہ ایسے ماحول سے کیوں نہ آشیانہ اٹھالیں؟

ج ۱۴۰۶ھ میں ایک بار ایک طوفان آیا تھا، اور یہ بالکل خلاف توقع تھا، دل و دماغ بالکل ہل کر رہ گئے تھے، اس دوران میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ قطعی فیصلہ کرلیا تھا کہ علاحدگی اختیار کرلوں۔ اپنے ایک مخلص کے سامنے عرض کیا، اس وقت مجھ پر کچھ

امتحانی کیفیت طاری تھی، جس کا اثر اُن صاحب پر کچھ زیادہ ہی ہوا اور انھوں نے مجھے بہت ڈھارس دی، اور مجھے اس اقدام سے روکا۔ اس کے بعد ۱۴۱۶ھ میں بھی حالات سے بد دلی پیدا ہوئی اس وقت بھی فیصلہ علیحدگی کا کیا، جس کا ذکر ''موجِ حوادث'' والی تحریر کے آخر میں کیا ہے، اس کے بعد ۱۴۲۲ھ میں تو بغیر کسی اضطرار کے فیصلہ کیا کہ اب دار العلوم سے علیحدہ ہو کر آزادی کے ساتھ کچھ کام کرنا چاہیے، ایک مدرسہ بنام ''الامام ابن الجزریؒ'' قائم کیا، اس کا اشتہار بھی اِدھر اُدھر لگا دیا، اور اس خیال سے کہ مدرسہ کے قیام کے بعد بھلا انتظامیہ کے کان کیوں نہ کھڑے ہوں گے ۔لہٰذا کسی سوال و جواب سے پہلے از خود استعفیٰ دیدینا چاہیے۔ چناں چہ اس کا ذکر پھر اپنے ایک مخلص سے کیا۔ مگر اس بار تو عجیب بات یہ سامنے آئی کہ یہ کوئی ایسا اِقدام یا کوئی خلافِ قانون وضابطہ کام نہیں ہے۔ جس پر انتظامیہ باز پرس کرے۔ بات آئی تھی، سوال ہوا تھا، مگر جواب یہ دیا گیا کہ ''قیامِ مدرسہ یا مدرسہ کی سرپرستی اور نگرانی اگر کارِ غلط ہے، اور ضابطہ کے خلاف کوئی چیز ہے تو ''فلاں صاحب'' آپ کو کیوں نظر نہ آئے، کیا ان سے باز پرس کر چکے ہیں، کون نہیں مدرسہ قائم کر رہا ہے، نگرانی اور سرپرستی کون نہیں کر رہا ہے، صرف ابوالحسن ہی نگاہوں میں ہے، وغیرہ وغیرہ تم استعفیٰ کا تو تصور نہ کرو، خوب اطمینان سے سرپرستی اور نگرانی جاری رکھو''۔

چناں چہ اس گفتگو کے بعد میں نے از خود علیحدگی کا اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

اور بھائی ـــــ اب تقریباً تینتالیس سال تدریس کے ہونے جا رہے ہیں، ٹوٹی پھوٹی جیسی کچھ بھی خدمات کی توفیق مدارس میں رہ کر انجام دینے کی ہوئی۔ اب جی یہاں سے بھر چکا ہے، ساری دنیا میں اُتھل پتھل ہے بھلا یہ دینی ادارے اور اس کے ماحول میں سکون اور یکسوئی کہاں سے رہ جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ دینی خدمت کے لیے جو پُرسکون فضا چاہیے وہ اب ان دینی اداروں میں بھی مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے جیسا کہ پہلے بھی کہیں عرض کیا ہے، خود تو علیحدہ نہیں ہوں گا،

لیکن اگر علیحدہ کر دیا گیا تو سچی بات یہ ہے کہ بجائے رنج کے خوشی ہوگی اور وہ دن میرے لیے بے حد سکون اور آزادی کا دن ہوگا۔

میں نے کہیں یہ بھی عرض کیا ہے کہ جنگل کے مور کو کبھی باغ و چمن کی جستجو نہیں ہوتی، اس کا چمن سدا اس کی بغل میں رہتا ہے، وہ جہاں کہیں اپنے پر کھول دے گا، ایک چمنستان بوقلموں کھل جائے گا۔

اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو خدمت کے لیے بڑے مواقع ہیں، یہاں دیوبند میں بڑے بڑے معاہد اور مدارس کھل چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی سے مربوط کر دے گا، اگر اپنے اندر خدمت کا جذبہ ہو تو خدا کی سرزمین بہت وسیع ہے، ارشادِ باری ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ○

(العنکبوت: ۵۶)

ترجمہ: اے میرے ایمان دار بندو، میری زمین فراخ ہے، سو خالص میری ہی عبادت کرو۔

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ. (الزمر: ۱۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی زمین فراخ ہے۔

اسی کو کسی نے کہا ہے: ''پائے مرا لنگ نیست، جائے خدا تنگ نیست''

س (۲۳): جب ہم متقدمین علماء اور قراء کے تذکروں پر نظر ڈالتے ہیں تو علم قراءۃ کے ساتھ دیگر علوم و فنون میں دستگاہ رکھنے والوں کی ہر دور اور زمانے میں ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے، مگر حالیہ صدی میں ایسا کچھ نظر نہیں آتا ہے یا بہت کم ہے، اس کے کیا اسباب ہیں؟

ج علامہ جلال الدین سیوطیؒ ''الاتقان'' میں، علم تفسیر کے لیے اٹھارہ علوم کو ضروری لکھتے ہیں۔ ان میں سے علم تجوید و قراءت بھی ایک اہم مقام رکھتا ہے، علم قراءت خاص طور پر تفسیر کے حوالے سے نہایت ضروری علم ہے، بغیر علم القراءۃ کے کوئی عالم، عالمِ کامل نہیں سمجھا جاتا تھا، اور یہ حقیقت بھی ہے، قراءات عشرہ صحیحہ مشہورہ کی بیس

روایات میں سے صرف ایک روایت، روایت حفص پڑھ لینے اور انیس روایات سے ناواقف رہنے سے عالم، کامل کیسے ہو جائے گا، یہ تو زبردست نقص ہے، اسی وجہ سے اس دور خیر کا ہر عالم۔ علم قراءت کی تحصیل وتکمیل ضروری سمجھتا تھا، نیز حدیث ''خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ'' کی اہمیت، عظمت اور اس کی صحیح اور حقیقی معنویت سے واقف تھا اس لیے —— زندگی کے ایک حصہ میں اسے تدریسی مشغلہ بنانا بھی ضروری سمجھتا تھا۔ تاکہ اس حدیث کی رو سے انھیں کچھ حصہ مل جائے، تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔

تفسیر قرآن کا مصنف اپنی کتابوں میں قراءات کو مستقل طور پر نہایت اہتمام سے بیان کرتا تھا، متقدمین سے لے کر متاخرین تک آپ دیکھ جائیے یہی ملے گا۔

اسی کے ساتھ تمام تر عظمت واہمیت کے پہلو بہ پہلو، یہ علم قراءت ذرا مشکل بھی ہے اور اس دور کی طبائع کمزور، اذہان ضعیف اور سہولت پسند ہو گئی ہیں۔ اس لیے آہستہ آہستہ اس میں کمی اور اس سے دوری بڑھتی گئی۔ فن قراءت کے کثیر المشقت ہونے کی وجہ سے محقق ابن الجزریؒ کے اساتذہ میں سے ایک استاذ غالباً ابوبکر ابن الحب المقدسی نے محققؒ سے فرمایا: ''قراءت کثیر المشقت اور قلیل المنفعت ہے اور تم عمدہ اور جید ذہن وفہم کے مالک ہو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ علم حدیث پر محنت کرے''۔

اور ایک بڑا حادثہ اس سلسلے میں یہ بھی رہا ہے کہ وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی طرف سے بعض جاہل عالموں نے اس طرح کی ہفوات بھی اڑائی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے کہ قراءت اب صرف ایک رہ گئی ہے، باقی چھ ختم کر دی گئیں ہیں، اس طرح اس کی عظمت وضرورت کو گھٹایا جا رہا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ توجہ کیوں کر ہو۔ لیکن اللہ کے فضل وکرم سے اس کی توفیق سے آج بھی کچھ بندگانِ خدا ایسے ملیں گے اگرچہ ان کی تعداد کم ہے، کہ وہ کسی بھی علم وفن کو بآسانی پڑھا سکتے ہیں، فقہ، حدیث اور تفسیر سب کی تدریس میں کامیاب ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو بہر حال اسلام کو (جب تک بھی) باقی رکھنا ہے تو

اس کے تمام ہی علوم کو باقی رکھیں گے، اور آج بھی آپ کو ذی استعداد، باصلاحیت ہرفن کے بہترین ایسے اشخاص بتائے جاسکتے ہیں، جو مذکورہ حدیث کو پیش نظر رکھ کر، اس کی حقیقی معنویت کو سمجھتے ہوئے، دیگر علوم وفنون کی بھرپور اور مکمل صلاحیت کے حامل ہوتے ہوئے، علم القراءت کے گیسو سنوارنے میں تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں خرچ کررہے ہیں، آج عام طور سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ”قراء تو بس قراءت پڑھالیں انھیں اور کیا آتا ہے“ یہ جملہ کسی حد تک صحیح ہے اور اس کی وجہ ابھی بیان ہوئی یعنی کثیر المشقت اور قلیل المنفعت ہونا۔ لیکن بالکلیہ وہ جملہ صحیح نہیں ہے۔

ہمیں مے خواروں میں ہیں پیر مغاں ایک سے ایک
قبلۂ دیں ہے کوئی کعبۂ ایماں ہے ... کوئی

اس سلسلے میں عظمت قرآنی میں کمی کے باعث مدارس کا نظم وانتظام بھی بہت حد تک ذمہ دار ہے، حقیقی عظمت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مدارس میں اہمیت قراء، مجودین اور حفاظ قرآن کو بھی وہی دی جائے جو دیگر علوم کی تدریس پر دی جاتی ہے، لیکن ایسا کہاں ہے (الاماشاء اللہ) قراء کرام کے ساتھ عموماً مدارس میں معاملہ اور سلوک سوتیلے پن کا اختیار کیا جاتا ہے۔ ان حضرات کو ادنیٰ درجہ کا مدرس سمجھا جاتا ہے حدیث مذکورہ کے بالکل برخلاف مدارس کے منتظمین کا عملی انداز رہتا ہے اب ظاہر ہے کہ کون ہمت کرے گا، جس علم کی ماحول میں عزت وعظمت نہ ہوگی اس کے لیے محنت اور جدوجہد کون کرے گا۔

س (۲۴): آپ نے ’الامام ابن الجزریؒ؟؟ کے نام سے مدرسہ کے قیام کا ذکر کیا اس کے پس منظر اور کچھ اس کے نصاب ونظام تعلیم کے بارے میں بتایئے؟

ج جب میں دارالعلوم میں آیا تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب کے ساتھ بڑا افسوس ہوا کہ اس ادارہ کا اتنا قدیم شعبہ کتنے اور کیسے حضرات یہاں آئے اور گئے، مگر عرصہ دراز گذر جانے کے بعد بھی کسی نے اس شعبہ کے نصاب تعلیم کی جانب توجہ دینے کی ضرورت نہ سمجھی، حقیقت یہ ہے کہ اتنا نقص اور اتنی ناہمواری تو کسی ابتدائی مدرسہ کے

نصاب میں بھی نہیں ہوتی جیسی یہاں نظر آئی۔

جب نصاب تعلیم ہی ناقص اور ناہموار ہوگا تو تعلیم کا نظام کیوں کر درست ہوگا، میں نے سب سے پہلے اس کی جانب اس وقت کے صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کو نجی مجلس میں متوجہ کیا، حضرت مولاناؒ کا یہ مزاج تھا کہ اگر کوئی بات سنجیدگی سے ان کے سامنے پیش کی جاتی تو پوری توجہ سے سماعت فرماتے آپ نے میری باتیں بغور سماعت کے بعد فرمایا کہ تعلیم سے متعلق قواعد وضوابط پر عنقریب غور وفکر کی تجویز ہے۔ تم ان امور کو مرتب کر کے دفتر تعلیمات میں پیش کرو، مجلس تعلیمی میں غور کر کے اسے منظور کراؤں گا۔

مولانا کے حکم پر میں نے سابقہ نصاب تعلیم کے نقائص اور ضرورت کو پیش کرنے کے بعد نیا نصاب پیش کیا، مختصر یہ کہ ایک کمیٹی کے ذریعہ اسے کسی حد تک غور وفکر سے گذار کر منظور کیا گیا۔ اگر قدیم نصاب کی کاپی نکال کر دیکھی جائے اور کسی واقف کار سے معلوم کیا جائے تو اس کا نقص واضح ہو جائے گا۔

دار العلوم میں آنے کے بعد نصاب تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر اولاً توجہ کا مرکز میرے لیے یہی چیز تھی، خوب سمجھ لینا چاہیے کہ نصاب تعلیم کیا اور کیسا ہو، اسے سمجھنے کے لیے تعلیمی مہارت ضروری ہے، ایک ماہر تعلیم ہی اس کے نشیب وفراز کی حقیقت کو معلوم کرسکتا ہے، چناں چہ کچھ ہی دنوں بعد بعض افراد کی جانب سے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور پھر ایک مجلس میں ایسی احمقانہ مخالفت کا مظاہرہ ہوا کہ سنجیدگی اور عقل وخرد نے اپنا منہ پیٹ لیا، اس کی وجہ ——— ؟ صرف یہ تھی کہ ''الناسُ اعداءٌ لِمَا جَهِلُوْا'' جب علم کی مبادیات ہی سے ناواقفیت ہوگی تو اور کیا ہوگا۔

اس پس منظر میں میری حساس طبیعت اور کیفیت کو آپ سمجھ سکتے ہیں۔

ایک عرصہ کے غور وفکر، اور اہل فن قراء کی مشوروں کے بعد بالآخر ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ میں حسن منزل محلہ اشرف آباد (خانقاہ) میں خدمت کا آغاز بعنوان ''مدرسہ

الامام ابن الجزریؒ" کردیا۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا اور اس کے حالات کس قدر تغیر پذیر ہیں، آج کی مشغول اور بھاگ دوڑ کی دنیا میں نصاب تعلیم بھی توجہ کا طالب ہوگیا ہے۔طریق تعلیم میں مقررہ نصاب ان کی حیثیت اور مقداریں بھی اہمیت رکھتی ہیں، نصاب تعلیم وقت اور حالات کے موافق ہونا چاہیے۔ایسا ہی نصاب مفید ہوتا ہے، نہ تو بہت طویل اور نہ ہی بہت مختصر، بلکہ طالب علم کی ذہنی استعداد سے قریب ہو، اسی طرح کے دو نصاب (اور دونوں زبانوں کے لیے یعنی اردو اور عربی کے لیے) مقرر کیے ایک مختصر ایک سال کے لیے۔اور دوسرا ذرا اس سے طویل۔ساتھ ہی تجوید وقراءت سبعہ وعشرہ کی تکمیل کے بعد ایک درجہ ''تخصص فی القراءۃ'' کا بھی۔

درجہ تخصص میں التیسیر للدانی، شاطبیہ، مکمل اصول تک حفظ (شروع کے چند سال چھوڑ کر شاطبیہ تا اصول حفظ پڑھانے کا میرا معمول رہا ہے، جس کے مفید نتائج ظاہر ہیں اور حفظ نہ پڑھانے کے مضر اثرات ونتائج بھی واقفین کے سامنے ہیں۔) یہ دو کتابیں قراءات سبعہ کے لیے ہیں۔

الوجوہ المسفرہ، الدرۃ المضیۃ ـــــ یہ دونوں اوّل نثراً اور دوم نظماً سات کے بعد والی تین قراءات میں الدرّہ تا اصول حفظ۔

رسم الخط میں العقیلہ للشاطبی اور قرآنی املا اور رسم الخط، قرآنی املاء۔تا مقدمہ حفظ۔

طیبۃ النشر فی القراءات العشر مکمل، تا اصول حفظ مطالعہ النشر للجزریؒ مکمل، مطالعہ کشف النظر مکمل فل اسکیپ کے کم از کم چالیس صفحات پر مقالہ ـــــ

یہ واضح رہے کہ تخصص فی القراءات کا یہ مندرجہ نصاب، ہندوستان و بنگلہ دیش (پاکستان کا صحیح حال معلوم نہیں، غالباً وہاں بھی) کہیں نہیں ہے۔

رہا نظام تعلیم ـــــ تو حقیقت یہ ہے کہ نصاب تعلیم خواہ کتنا ہی زرّیں اور بیش بہا ہو اور وہ صحیح نظام تعلیم کے تحت نہ ہو تو کسی کام کا نہیں۔جیسا کہ عرض کیا ''مدرسہ

الامام الجزریؒ" ابھی اس کا آغاز ہے، اگر اسے مکمل طور پر چلانے کا نظام بن جائے، تو ان شاء اللہ ایک عمدہ اور انقلابی نظام ہوگا۔ خدا کرے کوئی اس کو اس کے نظام کے مطابق آگے بڑھانے والا مل جائے۔

س (۴۵): قاری صاحب: اب آخر میں ایک سوال کی اور اجازت دیجئے۔

آپ کے بیالیس سال تجوید وقراءت قرآن کریم کی خدمت میں گذرے، موجودہ صورتِ حال اور مصروفیت کی جانب کچھ اشارہ کیجئے نیز قراءِ کرام کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

ج میری تدریس کا آغاز اعظم گڑھ (اور اب مئو) ضلع کے مشہور علمی قصبہ "پورہ معروف" سے ہوا تھا اس قصبہ نے ہندوستان کے بڑے مدارس کی اہم علمی ضرورتوں کو پورا کیا ہے، دینی اور علمی اداروں کو مشائخ حدیث اور شیخ القراء فراہم کیے ہیں، ماضی کی طرح اس کا حال بھی تابناک ہے۔ یہاں کے لوگ عموماً نیک طینت اور علمی ودینی ذوق ومزاج کے حامل ہیں۔

میرا ابتداء سے جن اساتذۂ کرام سے تعلیمی رشتہ اور جس ماحول سے معاشرتی تعلق رہا وہ سب موجودہ دَور کی پُر فریب اور گندی سیاست کے خطرناک جراثیم سے پاک تھے۔ سیدھے، سچے مسلمان تھے۔ ایسے حضرات اب کہاں؟

ماحول جب حوصلہ افزا ہوتا ہے تو حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ علم وعمل ہو یا جہالت اور آزادیٔ فکر ہو، ہر بھلائی اور برائی اوپر سے آتی ہے "اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ" شمس الدین التمشؒ کا دور تھا تو جہاں کہیں دو آدمی اکٹھا ہوتے تو باہم یہ گفتگو ہوتی ——— "تم نے آج کتنی نفلیں پڑھیں، کتنی تلاوت کی وغیرہ وغیرہ"۔

شاہ جہاں کے دور میں جب دو آدمی اکٹھا ہوتے تو یہ گفتگو ہوتی ——— "آج میں نے یہ تعمیر کرائی، یہ مکان بنوایا وغیرہ وغیرہ"۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اب مدارس سے وہ پہلا ماحول ختم ہو رہا ہے،

سیاست اور خود غرضیوں نے پورے ماحول کو گھٹن میں مبتلا کر دیا ہے۔ اب اگر کہیں کوئی لکھتا پڑھتا نظر آ رہا ہے تو وہ اس کا اپنا ذاتی مجاہدہ ہے۔ ایسے میں حوصلہ افزائی تو کیا ہوتی کچھ کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی تدبیریں سوچی جاتی ہیں۔

دیوبند کے قیام میں عجیب وغریب متضاد اور تلخ ترین تجربات ہوئے، بڑے چمکدار سکے جب بجا کر دیکھے گئے تو بالکل ہی کھوٹے نکلے، جنھیں خالص سونا سمجھا گیا وہ رانگا ثابت ہوئے۔ ماحول میں نفاق عام ہو گیا ہے۔ ایسی ہی صورت حال کے باعث اب علمی مزاج کے حامل لوگ مدارس کے ماحول سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے ہیں۔

چار سال پہلے ایک پیش آمدہ صورت حال کے باعث مجھ سے قراءات کے اسباق ہٹا دیے گئے تھے۔ اس وقت تو اس کی حکمت سمجھ میں نہیں آئی، تھوڑی ہی مدت میں حکمت واضح ہوگئی۔ اوّل یہ کہ علم قراءت کی اہمیت اب وہ نہ رہی، علم القراءۃ کے اسباق اب ایسے لوگ بھی پڑھانے لگے ہیں جنھوں نے باقاعدہ مکمل طور پر نصاب کے ساتھ پڑھا بھی نہیں۔ پڑھے بے پڑھے یکساں ہوگئے، ایسے ماحول میں اس علم کی تدریس کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔

دوسری بڑی حکمت یہ سمجھ میں آئی کہ اللہ نے تحریری کاموں اور دیگر امور کی انجام دہی کے لیے فارغ کر دیا، بایں صورت انتظامیہ کے حق میں تشکرانہ جذبہ پیدا ہوا کہ کام تھوڑا اور ہلکا رہ گیا، اس عمر میں اور کیا چاہیے "عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ"

رہا پیغام ——— تو حضرات مقرئین اور محبین کی خدمت میں کچھ گذارشات پیش ہیں:

پیغام اور گذارشات

(۱) تمام مخلصین، احباب اور متعلقین سے بتاکید عرض ہے کہ:

نماز باجماعت کا تکبیر اولیٰ کے ساتھ بطور خاص اہتمام رکھیں، نوافل کے لیے

بھی کوشاں رہیں۔ایک منزل روزانہ کی تلاوت قرآن کریم کا معمول بنائیں۔ درود شریف کی کثرت رکھیں، جمعہ کے روز بطور خاص کثرت سے درود شریف پڑھیں۔ روزانہ تلاوت میں کچھ حصہ قرآن کریم کا دیکھ کر ضرور پڑھیں۔ ڈاڑھی سنت کے مطابق رکھیں اور اس سلسلے میں طلبہ کی پوری نگہداشت رکھیں۔

(۲) نماز فجر کے بعد سب سے پہلے خود اور متعلقین جب تک کچھ نہ کچھ تلاوت قرآن کریم نہ کرلیں اور کسی کام میں نہ لگیں۔

(۳) اپنی زندگی خدمت قرآن کے لیے وقف کردیں۔عمر عزیز کے بیش قیمت اوقات تول تول کر منٹوں کے حساب سے خدمت قرآن میں صرف کریں۔ ہر آن یہ دھیان رہے کہ طلبہ کا وقت عزیز ضائع نہ ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ دو چیزیں ہر حال میں ملحوظ رکھیں (۱) ایک تدبیر ومحنت (۲) دوسری استقلال ودعاء۔

(۴) احباب کو تاکید ہے کہ خدمت قرآن میں نظر تنخواہ اور معاوضہ پر نہ رہے، اللہ رب العزت کی ذات وصفات اور محض اس کے فضل وکرم پر رہے۔ تفاخر، عجب، ریاکاری، بدخلقی اور دیگر ناپسندیدہ عادات واطوار سے پرہیز کریں۔ جو اہل ہو اس کی تعلیم میں ہرگز بخل نہ کریں۔ارشاد رسالت ﷺ ہے: ''مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ'' (ترمذی شریف: ج:۲،ص:۸۹)

ترجمہ: جس شخص سے علم دین کی کوئی بات پوچھی گئی اور وہ علم رکھتے ہوئے اسے چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

اور نااہلوں کے درپے نہ ہوں، ارشاد رسالت ﷺ ہے: ''وَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ'' (مشکوٰۃ شریف: ج:۱،ص:۳۴)

ترجمہ: نااہلوں کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے سوروں کو جواہرات، موتی اور سونا پہنانا۔

(۵) یاد رکھیں سات چیزیں علم قراءات کے لیے وسیلہ ہیں، اوّل عربی زبان، دوم تجوید، سوم رسم عثمانی، چہارم وقف وابتداء پنجم فوصل یعنی رؤس آیات۔ ششم

سند۔ ہفتم متعلقات ابتداء وختم قرآن۔ ان کے حصول واستحضار کی سعی کریں۔ جولوگ ان سے ناواقف ہیں وہ پڑھانے میں غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

(۶) طلبہ کے ساتھ تعلیم میں شفقت کا معاملہ کریں۔ مستطیع اور غیر مستطیع طلبہ میں فرق وامتیاز نہ کریں۔

(۷) فن قراءات اوراس سے متعلق کتابیں استاذ سے باقاعدہ بالمشافہ پڑھیں، بغیر استاذ کے صرف تراجم کی مدد سے ازخود پڑھنے سمجھنے کی کوشش میں غلطیوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۸) معلمین قراءات اپنے کار مفوضہ کی انجام دہی اور خدمات وفرائض کی ادائیگی میں پوری ہمت، فکر مندی، پامردی، جانفشانی، حاضر باشی، دیانت، خلوص اور کامل فرض شناسی کا ثبوت دیں۔ تصحیح وتجوید اور ضبط وحفظ پر زیادہ توجہ دیں۔ ان امور میں کوتاہی سے عنداللہ ماخوذ اور جواب دہ ہوں گے۔

(۹) دنیوی مال ومتاع کے پیش نظر جگہ تبدیل کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ اپنی جگہ رہتے ہوئے پوری تندہی اور کامل لگن کے ساتھ قرآن کریم کی خدمت میں شب وروز ہمہ تن مصروف رہیں، ان شاء اللہ اسی میں نفع زیادہ ہوگا۔

(۱۰) موت کا ہر وقت استحضار رکھیں، اس سلسلے میں حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ صاحب مجذوب کا منظوم رسالہ ''مراقبۂ موت'' دیکھتے رہیں، حیات مستعار کو غنیمت جانیں، دل میں کچھ کر گذرنے کا جذبہ ہمیشہ رکھیں۔ اتباع سنت کے فکر کے ساتھ، بدعات اور خلاف سنت امور سے اجتناب اور کامل نفرت رکھیں۔

(۱۱) آپ کے پاس ایک ہی روٹی ہو اور آپ کے بچے فاقے سے ہوں تو آپ اسے کتوں کے آگے نہیں ڈالیں گے، صحرا کا سفر درپیش ہو اور پانی کی ایک ہی چھاگل ہو تو آپ اس سے پاؤں نہیں دھوئیں گے۔ آپ کے پاس ایک ہی کارتوس ہو اور جانی دشمن کا اندیشہ ہو تو آپ چیل کووں پر فائر نہیں کریں گے، لہٰذا جب زندگی یک ہی بار ملی ہے

اوراس کاایک ایک لمحہ وہ گوہر نایاب ہے جس کی قیمت دنیا ومافیہا نہیں بن سکتی، اس کی قدر وقیمت کو سمجھیں، فرصت کے ان قیمتی لحات کی منٹوں کے حساب سے قدر کریں، دنیا کی یہ زندگی فانی ہے مگر اس کے بدلے میں ابدی اور لازوال نعمتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

(۱۲) علم کا جزوی فیضان بھی اس وقت تک عطا نہیں ہوتا جب تک اپنی پوری توجہ اور تمام تر صلاحیتیں اس کے لیے پیش نہ کردی جائیں اور اس کے بعد بھی یہ امر مشتبہ ہے کہ علم کے فیضان کا کوئی حصہ مل ہی جائے حصول علم کے لیے کامل شوق، پوری جدوجہد اور تواضع شرط ہے۔ اپنی ہستی کا اظہار اپنے عمل کی مستعد جدوجہد سے کیجئے، فرار کے بجائے قرار کا، جمود کے بجائے جهود کا، اور ثواب وطاعت کے ساتھ اس دارالاسباب میں محنت ومشقت کا سبق سیکھئے اور ان جذبات کو دوسروں میں منتقل کرنے کی کوشش کیجئے۔ علم تجوید وقراءت کی اہمیت کو خود بھی سمجھئے اور دوسروں کو محسوس کرایئے، اس کے فروغ اور ترویج واشاعت میں کوشاں رہیے، باہم ایک دوسرے کی خیر خواہی کیجئے، دارین کی صلاح وفلاح کی دعا کرتے رہیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی تمام نعمتوں کی قدر دانی کی توفیق بخشے ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے، ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام
علی خاتم النبین (ﷺ)

بحمد اللہ تمّ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قائم شدہ: مؤسس: ۱۹۹۳ء

قطب الاقطاب مستجاب الدعوات الحاج الشاہ حضرت مولانا

سید قاری صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ

دار العلوم صدیقیہ

حضرات اکابر کی نظر میں

سرپرست

حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

شیخ القراء دار العلوم دیوبند

بانی وناظم

قاری محمد اکرام صاحب قاسمی

دار العلوم صدیقیہ نلہیڑہ وانت پور، ڈاکخانہ خاص

تحصیل روڑکی ضلع ہردوار (اترانچل) پن: ۲۴۷۶۶۸

DARUL ULOOM SIDDIYQAH

Vill.& P.o. Nalhera Anantpur Tahsil Roorkee
Distt. Haridawar (U.P.)

تعارفی خاکہ

ہریدوار تاریخی حیثیت سے بھی شہرت یافتہ اور زہد ورندیت کے لحاظ سے بھی مشہور ومعروف ہے، یہ ایسی جگہ آباد ہے جس کو دوآبہ اورزرخیز خطہ کہا جاتا ہے ہندوستان کی تاریخ میں بھی اس کو نمایاں مقام حاصل ہے، یہاں پر برادرانِ وطن غیر مسلم بھائیوں کا بڑا تیرتھ استھان ہے، دوسری طرف زہدوتقویٰ اور معرفت وللہیت، کے پیکر حضرت علاء الدین صابر کلیریؒ جیسے عظیم شخص پیدا ہوئے، جو اسی سرزمین کلیر میں محو استراحت ہیں، تاریخ کے اعتبار سے اس کو ہر طرح اہمیت حاصل ہے، بڑے بڑے اکابر واسلاف یہاں پیدا ہوئے، بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے باطل کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوکر ایک مناظرہ اسی سرزمین روڑکی میں کیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد، حضرتؒ کے شامل حال رہی حق کے مقابلہ میں، باطل کو زبردست شکست ہوئی، اسی روڑکی شہر کے قرب وجوار میں ان بزرگوں کی یادوں کو نمایاں کرنے کی خاطر اسی ارادہ اور حوصلہ کے ساتھ آج ہم اسی طرح قرآن کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ایسے جوانوں کی کھیپ اور جماعت تیار کریں جو اس پیغام کو پھیلانے میں بے باک دینی، دعوتی، اصلاحی اور تعلیمی میدان میں عملی جامہ پہن کر برسرپیکار ہوسکیں، اسی اہم مقصد کے لیے دارالعلوم صدیقیہ کا قیام اب سے چند سال قبل حضرات اکابر کے فرمان پر عمل میں آیا۔

دارالعلوم صدیقیہ

نلہیڑ وانت پور جو روڑکی سے ۶ رکلومیٹر پر اقبال پور روڈ پوہانہ سے قریب ایک ایسی بستی ہے جہاں ہمارے غیر مسلم بھائیوں کی تعداد زیادہ ہے اس لیے دینی تعلیم کی طرف بالکل توجہ نہ تھی، مسلم لڑکے اور لڑکیاں ذہنی طور پر ان کے اخلاق وعادات اور احوال سے متاثر ہورہے تھے، ان میں ہندوانہ تہذیب اور رسم ورواج سرایت کررہے تھے، کچھ فکرمند اور دردمند حضرات خصوصاً عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور مفکر اسلام مولانا علی میاں صاحبؒ نے اس طرف اپنی تمام تر توجہات مبذول کرتے ہوئے یہاں کا جائزہ لے کر ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی، بحمد للہ آج یہ تجویز مدرسہ کی شکل میں موجود ہے۔

قرآن کریم اور دار العلوم صدیقیہ

دار العلوم صدیقیہ اگر چہ نو مولود ہے مگر قرآن عزیز کی عظیم الشان خدمات کی انجام دہی کی بناء پر قابل رشک ہے، حضرت ناظم صاحب بانی مدرسہ کو قرآن پاک کی تجوید و قراءت کے ساتھ تعلیم کا جو ملکہ اور طلبہ کی تربیت کا جو خداداد جوہر عطا ہوا ہے، اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اسی بناء پر طلبا و عوام کا رجحان اسی ادارہ کی طرف بہت تیزی سے ہوتا جا رہا ہے، اسی تقاضے اور ضرورت کے پیش نظر اللہ کے کچھ مخلص اور دردمند بندوں کے سامنے یہ ذکر آیا اور اس کا احساس پیش کیا گیا کہ علاقہ میں ایک ایسے ہی مدرسہ کا قیام عمل میں آئے جس میں صرف حفظ اور تجوید و قراءت ہی کی تعلیم کا مکمل انتظام ہو، ابتداء ہی سے صحت کے ساتھ سنت کے مطابق قرآن کریم کی تعلیم دی جائے، اور نصاب کی تکمیل کے بعد صرف قاری ہی نہیں بلکہ ایک تربیت یافتہ استاذ بن کر یہاں سے نکلے، اس سلسلے میں ملک کے ماہرین علم تجوید و قراءت سے رابطہ قائم کیا گیا، الحمد للہ قرآن عظیم کی تعلیمات کو اعلیٰ معیار پر برقرار رکھنے کے لیے ہر اعتبار سے ذی استعداد و باصلاحیت قراء حضرات کا تقرر کیا گیا ہے تا کہ کلام اللہ کو ٹھیک اسی طرح سے پڑھایا جائے جس طرح سے وہ نازل کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے دار العلوم صدیقیہ کا مکمل تعلیمی نظام ایشیاء کی سب سے عظیم درسگاہ دار العلوم دیوبند کے شیخ القراء امام التجوید والقراءت حضرت مولانا قاری ابو الحسن صاحب اعظمی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں یہ مدرسہ خدمت قرآن میں مصروف کار ہے، اللہ تعالیٰ مدرسہ کو اور بہتر طور سے خدمت دین کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

ذیل میں حضرات اکابر کے تائیدی اور دعائیہ کلمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

دار العلوم صدیقیہ مقام ملہیڑہ انت پور ضلع ہردوار ایک دینی ادارہ ہے جس میں قرآن پاک حفظ و ناظرہ، پرائمری درجات وغیرہ کی بہترین تعلیم ہوتی ہے قرآن کریم کی تعلیم تجوید کے ساتھ جیسی اس مدرسہ میں ہوتی ہے بہت کم مدارس ایسے ہیں جہاں اتنا اہتمام ہوتا ہے۔

مدرسہ پر قرض کا بار ہے، بیرونی طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام مدرسہ سے ہوتا ہے اس میں بڑی

پریشانی ہورہی ہے، دارالاقامہ اور درسگاہوں کی فوری تعمیر ضروری ہے۔ تمام اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ اس میں حسب استطاعت حصہ لیں اور احباب کو متوجہ کریں اللہ پاک بہتر اجر عطا فرمائے۔

احقر صدیق احمد جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ ۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

مکرمی زید لطفہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جواباً مسطور ہے کہ مولانا صدیق صاحب کا معائنہ کافی ہے، اس کے بعد کسی اور کی تحریر کی ضرورت نہیں مدرسہ کے حالات آپ مختصراً تحریر کیجئے اور دعا کی درخواست کر دیجئے احقر اس پر اس وقت مناسب معلوم ہوگا لکھ دے گا۔ والسلام

ابرارالحق، ۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ

مکرمی ومحترمی زید لطفکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہوں گرامی نامہ نظر نواز ہوا، مدرسہ کے قیام اور سنگ بنیاد کے بارہ میں علم ہوکر مسرت ہوئی، آپ نے اس موقعہ پر بندہ کو بھی یاد فرمایا ہے جس کے لیے میں شکرگذار ہوں۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل آپ حضرات کو جذبہ اخلاص عطا فرمائے اور قبول فرمائے اور مدرسہ کو ترقیات سے نوازے آمین۔

امید کہ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں گے۔ والسلام

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند، ۱۴۱۴/۱۱/۲۵ھ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم . امابعد:

تصدیق کی جاتی ہے کہ مدرسہ دارالعلوم صدیقیہ موضع علہیڑہ واحمت پور ضلع ہردوار میں الحمدللہ قرآن پاک کی معیاری تعلیم کا نظم ہے ہمارے مدرسہ کے اکابر اساتذہ کرام وقتاً فوقتاً امتحان کے لیے مدرسہ جاتے رہتے ہیں۔ اہل خیر حضرات سے ہر ممکن تعاون کی درخواست ہے۔ فقط۔

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸؍رجب ۱۴۱۸ھ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم : اما بعد:

دینی مدارس میں بلاشبہ دین کی چھاؤنیاں اور قلعے ہیں، انکی اہمیت اور ضرورت تو ہر زمانے

میں یکساں رہی ہے مگر دورِ حاضر میں تو اور بھی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

مدرسہ دارالعلوم صدیقیہ جو ایک مشہور بزرگ حضرت مخدومی مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوی کی یادگار ہے اور آپ ہی نے اس مدرسہ کی پہلی اینٹ رکھی ہے، اور برابر اس کی طرف خود بھی متوجہ رہتے ہیں اور تمام مسلمانوں اور اہل خیر حضرات کو متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

احقر نہ صرف اس مدرسہ سے واقف ہے بلکہ برابر اس کے مکمل احوال وکوائف سے واقفیت رکھتا ہے، اس کے سالانہ امتحان اور درمیانی جائزے کے لیے حاضری ہوتی رہتی ہے۔

پورے وثوق سے احقر عرض کرتا ہے کہ اہل خیر حضرات اس مدرسے کی خدمت کرکے اپنے روپیوں کو صحیح مصرف میں پائیں گے، یہ مدرسہ حفظ قرآن اور تجوید وقراءت کا ایک معتمد ادارہ ہے، دامے درمے، قدمے سخنے ہر طرح اس کی خدمت کرکے عنداللہ ماجور ہوں۔ فقط۔

ابوالحسن اعظمی

خادم التجوید والقراءت دارالعلوم دیوبند، ۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ

اکابرین ملت وزعماء امت

جنھوں نے بچشم خود ادارہ کا معائنہ فرمایا اور تعاون کی اپیل کی

(۱) فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

(۲) سید العارفین الشاہ حضرت مولانا سید قاری صدیق احمد باندویؒ جامعہ عربیہ ہتھورا

(۳) محی السنہ الحاج الشاہ مولانا سید ابرار الحق صاحب مدظلہ ہردوئی خلیفہ حضرت تھانویؒ

(۴) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۵) عالم اسلام کے سب سے بڑے محدث الشاہ حضرت شیخ علامہ یونس صاحب مظاہر علوم سہارنپور۔

(۶) نمونۂ اسلاف حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ شیخ القراء دارالعلوم دیوبند

(۷) علم کے بحر ذخار حضرت مولانا حکیم نفیس میاں صاحب مرحوم پوتے حضرت مولانا گنگوہیؒ۔

(۸) متکلم جلیل حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم وقف سہارنپور۔

(۹) حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب جانشین خانقاہ رحیمی رائے پور

(۱۰) حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ

(۱۱) حضرت مولانا محمد اللہ صاحب صاحبزادہ محترم حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ

(۱۲) حضرت مولانا حشمت علی صاحب شاگرد رشید حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ
(۱۳) حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی محدث دارالعلوم دیوبند
(۱۴) حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی محدث دارالعلوم دیوبند
(۱۵) حضرت مولانا اصغر حسین صاحب شیخ الحدیث ریڑھی تاجپورہ
(۱۶) حضرت مولانا محمد یاسین صاحب شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
(۱۷) حضرت مولانا وسیم احمد صاحب شیخ الحدیث اشرف العلوم گنگوہ
(۱۸) حضرت مولانا نجم الحسن صاحب جانشیں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
(۱۹) حضرت مولانا محمد اسلم صاحب صاحبزادہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ
(۲۰) حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ شاگرد رشید حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ
(۲۱) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب تھے پوری خلیفہ حضرت شیخ سہارنپوریؒ
(۲۲) حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ انصار العلوم نوگاواں مرادآباد۔
(۲۳) حضرت مولانا حسین الدین صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ فیض العلوم مسجد صدیقیان بجنور
(۲۴) حضرت مولانا محمد عالم صاحب ناظم اعلیٰ دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد
(۲۵) حضرت مولانا قاری عبدالروف صاحب استاذ شعبہ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند
(۲۶) حضرت مولانا محمد اختر صاحب روحِ رواں جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ
(۲۷) مفکر ملت حضرت مولانا محمد اسلم صاحب روح رواں جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور
(۲۸) حضرت مولانا حبیب احمد صاحب جانشیں حضرت قاری صدیق احمدؒ
(۲۹) حضرت مولوی محمد مرتضیٰ صاحب محرر شعبہ محاسبی دارالعلوم دیوبند
(۳۰) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا
(۳۱) حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۳۲) حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری خلیفہ حضرت مولانا ہردوئی مدظلہ
(۳۳) عالی جناب محمد فیاض صاحب فاروقی ،ایس ،ایس. پی ،نواشہر پنجاب۔
(۳۴) عالی جناب شعیب الدین صاحب صدیقی کمرشیل انسپکٹر ریلوے۔انبالہ

مدرسہ کی اہم ضروریات

(۱) **تعمیرات:** مدرسہ ہذا میں روز بروز طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کی ضرورت کے پیش نظر درسگاہوں اور کمروں کی شدید ضرورت ہے۔(۲) پانی کی ٹنکی —(۳) جنریٹر —(۴) مہمان خانہ —(۵) کتب خانہ —(۶) دفتر —(۷) تکمیل مسجد — ان ساتوں ضروریات پر تخمینی صرفہ تقریباً ستر ولاکھ روپے ہے۔

(۸) **خریداری زمین:** مدرسہ کے اطراف میں کھیت کی شکل میں زمینیں ہیں۔ مدرسہ کی ضروریات کے پیش نظر ان زمینوں کی خریداری نہایت ضروری ہے۔ اس وقت مناسب قیمت پر حاصل ہوسکتی ہیں — اہل خیر سے تعاون کی درخواست ہے۔

ہمدردانِ ملت سے اپیل

یہ ادارہ ملک کے نامور علماء اور مقتدر زعماء ملت کا اعتماد فرمودہ ہے۔ نیز اس ادارہ کو مشہور علماء کرام کی تائید وتوثیق بھی حاصل ہے، اس وقت جن ضروریات کا اظہار کیا گیا ہے ان کی تکمیل کی اشد ضرورت ہے اور اس کے وقتی اخراجات بھی قابل توجہ ہیں، چناں چہ ان ضروریات کی تکمیل کے سلسلہ میں اس سال مدرسہ کافی مقروض بھی ہے۔

لہٰذا غیور صاحب استطاعت حضرات اور عام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ دینی استحکام کے لیے ادارہ آپ کے زبردست تعاون وامداد کا مستحق ہے، جس طرح بھی ممکن ہو انفرادی یا اجتماعی حتی المقدور مدرسہ کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے امداد فرما کر اپنے لیے ذخیرۂ آخرت مہیا فرمائیں، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ انشاء اللہ آپ کا ایک ایک پیسہ جائز اور صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے گا۔

دین حق کے متلاشی اور ملت سے ہمدردی رکھنے والے حضرات کے لیے یہ ایک بہترین موقع ہے کہ تعاونوا علی البر کی سعادت سے سرفراز ہوں۔ ان اللّٰہ لایضیع اجر المحسنین

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

قاری محمد اکرام صاحب قاسمی

دارالعلوم صدیقیہ ظہیرہ واسط پور، ڈاکخانہ خاص، ضلع ہردوار (یوپی) پن: ۲۴۷۶۶۸

سالانہ خرچ : 825000/- آٹھ لاکھ پچیس ہزار روپے

55137 — 18-6-09

مطبوعات مکتبہ صوت القرآن دیوبند

۱۔قراءاتِ عشرہ کا حامل قرآن کریم بطریق شاطبیہ ودُرّہ
۲۔النفحة العنبريه شرح المقدمة الجزريه
۳۔اتحاف البرره بالمتون العشره
۴۔النفحات القاسميه شرح قصيدة الشاطبيه
۵۔تحفة الحسنات بمتون القراء ات
۶۔تيسير القراء ات فى السبع المتواترات
(جمع عطفی میں مکمل پارہ: الٓـمّٓ)
۷۔متنُ الشاطبيه
۸۔متن الطيبه
۹۔التيسير للداني، شرح اردو التبشير
۱۰۔التحفة الجميله شرح عقيله (رائيه)
۱۱۔الفوائد البهيه شرح الدرة المضيه
۱۲۔المستبشرة فى القراء ات الثلاث
۱۳۔الفوائد الدريه ترجمة مقدمة الجزريه
۱۴۔اظهار النعم ترجمه "اختصار القول فى الوقف على كلا وبلى ونعم
۱۵۔ايضاح العشر فى حلّ طيبة النشر
۱۶۔التصميم الجديد فى علم التجويد (نقشہ)
۱۷۔انعم الورود فی احکام المدود
۱۸۔ نفحة الرّيحان فى بيان اللّن
۱۹۔نثر المرجان فی تعداد آیات القرآن
۲۰۔جواہر القراءات
۲۱۔اساطین علم قراءت
۲۲۔جمال القرآن مع حواشی بیان العرفان
۲۳۔جامع الوقف مع حاشیہ ایضاح الوقف
۲۴۔حسن الاقتداء فی الوقف والابتداء
۲۵۔مسائل تجوید اور وقوف
۲۶۔معرفۃ الرسوم مع حواشی ضیاء النجوم
۲۷۔معرّب ومترجم خلاصۃ البیان
۲۸۔خلاصۃ الترتیل
۲۹۔رسم المصحف اور اس کے مصادر
۳۰۔روح القراءات
۳۱۔علم قراءت اور قراء سبعہ
۳۲۔فوائد مکیہ مع حواشی حسنیہ
۳۳۔قواعد التجوید
۳۴۔قرآنی املاء اور رسم الخط
۳۵۔قراءات شاذّہ
۳۶۔مقدمہ علم قراءات، سفارشات وگذارشات
۳۷۔آدابِ تلاوتِ القرآن
۳۸۔سوانح ابوعبید القاسم ابن سلامؒ
۳۹۔حُسن المحاضرات فی رجال القراءات (۲ رجلدیں)
۴۰۔تاریخ علم قراءات۔حدیث سبعۃ احرف، (در قراءات صحیحہ وشاذّہ کا حکم
۴۱۔دربار رسالت ﷺ کے مستند قراء
۴۲۔دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید وقراءات
۴۳۔کاتبین وحی ۵۶ صحابہ کرامؓ کے مقدس حالات
۴۴۔کلمات اذان میں مد کی تحقیق
۴۵۔کشکول حسن
۴۶۔یہ تھے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
۴۷۔ذکر ابرار (حضرت مولانا ابرار صاحب مدظلہ کے مختصر حالات)
۴۸۔اذان واقامت کے فضائل ومسائل مع کلمات اذان میں مد کی تحقیق
۴۹۔ارکان اسلام
۵۰۔جمعہ وعیدین کے فضائل ومسائل مع خطبات
۵۱۔حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات
۵۲۔دلچسپ وحیرت انگیز
۵۳۔ غنية الطالبى فى تذكرة الامام الشاطبى
۵۴۔روح پرور حالات اور حیرت انگیز معلومات
۵۵۔الفيض العميم فى اجراء جزء الٓمّٓ
۵۶۔مدرسہ تجوید القرآن دہلی، خدمات وتعارف
۵۷۔دینی تعلیم اور مدارس ایک تاریخی جائزہ
۵۸۔خزائن العرش فی روایۃ قالونؒ وورشؒ
۵۹۔حرکات الحروف فی نطق المجہول والمعروف
۶۰۔اکابر علماء امت کا اعتناء فی القراءۃ (دور اول سے دور حاضر تک)
۶۱۔حدیث سبعۃ احرف اور علامہ ابن جریر طبریؒ
۶۲۔روبرو گفتگو ایک انٹرویو
۶۳۔شیخ القراء ابوالحسن اعظمی معاصرین کی نظر میں
۶۴۔تلخیص معارف القرآن (غیر مطبوعہ)

Deoband, Ph. 01336-223183